BROWN
BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224060

UNIVERSAL
LIBRARY

فہرست جلد اوّل

ادیب

ادب اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ

مرتبہ

نوبت رائے نظر لکھنوی

جلد اول نمبر ۱ تا ۶

مطبوعہ انڈین پریس الہ آباد

فہرست تصاویر

جنوری

(۱) دھرترا شست اور درو پدی (۲) پنڈت بشن نرائن در (۳) حضرت مریم آرام وحوا۔ (۴) نمائش گاہ لاہور (۵) خان بہادر سید اکبر حسین (۶) گوپی چند۔

اپریل

(۱) دیاس جی۔ (۲) حافظ شیرازی۔ (۳) مدار ستارہ۔ (۴) عجائب خانۂ سارناتھ۔ (۵) ساوتری اور موت۔ (۶) سروری عید کلیم شرر (۷) ادائے شرم (۸) تلک محل کا وطنی درجہ

مارچ

(۱) شاہجہان کا محل اعتقادہ تاج محل (۲) آزاد مرحوم۔ (۳) مالتی (۵) پرتھی راج کا دربار (۶) رمیش چندر دت (۷) بلند دروازہ (۸) دھانک (۹) سکسنتلا۔

فروری

(۱) دمینتی اور ہنس (۲) جامع مسجد آگرہ (۳) جلال مغفور۔ (۴) ڈیوڈ ہیوم۔ (۵) پنچ گنگا گھاٹ (۶) سیتا جی اور باغ راون۔

مئی

(۱) شہنشاہ اورنگ زیب (۲) سوامی رام تیرتھ (۳) ولادت سکسنتلا۔ (۴) مالابار کی حسن (۵) تکیہ تیرا ندازی۔ (۶) قطب مینار۔ (۷) منشی نادر علی خان نادر کا کوروی۔

جون

(۱) شہنشاہ جارج پنجم و ملکہ معظمہ (۲) مولانا شہری مرحوم (۳) کلکٹر الگزنڈ (۴) تاج محل کی پچیکاری (۵) رکمانگد اور مہنی (۶) فار اعظما۔ (۷) شہنشاہ آئیدورڈ کا تابوت۔ (۸) کرۂ مریخ۔

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
چند الہامی کلمات	۱ — ۷۰ — ۱۰۵
فلسفہ اور اسکی مراد	۶
معاشرتی مذہب	۱۰
پنڈت بشن نرائن در	۱۴
مستورات ہند کی حالت	۲۳
عقل حیوانی	۳۰
فریاد آدم (نظم)	۳۲
نمائشگاہ لاہور	۳۳
تنقید تاریخ تمدن	۴۴
کلام اکبر	۴۸ — ۹۷ — ۱۴۳ — ۲۰۳ — ۲۵۳ — ۲۹۰
کلام رشید	۴۸ — ۱۴۳
آہ سرد	۴۹
شاعر کی نہر	۴۹
لطف سحر	۵۰
قیس و لیلیٰ	۵۱
گوپی چند	۵۲
چند روز	۵۳
ایڈیٹر پیل	ہر نمبر کے آخر صفحہ میں
اخلاق تعلیم	۵۷
رہنمایان ہند	۶۴
جلال مغفور	۷۴
تاریخ فوٹوگرافی	۸۰
صنائع لکھنؤ	۸۵
ڈیوڈ ہیوم	۸۸
فرہنگ آصفیہ	۹۴
سال نو	۹۶
موسم سرما	۹۷
ذوق عرفان	۹۸
کلام مجلسی	۹۸ — ۱۵۰ — ۲۵۶ — ۳۰۱

مضمون	صفحہ
قطعات تاریخ	۹۹
دمن اور ہنس	۱۰۰
سیتا جی	۱۰۱
قومی یادگاریں	۱۱۰
کوشش العلما آزاد مرحوم	۱۱۴
فلسفہ سانکھیہ کا فن تحریر	۱۳۴
قدیم عربوں کا فن تحریر	۱۳۲
رمیش چندر دت	۱۳۵
پیر بخش کاشگر	۱۴۳
شاہ نجیب	۱۴۵
پرواز وقت	۱۴۶
قسمتین صبر	۱۴۷
کلام بلیل	۱۵۰
آزادی	۱۵۳
حافظ شیرازی	۱۵۵
مدار ستارہ	۱۶۵
ایک یادگار مشاعرہ	۱۷۲
فن کتاب نویسی	۱۷۷
مولانا عبدالحلیم شرر	۱۸۴
اخلاقی دلیری	۱۹۰
مشرقی ادب کی تاثیر	۲۰۱
کلام امیر	۲۰۲
ماسیٹ فلسفہ	۲۰۲
جوان ہیوہ	۲۰۳
ادائے شرم	۲۰۵
دل ناکام	۲۰۵
بے ثباتی عالم	۲۰۶

مضمون	صفحہ
منگل تھت	۲۰۹
چند متفرق خیالات	۲۱۱
سوامی رام تیرتھ	۲۱۷
لغزت	۲۲۲
فیج ذاتین	۲۲۶
مکینیکی کی تباہی	۲۳۰
صناع گوئی	۲۳۶
تلافی (مختصر قصہ)	۲۳۸
قطب مینار	۲۴۳
سانحہ جانکاہ	۲۴۶
مآثر الکرام	۲۴۸
نوحۂ وفات	۲۵۱
بیکسیٔ زبان	۲۵۲
لطف موسیقی	۲۵۳
بارش بے ہنگام	۲۵۴
کلام صفی	۲۵۵
تمدن ہند	۲۵۷
انگریزی حکومت	۲۶۲
بیجاگر	۲۶۹
رسم پوسہ ستاتی	۲۷۵
روپیہ کی قیمت	۲۸۱
اسلامی پردہ	۲۸۶
قطب مینار کس نے بنایا	۲۹۴
مسدس غم	۲۹۶
قیصر ہند کا ماتم	۲۹۸
باغ دل	۲۹۹
کونل	۳۰۰
دنیائے مریخ	۳۰۱
قطعات	۳۰۲

جلد ۱ — جنوری ۱۹۱۰ء — نمبر ۱

ادیب

ادبِ اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ — ایڈیٹر نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) دھرتراشت اور دروپدی (رنگین) — (۲) پنڈت برشن نرائن صاحب دَر — (۳) حضرت آدم وحوا
(۴) دربار تماشش گاہِ لاہور — (۵) خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر — (۶) گوپی چند

فہرست مضامین

	صفحہ		صفحہ
۱— چند الہامی کلمات - از رائے پربھولال صاحب بی۔ اے	۱	۱۰— کلامِ اکبر - از خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر جج پنشنر الہ آباد	۴۸
۲— فلسفہ اور اسکی مراد - از منشی شیودت لال صاحب ورمن۔ ایم۔ اے	۶	۱۱— کلامِ رشید - از حضرت رشید لکھنوی نبیرۂ ارشد جناب انیس مغفور	۶
۳— معاشرتی مذہب - از مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر	۱۰	۱۲— آہ سرد - از مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی لکھنوی	۴۹
۴— پنڈت برشن نرائن دَر - از پنڈت برج نرائن صاحب بک بست۔ بی۔ اے	۱۴	۱۳— شاعر کی قبر - از منشی نادر علی خانصاحب نادر کاکوروی	"
۵— مستورات ہند کی حالت - از مسٹر پی۔ ایل۔ شاکر	۲۳	۱۴— لطفِ سحر - از مرزا کاظم حسین صاحب مخمور لکھنوی	۵۰
۶— عقلِ حیوانی - از سید راحت حسین صاحب۔ بی۔ اے	۳۰	۱۵— قیسِ دیوانہ - از شیخ محمد افتخار علیصاحب جگر بسوانی	۵۱
۷— فریبِ آدم (نظم) از منشی درگا سہائے صاحب سُرور جہان آبادی	۳۲	۱۶— گوپی چند - از منشی کندن لال صاحب شرر سہارنپوری	۵۲
۸— تماشش گاہِ لاہور - از مسٹر جے۔ آر۔ رائے	۳۳	۱۷— چند روز - از سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین	۵۳
۹— تنقید (تاریخ تمدن) از پروفیسر پنڈت منوہر لال صاحب زتشی۔ ایم۔ اے	۴۴	۱۸— ایڈیٹوریل	۵۴

قیمت سالانہ چار روپیہ — نئی پریس چھپائی

پنچکوری تترا پرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا

طبع ثانی

(قیمت سالانہ للعہ) — **ادیب** — (فی پرچہ ۱۲؎)

کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقیدتاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشاپرداز اسے وقیع۔ دلچسپ۔ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کیلئے دلچسپ ہو۔ کوشش کی گئی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہون خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کیلئے بھی اُسیقدر دلچسپ، مفید، اور خوشگوار ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی ضخامت ۸۴ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونیکی وجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے ایکسو صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم از کم ایک رنگین اور چار عکسی تصاویر دیجاتی ہین جنمین مشہور مصوّرون کی صناعیون کے نمونے۔ مشاہیر حضرات کے فوٹو۔ تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین۔ بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی نظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویر کی دلکشی کو دوبالا کر دیتی ہین۔ قدردانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہیگا۔

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کیساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علیحدہ ہوتی ہین۔ بہرنوع قدردانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ معصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کے ساتھ کوئی پرچہ نہین ملسکتا بلکہ اس ارزانی کے ساتھ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم از کم ساٹھ ہوتی ہے) کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ لطریق معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ چھ آنہ وصول ہونے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف و خوشخط لکھا جاے تاکہ پرچہ پہونچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کیلئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہئے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصے کیلئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجاے۔

اس رسالہ مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہین لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصویر ساتھ نہ آئیگی تو مضمون شائع نہو گا۔ خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جاے ورنہ تعمیل ارشاد نہوسکے گی۔ تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہئے۔

منیجر "ادیب" انڈین پریس الہ آباد

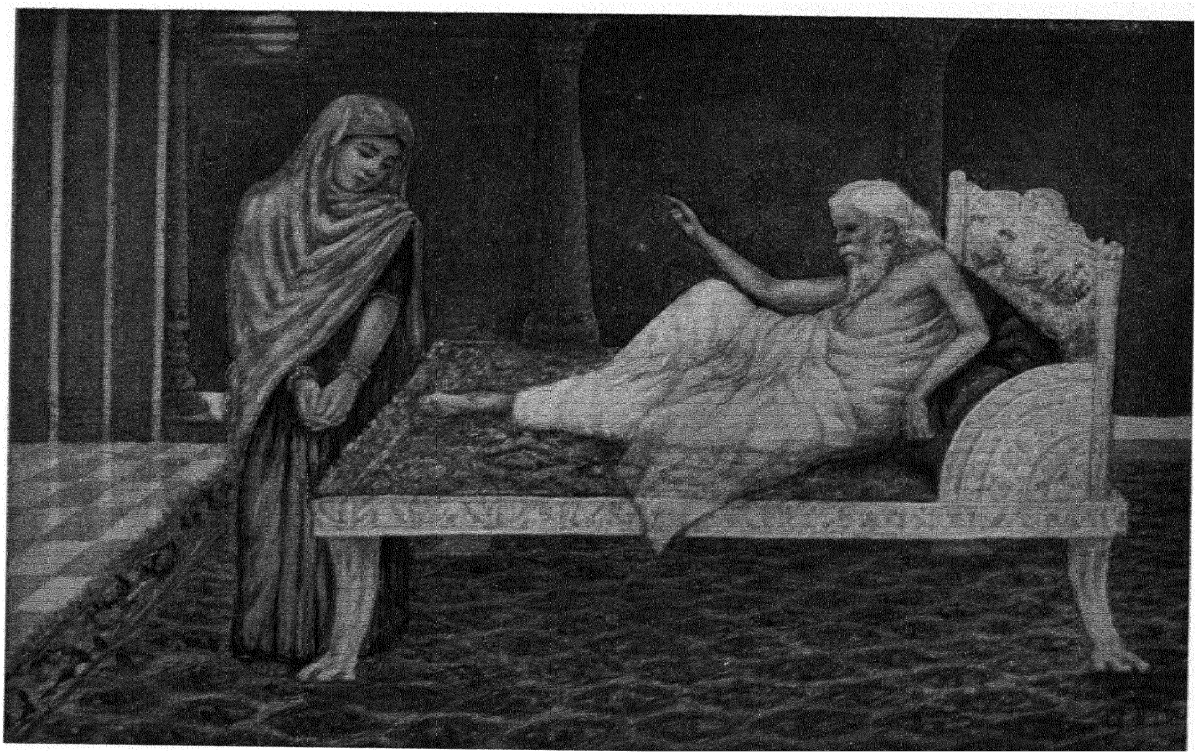

دھرشترات اور دروپدی

افتخار پریس الہ آباد

جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نمبر ۱

چند الہامی کلمات

نئی دنیا مین سینٹ لارنس نام ایک بڑا دریا ہے۔ اس دریا مین ایک ٹاپو ہے جو اسلئے مشہور ہے کہ وہان ملک ہند کے ایک سنیاسی نے اپنے عقیدتمندون کی ایک چھوٹی سی جماعت کو جسمین کچھ مرد اور کچھ عورتین تھین۔ روحانی تلقینات سے بہرہ ور کیا تھا۔ یہ عقیدتمند لوگ کل نئی دنیا ہی کے باشندے تھے اور اُنکو جیسی خاص ارادت ان سوامی جی سے تھی وہ تحریر مین نہین آسکتی اور نہ نوک قلم کا یہ یارا ہے کہ وہ اُسکو لباس حروف دے۔ چنانچہ اُنہون نے جگہ بھی کچھ ایسی منتخب کی تھی کہ خواہ مخواہ دل میں روحانی جذبات پیدا ہون اور انسان کو کچھ دیر کے لئے اُدھر متوجہ کرہی دے جدھر مشکل سے توجہ رجوع ہوتی ہے۔ مقام بھی کیسا بالکل سنسان۔ انسان کی آہٹ سے کوسون دُور۔ دریا کے بیچ مین ایک ٹاپو جسمین بجائے گٹی کے جو قدیم زمانہ مین ہندوستان کے رشی مُنی اپنے رہنے کے لئے بنا لیا کرتے تھے ایک چھوٹا سا دو منزلہ بنگلہ واقع ہے۔ اوپر کی منزل سے ایک طرف نظر ڈالئے تو دریا کا صاف شفاف پانی آہستہ آہستہ بہتا ہوا نظر آتا ہے جو ایک نہایت خوشنما منظر ہے اور دوسری جانب دیکھئے تو اونچے درختون کا ایک کُنج ہے جسکے سایہ مین جانور اپنی قدرتی آزادی مین کلیلین کر رہے ہین اور اگر کوئی آواز سُنائی دیتی ہے تو خوش الحان طیور کی جو خوش آیند راگون سے سُننے والون کے دلون کو مست کر رہے ہین یا کوئی جھونکا ہوا کا آجاتا ہے جس سے نیچے پڑے ہوئے سوکھے پتّون مین کھڑکھڑاہٹ کی آواز پیدا ہو جاتی ہے سوائے اسکے اور کوئی آواز مخل تنہائی نہین ہوتی اس جگہ طاری ہے۔ ادھر ایک طرف تو ارادتمند لوگون کا جوش بڑھتا جاتا ہے اور دوسری طرف اُنکو سوامی جی کے بشاش اور ملکوتی چہرہ کے درشنون کے لئے بیتابی کی کوئی حد نہین۔ لیکن اُنکو زیادہ بیقراری کے اظہار کی ضرورت نہ تھی کیونکہ سوامی جی فوراً ہی اپنے حجرہ سے برآمد ہوتے ہین

اور اپنے مشتاق عقیدتمندوں کو درشن دیتے ہین - یہ کوئی لیکچر نہ تھا کہ انٹروڈکشن وغیرہ کی ضرورت ہوتی بلکہ بیٹھتے ہی سوامی جی اپنی زبان دُرفشان سے یون فرمانے لگتے تھے -

"نیکی کو حقانیت کے قریب پہونچنے کا درجہ البتہ حاصل ہے لیکن وہ ہنوز قطعاً حقانیت نہین ہے - یہ سیکھنے کے بعد کہ ہمکو بدی سے پرہیز نہ ہونا چاہیئے ہمکو یہ بھی سیکھنا ہوگا کہ نیکی سے بھی ہمین خوش نہونا چاہیئے - ہمکو یہ ضرور معلوم کرنا ہوگا کہ ہم نیکی اور بدی دونون سے پرے ہین - سچ پوچھو تو نیکی اور بدی دونون ایک ہی شے ہین اور دونون ہمارے من کے اندر ہین جبکہ من کی کیفیتی ہوجاتی ہے تب نہ نیکی اور نہ بدی کا اثر اُسپر ہوتا ہے اگر تم بالکل آزاد ہوجاؤ تو تم پر نہ نیکی کا اثر پڑسکتا ہے اور نہ بدی کا اور ایسی حالت مین سرور ابدی حاصل ہوتا ہے - بدی کیا ہے ایک لوہے کی زنجیر اور نیکی مثل ایک سُنہری زنجیر کے ہے آخر دونون زنجیرین ہی ہین اور باندھتی ہین اسلئے دونون کو ترک کرنا چاہیئے - لہذا آزاد ہونیکی کوشش کرو اور ہمیشہ کیلئے یہ جان لو کہ کوئی زنجیر تمکو باندھے ہوئے نہین ہے - یہ ضرور کرو کہ لوہے کی زنجیر سے اپنے کو چھوڑانیکے لئے سُنہری زنجیر سے مدد لو - لیکن جب لوہے کی زنجیر سے جس سے تم بندھے ہوئے تھے تم نے اپنے کو سُنہری زنجیر کی مدد سے ایک بار چھڑالیا ہے، تو پھر ان دونون زنجیرون کو پھینکدو - اسیطرح تمکو یہ جاننا چاہیئے کہ بدی کا کانٹا تمہارے گوشت مین چُبھا ہوا ہے - اس کانٹے کو نکالنے کے لئے ایک اور کانٹا لے لو اور اُس سے پہلے کانٹے کو نکالو اور پھر دونون کو پھینک دو"

اس تلقین سے سوامی جی کی یہ مراد ہے کہ نیکی بدی دُکھ سُکھ عذاب وثواب یہ سب انسان کو بندھن مین ڈالنے والے یعنی مقید کرنے والے ہین - انسان تو بڑے فخر کے ساتھ نیکی کا دعویدار ہوتا ہے اور بڑے زعم سے یہ کہتا ہے کہ مین نے فلان نیک کام کیا - خیرات خانے قائم کئے ہسپتال بنوائے جہان ہزارون بلکہ لاکھون بندگان خدا کو کھانا ملا یا شفا حاصل ہوئی - البتہ یہ بات قابل تعریف ہے کہ اُسنے بندگان خدا کی تکالیف رفع کرنے کی کوشش کی اور اُسمین کامیابی حاصل کی لیکن اگر نگاہ غائر سے دیکھا جاے تو معلوم ہوگا کہ جبتک اُسکو شہرت یا نیکنامی کا خیال گھیرے ہوئے ہے یا اُسنے کسی اور خواہش کے ساتھ نیکی کو کیا ہے وہ ضرور مقید رہے گا - وہ آزاد نہین ہوسکتا - نیکی کو جو محض اس خیال سے کرتے ہین کہ نیکی کرنا اچھا ہے اور کسی شہرت اور نیکنامی کی اُنکو پروا نہین ہوتی ہے وہی سچے سالک ہین - یہ کہنے سے کہ لوہے کی اور سُنہری زنجیر دونون کو پھینک دو سوامی جی کی یہ مراد نہین کہ نیکی کرنا چھوڑ دو بلکہ اُس سے اُنکی صرف یہی مراد ہے کہ نیکی محض نیکی کے لئے کرو اور اس خبط سے اپنے آپ کو بالکل پاک رکھو کہ تم اپنے فلان نیک کام سے دُنیا کو فائدہ پہونچا رہے ہو - یہ خبط اگر تمہارے دل مین سمایا تو جان لو کہ تم اسیطرح سے بندھن مین پڑو گے جیسے کہ کسی بدکام کے نتیجہ سے پڑتے - البتہ فرق اتنا ہوگا کہ نیک کام کا نتیجہ نیک پاؤگے اور بدکام کا بد - لیکن جبکو سرور ابدی کہین گے وہ تب ہی حاصل ہوگا جبکہ تم نے اپنے تئین دونون خیالات سے پاک کرلیا ہے

اس کے بعد سوامی جی پھر فرماتے ہین -

"اس دُنیا مین تم ایک دانی یعنی دینے والے کی حیثیت اختیار کرو جو کچھ تمہارے پاس ہو دیدو لیکن معاوضہ کی کوئی توقع نہ رکھو - اس دینے مین سب داخل ہین محبت - امداد - خدمتگزاری وغیرہ وغیرہ لیکن اس داد ودہش مین ہیچ بیوپار کے خیال کو

دور رکھو - کوئی شرط نہ کرو اور پھر تم سے بھی کوئی شرط نہ کیجائیگی۔
سچا بخشندہ صرف خدا ہی ہے باقی سب مثل دوکاندارون
کے ہین جو کچھ لیکر کچھ دیتے ہین - اسلئے خدا ہی کی بندوی
حاصل کرو اور وہ سب جگہ سکاری جائیگی۔"

سوامی جی کا مندرجۂ صدر ارشاد ایک عجیب ارشاد ہے یہ انوکھی تلقین ہے کہ سب کچھ دیدو - اس سے یہ مراد ہے کہ زندگی صرف اپنے لئے مت بسر کرو بلکہ دوسرون کیلئے بھی اقبول کرنا بھلا ہے اُسکا جو اپنے لئے جیئے جیتا ہے وہ جو مرچکا انسان کیلئے انسان ہی کے لئے نہین بلکہ سب جاندارون کے لئے - پھر اُنکا یہ ارشاد ہے کہ کبھی بدلے کی آرزو مت کرو - ظاہر مین تو ضرور ایک انوکھی تعلیم معلوم ہوتی ہے لیکن چشم باطن سے اگر دیکھا جاے تو اُسکا راز کھلتا ہے - سوامی جی کے ارشاد کا یہ مطلب نہین ہے کہ بلا لحاظ اسکے کہ کون مستحق ہے اور کون مستحق نہین ہے ہمکو خواہ مخواہ ہی محبت سے خدمتگزاری سے روپیہ پیسہ سے ہر فرد بشر کی مدد کرنا چاہئے - شاستر کا جو فرمان ہے کہ جو دان ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جسکا وہ مستحق نہین اُسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ داتا بھی دان لینے والے کے ساتھ نرک گامی ہوتا ہے - پھر سوامی جی کیونکر یہ کہہ سکتے ہین کہ ہر ایک کو دے ہی دو یہ مت دیکھو کہ کون اسکا مستحق ہے اور کون نہین ہے اور وہ جو یہ فرماتے ہین کہ معاوضہ کی کوئی توقع نہ رکھو اُس سے اُنکی یہ مراد ہے کہ اگر تم معاوضہ کی توقع رکھوگے یعنی یہ کہ تمہارے دل مین اگر یہ خیال پیدا ہوگا کہ مین جسکے ساتھ اب سلوک کر رہا ہون کبھی وہ بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کریگا یا یہ کہ وہ میرا احسان مانے گا تو تمکو ضرور رنج پہونچے گا - کیونکہ ممکن ہے کہ وہ تمہاری حسب توقع تمہارے ساتھ ویسا سلوک نہ کرے یا تمہارا احسان نہ مانے اور اس رنج سے بچنے کیلئے یہ ضرور ہے کہ کسی بدلے یا معاوضہ کی توقع نہ رکھکر ہمکو نیکی کرنا چاہئے اور پھر جب بدلے ہی کی توقع رکھکر کوئی نیک کام کیا گیا تو وہ نیکی ہی کیا رہی یہ تو وہی ہوا کہ کسی سے خدمت کرائی گئی اور اُسکو اُجرت دیدی گئی۔

اسکے بعد سوامی جی یون فرماتے ہین۔

"جب ہمپر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے یعنی یہ کہ دُنیا کے گرداب مین پھنسکر جب ہمکو تھپیڑے لگتے ہین تب ہمکو یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ دُنیا بڑی مصیبت کی جگہ ہے - بڑی خوفناک ہے - لیکن ہمکو اپنے مصائب مین اپنی تشفی اسطرح کرنی چاہئے کہ جیسے کوئی دو پلّے آپسمین ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہے ہین اور ایک دوسرے کو کاٹ رہے ہین اور ہم تماشا دیکھ رہے ہین مگر اسکی کوئی پروا ہمکو نہین ہوتی ہے کہ وہ لیا کر رہے ہین - ویسے ہی ہمکو بھی یہ جان لینا چاہئے کہ ہمارے مصائب بھی خدا کی نظر مین مثل کھیل کے ہین - یہ دُنیا ایک تھیٹر یعنی تماشا گاہ ہے اور اس تماشے کا دیکھنے والا وہی ایک پرمیشور ہے اور اسمین کوئی ایسی شے نہین جسسے وہ ناراض ہو - سچے عابد کو تو یہی مناجات ہمیشہ کرنی چاہئے۔

بھنسی منجدھار مین ہے موہ روپی سندھو کا بیڑا
جو میرا پار پہ لگا دو گے تو کیا ہوگا

تیری روشنی اے ہری کسی شے سے جسپہ وہ پڑتی ہے آلودہ نہین ہوتی اور نہ اُس سے وہ کسی طرح منفعل ہوتی ہے - تیری روشنی ہمیشہ پاک ہے اور اُسمین کوئی تغیر نہین ہوتا ہے - ایک قاتل مین تیری روشنی اُسیطرح ہے جسطرح ایک سنت یعنی زاہد مین ہے - تکلیف راحت بھوک وغیرہ سب مین تو ہی موجود ہے - پھر جب یہ معلوم ہوا کہ ہری کی جوت کمان نہیں ہے

توساد ھوسنت یعنی اولیا الزام لگانے کے خیال کو مطلقاً ترک کرتے ہین - یہ سمجھ لینا چاہئے کہ تمکو کسی بات سے تکلیف نہین پہونچ سکتی ہے کیا تم وہی ذات حق نہین ہو جو سب جگہ ہے اُسی سے ہماری زندگی ہے - اُسی سے ہم دیکھتے ہین اُسی سے ہم سنتے ہین - لیکن ہمارا تو دنیا مین یہ حال ہو رہا ہے کہ گویا ایک کانسٹبل پولیس کا ہمارے پیچھے ہے اور ہمکو گرفتار کئے لے جا رہا ہے - ایسی حالت مین ہم کیا خاک دنیا کے خوبصورت نظارون کو دیکھ سکتے ہین - یہ سب خوف کسوجہ سے ہے صرف اسوجہ سے کہ دُنیا کو ہمنے سچا سمجھ رکھا ہے"

یہ دُنیا ایک تماشا گاہ ہے اور خدا اُس تماشے کا دیکھنے والا ہے - یہ سوامی جی کا ارشاد ایک ہی بات ہوئی ! واہ ہم تو تکلیف کی تکلیفین اُٹھائین اور اُسکا تماشا ہو - یہ تو ضرور سوامی جی نے بھنگ کی ترنگ مین بک دیا ہے جنہون نے تکالیف جھیلی ہین اُنکے مجروح دلون سے پوچھنا چاہئے - کسی آتش فشان پہاڑ یا زلزلے کے اثر سے لاکھون جانین ایک دم مین تلف ہوجاتی ہین جسکی مصیبت کا کیا ذکر ہے یا یہ کہ کوئی لنگڑا ہے کوئی لولا ہے کوئی اندھا کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے اور ایسا اپاہج ہے کہ حوائج ضروری کے لئے بھی ہل نہین سکتا - یہ سب تکالیف کے نظارے ہماری نظرون کے سامنے ہمیشہ موجود ہین اور پھر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ سب خدا کے لئے ایک کھیل ہے یہ ایک بہت ہی ٹیڑھا سوال ہے اور اسکا جواب وہی دیسکتے ہین جنہون نے کچھ حاصل کیا ہے - میری کیا طاقت جو مین ایسے لاحل سوال کے حل کرنیکی کوشش کرون لیکن پھر اپنی عقل کے مطابق کچھ کہتا ہون -

مطابق عقیدۂ ویدانت کے ہر جیو یعنی جاندار مین فرداً فرداً جو آتما ہے وہ اُس جیو مین گویا ایک ساکشی یعنی گواہ کی حیثیت رکھتی ہے - جس طرح گواہ کو کسی کے افعال سے کوئی سروکار نہین ہے بلکہ وہ محض ایک دیکھنے والے کی حیثیت رکھتا ہے اُسیطرح آتما جو ہر جیو مین ہے ساکشی یعنی گواہ کے طور پر ہے اُسکو بھی اُس جیو کے کئے ہوئے افعال سے کوئی تعلق نہین - جیو جو اگیان انش کے اندر چیتن (चेतन) یعنی اُسی آتما کے آبھاس (आभास) یعنی عکس کا نام ہے - اگر وہ تکلیف یا راحت اُٹھاتا ہے تو یہ نتیجہ اپنے اعمال کے اس خیال کے اثر سے ہے کہ مین ہی فاعل ہون یہ کام مین نے کیا یا میرا کیا ہوا ہے اور وہ جو شدھ آتما ہے وہ بطور ساکشی (साक्षी) یعنی ایک تماشائی کے ہے - یہ تو افراد کا ذکر ہوا - اسیطرح بحیثیت کُل وہ ایشور اس جگت کا محض ساکشی یعنی شاہد عالم ہے اُسکو اس عالم کے کاروبار سے کوئی تعلق نہین - خدا اور عالم کے درمیان جو تعلق ہے اُسکی نسبت تین طرح کے خیالات درجہ بدرجہ ہین - ہم اوپر سے نیچے کو اُترتے ہین - پہلا خیال یہ ہے کہ بقول مولانا جامی - ع از روئے حقیقت ہمہ عین اند نہ غیر + یہ تمام محسوسات وہی وہ ہے - بقول شرتی (एवं अखिलं ब्रह्म) یعنی ہمہ اوست نگاہ حقیقت سے سوائے ایک ذات کے کوئی دوسری ذات نہین ہے - حقیقت ہے تو ایک ہے - اگر اور اشیاء محسوس ہوتی ہین تو وہ ظاہری صورتین ہین نہ کہ اصل اور اُنکا کوئی حقیقی وجود نہین ہے - پس ایسے خیال مین نہ کوئی تماشا ہے اور نہ اُسکا کوئی تماشائی یعنی نہ کوئی درشیہ (दृश्य) ہے اور نہ اُسکا کوئی درشٹا (द्रष्टा) یا یون کہو کہ نہ کوئی ساکشیہ ہے اور نہ اُسکا کوئی ساکشی - ہے تو صرف ایک ذات جسکو ذات مطلق کہتے ہین - اسکا انوبھو یعنی علم الیقین بحالت سمادھی یعنی مراقبہ ہی

ہوتا ہے اور کسی حالت مین نہین جنکو ایسا علم الیقین ہوا ہے اُنکے نزدیک نہ یہ دنیا ہے اور نہ کوئی دُکھ سُکھ اور نہ کوئی عذاب و ثواب - اس سے اُترکر دوسرا یہ خیال ہے کہ ہمکو نمود عالم محسوس ہوتی ہے مگر چونکہ یہ نمود بھی بے بود نہین بلکہ اُسکی بود وہی ذات پاک ہے اسلئے اسکے متعلق اس شعر کا مضمون صادق آتا ہے ؎

یار کی میرے دیکھو رعنائی
خود تماشا و خود تماشائی

جو لوگ اس خیال کے ہیں وہ چونکہ یہ سمجھتے ہین کہ خود ہی وہ تماشا بنتا ہے اور خود ہی تماشائی ہے اسلئے تکالیف و آرام کے خیال کو اپنے دل مین نہین لاتے ہین اور ان دونون کو اُسی سے منسوب کرتے ہین کیونکہ جو یہ تماشا ہو رہا ہے وہ بھی وہ خود ہی بنتا ہے اور پھر آپ ہی دیکھتا ہے - سوامی جی کا اشارہ صرف اس خیال کیطرف ہے جب وہ یہ کہتے ہین کہ یہ دُنیا تماشا گاہ ہے اور خدا اس تماشے کو دیکھکر اپنا دل بہلاتا ہے - جب وہ خود ہی تماشا بنکر آپ دیکھتا ہے تو پھر وہ کس سے ناراض ہوگا اور کس سے خوش - لیکن جب ہم اس تیسرے خیال پر پہونچتے ہین جو مولانا جامی کے اس مصرع مین ظاہر کیا گیا ہے یعنی ع از روے تیقن ہمہ غیر اند نہ عین یعنی ہم مین جب انانیت کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ میری ہستی علٰحدہ ہے جو کچھ کرتا ہون مین کرتا ہون تو پھر ہم الگ ہین اور وہ الگ اور ایسی صورت مین خدا محض ایک تماشائی یا یون کہو کہ گواہ کی حیثیت کو چھوڑکر اور کرسی عدالت پر متمکن ہوکر جج بنجاتا ہے اور اپنے بندون کے کئے ہوئے افعال کی جزا و سزا دیتا ہے اور وہ اُنکے نیک افعال سے خوش اور بُرے افعال سے ناراض ہوتا ہے -

لیکن ایسی حالت مین بھی جو لوگ سچے عشاق خدا ہین اُنکے نزدیک خدا ہمیشہ رحیم و کریم ہی ہے وہ دیا سندھُ ہے کرُنا کا ساگر ہے اُنکے نزدیک خدا مین کوئی بات قہّاری و جبّاری کی نہین ہے لیکن جو ہمیشہ مبتلائے معصیت رہتے ہین اور اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرتے رہتے ہین اُنکے نزدیک خدا مہیب ہی شکل اختیار کئے ہوئے ہے وہ قہّار و جبّار ہی ہے - چنانچہ گوسائین تلسی داس کا یہ قول ہے -

جن کی رہی بھاونا جیسی
پربھو مورت تن دیکھی تیسی

جو لوگ سچے عشاق خدا ہین اور ایشور کو صرف پریم مورتی جانتے ہین وہ تکالیف کو جو اُنہین پہونچتی ہین اپنے محبوب کی طرف سے ایک پیام محبت ہی سمجھتے ہین یا یہ کہ وہ یہ سمجھتے ہین کہ اُن تکالیف سے ہماری روحانی شُدھی ہوتی ہے - ہم گناہون سے پاک وصاف ہوجاتے ہین -

آخر مین سوامی جی نے یہ کہا ہے کہ یہ سب خوف کس وجہ سے ہے صرف اسوجہ سے کہ دُنیا کو ہمنے سچا سمجھ رکھا ہے - اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ خوف کس طرح دور ہو ہم دُنیا کو کس طرح سچا نہ سمجھین اُسکے عذاب و تکالیف ہمکو ایسے سچے محسوس ہو رہے ہین کہ جب کوئی ذرا سا کانٹا بھی ہمارے بدن مین چُبھ جاتا ہے تو ہم ہائے پکار اُٹھتے ہین - یہ سچ کہا گیا ہے کہ ایسی حالت مین بیڑے کو پار لگانے والا صرف خدا ہی ہے اور اسکے لئے سچّے رہبر کی ضرورت ہے بقول شخصے -

گہری ندیا اگم جل زور بہت ہے دھار
کیوٹ سون پہلے ملو جو اُترا چاہو پار

یعنی یہ کہ جو ندی بھوساگر یعنی دریاے حیات کی بڑے زور شور

لہ وزن سے زائد ہے -

سے بہ رہی ہے اور اُس سے گزر کسی طرح ممکن نہین ہے اُسکو اگر تم عبور کرنا چاہو تو کسی گُرو یعنی مرشد کامل کو ملاح بناؤ وہی تمہاری ناؤ کو پار اُتارے گا۔ جب سچا رہبر تم کو ایک دفعہ مل جائیگا جو تم کو تب ہی ملیگا جب تم مین سچی ارادت پیدا ہوگی۔ تب ہی تم اس دُنیا کے سمندر سے پار ہو گے۔ خود سوامی جی کی سوانح عمری مین جنکے ارشادات ہم یہان ہدیۂ ناظرین کر رہے ہین یہ ذکر ہے کہ ابتدا مین انکے خیالات دہریت کے تھے لیکن ساتھ ہی اسکے اُن کو سچے دل سے تلاش بھی تھی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک عارف کامل یعنی سچے رہبر سے ملاقات ہوگئی جنہون نے نہ صرف اُنکے تمام شبہات کو دور کر دیا بلکہ وہ کایا پلٹ کر دی کہ وہ خود ہی ایک عارف کامل ہو گئے۔ سوامی جی اُن کو صرف اپنا مرشد ہی نہین سمجھتے تھے بلکہ اُنمین اور ایشور مین وہ کوئی فرق نہین کرتے تھے کسی نے کیا سچ کہا ہے۔ دوہا۔

گُرو[1] گوبند دونون کھڑے کس کے لاگون پاے
بلہاری اُن گرون کی (جن) ست گرو دیئے بتاے

اس کے بعد سوامی جی کچھ عشق حقیقی پر فرماتے ہین لیکن یہ مضمون ایک دریاے ذخار ہے جس کے لئے بہت کچھ وقت چاہیئے۔ انشا اللہ پھر کبھی لکھا جائے گا۔

پربھو لال

فلسفہ اور اُسکی مُراد

فلاسفی کے متعلق لوگون کے خیالات عجیب و غریب ہین۔ ایک گروہ اسکو علما کی میراث حکما کی جائداد۔ اور عقلا کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ دوسرا اُسکو دقیق اور مشکل مسائل کا مجون مرکب سمجھتا ہے۔ تیسرا گروہ سُست و ناکارہ آدمیون کے خواب و خیال سمجھتا ہے جسکی عملی دُنیا مین ذرا بھی ضرورت محسوس نہین ہوتی۔

میری سمجھ مین یہ سب کے سب غلطی پر ہین۔ اگر فلاسفی سے یہ مراد ہے کہ عوام کو اُسکی ہوا نہ لگنے پائے تو وہ فلسفہ نہین کچھ اور ہی چیز ہوگی۔ اگر دقیق اور فضول مسائل کے مباحثات کا نام ہی فلسفہ ہے تو اُسکو کسی شخص کو ہاتھ نہ لگانا چاہیئے۔ اور اگر وہ محض خواب و خیال ہے تو اُس سے فائدہ ہی کیا ہے۔ مگر نہین۔ فلاسفی بہت کارآمد چیز ہے۔ اسکا ہر خاص و عام سے تعلق ہے۔ کل دنیا مین اگر کوئی چیز مفید ثابت ہوتی ہے تو وہ صرف فلاسفی ہے۔ اور بدنصیب ہے وہ قوم جو اپنا فلسفہ نہین رکھتی۔ کیونکہ جسطرح تواریخ انسان کے جوش کے اُبھارتے اور اُسکو دنیا کی کشمکش مین ہاتھ پانون مارنے کا یقینی ذریعہ ہے فلسفہ اُس سے بھی زیادہ مفید چیز ہے۔

فلسفہ کیا ہے؟ یہ دو یونانی لفظون سے مرکب ہے۔ 'فلاس' 'یوس' اور اسکا لفظی ترجمہ ہے۔ گیان کا پیار۔ مختلف زبانون مین اسکے لئے مختلف الفاظ و اصطلاحات مستعمل ہوتے ہین۔ مگر اب یہ لفظ انسانی مُراد کے اظہار کے لئے زیادہ موزون ہوگیا اور اسیوجہ سے قریب قریب دُنیا کے تمام حصون مین اسکا رواج ہوگیا ہے۔

---

[1] وزن سے زائد ہے۔

'فلسفہ' کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ مگر اصل مین یہ کیا ہے؟ اسکی اصلیت کا پتہ کسی قوم کے جذبات وخیالات کی گہرے تہ مین ملتا ہے فلسفہ کسی زبردست عالم کی دماغی اُپج کو نہین کہتے۔ اسکا عملی تعلق عوام کے دلون سے ہے اور یہ عوام کے خیالات کا عجیب وغریب معجون مرکب ہے۔

زمانہ کے حالات۔ واقعات۔ حادثات اور بلیات کے سلسلہ مین عام آدمیون کے دلون مین اُن سے نجات پانے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ اُنکے دل ودماغ کو تربیت وتلقین کا مفاد نہین ملا ہے۔ اسلئے وہ خود اُسکی تشریح اور توضیح نہین کرسکتے۔ دل مین ہے مگر زبان پر نہین آتا۔ اندر ہے مگر باہر اسکی صورت نہین دیکھی جاتی۔ دل کُڑھ رہا ہے۔ پتہ نہین کہ کیون کُڑھ رہا ہے۔ بسا اوقات یہ بیچارے اتنا بھی نہین بتا سکتے کہ اُنکے نجات کی صورت کہان۔ کس مین اور کس بات مین ہے۔ خواہش ہے مگر خواہش کی صراحت نہین ہوتی۔ جب یہ حالت کچھ عرصہ تک رہتی ہے تو اُنکے خیالات مین "گھناپن" آجاتا ہے۔ قدرت کا اصول ہے کہ جہان کسی چیز کی ضرورت لاحق ہوئی۔ وہان اسکے مہیا کرنے کا سامان خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ دنیا مین بہت کم آدمی ایسے ہونگے جو اس کی سچی سمجھ رکھتے ہونگے۔ جس طرح ہر سوال مین اُسکا جواب بھی موجود ہے جسطرح ہر بیج مین اُس کا پھل موجود ہے۔ جسطرح مٹی کے ذرّون مین پتھر بننے کی خاصیت چھپی رہتی ہے اُسیطرح خیال مین اُسکے عملی جامہ پہننے کا سامان رہتا ہے۔ یہ قدرت اسقدر عقیل اور دانشمند ہے کہ وہ خود جانتی رہتی ہے کہ کہان کس چیز کی ضرورت ہے اور وہ پہلے ہی سے اُسکا انتظام کر رکھتی ہے۔ بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے ماں کی چھاتی مین دودھ آجاتا ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس مین دودھ کے لئے قدرتی اشتہا موجود ہوتی ہے مگر وہ نہین جانتا کہ دودھ کہان ملیگا۔ ماں اپنی چھاتی اُسکے ہونٹون سے لگادیتی ہے اور وہ پینے لگتا ہے۔ بالکل اسیطرح خیالات کی دُنیا مین کام ہوتا ہے۔ خیال دل مین پیدا ہوا۔ عوام خود اسکی وضاحت نہین کرسکتے۔ مگر چونکہ قدرتی نظام مین ہر مانگ کے پورا کرنیکا سامان رہتا ہے۔ چند ہی روز بعد یا اُس سے پہلے ہی ایسے دانشمند اہل خیال ملک مین پیدا ہوجاتے ہین جنکی قوت تمیز ہاتھ بنکر دلون کی نبض ٹٹول لیتی ہے۔ وہ سمجھ جاتے ہین کہ لوگ کیا چاہتے ہین اور جس وقت وہ عوام کے خیال کی عملی صورت بنکر آجاتے ہین۔ اُنکے قول۔ فعل۔ عمل اور طرز معاشرت مین عوام کے خیال کی عملی صورت نظر آتی ہے وہ فطرۃً اور قدرۃً اُنکی طرف رجوع کرتے ہین اور اُن کی تعلیم سے فائدہ اُٹھاتے ہین۔ قوم کی قوم بدل جاتی ہے۔ سارے ملک کا نقشہ آناً فاناً پلٹ جاتا ہے اور اُسوقت خود بخود اُسکی وضاحت ہوجاتی ہے اور اُسکے رواج کا ڈنکا بج جاتا ہے۔

یہ فلسفہ ہے یہ اُسکی اصلیت ہے۔ یہ معما ہے جو اس طرح حل کیا جاسکتا ہے۔ جو لوگ فلسفہ کو روز روشن مین خواب کی باتین کہتے ہین غلطی پر ہین یہ فلسفہ ہی کی روح ہے جسنے عملی صورت اختیار کی ہے۔ ہر خیال چاہتا ہے کہ عملی جامہ پہنے اور جب تک اسکو عملی جامہ نہین پہنایا جاتا وہ چین نہین لیتا نہ چین لینے دیتا ہے۔ جس وقت تم دیکھو کسی ملک یا کسی قوم مین بےچینی کی حالت پیدا ہورہی ہے تو یقین کرلو کہ وہان نئے قسم کا فلسفہ پیدا ہوگا۔ اور وہ قوم فوراً اپنی کایا پلٹ کریگی۔ خیال ہی تو ہے جو سب کچھ کرتا ہے۔

اور کرسکتا ہے۔

قومون کے بنانیوالے مدبّر یا پولیٹیکل لیڈر نہین ہوتے۔ ان بیچارون کو خبر بھی نہین کہ یہ کس کے ہاتھ مین کٹھ پتلی بنے ہوئے ناچتے ہین۔ کہنے کے لئے تم جو چاہو وہ کہہ لو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قومون کے بنانیوالے ان کو راہ راست پر لانیوالے۔ اُنکے جذبات کو سمجھ کر خاص راہ کی طرف رجوع کرنیوالے اُس قوم کے فلاسفر اور اہل خیال ہوتے ہین۔ بسا اوقات یہ اہل خیال اوتار بنکر آتے ہین۔ بسا اوقات یہ جھونپڑون مین رہتے ہین۔ تم سمجھتے ہوکہ یہ اپاہج ہین، نکمے ہین، سُست ہین، اور ناکارہ ہین۔ یہ تمہاری غلطی ہے۔ یہ جھونپڑون کے رہنے والے قوم کے سچّے رہبر اور سچے سردار ہین۔ وہ پبلک فوٹس مین نہین آتے۔ اپنی شخصیت کو نمود و شہرت کے جال سے بچاتے ہین۔ گرد و در از جنگل مین تنہائی کی زندگی بسر کرنیوالون کے خیال کا ہاتھ لامحدود بنکر کام کرتا ہے۔ ان کا خیال دماغ سے نکل کر ایسے آدمیون کے دلون مین سرایت کرجاتا ہے جو اُسکے ظرف ہین اور اُسی کے توسل سے کام ہو رہتا ہے۔ تنہائی مین رہنے والے فیلسوف دُنیا کی تمام طاقتون سے زیادہ طاقتور ہین اور گمنامی کی وجہ سے اُن کی طاقت اور بھی محیط اور وسیع ہو جاتی ہے۔ یہ وہ مبارک وجود ہین جو ناموری نہین چاہتے اور شہرت و نمود کے بھوکے نہین ہین۔ کام چاہتے ہین اور الگ تھلگ رہکر کام کرتے ہین اور قوم کی قوم کٹھ پتلی بنکر اُنکے خیال کے تارون مین بندھی ہوئی ناچتی ہے۔

یہ فلسفہ ہے۔ فلسفہ کی مختلف قسمین ہین۔ ہمارے خاص ملک مین اسوقت سولہ قسم کے درشن رائج ہین۔ جن مین چھ درشنون کو بالخصوص زیادہ اہمیت دیگئی ہے۔ مگر اسکا یہ مطلب نہین ہے کہ وہ غلط اور ناکارہ ہین۔ خیال کے ایولیوشن کے سلسلہ مین یہ سب کے سب ضروری کڑیان ہین۔ انکا رہنا لازمی ہے۔ ان کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ کب کب اور کس کس طرح خیالات نے دُنیا مین اپنا ظہور کیا ہے۔ یہ بطور خود مکمل ہین۔ انکی کیمون پر تہ بھولو۔ جب جیسی ضرورت ہوتی انہون نے پیدا ہوکر اپنا کام کیا اور اُس حد تک ان مین کوئی نقص نہین ہے۔ ہمارے یہان سارے فلسفہ مکمل ہین۔ دُنیا کے دوسرے ملکون اور قومونکا یہ حال نہین ہے۔ اور تاوقتیکہ وہ ہندو فلسفون سے مدد نہ لین وہ اپنی اصلیت کا پتہ تک نہین دے سکتے۔

آریہ ورت مین فلسفہ کی تواریخ نہایت ہی دلچسپ مضمون ہے۔ مگر ایسے لوگ کم ہین جو اسکو مطالعہ کرکے خیالی زنجیر کی تمام کڑیون کو مسلسل بنکر دکھا سکین۔ یہ عالمون کا کام ہے۔ ہر شخص کا کام نہین ہے۔

ہندؤن کا سب سے پہلا فلسفہ چارواک ہے اور سب سے آخری ویدانت ہے۔ انکے درمیان۔ سانکھیہ۔ بودھ۔ یوگ۔ نیائے۔ ویشیشک۔ جین۔ ویاکرن (پانینی) پورن پرجیا۔ پرتیہ بھجنا۔ تکولیس لیپوپتی۔ ریسیشور۔ میمانسا (جیمنی)۔ شیو۔ ہین۔ اور یہ سولہ وچار کرنیکے قابل ہین۔

ان مین سے بہتون کی کتابین نہین ہین۔ مگر اب تک انکے نشانات باقی ہین اور اُنکے عقاید و خیالات دوسری کتابون مین زیر بحث آئے ہین۔ سب سے زیادہ تصانیف بودھون کی ہین۔ حالانکہ انکا فلسفہ اسقدر لطیف و باریک ہے کہ دُنیا مین کم لوگ اسکو سمجھ سکتے ہین۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یہ پالی زبان مین ہین اور شریعت والون نے ان مین ایسی

غلط بیانی کی ہے کہ جسکا حد وحساب نہین - بُدھون کے بعد وید انت کی کتابین بیشمار ہین اور سوامی شنکراچاریہ کے بعد اسقدر تصنیف وتالیف سے کام لیا گیا کہ اُسکی کتابون کی فہرست تیار کرنی مشکل ہے - سنسکرت اور بھاشا مین وہ ہزارون کی تعداد مین لکھی گئین - اُن مین بہت سی اب تک زندہ ہین - بہت سی مصنف کی زندگی ہی مین مرگئی تھین - تاہم خاص خاص کتب خانون مین اب تک موجود ہین - یوگ - سانکھ - نیار - اور جین گرنتھ بھی کم نہین ہین مگر ویدانت کے سامنے انکی کچھ بھی حقیقت نہین -

سب سے پہلے اور شاید آخری ہی دفعہ سوامی مادھو آچاریہ جی نے ان سولہ فلسفون کے متعلق ایک ضخیم کتاب لکھی - مگر وہ صرف مختصر ریویو ہے - کتاب اچھی ضرور ہے - مگر غیر کافی ہے - ضرورت ہے کہ اسکے متعلق کوئی بسیط کتاب لکھی جاے - جس مین فلسفہ کی تواریخ کے ساتھ اُنکے عقاید - اصول اور خیالات اکٹھا کئے جائین - مین نے ایک مرتبہ اس کام کی جرأت کرنی چاہی تھی - دوستون نے بہت اصرار کیا تھا - مگر ضروری کامون کی وجہ سے وہ اب تک التوا مین پڑا رہا - کیا اچھا ہو کہ کوئی قابل ودیا وان پنڈت اس کام کو اپنے ذمے لے - ہندؤن مین سولہ فلسفہ ہین جو قلمبند ہو چکے ہین - مگر یہ نہ سمجھو کہ ان مین فلسفہ کا خاتمہ ہو گیا - فلسفہ ضرورت وقت اور مصلحت وقت کے خیال اور کام کا مرکب معجون ہے -

جس طرح سنکراچاریہ جی کے بعد رامانج کا زمانہ آیا - اور وہ نئے فلسفہ یعنی وششٹ اودیت واد کے موجد تھے - اسیطرح رامانج کے بعد زیادہ عملی زیادہ موثر زیادہ سہل پیرایہ مین کبیر صاحب ایک خاص خیال کے موجد ہوئے اور اُنکی تصوف کی لہرون نے قوم مین نئی روح پھونکی - اور اُسکی صدا آواز بازگشت بنکر تمام ملک مین گونج اُٹھی اور ابتک گونج رہی ہے - اس کا اثر اب تک کام کر رہا ہے - مگر ایسے آدمی کم نظر آئینگے جو اُسکی مکمل صورت دکھا سکین - کبیر صاحب کا فلسفہ ویدانت سے بہت کچھ تعلق رکھتا ہے - اور جس طرح ویدانت کی نسبت اور فلسفون سے ہے - وہی نسبت اس کو ویدانت سے ہے - مگر زمانہ کے رد وبدل سے اُسکے سمجھنے والے کم رہگئے - گو مقلد کرورون کی تعداد مین ملینگے -

ہندؤن مین آخری دفعہ کبیر صاحب کے فلسفہ نے زور مارا - اور قوم کی وہ کایا پلٹ کی کہ جس کا حد وپایان نہین - کبیر صاحب کے کلام مین اعجاز تھا اور سوامی شنکراچاریہ جی کی طرح اُنکی زندگی ہی مین اسنے بڑی خوبی کے ساتھ پانون نکالے - یہان تک کہ پنجاب مین گرونانک صاحب اودھ مین جگجیون صاحب بمبئی وگجرات مین کمال صاحب راجپوتانہ مین دادو صاحب - وغیرہ صاحبان نے اسکا بہت کچھ پرچار کیا - اُڑیسہ - بمبئی - وغیرہ صوبجات مین ٹکا رام وغیرہ جو بھگت گذرے ہین وہ اسی کے خوشہ چینون مین ہین اور اُن کی نظمون مین کبیر صاحب کو خاص اہمیت دی گئی ہے - اسوقت اُسی کو بطرز دیگر اور زیادہ موثر پیرایہ مین راے سالگرام صاحب بہادر (آگرہ) نے خاص طور پر جلادی ہے - یہ ہندؤن کا اسوقت کا خاص فلسفہ ہے - اور گہری نگاہ سے مطالعہ کئے جانے کے قابل ہے - اسکی مکمل صورت بنانے کا اہتمام نہین کیا گیا - مین نے بطور خود اپنی نئی کتاب گیان کلپدرم مین کسی حد تک اُسپر ویدانت کے نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالی ہے - اور امید ہے کہ آیندہ بہتر اور زیادہ جستجو کرنیوالے اسکو اور بھی دلچسپ اور عام فہم بنائینگے -

یہ فلسفہ ہے۔ اور یہ اُسکی اہمیت ہے۔ ہندؤن کو بالخصوص فلسفہ کے نام سے نہین چڑھنا چاہیئے۔ جو کچھ ہے وہ فلسفہ ہی ہے۔ اور اُسکی مراد سمجھکر اس سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

شیوبرت لال

معاشرتی مذہب

جن جن اصول کے ہم بہ حیثیت روحانی یا عاقبتی امور کے پابند ہین عموماً اُن کے مجموعہ کا نام دھرم یا مذہب ہے۔ یا عموماً اُنہین دھرم یا مذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسوقت دُنیا مین اس قسم کے مذاہبی مجموعون کی ایک خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ گو ہر مذہب کے اصول مین دوسرے مذاہب سے ایک نسبت یا ایک قربت پائی جاتی ہو لیکن پھر بھی ایک مذہبی مجموعہ دوسرے مذہبی مجموعہ سے الگ خیال کیا جاتا ہے۔

اس وقت مذاہب مین مذہب پرستون کی حیثیت سے جو کچھ اختلاف اور ضد و کد پائی جاتی ہے وہ قابل تشریح نہین ہے کیونکہ اُس سے کوئی انکار نہین کرسکتا۔

یہ بھی محتاج بیان نہین کہ مناقشت مذاہب کی بدولت اسوقت قومون کے خیالات اور خلوص مین جس قسم کی ابتریان اور کمزوریان وجود پذیر ہوسہی ہین اُن سے انسانی راحت اور انسانی ترقیات مین کہانتک خرابیان عائد ہوتی جاتی ہین اور عائد ہوچکی ہین۔

ہم موجودہ مذاہب کی تقدیس اور ضرورت سے بیخبر نہین ہین اور نہ ہمارا یہ منشار ہے کہ ان مذاہب کو خیرباد کہا جاے یا ان سے قومین کوئی تعلق اور کوئی واسطہ نہ رکھین لیکن یہ ضرور کہا جاے گا کہ موجودہ مجموعہ مذاہب کے ہوتے ایک اصلی مذہب کے وجود اور ضرورت سے عملی رنگ مین چونکہ انکار کیا جاتا ہے اس واسطے روحانی مذاہب کے فوائد اور خوبیون سے بھی لوگ متمتع نہین ہوسکتے۔

چونکہ پرستاران مذاہب مین سے بہت سی تعداد رسمی رنگ مین مذہب پرست ہے اس واسطے دن بدن اور بھی نقص اور خدشات پیدا ہوتے جاتے ہین۔ اسکا اثر یہان تک بڑے رنگ مین تسلیم کیا گیا ہے کہ جہان جہان عقلی تعلیمات کا سلسلہ بڑھتا جاتا ہے وہان مذاہب کی تقدیس کم ہو ہو کر کسی دوسرے رنگ مین طبیعتین رنگی جاتی ہین۔ یہ شاید بعض مذاہب کی کمزوری کی وجہ سے بھی ہو لیکن اسکا اصل موجب اور اُن توہمات اور اُن ضدون کا مجموعہ ہے جو ہر ایک مذہب پرست کی طبیعت مین گھر کئے ہوئے ہے۔

یا تو مذاہب کی تعلیم صحیح رنگ مین ہو اور یا مذاہب سے بالکل انکار ہی کیا جائے۔ سوائے اُن دونون صورتون کے اور کوئی ایسی صورت نہین ہے جو واجبی ترقیات یا واجبی ضروریات کی حامی ہوسکے۔

ایک طرف لوگ زمانہ کی ترقیات اور ضروریات کے شیدا یا دلدادہ ہین اور دوسری طرف مذہبی زوائد یا مذہبی حواشی اور مذہبی توہمات کے نرغہ مین آچکے ہین۔ یہ دونون صورتین ایک دوسرے کی مخالف واقع ہوئی ہین۔ ایک صورت آگے لیجانا چاہتی ہے اور دوسری صورت پیچھے ڈھکیلتی

ہے - ایشیائی حصون مین جہان مذاہب کے توہمات کے رنگ مین ایک بڑی خوفناک حکومت ہے ان دونون متضاد شقون کی وجہ سے ایک سخت لڑائی ہو رہی ہے - ایک قوم دوسری قوم کی دشمنی اور عداوت پر دل وجان سے تلی بیٹھی ہے اور ہر شخص اپنی جداگانہ دوڑ پر فخر کر رہا ہے -

شاید وہ وقت تو کبھی نہ آئے یا ایسی کبھی اُمید نہین کیجاسکتی کہ ایشیا - یا خطۂ ہندوستان مین سے مذاہب کی خوفناک حکومت کا دور ختم ہو جائیگا - یا مذاہب کی تقدیس اپنے اصلی رنگ مین کیجائیگی - لیکن زمانہ بآواز دُہل یہ کہہ رہا ہے کہ وہ قومین کسی روز کچل ڈالی جائینگی جو زمانہ کی رفتار کے مطابق سالک نہونگی یہی سوال ہے جو ہر ایک کے واسطے حقیقی رنگ مین قابل بحث ہے -

کیا ایسے حالات مین کوئی سلیم صورت ایسی بھی نکلسکتی ہے جو ان مایوسیون اور آنے والی خرابیون سے محفوظ رکھ سکے؟ ہمارے خیال مین وقت آگیا ہے کہ ایشیائی قومین اپنے اپنے آبائی مذاہب کی تقدیس بحال رکھکر اور اُن کا دائرہ مندرون - گرجون اور مسجدون ہی تک محدود رکھکر ایک تیسرے مذہب کی بنیاد ڈالین - وہ مذہب باقی کے سب مذاہب سے قدیمی اور پائدار ہے اور اُسمین کوئی اختلاف خوفناک رنگ مین عائد ہو ہی نہین سکتا اور نہ اس کے سوائے کوئی چارہ ہے -

وہ کیا اور کیسا مذہب ہے اور اُسکا نام کیا ہے اور اُسمین کس وسعت سے قومین یا قومون کے افراد شامل ہو سکتے ہین؟ جس ملک اور جس خطہ مین کوئی قومین رہتی ہین اُنکی معاشرت یا ضروریات معاشرت ہمیشہ اُن ملکون یا اُن خطون کے مطابق ہوتی ہین - خواہ اُن قومون مین اور طرح سے کتنی ہی عداوت اور دشمنی یا بدظنی ہو لیکن اُن ضروریات اور اُن معاشرتی امور کے حاصل کرنے مین وہ ایک ہی لے اور ایک ہی دوڑ مین فاصلہ طے کرنا چاہتی ہین -

ہندوستان کی ہر ایک قوم کا سب سے بہکیان طریق ہندوستان کی ہوا یا پانی کا خواہان رہتا ہے - جب ہندوستان مین کوئی بیماری یا کوئی عارضہ وبائی رنگ مین عائد ہوتا ہے تو اُسوقت ہندوستان کی کسی قوم کا کوئی ممبر یہ نہین چاہتا کہ خدانخواستہ وہ عارضہ ہندوستان کے کسی حصہ مین جاری اور قائم رہے - شروع سے لیکر اخیر تک ہر قوم کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی ایسا عارضہ ہندوستان مین باقی اور عارض نہین رہنا چاہیئے - جب ہندوستان کی خوشحالی کا ذکر آتا ہے تو ہر قوم کا ممبر اپنے اپنے رنگ مین بہتری کا خواہان اور مشتاق ہوتا ہے - یہ عملی دلیل اس بات کی ہے کہ معاشرتی ضرور تون یا معاشرتی امور مین کوئی قوم دوسری قوم سے ایسی خوفناک ضد نہین کرتی جس سے اہم امور معاشرت مین خدانخواستہ تزلزل کا اندیشہ ہو -

جس طرح تمام مذاہب کے پرستار فروعات تک ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہین لیکن جب قدرت کے مقاصد مین بحث کرتے ہین تو عموماً اُنکا رخ ایک ہی طرف ہوتا ہے - مسجدون مندرون اور گرجون مین جب دعائین مانگی جاتی ہین تو سب کی زبانون پر اُس خدا کا نام ہوتا ہے جو سب کا ساتھی ہے -

کوئی ملک اور کوئی قوم اُس وقت تک معاشرتی رنگ مین ترقی نہین کرسکتی جب تک معمولی مذاہب کے سوا اُسکا تیسرا مذہب معاشرتی نہ ہو - اسوقت روے زمین پر

جسقدر قومین مختلف ترقی یافتہ ممالک مین ہین اُنکی ترقی کا راز اصلی یہی ہے کہ وہ معاشرتی مذہب کے اصول کی پابند ہین۔ یوروپ کی قومون مین کیون اتحاد اور کیون خلوص ہے؟ اس واسطے کہ وہ اس مذہب کی خوبیون اور عمدگیون سے واقف اور آشنا ہوچکی ہین۔

ان ترقی یافتہ قومون مین۔ دیگر مذاہب کا بھی زور ہے اور اُنکی تقدیس کی جاتی ہے۔ لیکن دُنیاوی سفر اور دُنیاوی نجات کیواسطے اُنکا عمل معاشرتی مذہب کے مطابق ہے۔ یہ وہ مذہب ہے جسکے دائرہ خوش آیند سے کوئی فرد بھی خوبی قسمت سے باہر نہین۔

زمانہ کی موجودہ رفتار بزور اعلان کر رہی ہے کہ کوئی قوم اُسوقت تک صفحۂ دُنیا پر عزت کے ساتھ قائم نہین رہ سکتی اور نہ اُسے زندہ قوم کہا جاسکتا ہے جو معاشرتی مذہب اور معاشرتی اصول کی پابند نہو۔ ہندوستان کی موجودہ حالت اسوقت زور سے یہ یاد دلا رہی ہے کہ اس مذہب کی پابندی اور تقدیس سے لوگون نے مُنہ پھیر لیا ہے۔ یہانتک کہ لوگ اسکی ضرورت اور وسعت سے قریباً ناآشنا ہین اور یہ نہین جانتے کہ یہ مذہب اپنی خوبیون اور اپنے اہم اصول کی وجہ سے کسان تک قابل تقلید اور قابل عزت ہے۔

اس مذہب پر بحث کرتے ہوئے سب سے اول ہندوستان کی تمام قومون سے خواہ وہ ہنود ہون اور خواہ عیسائی اور خواہ مسلمان یہ پوچھنا چاہیے کہ اُن کی زیست کا مدار کن امور پر ہے؟ کیا صرف روحانی مذاہب کی پیروی پر یا اُن توہمات کی بضاعت پر جو اسوقت زورون پر ہین۔

یا اُنکی زیست کا مدار اُن امور پر اور اُن وسائل کے بھروسے پر ہے جن سے روحانی خیالات کی تکمیل ہوتی ہے؟ اور کیا ایسے امور سب قومون مین مشترک نہین ہین؟۔

جب ہندوستان کی فلاکت یا فلاحت کی بابت بحث کی جاتی ہے تو اُسوقت کوئی روحانی اصول زیر بحث نہین ہوتا بلکہ زندگی کے معمولی وسائل سے بحث کی جاتی ہے جب ایسے وسائل مین کسی کو بھی کلام اور اختلاف نہین تو پھر اُن امور متفقہ کی بابت اتفاق نہ کرنا اُس معاشرتی مذہب کی تقدیس سے روگردان ہونا ہے جو عالمگیر ہے۔

ہر مذہب کے لوگ اس بات پر زور دیتے ہین کہ دوسرے مذہب کے لوگ اُنکے مذہب روحانی مین ملین اور اُنکا ساتھ دین اور آخری غرض گو تسکین یا نجات ہو مگر ابتدائی مدعا سوائے اسکے اور کیا ہوسکتا ہے کہ دیگر مذاہب کے لوگ اُنمین شامل ہوکر اُنکے معاشرتی اغراض مین عملاً حصہ لین اور اُن کے شریک بنین۔

اگر بجاے اسکے یہی کوشش کیجاے کہ براہ راست لوگ معاشرتی مذہب مین داخل ہون اور معاشرتی مذہب کی پابندی سے دُنیاوی زندگی کا سفر کرین تو بہ نسبت اس موجودہ تگ و دو کے خاص فائدے کی اُمید کیجاسکتی ہے اور ساری قومون کے واسطے کوئی ایسا دن بھی خوش قسمتی سے آسکتا ہے کہ اسی واحد پلیٹ فارم پر اپنا اپنا نظارہ خوشحالی اور امن کے رنگ مین کرسکین۔

معاشرتی مذہب کی ضرورت اور وسعت کے اعلان اور اشاعت کے واسطے ایک خاص کوشش اور خاص مذاق کی ضرورت ہے۔ جن لوگون کے خیالات اور معلومات اس مرحلے مین صاف اور روشن واقع ہوئے ہین اُنکا فرض ہے

کہ اس کی تبلیغ کے واسطے خاص خاص ذرائع سے کام لین اور خصوصیت سے ہر کوچہ اور ہر شاہراہ مین اسکا اعلان کرین۔

یہ وہ سبب نہین کہ لوگ اپنے اپنے تقدیسی مذاہب سے روگردان ہون یا چھوڑ دین یا اُنکی تقدیس اُنکے دلون سے اُٹھ جاے۔ بلکہ اس عالمگیر مذہب اور ہمہ اوست پنتھ کی اشاعت کے واسطے ایک خاص پہلو اختیار کیا جاے۔ موجودہ زمانہ زور سے اسکی تائید اور اشاعت کر رہا ہے اور وقت آنے والا ہے کہ بہت سی روحین خود بہ خود باوجود انواع اقسام کے مناقشون اور اُلجھنون کے بھی اسطرف ہوتی جائینگی۔

لیکن اگر اُس مجبوری کے زمانے سے پہلے ہی لوگ اسطرف بہ طیب خاطر متوجہ ہوسکین تو اُسمین ایک خاص برکت اور خاص زور ہو۔ اگر لوگ اس معاشرتی مذہب سے اخیر وقت تک باوجود زمانہ کی اس تبلیغ کے منحرف رہے تو اُسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ قومین بربادی کے غار مین گر کر رفتہ رفتہ معدوم ہوجائین گی۔

ہندوستان کی قومون مین آشتی اور صلح موجودہ مذاہب کی مداخلت سے نہین مفقود ہے۔ بلکہ اسواسطے کہ لوگون نے توہمات کے زور سے مذاہب کے اغراض سے لاپروائی کر رکھی ہے۔ جب مذاہب کی تقدیس اور تبلیغ علی رنگ مین ہونے لگے گی تو اُسوقت معاشرتی مذہب کی برکتین نمودار ہونگی۔ ہر مذہب معاشرتی مذہب کی تائید مین واقع ہوا ہے۔

چونکہ لوگ معاشرتی مذہب کی وسعت اور ضرورت سے نابلد ہین اور نہین جانتے کہ اُسکی طلب مین کہان تک چلی جاتی ہین اسواسطے روحانی مذاہب کے اصول سے معاشرتی مذہب کے اصول کو متضاد جانتے ہین وہ موجودہ مذاہب کے توہمات جو محض خود سازی کا اثر ہین راحت اور آسایش یا اصلی انسانیت کے مقدس مفہوم سے بہت کچھ پرے رکھتے ہین۔ لیکن موجودہ مذاہب کی اصلی غرضین ان مفہومات کی منافی نہین ہین۔

اگر ایک مجمع مین یہ اعلان کیا جاے کہ آج معاشرتی مذہب پر تقریر کیجائیگی تو شاید بہت کم لوگ دفعتہً اصلی مفہوم کا صحیح رنگ مین احساس کرسکین اور بہت سے لوگ ایک حیرت کے ساتھ اُس جلسہ مین شریک ہونے کی آمادگی ظاہر کرین۔ یہ طریق عمل اُن قومون کا ہے اور یہ روش اُن ملکون مین پائی جاتی ہے جنکی قومین اور جنکی نسلین مردہ ہین۔

جو قومین زندہ اور جو نسلین اس موت کے غار سے بسلامتی نکل چکی ہین اُن مین جب کوئی ایسا مبارک اعلان کیا جاتا ہے تو وہ صدہا اُمنگون اور جوش کے ساتھ آتی ہین اور فائدہ اُٹھاتی ہین۔ روحانی مذاہب بھی اُنکی تائید اور اُنکی شرکت کے واسطے دوڑی سے لبیک کرتے ہین اور روحین جسمانی آسایش کے واسطے خلوص سے موجود ہوتی ہین۔

جب ایک پوجاری مندر مین ناقوس اور ایک گرجہ مین منادگھنٹی بجاتا اور ایک مسجد مین موذن اذان دیتا ہے تو لوگون کے کان کھڑے ہوجاتے ہین۔ لیکن زمانہ جو شب و روز معاشرتی مذہب کی منادی کرتا ہے اُسکی طرف بدقسمتی سے بعض قومین سنتے تک نہین کرتین حالانکہ ان دونون منادیون اور دونون صداؤن کا مفہوم قریباً ایک ہی ہے۔

مندر۔ گرجے اور مسجدین اُسی حالت مین بچ سکتی ہین اور اُنکے پرستارون مین بھی خلوص اُسی صورت مین ہوسکتا ہے جب معاشرتی مذہب کی تقدیس ایک جوش کے ساتھ کیجاے

لوگ اس مذہب سے مانوس ہونے کی کوشش کرین اور مین کامیابی کا پودا پھولے پھلے اور کچھ رنگ لائے۔
اسکے پاک اصولون کی تفسیر کرکے دکھائین۔ شاید اس صورت

سلطان احمد

پنڈت بشن نراین دَر

(متخلص بہ آبر)

باغ جہان مین کھلتے ہین گل کتنے جا بہ جا — بو بھی نہین سُنگھاتی ہے جن کی کبھی صبا
کتنے گہر ہین گرد یتیمی مین مبتلا — آبگینے خاک مین ہین پڑے کتنے بے جلا
ہین بے نشان کتنے نگین ہاے نامدار
حیران جنکو دیکھکے ہو عقل سادہ کار
(آبر)

مین عزیزان وطن کی نگاہون کے سامنے ایسی زندگی کا مرقع پیش کر رہا ہون جسکی قدرتی آب وتاب پر مکروہات دنیوی کے گرد و غبار نے پردہ ڈالدیا ہے مگر جسکا حُسن ازلی عقیدت مند آنکھون سے پنہان نہین ہے۔ جو بندگان خدا محض دولت دنیا اور شہرت و ناموری کو مآل کار ہستی سمجھتے ہین اُنکو اس زندگی کے افسانہ مین ایک واقعہ بھی دلچسپ نظر نہ آئیگا۔ لیکن جن علم دوست محبان وطن کا یہ خیال ہے کہ انسان کے دل و دماغ مین اکثر ایسے جوہر لطیف موجود ہین جنکا حُسن ذاتی مصنوعی شان و شوکت کی جلا کا محتاج نہین ہے وہ اس حیرت و عبرت کی داستان کو ضرور ادب کے کانون سے سُنینگے۔

پنڈت بشن نراین صاحب دَر کی زندگی ایک ایسے مرد قانع کی زندگی ہے جس نے علم کو دولت اور ملک و قوم کی خدمت کو ذریعۂ نجات سمجھا۔ اور آزاد خیالی اور بلند نظری کو انسانی شرافت کا معیار خیال کیا۔ جو واقعات ذیل مین قلمبند ہین اُنکو انہین صفات کی تفسیر سمجھنا چاہیے۔ آپ ضلع بارہ بنکی مین ۱۸۶۴ء مین پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ آٹھ نو برس کے سن مین اُردو فارسی کی ابتدائی تعلیم شروع ہوئی۔ اسکے بعد اسکول مین انگریزی تعلیم کی بنیاد پڑی۔ انگریزی زبان سے آپ کو کچھ ایسا خلقی اُنس تھا کہ مڈل ہی کی جماعت مین آپ نے علاوہ نصاب تعلیم کی کتابون کے انگلستان کے مشہور مصنف اسمائلس (Smiles) کی وہ نورانی تصانیف پڑھین جو سلف ہلپ (Self-help) اور کیرکٹر (Character) کے لقب سے مشہور ہین۔ ان کتابون کو آپ کے علمی مذاق کی عالیشان عمارت کا بنیادی پتھر خیال کرنا چاہیے۔ انٹرنس مین پہونچکر آپ کے مطالعہ کا دائرہ اسقدر وسیع ہوا کہ آپ نے کارلائل ایسے خاراشگاف مصنف کی زبردست تصنیف ہیرو اور ہیرو ورشپ (Hero and Hero-worship) کو بارہا پڑھا اور جزو دماغ کیا۔ اسکے علاوہ اسکیٹیٹر (Spectator) کو بھی بہت پڑھا۔ انٹرنس کی منزل طے کرنے کے بعد لکھنؤ مین کیننگ کالج مین شریک ہوکر ایف۔ اے کی جماعت مین قدم

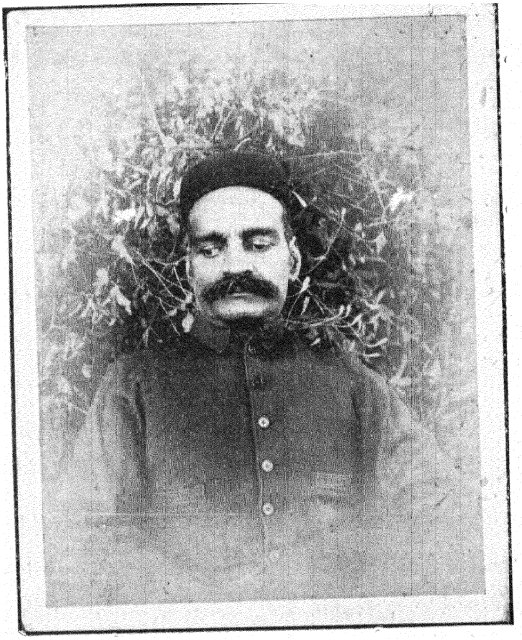

پنڈت بشن نرائن در بیرسٹر ایٹ لا – لکھنؤ

انڈین پریس الہ آباد

رکھا۔یہان کالج کا نفیس کتب خانہ کیا ملا گویا پیاسے مسافر کو دریا کا کنارہ مل گیا۔یہان آپ مذہب و اخلاق اور فطرت انسانی کے فلسفے کے متعلق متعدد کتابین پڑھا کئے جن مین مندرجہ ذیل تصانیف خاص شوق کے ساتھ پڑھین۔

(1) Spencer's Study of Sociology.
(2) Spencer's Essays.
(3) Spencer's First Principles.
(4) Hume's Essays.
(5) Conflict between Science and Religion.
(6) Mill's Subjection of Women.
(7) Mill's Three Essays on Religion.

آخری کتاب لکھنؤ سے بنارس تک ریل کے سفر مین پڑھ ڈالی۔میرے نوجوان دوستو اس علمی شوق کی مجسم تصویر پر نظر ڈالو اور اپنے مذاق کی پاکیزگی پر غور کرو۔اول تو نصاب تعلیم کی کتابون کے علاوہ تمہارے لئے دوسری کتاب کا پڑھنا محض خلاف وضع ہی نہین ہے بلکہ کفر مین داخل ہے۔اور خدا خدا کرکے یہ کفر اگر کبھی ٹوٹتا بھی ہے تو ان ادنیٰ درجے کے افسانون کے مطالعہ سے جنکا بازار اسٹیشنون پر گرم رہتا ہے۔دیکھو اگر ایک ایف۔اے کی جماعت کا طالبعلم اپنی دماغی قابلیت کو کافی نشوونما دیتا ہے تو وہ کارلائل۔مل۔اور اسپنسر کے ایسے باریک بین اور نکتہ سنج مصنفون کے آسمان فکر سے تارے توڑکر لاسکتا ہے۔مگر یہ ہو تو کیونکر ہو تم کو پوشاک کی تراش و خراش اور دماغ کے بیرونی حصہ کی آرائش اور بیٹ اور رکیٹ کی گردش پر وجد کرنے ہی سے فرصت نہین ملتی کہ تم مل اور اسپنسر کی روح پر احسان کرو۔پنڈت بشن نرائن درؔ کا یہ وتیرہ نہ تھا۔آپ طالبعلمی کے زمانہ مین دماغی مشاغل مین ہمہ تن محو رہتے تھے۔اور انگریزی لکھنے مین آپ نے خاص مہارت پیدا کرلی تھی۔کالج کی تعلیم کے علاوہ آپ کے دل و دماغ کی نشوونما پر ایک اور بہترین اثر پڑ رہا تھا۔یہ کشمیری کلب کا اخلاقی اثر تھا اس کلب کے جلسے ہفتہ وار ہوتے تھے جن مین مختلف اخلاقی اور علمی مسائل پر بحث ہوتی تھی اس مرکز اخلاق کا اثر بہت زبردست اور وسیع تھا اور حضرت درؔ خود فرماتے تھے کہ آپ کے گھر کی نظری تعلیم ایسی تھی کہ اگر آپ کلب کے ممبر نہ ہوئے ہوتے تو شاید قومی اور سوشل مسائل کے متعلق آپ اکثر نئے خیالات سے عرصۂ دراز تک بے خبر رہتے۔غرضکہ کلب کی تربیت اور ذاتی مطالعہ کتب سے آپ کے خیال روز بروز وسیع اور روشن ہوتے گئے اور آپ کو ولایت جانے کا خیال پیدا ہوا۔یہ خیال رفتہ رفتہ ترقی کرتا گیا اور کالج کی تعلیم سے طبیعت ہٹ گئی۔اس عرصہ مین امتحان کا زمانہ آیا اور آپ ریاضی کی مدمین ناکامیاب رہے اور بی۔اے کی جماعت مین ترقی نہ پاسکے۔اس ناکامیابی نے ولایت کے شوق پر تازیانہ کا کام کیا۔لیکن یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ولایت کے نام سے روح فنا ہوتی تھی اور ولایت کا سفر عقبےٰ کے سفر سے کم وحشت ناک نہین خیال کیا جاتا تھا۔لہٰذا والدین سے اجازت ملنا ناممکن تھا۔مگر آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کو موافق کرلیا اور بجز دو ایک احباب کے اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کیا۔اور ایک روز الٰہ آباد کے سفر کا بہانہ کرکے بمبئی روانہ ہوگئے اور وہان سے ولایت کی راہ لی۔لندن پہونچکر آپ نے بیرسٹری کی تکمیل کی فکر کی مگر چونکہ قانون سے طبعی مناسبت نہ تھی لہذا اسکو محض اک معاش کا ذریعہ سمجھا اور اپنا علمی مذاق

وہان بھی قائم رکھا۔ ولایت کے تین سال کے قیام کے زمانہ مین آپ نے زیادہ تر فن تاریخ۔ فلسفہ۔ اصول پالیٹکس (Abstract Politics) اور سوشیالوجی (تمدن) کے متعلق کتابین پڑھین خصوصاً ڈیل کی کتابون پر زیادہ توجہ رہی۔

Herbert Spencer's Works.

Huxley's Essays.

Tyndall's Fragments of Science.

Darwin's Origin of Species.

Mill's Works.

Lecky's Rationalism.

Lecky's History of European Morals.

History of Civilization.

Draper's Intellectual Development of Europe.

Sir H. Mayne's Works.

Carlyle's Works.

ولایت کے سفر کے قبل کارلائل کی ہیرو ورشپ اور اسپنسر کی سوشیالوجی کا اثر آپ کی دماغی تربیت پر بہت پڑا تھا۔ ولایت مین آپ کو مل کی تصانیف پڑھنے کا زیادہ شوق دامنگیر ہوا۔ آپ فرماتے تھے کہ ولایت مین آپ نے مکالے کی کوئی تصنیف نہین پڑھی بلکہ ہندوستان واپس آنے کے بھی کئی برس بعد اس برق وش مصنف کی کتابون کی سیر کی۔ پنڈت بشن نراین درؔ کو سنجیدہ تصانیف کا مطالعہ ہمیشہ مدنظر رہا۔ افسانون اور ناولون کو بالائے طاق رکھا۔ یعنی ادنےٰ درجے کے ناول تو خارج از بحث ہین پنڈت صاحب موصوف نے ولایت سے واپس آنے کے بعد انگلستان کے جادو نگار مصنف اسکاٹ کے تاریخی افسانے پڑھے۔ ولایت کی تعلیم سے آپ کا علمی مذاق پختہ ہوگیا۔ اور آپ کو انگریزی ادب اور انگریزی زبان پر وہ عبور حاصل ہوگیا جسکی تعریف آسان ہے مگر تقلید مشکل ہے۔ انگریزی زبان کے مصنفین مین کارلائل۔ ملؔ۔ فروڈ۔ میتھو آرنلڈ۔ ہکسلی۔ مارلی۔ ہیربرٹ سپنسر۔ برک زیادہ تر ہمیشہ سے آپ کے پسند خاطر رہین اور شعرا مین شیکسپیر۔ باترن شیلی۔ کیٹس۔ ورڈسورتھ اور ٹینی سن کے چمنستان سخن مین آپ زیادہ گرم سیر رہتے ہین۔ ملٹن کا کلام کم پڑھا ہے اور اسطرف طبیعت بھی زیادہ مائل نہین ہے۔

ولایت کے اخبارون مین لندن ٹائمس کی نسبت آپ ایک لطیفہ بیان کرتے تھے کہ اس گران قدر اخبار کی نسبت آپ سے ولایت کے قیام کے زمانہ مین مسٹر نٹنگ نے (جو کہ اب سر پرسی نٹنگ ہین) فرمایا کہ اگر تمکو دریافت کرنا ہو کہ انگریزون کا اصلی خیال کیا نہیں ہے تو ٹائمس کو پڑھو

"If you wish to know what the English people do not think, read the *Times*."

یہ ایک عجیب فقرہ تھا۔ مگر پنڈت صاحب موصوف کا خیال ہے کہ ایسا کہنا بالکل صحیح نہین ٹائمس مین جمہور کے خیالات کا عکس نہو مگر اس کو امرا اور اکابر کے جذبات اور خیالات کا مرقع ضرور سمجھنا چاہیے۔ ولایت کے اکثر اخبارون اور رسالون مین پنڈت بشن نراین نے مضامین لکھے جو وہان وقعت کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ ولایت کے قیام کے پہلے سال مین پنڈت صاحب موصوف کو پولیٹکل امور مین زیادہ دلچسپی پیدا

نہین ہوئی مگر جب ۱۸۸۵ء کے آخر مین مسٹر گلیڈسٹن نے ہوم رول بل پیش کرکے انگریزون کے پولٹیکل خیالات کے دریا مین تلاطم پیدا کردیا تو اُس سے آپ بھی متاثر ہوئے اور ہندوستان کے پولٹیکل حقوق کی حفاظت کے جذبات آپ کے دل مین بھی بیدار ہوئے - حسن اتفاق سے اُسی زمانہ مین مسٹر لال موہن گھوش مرحوم اور مسٹر چندر دار کربھی ہندوستان کے ادبار و بیکسی پر نوحہ خوانی کرنے کیلئے ولایت تشریف لے گئے اور مسٹر گھوش موصوف نے پارلیمنٹ کی پولٹیکل خانقاہ مین اپنا سجادہ قائم کرنے کی فکر کی - ان تمام واقعات کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ آپ نے بھی ہندوستان کے پولٹیکل مسائل کا مطالعہ شروع کیا اور ملکی خدمت کا بیڑا اُٹھالیا - ولایت سے بیرسٹری کا امتحان پاس کرکے واپس آنے کے بعد آپ نے مطالعۂ قانون محض تفنّن طبع کی طور پر جاری رکھا اور پولٹیکل اور سوشل مسائل کی چھان بنان مین ہمہ تن سرگرم رہے - آپ کے کتب خانہ مین انگریزی ادب و فلسفہ و اخلاق وغیرہ کی کتابون کی تعداد سیکڑون سے تجاوز کرگئی مگر قانون کی کتابون کا ذخیرہ بہت محدود رہا - مین اپنے ذاتی علم سے کہہ سکتا ہون کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت مین نیاز حاصل کرنے کے لئے جانا ہوا تو یہ تماشا نظر آیا کہ آپ کسی پولٹیکل یا سوشل مسئلہ پر مضمون تحریر فرما رہے ہین اور خدمتگار کو یہ ارشاد ہوا ہے کہ اگر موکل آئے تو اُس سے کہدو کہ بیرسٹر صاحب گھر پر موجود نہین ہین - دُنیادار اور زر پرست اس اخلاقی سرگرمی کو نرم سے نرم الفاظ مین جنون اور سخت الفاظ مین حماقت کہینگے مگر جن فدائیان وطن کے دل درد محبت سے آشنا ہین اور جنکے سر پر ایثار کے فرشتے کے پرون کا سایہ ہے وہ ضرور اس حب الوطنی کے جوش پر درود پڑھینگے - میرے دو ستو انسانی عظمت اسی کا نام ہے اور حیات جاودانی کا سرمایہ ایسی ہی زندگی سے حاصل ہوتا ہے مگر حرص و ہوا کے اسیر اور خود پرستی کے شیدا ان روحانی رموز سے واقف نہین - فارسی کا اُستاد کہ گیا ہے؟

حریف ناوک مژگان خون ریز مَنی ناصح بدست آور رگِ جانے و نشتر را تماشا کن

۱۸۸۶ء مین جب کانگرس کا تیسرا اجلاس مدراس مین ہوا تو پنڈت بشن نراین درجی اُسمین شریک ہوئے - کانگرس مین شریک ہونے کا آپ کا یہ پہلا موقع تھا - لیکن آپ کی تقریر سے کانگرس کے پیرطریقت مسٹر ہیوم ایسے متاثر ہوئے کہ اُنہون نے اقتدر یہ کے ایک اقتباس سے کانگرس کی روئداد کی پیشانی کو رونق بخشی

آپکی پولٹیکل جدوجہد کا سلسلہ جاری تھا کہ ۱۸۹۳ء مین اعظم گڈھ کے ہندو مسلمانون مین گاوکشی کی بنیاد پر فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہوگئی اور بعض حکام ضلع کی ناعاقبت اندیشی اور پولٹیکل تعصّب کی وجہ سے واقعات نے یہ رفتار اختیار کی کہ ہندوون پر سرکاری عتاب نازل ہوا اور متعدد ہندو رئیسون اور زمیندارون کی آبرو خطرہ مین آگئی - اس طوفان کے عالم مین جبکہ سرکاری قہر سے اعظم گڈھ کے در و دیوار بھی پناہ مانگ رہے تھے اور کسی وکیل یا بیرسٹر کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ ناکردہ گناہ ملزمون کے مقدمات کی پیروی کرے پنڈت بشن نراین درّ خود اعظم گڈھ تشریف لے گئے اور وہان کل واقعات کی تحقیقات کرکے ایک معرکہ آرا پمفلٹ مین حکام کی انتظامی بدعنوانیون کا پردہ فاش کیا - یہ پولٹیکل معرکہ اس صوبہ کی تاریخ مین یادگار رہیگا - اور اُس زمانہ مین بنگال کے اخبارون نے لکھا تھا کہ پنڈت بشن نراین درّ نے وہ کام کیا ہے جسکے لئے اگر اُن کا سونے کا بُت قائم کیا جاے تو مناسب ہے -

اس پمفلٹ کے علاوہ پنڈت صاحب موصوف نے اکثر طولانی مضامین پولیٹیکل اور سوشل مسائل پر مختلف اخبارون مین لکھے ہین جنکے پڑھنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے مغربی ملکون کی تاریخ اور فلسفہ پر کیسا عبور حاصل کیا ہے اور مغربی اصول کی روشنی مین آپ کس آسانی سے ہندوستان کی پولیٹیکل اور سوشل گتھیان سلجھانے کی کوشش کرتے ہین آپکی تحریرین ہمیشہ نہایت فلسفیانہ آزاد خیالی کے جوہر سے معمور ہوتی ہین اور اعلیٰ درجہ کی تنقید کا نمونہ ہوتی ہین - جہان تک حسن تحریر کا تعلق ہے اُسکی تعریف میرے قلم کی محتاج نہین ہے بابو گنگا پرشاد صاحب ورما کہتے تھے کہ مسٹر ڈگبی نے اُن سے ایک مرتبہ فرمایا کہ اسوقت ہندوستان مین دو شخص اعلیٰ درجہ کی انگریزی لکھ سکتے ہین ایک پنڈت بشن نرائن دَر اور دوسرے مسٹر ان - ان گھوش مرحوم -

ڈاکٹر تیج بہادر سپرو کا بیان ہے کہ جب وہ آگرہ مین کالج مین پڑھتے تھے تو ایک روز مسٹر اینڈرو ز اُنکے پروفیسر جو کہ خود انگریزی زبان کے ایک عالم متبحر تھے کہنے لگے کہ اگر اس صوبہ مین کوئی شخص ایسی انگریزی لکھتا ہے کہ جسکی تحریر پر اہل زبان انگریز کی تحریر کا دھوکا ہوتا ہے تو وہ بشن نرائن دَر ہے - ڈاکٹر صاحب موصوف یہ بھی فرماتے تھے کہ آگرہ کالج کے پرنسپل مسٹر مامن نے اُنسے بطور تذکرہ ایک روز کہا کہ جو مضامین بشن نرائن دَر نے آثار زمانہ (Signs of Times) کے عنوان سے تحریر کئے ہین - اگر مین ایسے مضامین لکھتا تو ولایت کے کسی نامی اخبار مین شایع کرتا اور اُن کی اشاعت سے میرا نام ہوگیا ہوتا -

پنڈت بشن نرائن دَر کا علمی مذاق محض انگریزی ادب اور انگریزی زبان تک محدود نہین اُردو اور فارسی شاعرون کا کلام بھی آپ نہایت شوق سے پڑھا کرتے ہین اور آپ کا خیال یہ ہے کہ قومی اور ملکی ترقی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اپنے وطن کی قدیم زبانون کو یعنی اُردو ہندی وغیرہ کی مردہ ہڈیون مین نئی روح پھونکی جاے - چنانچہ آپ خود اُردو کے سخن سنج ہین - پہلی غزل جو اُردو مین آپ نے تصنیف فرمائی تھی اُسکا ایک شعر مجھے اسوقت یاد آگیا - وہ شعر یہ ہے -

حبیبِ ملک ہین اپنے وطن سے ہمکو الفت ہے
تمنائے ولایت کیا کریں ہندوستان ہوکر

بارہ تیرہ سال کا عرصہ ہوا کہ پنڈت للتا پرشاد صاحب بٹ پوری کے یہان لکھنؤ مین دو سال تک مشاعرے ہوا کئے - یہ مشاعرے بھی یادگار رہینگے - پنڈت بشن نرائن دَر برابر ان مشاعرون مین شریک ہوتے رہے اور برابر طرحی غزلین کہتے رہے - پہلی ہی غزل جو آپ نے مشاعرہ مین پڑھی اُسکا ایک شعر بہت مقبول ہوا اور مشہور بھی ہوا - ؎

نیتِ پاک ہی کافی ہے طہارت کے لئے
نہ وضو چاہیئے زاہد نہ تیمم مجھ کو

ایک مرتبہ آپ دہلی تشریف لے گئے اور وہان قطب کی لاٹ کی سیر کو بھی گئے - اُس خاص موقع پر آپ نے ایک رباعی تصنیف فرمائی -

رباعی

دُنیا کی عجب ہم نے ہستی دیکھی پہونچے جو بلندی پہ تو پستی دیکھی
مینار قطب سے ہم نے ڈالی جو نگاہ اُجڑی ہوئی دہلی کی بھی بستی دیکھی

اُردو شاعرون مین آپ کو آتش و انیس و غالب کا کلام بہت پسند ہے - اور انیس کو آپ تمام اُردو شعرا مین ممتاز سمجھتے

ہین - اور نیز آپ کا یہ خیال ہے کہ اعلیٰ درجہ کے اُردو شعرا کی پرواز فکر اکثر بڑے بڑے انگریزی شعرا کی پرواز فکر کا مقابلہ کرتی ہے - آپ کے کلام سے چند اشعار تبرکاً درج ذیل ہین -

قیدیِ دام رگ گل ہون برنگ رنگ گل
اے صبا آزاد کردے صورت نکہت مجھے

من وسلوا مفت کا گر ہو تو ہے مجھ کو حرام
ہو ریاضت کی تو نانِ خشک ہے نعمت مجھے

ہر دانہ کی کیا تیز زمین کل تھی حقیقت
کیون خاک سے دامن کو اُٹھائے ہین شجر آج

ہے بیکاری بھی اس خمخانۂ عالم مین باکاری
جو خالی بیٹھے ہین وہ عمر کا پیمانہ بھرتے ہین

جب نہ سوجھی راہِ حق گم گشتگان دہر کو
شیخ کوئی ہوگیا کوئی برہمن ہوگیا

اثر ہو سننے سے کانون کو یا نہ ہو لیکن
جو فرض تھا وہ ادا کرچکی زبان اپنا

ہر اک تھا زیر سایۂ دامان مادری
کس کو نہین ہے یاد وہ الطاف گستری

موقوف جب تھی شیر ہی پر جسم پروری
تاثیر مادری سے ہو کیونکر کوئی بری

بچون کو مان کی گود بھی مکتب سے کم نہین
اس مدرسہ مین حاجتِ لوح و قلم نہین

ابھی دو تین ہفتہ کا عرصہ ہوا کہ بیماری کی حالت مین آپ نے الموڑہ سے ایک غزل کمکر بھیجی ہے - وہ اک شعر اُس کے درج ذیل ہین -

طریقِ لطف مہمانی مین یکسان دوست دشمن ہیں
گھر اُسکا ہے یہان جو آشنا بیگانہ آتا ہے

نکل آئے ہین کسی وحشت سرا مین تیرے دیوانے
نظر کو سون تلک ویرانہ ہی ویرانہ آتا ہے

ہین مرگ وزیست پردے شعبدہ گر کے تماشے کے
نظر بندی کا عالم ہے کوئی جاتا نہ آتا ہے

لیکن دس بارہ سال کے عرصہ سے آپ کچھ ایسے مکروہات دُنیوی سے تنگ رہے ہین جسکی وجہ سے آپ کو پولیٹکل معرکہ آرائیون کے میدان سے ہٹکر گوشۂ تنہائی اختیار کرنا پڑا اور سوا ے مطالعۂ کتب کے آپ کے تمام دماغی مشاغل کا بازار سرد رہا - یہی وجہ ہے کہ عرصۂ دراز سے آپ کے اہل وطن آپ کی تحریر و تقریر کے فیض سے محروم رہے اور ملک کے اکثر گوشون سے یہ صدا آیا کی ؎

صد فصل نو بہار گذشت و درین چمن
بُلبل تو نالۂ نکشیدی چہ شد ترا

زیادہ افسوس کا مقام یہ ہے کہ ملک اور قوم کی بدنصیبی آپ کی مسلسل علالت کی شکل مین نمودار ہوئی ہے جس مین آپ چار سال سے گرفتار ہین - لیکن اس عالم مین بھی آپ ملک کی خدمت سے بے خبر نہین ہین - لکھنؤ کی پراونشل کانفرس مین جو آپ نے زبردست تحریر رفارم ہیکم کے متعلق پڑھی تھی اس سے لوگون پر یہ آئینہ ہوگیا کہ تپ دق کی جانگداز علالت سے بھی اس شیر دل اور شیر مرد مدبر کی قوت دماغ مین اور

شانِ تحریر مین فرق نہین آیا ہے - یا جو مضمون آپ کا ۱۲ - دسمبر ۱۹۰۹ء کے لیڈر مین نئی کونسل کے قواعد کے متعلق شایع ہوا ہے اُسنے سب کو حیرت مین ڈالدیا ہے اور آپ کی صحت کی ناقابل اطمینان حالت کو دیکھکر اگر مین اس مضمون کو قوت تحریر کا معجزہ کہون تو نامناسب نہ ہوگا - ملک کے پولیٹیکل واقعات کی رفتار کا اندازہ آپ اپنی بیماری کے بسترسے کررہے ہین - اور جان مالی کی نیک نیتی مین آپ کو یقین نہین بلکہ عقیدہ ہے - اس وقت اکسٹریمسٹ یعنی شورش پسند فرقے نے جو ملک مین ہنگامۂ حشر بپا کررہا ہے اسکے نسبت آپ ایک حال کے خط مین تحریر فرماتے ہین -

" اسوقت کی پولیٹیکل شورش کی نسبت میری نہایت مختصر راے یہ ہے کہ (Anarchy)[۵۱] تو ہر طرح سے قابل گردن زدنی ہے لیکن (Extremism)[۵۲] ابھی ہمارے واسطے سخت مضر ہے - جس قسم کے فائدہ ان سے کبھی کبھی بعض ملکون مین ہوے لیکن جو میرے نزدیک نہایت مشتبہ ہین وہ بھی ابھی ہندوستان کو ۵۰ برس تک نہین ہوسکتے - میرے نزدیک جو بمبئی کے لیڈر ہین انھون نے اس معاملہ کو خوب سمجھا ہے اور بہت دانشمندی کی پالیسی اختیار کی ہے - بنگال کے بعض لیڈرون کی حالت قابل اطمینان نہین ہے اور ہمارے صوبہ والون کو تو انکی کبھی اس معاملہ مین تقلید نہین کرنا چاہیے (Moderate)[۵۳] فریق کے اصول بہت عمدہ ہین مگر اُن سے مجھکو یہ خوف ہمیشہ لگا رہتا ہے کہ وہ (too moderate)[۵۴] نہ ہوجائین "

طالبعلمون کو آپ خاص محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور متعدد نوجوان آپ کے علمی فیض کے چشمے سے سیراب ہوچکے ہین - اور اسوقت تک اپنے کو آپ کا شاگرد خیال کرتے ہین اور فخر کرتے ہین - ڈاکٹر تیج بہادر صاحب سپرو - ایم - اے - ایل - ایل - ڈی اس صوبہ کے تعلیم یافتہ حضرات مین خاص امتیاز رکھتے ہین - آپ ایک خط مین تحریر فرماتے ہین -

" ۱۸۹۵ء مین مجھے پنڈت بشن نراین سے دہلی مین چند بار موقع ملاقات کا ہوا اور اسکے بعد مجھے اُن سے ایسی عقیدت ہوگئی جیسے کہ کسی شاگرد کو اُستاد سے ہوتی ہے مین نے اُسی زمانہ مین ایم - اے کا امتحان پاس کیا تھا - اور ایم - اے کے امتحان کے کورس مین میرے زمانہ مین مِل کی مشہور کتاب لبرٹی (Liberty) مقرر تھی - باوجودیکہ مین نے اس کتاب کو نہایت محنت سے پڑھا تھا مگر چند مشکلات مجھے ایسی معلوم ہوتی تھین کہ جنکا جواب مین خود آسانی سے نہین دیسکتا تھا - مین نے ایک مرتبہ موقع پاکر پنڈت صاحب سے انکا تذکرہ کیا . . . . . مین اپنے تجربہ کے بعد یقیناً کہہ سکتا ہون کہ مِل کو جس خوبی کے ساتھ پنڈت بشن نراین صاحب نے سمجھا ہے بہت کم ہندوستانیون نے سمجھا ہوگا "

اسی صورت پر پنڈت منوہر لال صاحب زتشی ایم - اے پروفیسر ٹرینگ کالج الآباد ایک خط مین تحریر فرماتے ہین -

" مجھے یہ کہنے مین کلام نہین ہے کہ پنڈت بشن نراین در نے مجھکو غور و فکر کا طریقہ بتلایا - مجھکو اُنکی علمی شاگردی کا فخر ہے اور مین اُنکی خدمت مین نیاز حاصل ہونے کو اک نعمت سمجھتا ہون "

میرے دوستو ابھی تک مین نے پنڈت بشن نراین در کے دماغی اوصاف کا ذکر کیا ہے - لیکن پنڈت صاحب مرحوم کی اصلی وقعت و عظمت کا اندازہ وہی حضرات کرسکتے ہین جنکو

---

۵۱ - طوایف الملوکی - ۵۲ شورش پسند فرقہ کا طرز عمل - ۵۳ اعتدال پسند - ۵۴ ضرورت سے زیادہ اعتدال پسند -

آپ کی خدمت مین دوستانہ یا شاگردانہ نیاز حاصل ہے۔ میرا یہ کہنا ہرگز مبالغہ مین داخل نہوگا اور آپ کے احباب مجھسے کلیتہً اتفاق کرینگے کہ پنڈت صاحب موصوف اپنے صفائی قلب۔ حمیت و نیک نیتی اور صبر و استقلال کے لحاظ سے انسانی عظمت کی تصویر ہین یا یون کہون کہ قدرت نے توکل اور استغنا کے پُتلے مین کسی یوگی کی روح پھونک دی ہے۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ کے احباب آپ کی پرستش کرتے ہین۔ جب آپ کے ولایت سے واپس آنے پر کشمیری پنڈتون کے فرقہ مین طوفان بے تمیزی برپا ہوا اور آپ کو قوم سے خارج کرنے کا فتویٰ دیا گیا تو اُس زمانہ مین بھی آپ کے دل مین بغض و کینہ کے جذبات جوش مین نہ آئے اور آپ نے اپنے پُرجوش مخالفین کی حماقتون کو ہنسی مین ٹال دیا۔ اور آپکی اس اخلاقی عظمت کا یہ نتیجہ تھا کہ کشمیری پنڈتون مین سفر ولایت کا مسئلہ آسانی سے طے ہوگیا۔ آپ کا ہمیشہ یہی اصول رہا ؎

وفا سرشت ہون شیوہ ہے دوستی میرا
نہ کی وہ بات جو دشمن کو ناگوار ہوئی

مگر مین یہ ضرور کہونگا کہ اکثر موقعون پر پنڈت صاحب کا توکل و استغنا درجۂ اعتدال سے گذر جاتا ہے مثلاً ایک مرتبہ انگلستان کی مشہور فسانہ نگار مسز آسٹیل نے آپ سے یہ درخواست کی کہ آپ اپنے تمام مضامین اُنکو عنایت کرین تاکہ وہ اپنے زیر اہتمام ولایت مین شایع کرائین اور وہان کے انگریزون پر آپ کے خداداد طبعی جوہرون کا اظہار کرین۔ آپ نے مضامین دینے کا وعدہ تو کر لیا مگر آپ کے پاس آپ کے ایک مضمون کا بھی مسودہ نہ تھا۔ اب مضمون آئین تو کہان سے آئین۔ بہرحال آپ کے اکثر احباب آپ کے مضامین جمع کرتے تھے۔ اُنہون نے جتنے مضامین آپ کے قلم سے نکلے ہوئے دستیاب ہوسکے آپ کے حوالے کئے مگر آپ کے استغنا اور تساہل نے اس امر کی اجازت نہ دی کہ آپ وہ مضامین مسز آسٹیل کو روانہ کردین۔ اُنہون نے ولایت پہونچکر بہت تقاضے کئے۔ لیکن یہان سے بجز سکوت کے جواب نہ ملا۔ آخر معلوم ہوا کہ وہ مضامین آپ سے گُم ہوگئے۔ مین یہ ضرور کہون گا کہ آپ کو ذاتی شہرت کا خیال مطلق نہین ہے لیکن اگر آپ کے مضامین ولایت مین مسز آسٹیل کے اہتمام سے شایع ہوجاتے تو غریب ہندوستان کا بہت کچھ بھلا ہوتا اور وہان کے انگریز اس تیرہ خاکدان کی بہت سی حالتون سے واقف ہوجاتے۔ اسیطرح ایک مرتبہ کسی جرمن سائنٹسٹ نے آپ کو ایک خط بھیجا اور اُس مین یہ درخواست کی کہ آپ مسئلہ ذات کے متعلق اگر ایک مضمون لکھکر بھیجدین تو آپ کو پی۔ ایچ۔ ڈی کا خطاب دیا جاے آپ نے اس خط کو بھی ردی کی ٹوکری کے سپرد کیا۔ آپ کے دوستون کو اسطرح کی متعدد مثالین یاد ہین جبکہ آپ نے شہرت سے دور بھاگنے کی کوشش بلیغ فرمائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جناب موصوف میری اس نکتہ چینی کی گستاخی کو معاف فرمائینگے کیونکہ مین ہمیشہ سے آپ کو اپنا محسن اور فرشتۂ رحمت خیال کرتا ہون۔ اس توکل و استغنا کے ساتھ طبیعت مین صبر و استقلال کا یہ عالم ہے کہ تپ دق کی بیماری نے بھی آپکی کمر ہمت نہین توڑی ہے۔ آپ کو اپنی بیماری مین محض ایک سائنٹفک دلچسپی ہے اور وہ وحشت یا خوف جو کہ عام طور پر ایسے مریضون مین پایا جاتا ہے آپ سے کوسون دور ہے مجھے گذشتہ ستمبر مین الموڑہ جانے کا اتفاق ہوا اور آپ کی

خدمت مین قریب تین ہفتہ کے نیاز حاصل رہا۔ اس عرصہ مین جو آپ سے مختلف سوشل پولیٹیکل معاملات پر مباحثہ رہا تو آپ کی گفتگو کی تازگی مین مطلق فرق نہین پایا۔ نہ آپ کے بشرہ سے خوف یا مایوسی کے آثار نمایان دیکھے۔ برعکس اسکے گفتگو مین وہی قدیم انداز پر ظرافت کی چاشنی کا مزہ موجود تھا۔ ایک روز ایک طالبعلم آپ سے ملنے آیا جو بیچارہ خود دق وسل کے مرض مین مبتلا تھا۔ اسکی حالت آپ سے اچھی تھی مگر حسب معمول وہ کسیقدر مایوسی کی گفتگو کر رہا تھا اور کچھ اس امر پر مجھسے اور اُس سے بحث ہونے لگی کہ ڈاکٹر جو آکر لگاکر امراض سینہ کی جانچ کرتے ہین تو واقعی یہ تشخیص کا طریقہ نہایت مشکل ہے اور محض سانس کی آواز سے پھیپھڑون کے زخمون کا اندازہ کرنا کارے دارد۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی اور اس طریقۂ تشخیص کے غیر مکمل ہونے پر طالب علم مذکور کچھ افسوس اور مایوسی ظاہر کر رہا تھا کہ آپ نے ایک مرتبہ ہنسکر کہا کہ تشخیص کا طریقہ تو بہت اچھا ہے بشرطیکہ ڈاکٹر ہوشیار ہو اور اسکے ساتھ غالب کا یہ شعر پڑھا ؎

واقف ہی تو نہین ہے نوا ہاے راز کا
یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

اس شعر کے پڑھنے سے سب ہنس پڑے اور مایوسی کا رنگ تازگی سے بدل گیا۔ اور یہی طبیعت کی تازگی ہے جسکو کہ ڈاکٹر بہت اچھی علامت سمجھتے ہین اور یقین ہے کہ دو اک مہینے کے عرصہ مین تپ رہنا موقوف ہو جاے۔ اور صحت عود کر آئے۔ الحاصل کی یہ راے ہے کہ آپ کے مرض کا زور بہت کم ہو گیا ہے اور عقیدت مند دل یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہے ہین کہ ؎

لذتِ سیر دگر چشم تمنا لے گی
ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی

مگر ابھی مرض پورے طور سے فنا نہین ہوا ہے اور ضعف اسقدر قائم ہے کہ ۲۴ گھنٹے بستر ہی کے نذر ہوتے ہین۔ مگر یہ جسمانی کاہشین اس پولیٹیکل یوگی کی روح کی تازگی مین فرق نہین پیدا کر سکتی اور آزاد دماغ کے آزاد خیالات اپنی اصلی قوت کے کرشمے دکھا رہے ہین۔ میرے دوستو عبرت کی آنکھین کھولو اور انسانی عظمت کی پرستش کا کلمہ پڑھو اور یہ دعا کرو کہ آپ فتح پھر حجہ مین آئے۔ تمہاری دعا مستجاب ہوگی۔ کیونکہ ع

اثر باقی ہے بیکس کی دعا مین

برج نرائن چکبست

شکوۂ دوست

ترا انتظار کب تک مین کروں؟ کچھ انتہا بھی؟
ہوئے دس برس کہ جب سے تری جستجو مین ہون مین
کبھی تو نے رحم کھایا؟ کبھی مجھسے تو ملا بھی؟
یہ زمانہ گرچہ خالی نہین بے مروتون سے
نہ ملیگا پر جہان مین کوئی تجھسا بیوفا بھی
مین اگر نہ رہا ہون تو تری بلا سے دلبک
تجھے بلکہ غم نہو گا جو یون ہی مین مر گیا بھی
غلط است آنکہ گویند کہ بدل رہیست دل را
دلِ من ز غصہ خون شد دل تو بر نزار و

محمد یحییٰ تنہا

غزل

کاش سنتے وہ پُر اثر باتین
دل سے جو کی تھین رات بھر باتین
بے اثر کب ہے تری خاموشی
کر رہی ہے تری نظر باتین
کوئی سمجھائے آ کے ناصح کو
سُن سکے کون اسقدر باتین
اُسکے افسانے بن گئے لاکھون
مین نے جو کین تھین عمر بھر باتین
دم اُلٹ جائے گا عزیز غریز
رہ نہ خاموش کچھ تو کر باتین

مرزا محمد ہادی عزیز

مستورات ہند کی حالت

"قدرت اپنی کہن سالی کی قسم کھاکر کہتی ہے کہ اُسنے عورت کو سب سے بہتر صورت
مین خلق کیا ہے۔ جب مرد نے نیستی سے نکلکر ہستی مین قدم رکھا تو اُسوقت قدرت
یک گونہ کام سیکھ رہی تھی، مگر عورت کے خلق ہونے پر وہ کامل اُستاد ہو چکی تھی"

"برنس"

مسٹر گلیڈسٹون سابق وزیر اعظم انگلستان بنی نوع انسان کے معیار تمدن وشائستگی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہین "اگر یہ دریافت کرنے کی خواہش ہو کہ فلان قوم کے درمیان جو تصور فطرت انسانی کا مروّج ہے وہ کسقدر وقیع ہے۔ تو اسکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ دیکھو اُنکے یہان مستورات کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ وہ قانون قوت جسکے ذریعہ سے دوسرون کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنالیا جاتا ہے وہ صرف انسانون ہی مین نہین بلکہ حیوانات مین بھی پایا جاتا ہے۔ یہ قانون دراصل "جبر" ہے جو انگریزی مین "لاآف فورس" کے نام سے مشہور ہے پس جس نسبت سے وہ اس قانون کی پابندی کرتا ہے اُسی لحاظ سے وہ حیوانات کے طبقہ سے مشابہ ہوتا جاتا ہے۔ برعکس اسکے انسان جسقدر اس قانون کے اختیار سے نکل جاتا ہے اُتنا ہی وہ ہستی کے اعلیٰ طبقے مین قدم رکھنے لگتا ہے اور اُسی تناسب سے قربت الٰہی کا دعویٰ بھی کرسکتا ہے۔" گویا کسی قوم کی ترقی وشائستگی کا معیار اُسکے طبقۂ نسوان کی حالت پر منحصر ہے اور افراد کی تہذیب اور روشن خیالی کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ وہ کس حد تک دوسرون کو زور و جبر سے اپنا تابع کرتے ہین۔ وحشی اقوام مین عورت محض غلام اور خدمتگار سمجھی جاتی ہے۔ مرد ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا ہے مگر بیوی بچون کی دیکھ بھال کے علاوہ تمام محنت ومشقت کے کام بھی انجام دیتی ہے برعکس اسکے مہذب ممالک مین اُنکو تعلیم و تربیت دیجاتی ہے اور وہ قابل عزت اور واجب الاحترام سمجھی جاتی ہین۔

مستورات ہند کی حالت کچھ اور ہی ہے۔ اُنکو مردون کی بہ نسبت زیادہ نفیس پوشاک اور عمدہ خوراک دیجاتی ہے۔ اُن کے شوہر حسب حیثیت اُنہین فراخ دلی سے زیورات بھی بناتے ہین فرقہ کے متعلق اُنکو کسی قسم کی شکایت نہین۔ وہ اپنی حالت موجودہ مین خوش اور بشاش ہین۔ مگر اُنکی یہ ظمانیت اور قناعت اُنکی جہالت کا لابدی نتیجہ ہے۔ مستورات کے باب مین بہت سے امور بیان کئے جاتے ہین جن مین اصلاح کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے!

جنوبی ہندوستان کا مشہور اخبار "ہندو" لکھتا ہے "ہمارے یہان ایک ایسی بڑی خرابی نظر آتی ہے جو تمام اصلاحون مین سدّراہ ہے۔ اگر بہ طریق احسن اسکی بیخکنی کردیجائے تو ہماری قوم بلا روک ترقی کے اعلیٰ مرتبے پر پہونچ جائیگی۔ اس بڑی خرابی سے ہماری مراد مستورات کی موجودہ حالت ہے۔ ہم اُن لوگون سے اتفاق نہین کرسکتے جو محض اپنی تجاویز کی اہمیت کو پبلک پر ظاہر کرنیکی

غرض سے مجلسی خرابیون کے بیان مین نہایت مبالغہ سے کام لیتے ہین - یہ خیال کر لینا کہ مستورات ہند کی بھی وہی حالت ہے جو ممالک غیر مین ہے حب الوطنی کے نقطۂ خیال سے کوسون دُور اور سراسر نادانی ہے - ہم اس بات کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہین ہین کہ ہمارے ملک کی مستورات مین اسقدر قابلیت موجود ہے کہ وہ قوم اور افراد قوم کی زندگی اور چال چلن پر کوئی نمایان اثر ڈال سکین - یہان کے قوانین شادی کی سختی و نامعقولیت - پردہ نشینی اور مستورات کی جہالت نے اُنہین ایسا نکما اور ناکارہ بنا دیا ہے کہ اب اُنمین افراد قوم کے چال چلن پر اعلیٰ اور پاکیزہ اثر ڈالنے کی صلاحیت بھی باقی نہین رہی - اسکی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ اور ذاتی اختیار کو عمل مین لانے کے ناقابل بنا دیگئی ہین - ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ قوم کی حیثیت نوجوانون سے بنتی ہے اور نوجوان اُسی شاہراہ پر چلتے ہین جن پر اُنکی مائین اُنہین ڈال دیتی ہین -

"اگر ہم چاہتے ہین اور اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے ملک مین محبانِ وطن اور بہی خواہان ملک - بڑے بڑے بہادر اور شجاع - مدبر اور دانائی کے پُتلے پیدا ہون تو مستورات کو ایک نئی قسم کی تربیت دینا چاہئے - اُنکے ساتھ کچھ اور ہی سلوک کیا جاے - موجودہ پالیسی کو بالکل بدل دینا مناسب ہے - مستورات کو گھر کی چار دیواری کے اندر صرف چوٹھے کے لئے مختص نہ رکھو اور نہ پردہ نشین کو اُنکے اخلاقی ناصح بناؤ - شادی کے سخت اور نامعقول قوانین جنکے ہاتھون اُنکی جوانی اور اُنکا شباب برباد ہوتا ہے اُنہین یک قلم موقوف کر دینا چاہئے - گویا اس بات کی ضرورت ہے کہ اعلیٰ اور پاکیزہ تعلیم سے اُنکے دل و دماغ زیادہ وسیع بنائے جائین آؤ ہم سب اُنکی موجودہ ناگفتہ بہ حالت کو سُدھارنے کا تہیہ کر لین - اُنکو زیادہ آزادی دین اور اُن مشکلات کو دور کرین جو اُنکی ترقی مین حائل ہوتی ہین - ہمین یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ مستورات ہی قوم کی حیثیت کو اعلیٰ اور بلند بنانے والی ہین[1]"

کیا وہ لوگ "ہندوستان کے سچے دوست" کہے جاسکتے ہین جو اسکی حالت کو مبالغہ آمیز لہجہ مین مکمل اور خرابیون سے مبرا بیان کرتے ہین اور یہان کی مذموم رسمون اور اندرونی قباحتون کو مفید اور معقول ثابت کرنے مین مصنوعی اور نمایشی بہانے ڈھونڈھتے اور آسمان اور زمین کے قلابے ملاتے ہین؟ نہین - نہین - حقیقی بہی خواہانِ ملک وہی اصحاب ہین جو اپنی اصلاحی تجاویز کے ذریعہ سے اپنے ملک کو شاہ راہِ ترقی پر ڈالنا چاہتے ہین مستورات ہند کے ساتھ جو جابرانہ سلوک کیا جاتا ہے اسکا بیان مسٹر ڈی - ای - گی اسطرح کرتے ہین :- "ہم زمانۂ قدیم سے باقاعدہ طور پر اپنی مستورات کو یہ تعلیم دیتے آئے ہین کہ جب وہ اپنے تمام حقوق سے دستبردار ہوجاتی ہین اور کسی قسم کے دعاوی پیش نہین کرتین بلکہ اپنے تئین سرتاپا اپنے آقا اور خداوند (شوہر) کے سپرد کر دیتی ہین تو وہ نیک اور پاکیزہ خصلت معلوم ہوتی ہین - ہر زمانہ اور ہر ملک مین مستورات کی ملائم اور اثر پذیر فطرت کا بہت بُرا استعمال ہوتا ہے - آدمی اپنے خودغرضانہ مقاصد کے لئے اُنہین ایسی تربیت دیتا آیا ہے کہ گویا اُن مین اب زندگی کا احساس ہی باقی نہین رہا" اب سوال ہوسکتا ہے کہ وہ کونسے وسائل ہین جنپر عمل کرنے سے ہمارے ملک کی مستورات کی حالت بہتر ہوسکتی ہے؟ اسکے متعلق ہم چند تجاویز پیش کرتے ہین -

[1] دیکھو اخبار ہندو مطبوعہ ۲۸ - ستمبر ۱۸۸۸ء

ا تعلیم نسوان کو رواج دینا چاہیے!

حیوان اور انسان مین ایک بیّن فرق یہ ہے کہ انسان کی فطرت مین وہ مادّہ ودیعت کیا گیا ہے جس سے وہ زیورِ علم سے آراستہ ہوسکتا ہے۔ مگر حیوان اس قوت سے فطرۃً بے بہرہ ہے۔ کُتّا کیسا سمجھدار اور ہوشیار جانور ہے۔ مگر وہ ایک حرف بھی نہین سیکھ سکتا۔ برعکس اسکے ایک چندسال کا بچّہ بشرطیکہ وہ صحیح الدماغ ہو بآسانی پڑھنا لکھنا سیکھ سکتا ہے۔ جو آدمی لکھنے پڑھنے کی قوت سے بہرہ یاب نہین ہے وہ حیوان کے برابر ہے!

زمانۂ قدیم کی سنسکرت کتب مین مذکور ہے کہ گارگی بہت مشکل اور ادق سوالات پوچھا کرتی تھی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رشی یاگ بلک نے اپنی اہلیہ میتریئی کو علم فلسفہ کی تحصیل کرائی تھی۔ مگر ایسی مثالین شاذ و نادر ہین جنکو مستثنیات سے سمجھنا چاہیے۔ مہاراج منو کے زمانہ سے مستورات ہند عموماً ان پڑھ اور جاہل ہی رہی ہین۔

ہندوستان کی مستورات بہت سے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ سے مملو ہین۔ انکی وفا اور پارسائی کے ڈنکے چار دانگ عالم مین بج چکے ہین۔ بچّون سے انہین ایسی نسبت اور انسیت ہوتی ہے کہ وہ اپنی جان پر کھیل جاتی ہین مگر انکا بال تک بیکا نہین ہونے دیتین۔ انتظامِ خانہ داری کے معاملہ مین شاید ہی کوئی دوسری قوم انکا مقابلہ کرسکے۔ غریبون اور بیکسون پر وہ بیحد مہربان ہوتی ہین۔ باوجود ان خوبیون کے انکی زنانہ فطرت اپنے استقام و نقائص سے بالکل بری نہین ہے۔ جسطرح اندھا اندھے کی رہبری نہین کرسکتا۔ اُسیطرح ایک ان پڑھ اور جاہل ماں اپنی اولاد کو نیک تعلیم و تربیت نہین دیسکتی۔ خزانۂ علم کا ایک عظیم حصّہ کتابون ہی مین مقفل ہے۔ انہین کے طفیل بہت سے اشخاص نہایت عقلمند اور مشہور ہوئے ہین۔ بھلا جب مائین لکھ پڑھ نہ سکینگی تو وہ دولتِ علم سے کیا خاک بہرہ یاب ہونگی۔

آدمی کے لئے سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ وہ عمدہ تربیت یافتہ بچون کا باپ بنے۔ اگر بچون کی تربیت بطریق احسن نہ ہوگی تو اُسکی تمام زندگی تلخ ہوجائیگی۔ اُنکا فرمانبردار۔ نیک محبتی اور مودب ہونا ہی دُنیوی برکت و شادمانی کا موجب ہے۔ اور بچون کی ایسی تربیت کا دارومدار زیادہ تر اُنکی ماؤن پر موقوف ہے۔ کیونکہ وہ زمانۂ بچپن مین زیادہ تر اپنی مان کے پاس ہی رہتے ہین۔ باپ اپنے دنیوی کاروبار مین مصروف رہنے کے باعث اُن سے بہت کم ملتا جاتا ہے۔ اسلئے وہ کوئی نمایان اثر اپنی اولاد پر نہین ڈال سکتا۔ سیموئیل لینڈر صاحب کا قول ہے کہ:- "جیسی مائین ہوتی ہین ویسے ہی بچے بنتے ہین باپ خواہ کتنی ہی کوشش کرے مگر وہ بچّے پر کچھ اثر نہین ڈال سکتا۔ آہ! مان کی اُن محبت بھری نگاہون مین کیسا جادو نما اثر ہے جو اُس بچے پر لوٹی پڑتی ہین جو گہوارے مین پڑا ہے"۔ ہندوستان مین بھی عام طور پر کہا جاتا ہے جیسی مان ویسا بچہ۔

جو ہدایت اور نصیحت بچّے کو بچپن مین ملتی ہے وہ اُسکی آیندہ زندگی مین ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اوٹ وے صاحب نے لکھا ہے کہ:- "روح کی کنجی مان کے ہاتھ مین ہے۔ مان ہی اُسکے اخلاق پر نیکی اور سچائی کی مہر لگاتی ہے اور وہی وحشی سے انسان بناتی ہے۔ مناسب ہے کہ عورت کو "ملکۂ عالم" کا خطاب دیا جاے"۔ اگر تعلیم یافتہ باپ بچے کے لئے ایک برکت ہے تو تعلیم یافتہ مان اُس سے کئی درجہ افضل نعمت ہے۔

مستورات کی جہالت اور رمق کا اثر اُنکے خاوندون پر بھی کئی طریقون سے پڑتا ہے۔ بعض اوقات قابل شوہر کو

ملک کے کسی دوسرے حصہ مین عمدہ اسامی ملتی ہے۔ مگر ان پڑھ بیوی اُسے وہان جانے سے محض اس بنا پر روکتی ہے کہ وہ کسی اجنبی شہر یا صوبہ مین جانے سے خوف کھاتی ہے۔ اگر شوہر کسی مفید کام مین روپیہ لگانا چاہتا ہے تو بیوی اڑ بیٹھتی ہے کہ "پہلے مجھے زیور بنوادو۔ ایسے ویسے کاموں کے لئے تمہارے پاس روپیہ آجاتا ہے مگر میرے نام پر پھوٹی کوڑی بھی تم سے نہین نکلتی"۔ کبھی کبھی زیورات کے مطالبہ مین مقابلہ سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً ہیوی کہتی ہے کہ "میری بہن مایا دیبی جب سے دولت رام کے گھر گئی ہے۔ اُسکے میان نے اُسے کتنا زیور بنوادیا ہے۔ مجھے تو اب اُس سے ملتے بھی شرم آتی ہے۔ جبتک تم بھی مجھے اُتنا ہی زیور نہ بنوادوگے مین چین نہین لینے دونگی"۔ ایسے چھوٹے چھوٹے تفکرات اور رنج و غم جاہل عورت کے دل پر بہت بڑا اثر کرتے ہین۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی خیالات مین مستغرق رہتی ہے۔ اور انہین وجوہ سے خاندانون مین فساد اور ناچاقی پیدا ہوجاتی ہے جو آخر مین بڑے بھاری دُکھ اور ابتری کا موجب ٹھہرتی ہے۔

بہت سے اصحاب اصلاح تمدن مین عملی حصہ لینا چاہتے ہین۔ مگر اُنکی جاہل بیویان مخالفت کرتی ہین۔ مجبوراً اُنہین اپنے ضمیر کے خلاف عمل کرنا پڑتا ہے۔ اگر عام طور پر مستورات تعلیم یافتہ ہون تو وہ ضرور ملکی اصلاحون مین حصہ لینگی اور تب یہ کام دس گنا زیادہ عمدگی کے ساتھ انجام پائے گا۔ ایک روشن ضمیر شخص جو تعلیم نسوان کے اعلیٰ مقصد کی ترقی و اشاعت کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔ محض اس اندیشہ سے رُک جاتا ہے کہ بوڑھی عورتین مخالفت کرینگی۔ جاہل مستورات کے دل و دماغ مین فضول اور لغو تعصبات بھرے ہوئے ہین۔ وہ دستور اور رواج کی اندھا دُھند پیروی کرتی ہین۔ جب وہ خود بھی ان پڑھ اور جاہل ہین تو تعلیم نسوان کے فوائد کیا سمجھینگی۔ مرد کو خاندان کا سرمانا جاتا ہے۔ اگر ایسی جاہلا نہ مخالفتون کی وہ پروا کرین اور اپنے ارادون کو اُنسے مغلوب ہوجانے دین تو اس سے زیادہ شرم اور افسوس کی بات کیا ہوگی؟

کبھی کبھی مردون کی بے اعتنائی سے بھی بہت بُرے نتائج ظہور مین آتے ہین۔ ایک مرتبہ کسی عورت نے کہا تھا: "میرے لکھنے پڑھنے سے کیا فائدہ؟ سب لوگ مجھ پر ہنستے ہین میرا شوہر بھی میری حوصلہ افزائی نہین کرتا۔ غرضکہ مین سب کی نظرون سے گری ہوئی ہون!" کوشش کرنا چاہیئے کہ ایسے اعتراضات پیدا نہ ہونے پائین!

صغر سنی کی شادی بھی ایک رُکاوٹ ہے جو تعلیم نسوان کی سدِ راہ ہے۔ ہندوستانی لڑکیان پڑھنے لکھنے مین بہت ہوشیار ہوتی ہین اور تعلیم مین نمایان ترقی کرتی ہین لیکن جب اُن کی تعلیمی ترقی کا وقت آتا ہے تو اُنکی کمبین شادی ٹھہرا دیجاتی ہے۔ بدینوجہ مجبوراً اُنہین مدرسہ کو خیرباد کہنا پڑتا ہے۔ اس سے صرف مطالعہ ہی بند نہین ہوجاتا بلکہ تھوڑے عرصے کے بعد وہ آموختہ بھی بھول جاتا ہے۔ بچپن کی شادی کیوجہ سے ذہنی طور پر وہ تمام عمر "نادان بچے" ہی رہتی ہین۔ اگرچہ اب یہ تعداد گھٹ رہی ہے۔ مگر اب بھی تعلیم یافتہ اصحاب کی بیویان زیادہ تر تمام عمر ان پڑھ ہی رہتی ہین۔ اگر عورت ضعیف العمر ہو یا کوئی اور خاص وجہ ہو تو خیر۔ ورنہ ہر عورت کو کچھ نہ کچھ تعلیم دینا چاہیئے۔ یہ کوئی عذر نہین ہے کہ عورتین پڑھنے لکھنے سے انکار کرتی ہین۔ اصل وجہ یہ ہے کہ خاوند خود کچھ خیال نہین کرتے اُنکا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی عورتون کو تعلیم دین

اور تا وقتیکہ وہ لکھنے پڑھنے کے قابل نہ ہوجائین اُنہین روزمرہ سبق دیا جاے۔ اسکے ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ تعلیم کی قدر اُسکی نوعیت پر منحصر ہے۔ قواعد حفظان صحت مریض کی تیمارداری۔ بچون کی تربیت اور پرورش۔ انتظام خانہ داری یہ سب ایسے ضروری مضامین ہین کہ اگر ہر ایک عورت ان سے واقف ہو تو اُسکا گھر "خوشی و خرمی کا گھر" بنا رہیگا۔

بمبئی مین پارسیون کے زنانہ مدارس کا آغاز اُن چند نوجوانون کی کوشش سے ہوا تھا جو ایلفنسٹو ڈنٹس لٹریری و سائنٹفک سوسائٹی کے ممبر تھے۔ جب اُنکے دل مین اس خیال نے گھر کر لیا کہ زرِ نقد جمع خرچ تو کافی سے زیادہ ہو چکا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ عملی کارروائی کیجائے" تو انجمن مذکور کے ممبرون نے بخوشی بلا معاوضہ اُستاد بننا منظور کیا اور بعض نے اپنے اپنے گھرون کے کمرے مین عارضی مدرسے قایم کردئے۔ اور اس خیال سے کہ آنریری اُستادون کے روزانہ فرائض کی انجام دہی اور معمولی کاروبار مین خلل واقع نہ ہو تعلیم کا وقت صبح مقرر کیا گیا۔ چھ ماہ بعد یہی کام باقاعدہ شروع ہوا اور ضرورت کے موافق اُستاد ملازم رکھے گئے۔

جبتک مستورات ہند جاہل اور ان پڑھ رہینگی ملک کی نصف دماغی قوت ضائع ہوتی رہیگی۔ یہ اُس چوپہیہ گاڑی کی مثال ہے جسمین ایک ہی گھوڑا جوتا گیا ہو۔ عورتون کو تعلیم نہ دینے سے صرف یہی قباحت واقع نہین ہوتی بلکہ جیسا ہم اوپر ذکر چکے ہین وہ ملکی ترقی اور اصلاح کے کام مین بھی بہت سی مشکلات پیدا کردیتی ہین۔ لہذا ہر روشن ضمیر شخص کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ تعلیم نسوان مین عملی حصہ لے۔ ایک مشہور فرانسیسی عالم کہتا ہے:۔ "لڑکے کو پڑھانے سے ایک فرد واحد تعلیم یافتہ ہوتا ہے مگر لڑکی کو تعلیم دینے سے ایک خاندان تعلیم حاصل کرتا ہے!"

۲۔ صغرسنی کی شادیون کو موقوف کرنا چاہیے!

تقریباً دنیا کے تمام ممالک مین یہ دستور ہے کہ جبتک آدمی خود کھانے کمانے کے قابل نہین ہو جاتا اور اپنی بیوی کی پرورش اور دیگر ضروری اخراجات کے تحمل ہونیکی قدرت حاصل نہین کرلیتا اُسوقت تک شادی نہین کرتا۔ برعکس اسکے ہندوستانمین بچون ہی کی شادی کردیجاتی ہے۔ شادی کی پہلی رسم تو "سگائی" کہلاتی ہے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد دوسری رسم ادا ہوتی ہے جسکو نکاح کا درجہ حاصل ہے۔ اس رسم کے بعد اگر لڑکا فوت ہوجائے تو کم عمر بیوی تمام عمر کیلئے بیوہ ہوجاتی ہے۔ شادی کی عمر ملک کے مختلف حصون اور ذاتون مین مختلف ہے۔ بعض فرقے معصوم بچون ہی کی شادیان کردیتے ہین۔ گذشتہ مردم شماری کی رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ بنگال مین ایک سالہ شادی شدہ لڑکیون کی تعداد ۳۹۰۱ تھی۔ اور ایک برس کی عمر کی بیوہ لڑکیون کا شمار ۳۸۵ تھا۔

صغرسنی کی شادیون کا رواج قدیم زمانہ مین رائج نہین تھا۔ رام چندر نے سیتا جی سے، مہاراج کرشن نے رکمنی جی سے ارجن نے دروپدی سے اور راجہ نل نے دمینتی سے شادی کی اور یہ سب شادیان جوانی کی عمر کو پہنچنے کے بعد ہوئی تھین۔ قانون تعزیرات ہند نے سن اٹھارہ سو ستر برس کی عمر قرار دی تھی۔ مگر اس سے بہت سے ہولناک حادثے پیش آئے ہین اور بہت سی کمسن بیویان اپنی جانین کھو بیٹھی ہین۔ لارڈ ڈفرن کے عہد حکومت مین دو برس اور بڑھائے گئے اور دس کے بجاے بارہ برس کی عمر قرار دیگئی۔ مندرجۂ ذیل وجوہ کے باعث صغرسنی کی شادی کی رسم قابل ترک ہے:۔

الف۔ صغرسنی کی شادیون سے کمزور اور سست بچے

پیدا ہوتے ہین! اس امر سے ہر ایک کاشتکار واقف ہے کہ اگر بچھڑے کو ہل مین جوت دیا جاے تو وہ کبھی مضبوط و قوی نہ ہوگا۔ یہی حال مستورات کا ہے۔ اگر چھوٹی عمر مین وہ مائین بن جائیں تو اُن کے جسم کو بہت بڑا نقصان پہنچیگا۔ وہ قبل از وقت ضعیف ہو جائینگی۔ صغرسنی کی شادی کے بعد جو اولاد ہوتی ہے وہ بہت دُبلی پتلی اور کمزور ہوتی ہے۔ اور اُسکا نصف سے زائد حصہ حالت طفلی ہی مین عدم کو روانہ ہو جاتا ہے۔

ب۔ صغرسنی کی شادی حارج تعلیم اور ذہنی کمزوری کی موجب ہے! پیشتر ذکر ہو چکا ہے کہ صغرسنی کی شادی سے کس طرح بیوی کے دماغی قوا کو ضعف پہنچتا ہے۔ ایسا ہی اثر خاوند پر بھی ہوتا ہے۔ ایک مجرد طالبعلم اپنا تمام وقت تحصیل علم مین صرف کرتا ہے مگر شادی شدہ طالبعلم کو اپنا کچھ نہ کچھ وقت بیوی اور بچون کی نذر بھی کرنا پڑتا ہے۔ گھر کی چھوٹی چھوٹی باتین اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہین۔ زیور کی فرمایش بھی اُس سے کیجاتی ہے بعض اوقات خانگی تنازعات مین بھی اُسے اُلجھا دیا جاتا ہے مجبوراً وہ پڑھنے کے بجاے معمولی نوکری قبول کر لیتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ تحصیل علم مین لگا رہتا تو کسی اعلیٰ اسامی پر فائز ہو کر شہرت حاصل کرتا۔ نوعمر خاوند کے جسم پر بھی تباہی کا بہت اثر پڑتا ہے۔ ایک انسپکٹر مدارس کا خیال ہے کہ "صغرسنی کی شادی کے باعث طلبا کی جسمانی طاقت سترہ برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد اُن مین وہ مستعدی اور تیزی طبع پھر نظر نہین آتی!

ج۔ ناتجربہ کار اور نوعمر مان اپنے بچون کی تربیت نہین کر سکتی! بچون کی خاطر خواہ اور عمدہ تربیت کرنا کوئی کھیل نہیں ہے۔ بچہ کو لاڈ پیار سے بگڑنے سے بچانے مین بڑی احتیاط اور دانائی کی ضرورت ہے۔ لیکن جو مان خود ہی سن بلوغ کو نہ پہنچی ہو وہ اس اہم فرض کو کب انجام دے سکتی ہے؟ شاید یہ کہا جاے کہ نوعمر بیوی کی ساس بچہ کی تربیت کریگی۔ مگر اول تو بچہ پر مان کا سب سے زیادہ اثر پڑتا ہے۔ دوئم جب ساس بھی جاہل اور اَن پڑھ ہے تو بچہ کی عمدہ تربیت معلوم!

د۔ صغرسنی کی شادی خلاف انصاف ہے! بچون کے بھی طبعی حقوق ہوتے ہین جنسے کوئی باپ اُنکو محروم نہین کر سکتا ہے۔ اُنکی مرضی کے خلاف اُنکو تمام عمر کے لئے کسی وعدہ کا پابند بنا دینا بعید از انصاف ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو دستور انصاف کے خلاف ہے وہ درحقیقت بُرا دستور ہے۔ لہذا تاوقتیکہ اولاد بالغ نہ ہو جائے اُسے شادی کی زنجیرون مین نہین جکڑ دینا چاہئے۔

س۔ ہندوستان مین بیوہ عورتون کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے اور اسکی ایک بڑی وجہ صغرسنی کی شادی ہے۔ جسقدر بچے پیدا ہوتے ہین اُنکی ایک تہائی پانچ برس کی عمر کو پہنچنے سے پیشتر ہی مرجاتی ہے۔ اور باقی مین نصف سے زائد نوخیزی کی حالت مین روانۂ عدم ہو جاتے ہین۔ اگر کمسن لڑکیون کی شادی کر دیجاے تو یہ ممکن ہے کہ اُنکے خاوند سن بلوغ کو پہنچنے سے پیشتر ہی چلتے بنین گے۔ اور بدنصیب لڑکیان تمام عمر بیوہ رہینگی۔

س۔ صغرسنی کی شادی باعث افلاس ہے! دوسرے ممالک مین شادی کا خیال نوجوانون کو بڑی محنت و تندہی سے کام کرنے کی تحریک کرتا ہے۔ مگر ہمارے ملک مین اسکے خلاف نظر آتا ہے۔ حالت تجرید مین تو کسی قدر محنت و توجہ سے کام لیا جاتا ہے اور کامیابی کی صورت بھی نظر آنے لگتی ہے۔ مگر متاہل آدمی کو گھر بار کے تفکرات کامل توجہ کے ساتھ کام کرنے کی اجازت نہین دیتے۔

ش - صغرسنی کی شادی قومی تنزل کا موجب ہے! - ڈاکٹر پی - جی - فلپ سن نے ہندؤن کو ایڈرس کرتے وقت کہا تھا:- "صدیوں سے آپ لوگ بچون کے بچے ہوتے چلے آئے ہین اور خادمون کے خادم بننے کا اس سے عمدہ اور یقینی کوئی دوسرا طریقہ نہین ہے"! - مسز ڈاکٹر مسل فرماتی ہین کہ "صغرسنی کی شادیون کے رواج کے باعث ہندوستان کی ذہین اور طباع نسلین پست ہوگئی ہین - وہ اپنی اصلی حیثیت سے گرکر خارجی قوتون کی مطیع و فرمانبردار بنگئی ہین - وہ اُس قوم کی محکوم ہوگئی ہین جو جسمانی قوت مین اُنسے بدرجہا زیادہ ہے - یہی وجہ ہے کہ دیگر اقوام کے درمیان ہندوستان "دکمتر" شمار کیا جاتا ہے - جبتک صغرسنی کی شادی کی زبون اور مذموم رسم جاری رہیگی اور مستورات کو غلامی کی حالت اور جہالت مین رکھا جائے گا - قوم زیادہ پست اور ذلیل ہوتی جائے گی - جبتک مائین کمزور اور ناتوان ہونگی اور اپنے بچون کو اصلی طاقت و جان نہ دے سکینگی - ہندوستان مین ایسے کمزور اور ناکارہ بچے پیدا ہوتے رہینگے جو بہادری اور محنت کشی کی طاقت سے محروم ہونگے اور اسطرح قوم غنیف اور دوسرون کی دست نگر بنی رہے گی"!

خوشی کی بات ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ مین صغرسنی کی شادی کے برخلاف جوش پیدا ہوچلا ہے - راجپوتون نے بہت اچھا نمونہ قائم کیا ہے کہ شادی کی عمر اٹھارہ اور چودہ برس مقرر کردی ہے - اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگون نے بھی اس تجویز پر عملدرآمد شروع کیا ہے کہ لڑکا جب تک کالج کی تعلیم سے فارغ نہ ہولے شادی ملتوی رہے - اگر عام طور پر لڑکون کی شادی اُسوقت تک موقوف رکھی جائے جبتک کہ وہ بالغ نہ ہوجائین تو بہت اچھا ہو - اس سے وہ اس قابل ہوجائینگے کہ کامل توجہ کے - ساتھ اپنے کاروبار اور فرایض منصبی کو انجام دے سکین!

شاکر

کلام مہر

سالگذشتہ کی قابل الذکر تصانیف مین منشی سورج نرائن صاحب مہر دہلوی کا کلیات یا مجموعہ کلام ایک مہتم بالشان تصنیف ہے جو اُردو شاعری کے علمی مذاق پر فخر ہے - جناب مہر کی قادرالکلامی اور پاکیزہ مذاق سے ارباب سخن عرصے سے واقف ہین - اُنکی پرمعنی اور لطیف نظمین اُردو اخبارات و رسائل مین ارباب ذوق کی ضیافت طبع کا بہت کچھ سامان بہم پہونچاتی رہی ہین تاہم اُن متفرق نظمون سے شاعر کی اُس قادرالکلامی بلند خیالی اور زور طبع کا پورا اندازہ ناممکن تھا جو اس ضخیم کلیات کے صفحے صفحے سے ظاہر ہے - کلیات کی مجموعی ضخامت ساڑھے چارسو صفحات کے قریب ہے جسمین تقریباً ڈیڑھ سو مختلف العنوان نظمین درج ہین - اصناف سخن مین قصائد، غزلیات، ترکیب بند، مخمسات، مسدسات، مثنیات، مثنویات، قطعات، رباعیات بچون کی نظمین - اور انگریزی نظمون کے ترجمے موجود ہین - بچون کی نظمون مین بیشتر اسی مین جو سررشتہ تعلیم کے اُردو کورس مین داخل ہین - طبعزاد نظمون کا رنگ عارفانہ ہے جنمین تصوف و عرفان کے مدارج اور فلسفہ اخلاق کی نزاکتین نہایت کامیابی کے ساتھ طے کیگئی ہین - طرز بیان نہایت دلنشین اور طبیعت بخش ہے جو ذہنی تعقید اور ضعف کے تجزیہ اور صحیح النظری کی زبان حال سے شہادت دے رہا ہے - شروع کتاب مین ایک دیباچہ بھی شامل ہے جسمین شاعری کی ماہیت پر بحث کی گئی ہے - ہم اسکے بعض حصون سے اتفاق نہین کرسکتے - بیطن زبان کے متعلق بھی حضرت مہر کی رائین بے اعتنائی کی شکایت کئے بغیر نہین رہ سکتے - لیکن ہمین شک نہین کہ ایسی مہتم بالشان تصنیف مین چند فروگذاشتین اسکی اہمیت اور وقعت کے مقابلے مین ہیچ ہین - کتاب کی جلد نہایت خوشنما اور مضبوط ہے جو آج تک کسی اُردو تصنیف پر نہین دیکھی گئی - ایڈیٹر

ملنے کا پتہ:- منشی برج نرائن صاحب - بی - اے - کاریستہ بورڈنگ ہوس لاہور - قیمت مجلد عہ

عقل حیوانی

کیڑے مکوڑون مین اگر عقل اور ادراک کے ہونے کو نہ مانو تو اُنکے قوائے اندرونی جسکے ذریعہ سے وہ اپنی زندگی کی کل ضرورتون کو پورا کر لیتے ہین ایک ایسا راز ہے جس کو سوائے خدا کے اور کوئی نہین جانتا۔

ادنےٰ درجہ کی مخلوق مین قدرت نے کسطرح کے حواس عطا کئے ہین اُنکے احساس کا ہم ہرگز تصور نہین کر سکتے۔ اگر یہ مان لین کہ خدا نے اُنکو بھی عقل کا نورانی جوہر عطا کیا ہے تو یہ بات بھی سمجھ مین نہین آتی اسلئے کہ ایک بیئے کا بچہ جسنے اپنی ماں باپ کی پُر حیرت عمارت کی ساخت کو ایک مرتبہ بھی نہ دیکھا ہو لیکن جب اُسکو ضرورت پڑتی ہے تو وہ اُسیطرح کا گھونسلا بناتا ہے جسطرح کا اور بیئے بنایا کرتے ہین۔

یہ کاریگری اُسکو از خود آتی ہے تعلیم یا تجربہ کی کوئی ضرورت نہین ہوتی۔ اسیطرح کل جانور کیڑے مکوڑے اپنی تمام ضرورتون کو پورا کرتے ہین اور انکو کسی کام کے سیکھنے کی حاجت نہین ہوتی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا جانور اپنے کامون کو جو سراسر اُنکے فائدے کا ہوتا ہے سمجھ بوجھکر کرتے ہین یا اُن کامون کو انجام دینے کی اُنمین کوئی فطرتی قوت ہے جسسے وہ خود بخود انجام دیجاتے ہین۔ لیکن اُنکو خود اس بات کی خبر نہین ہوتی کہ کس کام کے کرنے سے کیا ہوگا اور وہ کیون کسی کام کو کرتے ہین۔

اسطرح سے کام کرنے کی عقل کو "عقل حیوانی" کہتے ہین لیکن سچ پوچھو تو عقل حیوانی جسکو تعلیم و تربیت سے کوئی واسطہ نہین جانورون کے کام کرنے کے ایک نامعلوم اصول کا نام ہے جسکو ہم خود نہین جانتے۔

اکثر سائنس دانون کی یہ رائے ہے کہ شہد کی مکھی مین کسی طرح کی عقل یا سمجھ نہین ہے۔ وہ مثل اور کیڑے مکوڑون کے اپنے کل کامون کو عقل حیوانی سے انجام دیتی ہے اُسکی انوکھی کاریگری جسکو دیکھکر بے ساختہ مُنہ سے داد نکلتی ہے۔ محض اُسکی عقل حیوانی کا نتیجہ ہے۔

مکھی کے اعضا اور اُسکے عجیب و غریب جوڑ بند ہر ایک کام کو اُسی طرح کرنے کے لئے موزون پیدا ہوئے ہین جسطرح وہ کرتی ہے۔ اتنی دانائی اور چالاکی سے کل کامون کو پورا کرنا جسکو اوپر سُن چکے ہو مکھی کی طبیعت کا مقتضا ہے۔ چھتے کی حیرت انگیز عمارت کا بنانا اُسکا ذاتی سبھاؤ ہے لاکھون برس کی مدت مین ضرورت نے بتاتے بتاتے چھتے کی ساخت اور اُسکے بنانے کا ایک اصول قائم کر دیا جس سے بہتر اب ممکن نہین ہو سکتا۔ ہزارون برس سے مکھی ایک ہی اصول کی پابند چلی آتی ہے اور اُسی کے مطابق اپنا چھتہ بناتی آتی ہے اور اسیطرح شدہ شدہ یہ کاریگری اُسکی عادت مین داخل ہو گئی اور اسیطرح اُسکی زندگی کے اور فرائض ہین جسکا انجام دینا اُسکی فطرت ہے۔

لیکن اس تقریر کے خلاف مین دوسرے سائنس دانونکی یہ رائے ہے کہ شہد کی مکھی کو قدرت نے غیر معمولی عقل اور سمجھ عطا فرمائی ہے اور اس قول کی تائید مین وہ بیان کرتے

ہین کہ جسوقت کوئی نئی مشکل آن پڑتی ہے تو اُسکے حل کرنے مین مکھیان نہایت دانائی سے کام لیتی ہین اسطرح کا کام مکھی کے روزمرہ کے کامون مین داخل نہین ہوتا اسلئے اُس پر مکھی کی عادت یا فطرت کا اطلاق نہین ہوسکتا۔

ایک مشہور نقل ہے کہ کسی چھتے مین مکھیان سرگرمی سے اپنے کامون مین مشغول تھین اتفاقاً اُس چھتے کا ایک کنگرہ ٹوٹکر گرگیا۔ یہ دیکھکر مکھیون نے اپنا کام بند کردیا اور چھتے کی جڑ مین سریش لگانا شروع کیا اور جب تک چھتے کی جڑ خوب مستحکم نہ ہولی سارا کام بند رہا۔

اس مشاہدے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مکھیون نے ایک ٹکڑے کے ٹوٹ کر گر جانے سے یہ نتیجہ مستنبط کیا کہ چھتے کی جڑ کمزور ہے اور ممکن ہے کہ ایک روز اسی طرح ساری عمارت ٹوٹ کر گر جائے اور انکی محنت برباد ہوجائے۔ یہ ایک ایسا عظیم خطرہ تھا جسمین جان و مال کی بربادی کا ڈر تھا اسلئے اس سے بچنے کی فوری مناسب تدبیر کی گئی اور چھتے کی جڑ کو اٹل بنانے کی ضرورت مقدم مانی گئی۔

دیکھا گیا ہے کہ ایک مرتبہ جہان سے مکھیان پھولون کا رس لیجاتی ہین وہان برابر آیا کرتی ہین اور اُس جگہ کو خوب یاد رکھتی ہین۔ یورپ مین جو لوگ مکھیون کو پالتے ہین وہ اُنسے مانوس ہوجاتی ہین اور اپنے آقا کو اچھی طرح پہچان سکتی ہین ان باتون پر لحاظ کرنے سے یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ شہد کی مکھیون مین قوت حافظہ موجود ہے۔ اگر تم انکی روزانہ زندگی اور خانہ داری کے انتظام پر غور کرو تو انکی دوراندیشی کی حیرت خیز مثالین نظر آتی ہین۔

جب نرون کی ضرورت باقی نہین رہتی اُسوقت اُنکو خادم مکھیان چھتے سے باہر نکال دیتی ہین یا ہلاک کرڈالتی ہین۔ یا جب بچہ کش ملکہ مرجاتی ہے تو اُسوقت خادم مکھیون کو مقوی غذائین کھلاکر نئی ملکہ تیار کیجاتی ہے یا جب ایک سے زیادہ دو یا تین شہزادیان پیدا ہوجاتی ہین تو وہ ملکہ مکھی کے خوف سے جو اُنکو دیکھکر رشک کھاتی ہے نظر بند کردیجاتی ہین۔

اسیطرح کی بہت سی باتین ہین جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ مکھیان ان کامون کو انجام دینے مین ایک خاص غرض اور مدعا کو مدنظر رکھتی ہین اور اپنی قوت ارادہ سے کام لیتی ہین جسکو خیال کرنے سے سراسر حیرت ہوتی ہے۔

یہ بات مانی ہوئی ہے کہ جسوقت ایک چھتے مین دو ملکہ مکھیان آجاتی ہین تو آپسمین جنگ کرتی ہین اور جسطرح دو بادشاہون کا ایک قلیم مین رہنا ناممکن ٹھہرایا گیا ہے اُسی طرح دو ملکہ مکھیان ایک چھتے مین نہین رہسکتین۔ آخرکار جب دو ملکہ مکھیان ایک چھتے مین آجاتی ہین تو لڑتے لڑتے اُن مین سے ایک مرجاتی ہے اور جو زندہ رہ جاتی ہے اُسکا خیر مقدم کیا جاتا ہے اور چھتے کی حکمرانی اُسکے سپرد کیجاتی ہے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ دو ملکہ مکھیان آپسمین حکومت کیلئے جنگ کررہی تھین اتفاقاً لڑتے لڑتے دونون آپسمین اسیطرح گتھ گئین کہ ایک دوسرے کے ڈنک کی زد پر آگئی۔ جب خادم مکھیون نے یہ دیکھا کہ دونون ملکہ ہلاک ہوا چاہتی ہین بس سے اُنکے چھتے کی آبادی برباد ہوجاتی تو فوراً لڑنے والیون کو جو ایک دوسرے کے خون کی پیاسی تھین الگ کردیا۔

اس مشاہدے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مکھیون کو قدرت نے عقل عطا فرمائی ہے۔ اسکے علاوہ اور دوسرے مشاہدات ہین جنسے مکھیون مین خواہ مخواہ عقل اور سمجھ کا ہونا

ثابت ہوتا ہے۔

چھتے کے اندر کی صفائی کا ایک خاص اہتمام رکھنا، مُردہ مکھیوں کی لاش کو باہر نکال کر پھینکنا، اپنے غنیم پر خشمناک حملہ کرنا، اجنبی مکھیوں کے ساتھ جنگی ہیولی میں شہد بھرا ہوتا ہے اخلاق سے پیش آنا، اور مفلس چور مکھیوں کو ڈانٹ بتانا، چھتے کے اندر تازہ ہوا پہونچانے کی فکر کرنا، ایسی باتیں ہیں جن سے مکھیوں میں عقل کے نورانی جوہر کی جھلک دکھائی دیجاتی ہے۔ مکھیوں کی ایثار نفسی اور اپنی قوم پر اُنکا بے دریغ اپنی ننھی جانوں کو نثار کرنا حیرت خیز باتیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ شہد کی مکھی نہ تو ایسی نری بے عقل ہے کہ وہ اپنے کسی کام کی غرض کو نہیں سمجھ سکتی اور نہ ایسی سمجھدار ہے کہ ہر ایک کام کو جان بوجھکر انجام دیتی ہے سچ پوچھو تو اُسکے قوائے دماغی میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ کچھ کام تو ایسے ہیں جنکو وہ سمجھکر کرتی ہے اور کچھ ایسے ہیں جنکا کرنا اُسکی عادت اور فطرت میں داخل ہے لیکن ان دونوں اصول کی حد کو دریافت کرنا کہ کہانتک کس کام کو مکھی سمجھکر کرتی ہے اور کہانتک کس کام کے کرنے میں محض اپنی عقل حیوانی سے مدد لیتی ہے سراسر دشوار اور ناممکن ہے۔

سید راحت حسین۔ بی۔ اے

فریاد آدم

ہے ہے! اُکھڑ گئی وہ نسیم بہارِ خُلد — وہ جوشِ گُل ہے آہ! نہ وہ نزہتِ زارِ خُلد
ولکش ادا تھی جنکی وہ کلیاں کہ رشکِ حُسن — وہ پھول کیا ہوئے۔ تھے جو آئینہ دارِ خُلد
خون ہو کے دل کمین مری آنکھوں سے بہ چکا — مجھکو لہو رُلا نہ غمِ انتظارِ خُلد
اُلجھا ہوا ہے کانٹوں میں دامانِ شوق اب — دامن میں یا کبھی تھے گُلِ نوبہارِ خُلد
پہلو بدل رہا ہے اب آغوشِ وہر میں — وہ دل جو آہ! تھا کبھی زیبِ کنارِ خُلد
ہے ہے! اُکھڑ گیا وہ مراکزِ دلنشین — پہلو میں اب تڑپ نہ دلِ بیقرارِ خُلد
اے مہر و ماہ! اے سحر و شام آرزو — دونوں کو پھیر دو مجھے لیل و نہارِ خُلد
دونوں خدا کرے۔ لبِ کوثر پھر ایکبار — بھر کر پیوں میں جامِ مے خوشگوارِ خُلد
بھیجو کوئے طیور سے۔ سائقِ ازل — آنکھوں میں میری ہے ابھی باقی خمارِ خُلد
پائے طلب شکستہ ہوں میں کوئے شوق میں — ہوں منزلِ جہان میں غریب الدیارِ خُلد
مجھ پر کرم! کہ بندۂ عاصی ہوں اے کریم — یارب ہو مجھپہ رحم کہ ہوں بیقرارِ خُلد

مرغِ اسیر ہوں۔ مجھے میرا چمن ملے
بچھڑا ہوا وطن سے ہوں مجھکو وطن ملے

مین خوش بہشت مین مرے پروردگار تھا — دُنیا کی فکر تھی۔ نہ غمِ روزگار تھا
پابند تھا نہ قید علائق کا مین غریب — بیڑی نہ کوئی پاؤں مین تھی۔ رِنگکار تھا
محفوظ تھا قضا سے مین کیسا غمِ فنا — ناآشنائے ہستیِ ناپائدار تھا
ناگاہ آرزو تھا نہ اس عمکدہ مین مین — تسکین تھی جان کو۔ دل کو قرار تھا
واقف نہ تھا جہان کے سپید و سیاہ سے — لب پر نہ میرے شکوۂ ویل و نہار تھا
ہے ہے! اُکھڑ گیا وہ مراکزِ دلنشین — مین آہ! جس مین زمزمہ سنجِ بہار تھا
تھا موجِ بوئے گُل سے معطر مرا مشام — ایک ایک پھول۔ نافۂ مشکِ تتار تھا
ہر سو ترانہ سنج تھے مرغانِ خوشنوا — اک طائرِ حزین کا شور سرِ شاخسار تھا
دلکو لگی ہوا بھی نہ تھی باغِ دہر کی — کانٹا نہ کوئی میرے کلیجے کے پار تھا
آنکھون مین بس گئی تھی کچھ ایسی بہارِ خُلد — دم بھر فراق اُسکا مجھے ناگوار تھا
دُنیا مین آکے مجھپہ حقیقت یہ کھُل گئی — غم آہ! میرے عیش کا پایانِ کار تھا

اب مین ہون آہ! اور غمِ ایام آرزو
پتلا ہون کیسی کا مین ناکام آرزو

سُرور جہان آبادی

حضرت آدم و حوا

انڈین پریس الہ آباد

نمائش گاہِ لاہور

مصنوعاتِ ہند کی عظیم الشان سودیشی نمائش منعقدہ لاہور صوبۂ پنجاب کی حرفتی تاریخ میں ایک مشہور اور قابل الذکر واقعہ ہے۔ کیونکہ یہ اپنی قسم کی پہلی نمائش ہے۔ اس سے قبل پنجاب میں تین نمائشیں ۱۸۶۴ء، ۱۸۹۳ء اور ۱۹۰۳ء میں علی الترتیب منعقد ہو چکی ہیں۔ لیکن اُن نمائشوں کی موجودہ نمائش کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں ہے۔ وہ بالکل جداگانہ قسم کی نمائشیں تھیں جو اپنے اجزاء و انعقاد کے لئے حکام کے مساعی جمیلہ کی مشکور ہیں۔ انمیں صوبۂ پنجاب اور اُسکے مضافات کی تمام نمائشی اشیاء نمایاں کی گئی تھیں۔ اُنکا خیال حکام ہی کے دل میں پیدا ہوا تھا اور انہیں کی کوششوں سے جملہ انتظام پایۂ تکمیل کو پہونچا تھا۔

۱۹۶۴ء کی نمائش موجودہ میو نسپل مارکٹ کے اندر منعقد ہوئی تھی اور اُسمیں صوبۂ ہذا کی ہر قسم کی اشیا نمایاں کیگئی تھیں ۱۸۶۴ء کی نمائش مسٹر لاک وُڈ کپلنگ کی کوشش سے منعقد ہوئی تھی اور نمائشی اشیاء صوبۂ ہذا کی دستکاریوں ہی تک محدود تھیں۔ اسکے واسطے اسکول آف آرٹ کے کمرے اور چند خیمے کافی سمجھے گئے تھے۔ اُس نمائش سے ایک عملی اور مفید نتیجہ نکلا تھا کہ لاہور میں ایک عجائب خانہ قائم ہوا۔ جسکا سنگ بنیاد ہز رائل ہائینس ڈیوک آف کلیرنس مرحوم نے ۱۸۶۹ء میں رکھا تھا ۱۸۹۳ء کی نمائش میں بھی زیادہ مصنوعات پنجاب ہی نمایاں کی گئی تھیں

موجودہ نمائش لاہور (جو ۱۹۶۰ء میں منعقد ہوئی ہے) گذشتہ نمائشوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ یہ نہ صرف غیر سرکاری ہے بلکہ تمام ہندوستان کی پیداوارون کا عجائب خانہ پیش کرتی ہے۔ تمام ہندوستان کی اشیا کی نمائش کے سلسلے میں یہ ساتوین نمائش ہے۔ نیشنل کانگریس کی ایک نہایت مفید شاخ ہے۔ جیسے سوشل کانفرنس۔ انڈسٹریل کانفرنس وغیرہ۔ ہین ۱۹۰۵ء میں کانگریس کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تھا جسمیں ایک ریزولیوشن اس مضمون کا پیش ہوکر پاس ہوا تھا کہ ایک کمیٹی منجانب کانگریس صرف حرفتی مسائل و مباحث پر غور کرنے کے لئے مقرر ہو جو صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی تجاویز وضع کرے اور اپنے ملک کہ خاص طور پر اسطرف متوجہ کرتی رہے۔

۱۹۰۱ء میں کانگریس کلکتہ میں منعقد ہوئی وہان کے عالی حوصلہ اور اولوالعزم لیڈرون نے مناسب خیال کیا کہ تمام ہندوستان کی پیداوارین ایک مستقل پائدان نمائش میں نمایاں کرکے لوگون کو دستکاریون کی ترقی کیطرف مائل کیا جاے۔ چنانچہ ایک عظیم الشان نمائش ہوئی جو اُسوقت سے ایکا آجتک کانگریس کے اجلاس کے ساتھ ہر سال منعقد ہوتی چلی آتی ہے۔ ۱۹۰۲ء میں کانگریس بمقام احمد آباد فراہم ہوئی تھی اور اُسکے ساتھ وہان آل انڈیا نمائش کی ہوئی ۱۹۰۳ء میں کانگریس بمقام مدراس ۱۹۰۴ء میں بمقام بمبئی ۱۹۰۵ء میں بمقام بنارس۔ ۱۹۰۶ء میں دوبارہ بمقام کلکتہ منعقد ہوئی ۱۹۰۷ء میں کانگریس کا اجلاس ناگپور میں ہونا قرار پایا تھا۔ مگر باہمی اختلافات و تنازعات کے سبب سے کانگریس کو سورت میں منتقل کرنا پڑا اور قلتِ وقت کے لحاظ سے نمائش آیندہ سال پر ملتوی رہی۔ مگر ۱۹۰۸ء میں بمقام مدراس بھی کانگریس کے اجلاس کے ساتھ نمائش نہو سکی۔

دسمبر ۱۹۰۹ء مین کانگریس کا اجلاس لاہور مین منعقد ہوا۔ لہذا نمایش بھی یہین ہوئی۔ سال مذکور کے اوائل مین پنجاب کے حامیان کانگریس کے درمیان اختلاف راے بہت سختی سے نمایان ہوا جسکی وجہ سے اندیشہ تھا کہ کانگریس اور نمایش نہو سکینگی۔ مگر محبانِ وطن اور عالی ہمت اصحاب نے دل وجان سے کوشش کر کے ان دونون کو کامیاب بنانیکا عزم بالجزم کیا۔ ۶۔ ماہ جون کو نامور اصحاب کی ایک کمیٹی صرف نمایش کے اہتمام کے لئے مقرر ہوئی جسمین ہر طبقے۔ ہر فرقے۔ اور ہر گروہ کے لوگ شریک ہوئے۔ جنکی تعداد دو سو اصحاب تک پہونچگئی۔ اس کمیٹی مین ہندوستانی اور انگریز حکام سرکار اور وکلاء رعایا۔ ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی۔ اور پارسی کانگریس کے حامی۔ مسلم لیگ کے لیڈر۔ کانفرنس کے طرفدار اور سنگھ سبھا کے ممبر شامل تھے۔ تخمینہ کیا گیا کہ نمایش پر ساڑھے تین لاکھ روپیہ صرف ہونگے اور اس رقم خطیر کی بہم رسانی کے وسائل پر بھی غور کیا گیا۔

کمیٹی نے گورنمنٹ پنجاب سے دستگیری کی استدعا کی جو قبول ہوئی۔ سر لوئیس ڈین نے ایک لاکھ روپیے سے امداد کا وعدہ فرمایا اور نمایش کے مرہی بنے۔ اس سے نہایت مفید نتیجہ نکلا یعنی جب حضور لفٹنٹ گورنر بہادر نے نمایش کی سرپرستی منظور فرمائی تو اُن رؤسا اور شرفاء نے بھی جو اسے ایک پولٹیکل معاملہ کہتے تھے اور اس سے محترز رہتے تھے اسمین شرکت وشمولیت کی خواہش ظاہر کی۔ کمیٹی نے راجگان اور والیان ریاستہاے پنجاب سے التجا کی کہ وہ بھی اسمین شریک ہو کر اسے کامیاب بنانے مین کمیٹی کی امداد کرین۔ چنانچہ اُنہون نے ہزا نر کی تقلید کر کے ہر قسم کی مدد دی اور زر نقد کے علاوہ اپنی اپنی ریاستون کی تمام اشیا نمایش کے لئے بہم پہونچائین۔ کشمیر۔ پٹیالہ۔ بہاولپور۔ مالیر کوٹلہ۔ فرید کوٹ وغیرہ وغیرہ کے واسطے نمایشگاہ مین خاص کمرے مخصوص تھے جنکی آرایش کا جملہ اہتمام ہر ریاست نے خود کیا تھا۔

نمایش کا محل وقوع

نمایشگاہ شہر سے باہر قلعۂ لاہور کے متصل جانب غرب پرٹہ کے میدان مین ٹھیک اُس مقام پر ہے جہان نومبر ۱۹۰۵ء مین حضور پرنس آف ویلز کی تشریف آوری لاہور کے قابل یادموقع پر دوسار پنجاب کا کیمپ تھا۔ اس وسیع میدان مین گاہے گاہے قلعۂ لاہور کی متعینہ فوج کی قواعد اور ریویو ہوا کرتا ہے۔ میدان کی مغربی حد دریاے راوی کی پُرانی گذرگاہ سے وابستہ ہے۔ اب دریا وہان سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر بہتا ہے۔ لیکن برسات کے موسم مین جب دریا مین طغیانی ہوتی ہے تو اُسکا پانی کناروں سے نکلکر پُرانی گذرگاہ مین چلا آتا ہے اور اُسوقت یہ میدان بہت دلکش منظر پیش کرتا ہے۔ لق ودق میدان کے اس سرے سے اُس سرے تک پانی کی ایک بے پایان چادر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ اب اسی مقام پر منٹو پارک بنایا جائیگا۔

نمایش کی عمارتین اور کیمپ ۴۰ ایکڑ اراضی مین پھیلے ہوئے ہین۔ پختہ عمارات (۱۰۹۰۰) اور خام عمارتین (۲۳۵۰۰) فیٹ مربع زمین پر استادہ ہین۔ انکی تعمیر مین ایک لاکھ بیس ہزار روپے صرف ہوئے ہین جانب شہر سڑک کے ساتھ ساتھ ایک پختہ دیوار بنائی گئی ہے۔ مغربی حد پر دریاے راوی کی پُرانی گذرگاہ ہے۔ اور دو طرف دیار کے تختون کی بلند دیوارین قائم کر کے ایک محفوظ احاطہ بنالیا گیا ہے جسکے اندر کیمپ اور نمایشگاہ محدود ہے۔ نمایشی اشیا کیلئے جو عمارتین مخصوص ہین وہ سُرخ اینٹون کی ہین جن پر ٹین کی چھتین چھائی گئی ہین لیکن یہ بہت ناقص ہین۔ کیونکہ ۱۳۔ اور ۱۴۔ دسمبر گذشتہ کو جب لاہور مین بارش ہوئی تو یہ چھتین پانی روکنے مین ناکام

رہین جسکی وجہ سے نمایشی چیزون کو کسیقدر نقصان پہونچا۔ رات کو شبنم بھی گرتی ہے اور اُسکا پانی بھی اندر ٹپکتا ہے۔ حالانکہ نمایشی اشیاء رکھنے کے لئے گلاس کیس موجود ہین لیکن سب چیزین انکے اندر نہین سکتین بلکہ بڑی بڑی چیزین تختون پر رکھی ہوئی ہین۔

بڑی بڑی عمارتین دو سلسلون مین دور تک پھیلتی ہوئی چلی گئی ہین جنکے درمیان ایک خوبصورت چوڑی سڑک نکالی گئی ہے۔ وسط مین ایک چوک ہے جہان ہر روز سہ پہر کو دو بجے سے گورکھا پلٹن کا بینڈ (فوجی باجہ) بجتا ہے۔ یہ چوک بہت وسیع ہے۔ اسی جگہ ہز آنر لفٹنٹ گورنر بہادر نے ۱۱۔ دسمبر کو افتتاحی رسم ادا کرتے وقت دربار منعقد فرمایا تھا جسمین پنجاب کے تمام والیان ریاست۔ روسا امراء اور معززین شریک ہوئے تھے۔ یہان کرسیان اور نچین بچھی ہوئی ہین۔ ایک جانب ہندو ہوٹل۔ دوسری طرف اسلامیہ ہوٹل اور تیسرے پہلو مین انگریزون کا ریفرشمنٹ روم ہے۔ نمایشگاہ کے بڑے دروازے کی پیپ وراست حدبندی کے اندر دوکاندارون اور تاجرون کے لئے کچی کوٹھریان بنادی گئی ہین جنپر ٹین کی چھتین ہین۔ یہ کوٹھریان دوکاندارون کو کرایہ پر دیگئی ہین جہان وہ اپنا مال فروخت کرتے ہین۔ نمایش کی خاص عمارت کے اندر بھی بڑے بڑے تاجرون کو کرایہ پر جگہ دیگئی ہے۔ جہان ہر ایک نے اپنا اپنا مال قرینے سے چُنا ہے اور فروخت ہو رہا ہے۔

نمایش کی رسم افتتاح

افتتاح نمایش کی رسم ہز آنر سر لوئیس ڈین بہادر نے نہایت تزک و احتشام اور سرکاری کروفر سے روسا و شرفاء پنجاب اور عمائد شہر کے روبرو ۱۱۔ دسمبر ۱۹۰۹ء کو دوپہر کیوقت ایک بڑے دربار مین ادا فرمائی۔ اس سے پیشتر ہاتھیون کا ایک شاندار جلوس بھی شہر سے گذرا تھا۔ دس بجے دن کے قریب ہز آنر اور لیڈی ڈین گورنمنٹ ہاؤس سے گاڑی پر سوار ہوکر ریلوے اسٹیشن کو تشریف لیگئے۔ اس موقع پر قلعہ سے پندرہ توپون کی سلامی سرہوئی سٹیشن پر جلوس آراستہ کیا گیا۔ تمام رئیس اپنے اپنے ہاتھیون پر سوار ہوئے جو بیش قیمت ساز و سامان اور مغرق جھولون سے آراستہ تھے۔ پنجاب لائٹ ہارس کا ایک دستہ گورنمنٹ ہاؤس سے حضور ممدوح کے ہمرکاب تھا۔ جلوس کی ترتیب زیادہ تر وہی تھی جو لارڈ منٹو کی تشریف آوری لاہور کیوقت تھی۔ دہلی دربار کے موقع پر جو قاعدہ لارڈ کرزن نے ہاتھیون کے شاندار جلوس کے لئے مقرر کیا تھا وہی ایک فتح پانے پر اسوقت بھی برتا گیا۔ صرف اتنا فرق تھا کہ سر لوئیس ڈین کا جلوس پراونشل تھا۔ جلوس مین سب سے آگے ضلع جہلم کے پرائیویٹ سوارون کا دستہ تھا جو نمایشی کھیلون مین اپنے کرتب دکھانے آیا تھا۔ اسکے بعد تولہ الانسر اور اُسکے لفٹنٹ ملک محمد عمر حیات خان صاحب تھے۔ اس دستے کے پیچھے سکھ پلٹن کا ایک دستہ تھا۔ اور اسکے بعد رجمنٹل بینڈ بجتا جاتا تھا۔ بعد ازان لاہور میونسپل کمیٹی کے بعض ممبر اور وائس پریسیڈنٹ گھوڑون پر سوار تھے۔ اور انکے پیچھے ہاتھیون کا جلوس تھا۔

سب سے پہلے ہاتھی پر شیر مرد راجہ صاحب پونچھ سیدھے سادے لباس مین سوار تھے۔ انکے بعد چیف کورٹ پنجاب کے چیف جج تھے۔ انکے پیچھے چند ہاتھی خوب آراستہ و پیراستہ تھے جنپر زربفت کی جھولین اور سنہری روپہلی ہودے کسے ہوئے تھے۔ ان ہاتھیون پر راجہ صاحب چمبہ۔ راجہ صاحب فرید کوٹ نواب صاحب مالیر کوٹلہ۔ راجگان کپورتھلہ اور جنید تھے۔ انکے پس پشت نوعمر مہاراجہ صاحب پٹیالہ ایک قدآور ہاتھی پر جلوہ افروز تھے۔ جسپر زربفت کی نہایت قیمتی اور شاندار جھول پڑی ہوئی تھی۔ بعد ازان ہز آنر کے عملے کے ہاتھی تھے۔ سب سے پیچھے

سر لوئیس اور لیڈی ڈین ایک بلند اور آراستہ ہاتھی پر تشریف لائے اور اُنکے عقب مین پلٹن کا ایک حصّہ تھا۔

ہز آنر لنڈے بازار سے روانہ ہوکر دہلی دروازہ سے گذرے اور کشمیری بازار۔ ڈبی بازار۔ بزاز ہٹّہ۔ واٹر ورکس۔ ہیرا منڈی ہوتے ہوئے قلعہ اور شہر کے درمیانی میدان مین داخل ہوئے۔ جہان شہر کے تمام اسکولون اور کالجون کے لڑکے حضوری باغ اور قلعہ کے لاہوری دروازہ اور باولی گرو صاحب تک رنگا رنگ پگڑیان باندھے ہوئے دورویہ کھڑے تھے۔ اُنہون نے لاٹ صاحب کو چیرز دئے اور ہپ ہپ ہرے کے نعرون سے آسمان سر پر اُٹھالیا۔ لوگ اُن راستون پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پیشتر ہی مجتمع ہوگئے تھے جنمین سے جلوس گذر نیوالا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان منظر تھا۔ خصوصاً نمایشگاہ کے احاطے مین ایک زبردست مجمع تھا جس مین ہر طبقے اور ہر درجے کے لوگ موجود تھے۔ دربار مین داخلے کیلئے ٹکٹ مقرر تھا جسکی مقدار بالترتیب دس، پانچ اور تین روپیہ تھی۔

ایک قیمتی اور عالیشان شامیانے کے نیچے سر لوئیس اور لیڈی ڈین کے لئے دو سنہری کرسیان بچھی ہوئی تھین۔ نیز مہاراجگان کشمیر و پٹیالہ اور راجگان چمبہ۔ پونچھ۔ کپورتھلہ۔ فریدکوٹ۔ جنید۔ منڈی اور نواب مالیر کوٹلہ کے لئے بھی بیش قیمت کرسیان بچھائی گئی تھین۔ علاوہ بریں عہدہ دارانِ سرکاری اور نامور اصحاب کے لئے بھی کرسیان آراستہ کی گئی تھین۔ جب لاٹ صاحب اور دیگر رونما اپنی اپنی کرسیون پر متمکن ہوگئے تو نمایش کی کمیٹی کے پریسیڈنٹ سر پرتول چندر چٹرجی نے ہز آنر سے اجازت چاہی کہ جنرل سکریٹری لالہ کرشن لال صاحب رپورٹ پڑھین۔ چنانچہ حسب اجازت رپورٹ پڑھی گئی جسکے ضروری اور قابل غور امور مضمون ہذا مین جابجا مذکور ہوئے ہین۔ اسکے بعد سر پرتول چندر چٹرجی کی اسپیچ ہوئی اور بعد ازان مولوی حاجی رحیم بخش صاحب پریسیڈنٹ کونسل بھاولپور نے اُردو مین تقریر کی۔ اسکے بعد حضور لاٹ صاحب نے ایک طولانی تقریر فرمائی جسمین صوبۂ پنجاب کی حرفتی ترقیون۔ ریلون اور نہرون کا خاص ذکر تھا۔ حضور ممدوح نے فرمایا کہ "نمایش سیلف گورنمنٹ (حکومت خود اختیاری) کی تعلیم و تجربہ کا مدرسہ ہے"۔ ختم تقریر پر ہز آنر کی خدمت مین ایک نقرئی کنجی پیش کی گئی جس سے ہز آنر نے ایک قفل کھولا اور نمایش کی رسم افتتاح انجام پذیر ہوئی۔ بعد ازان ہز آنر اور رونما نمایش کے مختلف کمرون مین تشریف لے گئے اور اشیا ملاحظہ فرمائین۔ نمایش مین جو ایفی تھیٹر بنایا گیا ہے حضور ممدوح نے اُسے بھی ملاحظہ فرمایا اور نمایش کا معاینہ کرکے بسواری موٹر کار واپس تشریف لے گئے۔ آرمیبل مسٹر کے ہی گپتا ممبر انڈیا کونسل بھی افتتاح نمایش کے دربار مین شریک تھے اور ایک ہی روز پیشتر لاہور مین تشریف لاکر گورنمنٹ ہاؤس مین قیام پذیر ہوئے تھے۔

نمایش گاہ اور اشیا نمایش

آمدنی اور اخراجات نمایش و اشیا، نمایش کے ذکر سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض ضروری امور کی تشریح بھی کیجائے نظرین سب سے پہلے اخراجات اور آمدنی کے وسائل کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اخراجات کا اندازہ ساڑھے تین لاکھ روپیہ ہوا تھا جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے۔ اس رقم کی فراہمی کے کئی ذریعے قرار دئے گئے جنکا مختصر ذکر خالی از لطف نہوگا۔ پنجاب گورنمنٹ نے ایک لاکھ روپیہ کی امداد منظور کی تھی جسمین تیس ہزار روپیے منٹو پارک کے لئے علیحدہ کئے گئے ہین۔ گورنمنٹ کے بعض دوسرے صیغون سے بھی کئی قسم کی مدد ملی ہے۔ کئی اضلاع کے ڈپٹی کمشنرون نے چندہ اور نمایشی اشیاء کے بہم پہنچانے مین

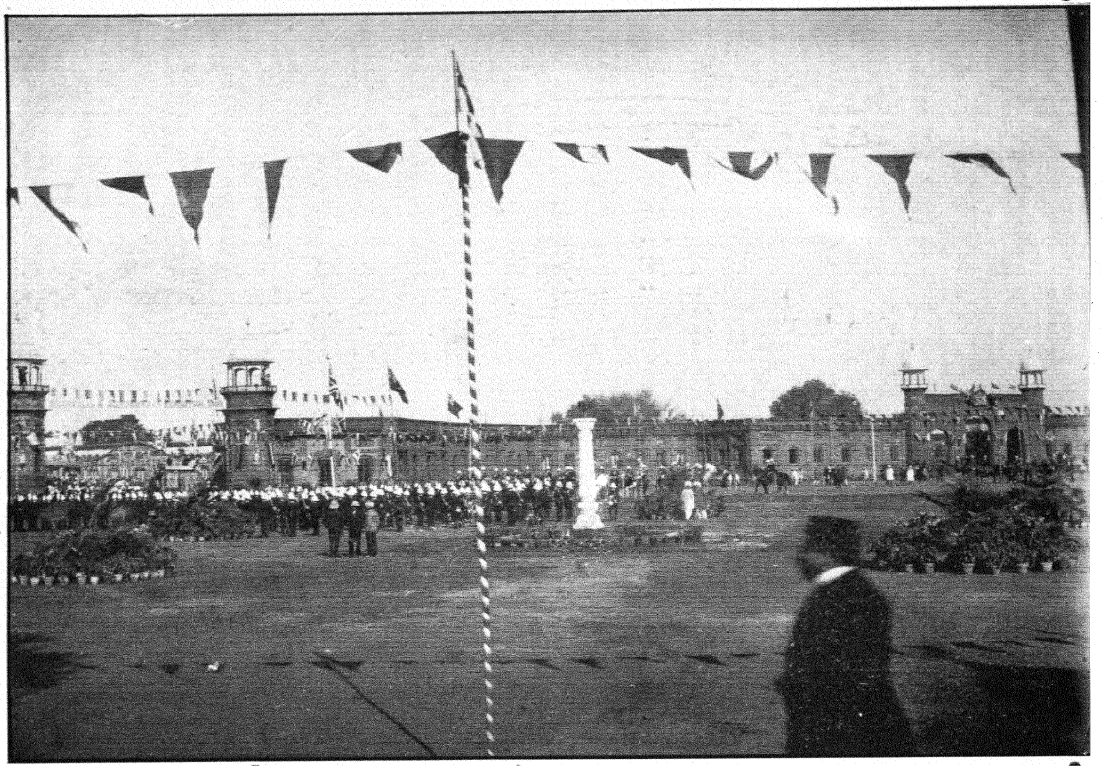

دربار نمائشگاہ لاہور

کوشش بلیغ سے کام لیا ہے۔ صیغہ ہائے ڈاک تار برقی اور ریلوے نے بھی بہت مدد دی ہے۔ منیجر صاحب نارتھ ویسٹرن ریلوے نے عمارتی سامان بہم پہونچانے مین امداد کی اور ٹکٹ دیکھنے کے لئے ریلوے ملازم دئے ہین۔ یہ کہنا بیجا نہوگا کہ حکام کی اعانت و دستگیری بغیر نمایش کی کامیابی مشکوک تھی۔

پنجاب کے والیان ریاست نے اڑتیس ہزار روپیے نقد دئے۔ ۲ میونسپل کمیٹیون اور ڈسٹرکٹ بورڈون نے پچیس ہزار سے اعانت کی۔ دس ہزار روپیے لاہور کی میونسپلٹی نے دئے عوام کے چندہ سے اڑتیس ہزار روپیے وصول ہوئے۔ کشنیون وغیرہ کے ٹکٹون سے ساٹھ ہزار اور نمایش کے ٹکٹون کی فروخت سے ایک لاکھ کی آمدنی کا اندازہ ہوا۔ تیئیس ہزار روپیے کرایہ وغیرہ سے وصول ہونگے۔ خاص اشیا نمایش سے چودان ہزار۔ اشتہارات سے ساڑھے تین ہزار اور ریفرشمنٹ روم اور تھیٹر کے کرایہ سے ساڑھے پانچہزار وصول ہونے کا تخمینہ ہے۔ گویا ان مدات سے تین لاکھ چوراسی ہزار روپیہ کی آمدنی ہوگی۔ اور اخراجات کے بعد چالیس پنتالیس ہزار کی توفیر ممکن ہے۔

نمایش کے شعبے | ملکی تقسیم کے اعتبار سے ہندوستان دو حصون مین منقسم ہے۔ ایک وہ حصہ جو گورنمنٹ انگریزی کے تحت مین ہے اور دوسرا وہ جو دیسی ریاستون کے زیر حکومت ہے۔ آبادی کے لحاظ سے پانچوان حصہ اور رقبہ کے اعتبار سے ۱/۳ حصہ ملک دیسی ریاستون کے قبضہ مین ہے۔ اگر نمایش مین بھی یہی تقسیم ملحوظ رکھی جاے تو نامناسب نہوگا۔ دیسی ریاستون مین سب سے عمدہ کمرے ریاستہاے کشمیر اور پٹیالہ کے ہین۔ انکے دوسرے درجے پر بھاولپور اور کپورتھلہ ہین۔ مالیر کوٹلہ۔ فرید کوٹ۔ جمبہ۔ بلاپور پونچھ۔ میسور۔ ٹراونکور۔ بھرتپور۔ جودھپور۔ گوالیار۔ بڑودہ۔ بیکانیر۔ خیرپور۔ اندور۔ دھار۔ جے پور۔ حیدرآباد دکن وغیرہ کی طرف سے بھی اشیا نمایان کی گئی ہین۔

بعض ریاستون نے صرف دو دو چار چار چیزین بھیجی ہین جنکے لئے وہ مشہور ہین۔ اور بعض نے زیادہ اشیا بہم پہونچائین ہین۔ باقی اشیا برٹش ہندوستان کے ہر حصے سے جمع کیگئی ہین۔ کسی قسم کی ایسی پیداوار نہین ہے جو نمایان ہونے سے رہ گئی ہو۔ انکی تقسیم انکی نوعیت کے مطابق کیگئی ہے اور مختلف کمرون مین مختلف اشیا آراستہ کیگئی ہین۔ صیغہ زراعت۔ صیغہ جنگلات۔ دیپارٹمنٹ معدنیات۔ بنگال کی مچھلیان۔ سائنس۔ آرٹ۔ لٹریچر۔ صیغہ متفرقات۔ صیغہ زنانہ مصنوعات۔ فائن آرٹس۔ (فنون لطیفہ) صیغہ اسباب چرمی۔ ٹیکسٹائل یعنی ہر قسم کے سوتی اونی اور ریشمی کپڑون کا صیغہ۔ ظروف چینی۔ اشیا چوبی و آرائشی سامان کا صیغہ۔ جوہری (زیورات اور سونے چاندی کی قیمتی اشیا) کا صیغہ۔ اور پیتل تانبا وغیرہ کی اشیا کا صیغہ۔ صیغہ انہار پنجاب شیشون کا صیغہ کیمیکل انڈسٹری (کیمیائی حرفتون کا صیغہ) اور متفرق دستکاریون کا شعبہ وغیرہ وغیرہ ہین۔

دیسی ریاستون کی اشیا | جیسا اوپر بیان ہوا ہے دیسی ریاستون مین سے سب سے پہلے قابل ذکر پٹیالہ ہے جسکے دو کمرے بہت اچھی طرح آراستہ ہین اور ریاست کی ہر قسم کی پیداوارین اور دیگر اشیا درج ہین۔ جنگلی پیداوارون مین دو لکڑیان خاص ذکر کے قابل ہین جو چھتون اور دیا سلائیان بنانے کے کام آتی ہین۔ پٹیالہ کے بنے ہوے پیتل کے آلات علم بہت قابل دید ہین۔ ایک بڑا شیشہ بھی دیسی ساخت کا ہے جسمین بھلے چنگے آدمی کی شکل بہت بھونڈی اور کریہ معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے کمرے مین تیس بڑے اور ستائیس چھوٹے کپ رکھے ہین جو مہاراجہ پٹیالہ نے گولڈ کرکٹ اور پولو وغیرہ کھیلون مین بطور انعام حاصل کئے تھے۔

بعض کپ بہت بھاری ہین اور نقرہ ہونے کے باعث بہت قیمتی ہین۔ دو زرنگار کرسیان اور ایک چاندی کی پالکی اور چند پرانے قیمتی قلمی نسخے فارسی ہندی وغیرہ کے ہین جنکے اندر تصاویر بھی ہین۔ کشمیر کے چاندی کے برتن۔ چوبی اور کاغذ کے قلمدان اور شال بہت مشہور ہین۔ اور یہ چیزین ریاست کشمیر کے ایک بلے مخصوص کمرے مین آراستہ ہین۔ ریشم نکالنے کا کام جیسا جمون مین ہوتا ہے ایک کونے مین دکھایا گیا ہے۔ کوئے گرم پانی کے اندر پکتے ہین۔ اور اُنہین سے ریشم کے تار علیحدہ کئے جاتے ہین۔ پانچ۔ چھ کوؤن کے تار لیکر ایک تار بنایا جاتا ہے اور مشین پر لپیٹا جاتا ہے۔ یہ کام صبح سے شام تک ہوتا رہتا ہے۔ اور لوگ اُسے دیکھتے ہین۔ اسکے علاوہ تانبے کی طرح طرح کی ریاشی اشیار موجود ہین۔ کشمیر کی زرعی پیداوارین بھی نمایان کی گئی ہین۔

ریاست بھاولپور کے کمرے مین وہان کی ہر قسم کی چیزین دکھائی گئی ہین۔ زرعی صنعتی۔ مالی جنگلی۔ الغرض کل اشیار ہین۔

ریاست کپورتھلہ کے کمرے مین بہت سی عمدہ چیزین ہین۔ دو زرنگار کرسیان اور دو بڑے بڑے قیمتی ہودے ہین لکڑی کا کام کپورتھلہ مین بہت ہوتا ہے۔ ایک چوبی نمونہ حال کے بنے ہوئے محل کا ہے۔ وہان ہیت دالون کے کام کے آلات بھی بنتے ہین۔ اور لڑکیون کے اسکول کی بنی ہوئی چند نفیس چیزین بھی قابل دید ہین۔

بیکانیر کی خاص چیزین دو تین قسم کی ریت اور مٹیان ہین اول الذکر سفید کانچ اور بوتلین بنانے کے اور موخر الذکر چینی مٹی کے خوبصورت برتن اور قیمتی اینٹین بنانیکے کام آتی ہین۔

گوالیار کے قالین اور ایک حاضری کا عمدہ گھنٹہ ہے جو ریاست کے ورکشاپ مین بنایا گیا ہے۔ یہ گھنٹہ بڑا کارآمد معلوم ہوتا ہے۔ اسکے ذریعے سے آنے اور جانے کا وقت گھنٹے اور منٹ آپ سے آپ اسکے اندر درج ہوتے رہتے ہین۔

ریاست فرید کوٹ کے سرکاری مستری کا بنایا ہوا ایک بڑا گھنٹہ بھی ہے جو کاہر پرزہ محمد شریف نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا ہے۔ اسکے علاوہ دوسرے سرکاری جہپان اور ریاست کی دیگر مشہور پیداوارین ہین۔

ریاست میسور کی طرف سے کئی قسم کے اناج۔ غلّہ۔ گرم مسالے۔ جڑی۔ بوٹیان ہین۔ صندل اور صنوبر کے نمونے بھی ہین۔ ایک بڑی قیمتی تصویر گاے اور بچہ کی ہے۔ یہ ہندوستانی روغنی نقاشی کا بہت عمدہ نمونہ ہے۔ ایک اور روغنی تصویر "سنگار" ہے مگر یہ ایسی اعلیٰ نہین ہے۔

ریاست جودھپور کا بنا ہوا سنگ مرمر کا تخت اور فوارے ہین۔ جو سنگ تراشی کے فن کا نہایت عمدہ نمونہ ہین۔ ریاست برودہ کی طرف سے بھی کئی چیزین دکھائی گئی ہین۔ کئی مرکبات دیسی ساخت کے۔ بروہ ملز کے کپڑے اور سوت۔ لکڑی کا کام۔ اور جنرل فائی کام کے چند آلات ہین۔ باقی ریاستون کی چیزین بہت معمولی قسم کی ہین۔ اور وہ خاص ذکر کے قابل نہین ہین اُنہین عجائبات کی فہرست مین شامل کرنا بھی مشکل ہے۔

اشیار ہند نمایش گاہ مین سب سے عمدہ اور بہترین قسم کا آراستہ صیغہ زراعت ہے۔ جسکے تین بڑے شعبے ہین (۱) آلات کشاورزی (۲) مرغی خانہ اور انڈے سینے کی مشین۔ (۳) خاص زرعی پیداوارون کا حصہ ہے۔ اور اسکا ایک حصہ باغ کی پیداوارون کے لئے وقف ہے۔ زرعی آلات کے شعبے مین کئی مفید اور کارآمد کلین ہین۔ گھاس۔ چارہ کترکر باریک کرنے کی کلین۔ فصل کاٹنے کی

مشین اور بیج بونے کے آلات - ڈھیلے توڑنے مٹی باریک کرنے زمین سے گھاس نکالنے اور الگ کرنے کی کلین - سن اور اسی وغیرہ سے سن اور ریشہ نکالنے کی مشینین - بھوسے سے اناج علحدہ کرنے اور اُڑانے کی مشینین - پیسنے - دلنے کی کلین - جوار کے والنے بھٹوں سے الگ کرنے - ہینڈ پمپ یعنے ہاتھ سے پانی نکالنے کی کل - ولایتی ہل وغیرہ وغیرہ کلین موجود ہین - دیسی ایجاد کی بلدیو بالٹی ہے جسکے ذریعے سے چند فٹ گہرائی کے تالاب یا خندق سے پانی نکالکر کھیت سیراب کر سکتے ہین - مصری پیچ بھی دکھایا گیا ہے جو نیچی جگہ سے اوپر پانی چڑھانے کے کام آتا ہے - یہ پیچ لکڑی کا ہے جو ہاتھ سے گھمایا جاتا ہے - اس سیغے مین پندرہ سولہ قسم کے ولایتی چھوٹے بڑے لوہے کے ہل ہین - ان مین "راجہ ہل" بہت مفید معلوم ہوتا ہے جو دو تین دیسی ہلون کے برابر کام کرتا ہے - ایک ہل "ہیرو" ہے جو سات ہلون کے برابر زمین جوت سکتا ہے - اس صیغہ کے متعلق چند قطعات آراضی ہین جہان ان ہر دو ہلون سے زمین جوت کر دکھائی جاتی ہے - اس سے بہت گہرائی تک زمین کھد سکتی ہے "ہیرو ہل کی قیمت پچاس روپیہ ہے - اکہرے اور دوہرے ہل تیس تیس روپیے کو بھی مل سکتے ہین - ان ہلون سے تھوڑی دیر مین بہت سا کام ہو سکتا ہے - بھوسہ اڑانے اور بونے اور فصل کاٹنے کی کلین نہایت مفید ہین جو ایک گھنٹے مین بہت سے ہلون اور بہت سے آدمیون کے برابر کام کرتی ہین - بھوسہ سے اناج نکالنے اور اُڑانے کی کل سب سے اچھی معلوم ہوتی ہے - کیونکہ اسکے ذریعے سے کام لیکر کسان لوگ ہوا کے محتاج نہین رہینگے - ان کلون کے مقابلے مین دیسی زرعی آلات بھی دکھائے گئے ہین - انمین ۴۰ قسم کے دیسی ہل ہر حصۂ ملک سے لاکر جمع کئے گئے ہین - خراس اور چکی جو پانی سے چلتی ہین - دھان کوٹنے اور چاول نکالنے کی دیسی کلین جو پانی سے چلائی جاتی ہین - گھاس اور چارہ کترنے کی مشین بھی بہت کارآمد معلوم ہوتی ہے - الغرض جتنے آلات وہان دکھائے گئے ہین وہ سب زمیندارون اور کاشتکارون کے کام کے ہین - مجھے یہ دیکھکر بہت خوشی ہوئی کہ لاہور کے قرب وجوار کے کسان صیغۂ زراعت کی نمائشی اشیا اور آلات کشاورزی دیکھنے آتے ہین - اور کئی قسم کے آلات پوچھتے اور ضروری امور دریافت کرتے ہین - پنجاب کے دیگر اضلاع کے زمیندار - ذیلدار اور زمیندار وغیرہ بھی ان چیزون کو دیکھنے آتے ہین - زرعی اسٹیشن لائلپور کی طرف سے تین چار قسم کی مرغیان - دو ایک قسم کی بطخین اور فیل مرغ بھی دکھائے گئے ہین جنکی پرورش نئے طریقون سے کیجاتی ہے - انکی صنف کو ترقی دینے اور انکی نسل کو بہتر بنانیکی کوشش کیجاتی ہے - اسکے ساتھ ہی انکوبیٹر ہاؤس" (Incubator House) یعنی ایک مشین سے مرغی کے انڈے سینے اور بچے نکالنے کا ڈھنگ بتایا جاتا ہے - چھوٹی مشین مین ۲۰ - ۳۰ - انڈے اور بڑی مین ۶۰ - ۱۰۰ - انڈے رکھے جاتے ہین - جن مین سے اکیس دن کے بعد بچے نکل آتے ہین - بڑی مشین کی قیمت ساٹھ روپیے اور چھوٹی کی چالیس روپیے ہے - جو شخص انکے انچارج ہیں اُنسے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گندے انڈون کے سوا باقی سب سے بچے نکل آتے ہین - جنکی پرورش کا علحدہ انتظام ہے - اور وہ فاسٹر مدر (Faster mother) یعنی "سوتیلی ماں" کے نام سے مشہور ہے - یہ مشین ایک معمولی قسم کا صندوق سا ہے جسکے ایک حصہ مین لیمپ جلتا ہے اور جسکی حرارت انڈون کو پہونچتی رہتی ہے - یہ کل مرغی پالنے والون کے کام کی شے ہے -

شہد کی مکھیون کا گھر بھی زراعت کے شعبہ سے متعلق ہے جہان زندہ مکھیان رکھی گئی ہین - یہ ایک لکڑی کے صندوق کے اندر ہین جہان وہ چھتہ بناتی اور شہد جمع کرتی ہین - یہ گھر شیشے کا ہے - اور اسکے اندر پھولون کے گملے ہین جنپر مکھیان پرورش پاتی ہین - ہارٹی کلچر یعنی باغ کی پیداوارون کا حصہ بھی زرعی پیداوارون کے ضمیمہ سے متعلق ہے - اسکے اندر کئی قسم کی سبزی - ترکاریان اور پھل پھول ہین - ولایتی سیب دس قسم کے اور پیاز دیسی اور ولایتی ستر قسم کی اور اسکاٹلینڈ کے پچیس قسم کے آلو ہین - پینتالیس قسم کے پھلون - پھولون اور سبزیون کے تخم ڈبیون کے اندر بند ہین - ایک طرف جملہ آلات دکھائے گئے ہین جو مالیون کے کام آتے ہین - مثلاً پچکاریان جنسے پانی یا دوا پودون پر چھڑک کر موذی کیڑون سے انہین محفوظ رکھا جاتا ہے - پودے چھانٹنے - کاٹی اتارنے دوا چھڑکنے کے آلات اور درختون سے پھل اتارنے کے بہت سے اوزار بھی ہین - انکے علاوہ اور اکثر آلات اور کلین مالیون کے کام کی ہین - حشرات الارض ہند کا کمرہ بھی بہت عمدہ ہے - جسمین ہندوستان کے معمولی کیڑے جو فصلون - پودون پھلون اور پھولون کو نقصان پہونچاتے ہین دکھائے گئے ہین - ان کی تصاویر اور مردہ نمونے بھی موجود ہین - اسی کمرہ مین ریشم کے جنگلی اور پالے ہوئے کیڑے اور ریشم دکھایا گیا ہے - کوئے سے ریشم نکالنے کا عمل بھی دکھایا جاتا ہے - باقی کمرون مین ہندوستان کے ہر حصہ کی زرعی پیداوارین دکھائی گئی ہین - کہین کہین جوار - گیہون - دھان - کپاس وغیرہ وغیرہ کے سوکھے پودے بھی ہین جنہین دیکھکر انکے قد کا اندازہ ہوسکتا ہے - اسی - تل سرسون - رینڈی - بنولہ وغیرہ کے اڑتالیس قسم کے روغن شیشے کے برتنون مین موجود ہین - سٹن (Sutton) کمپنی کے پچیس تیس قسم کی گھاسون کے تخم - ارنڈ - سرسون - السی - تل - تارہ میرہ - اور بنولہ کی چالیس قسم کی کھلی - چالیس پینتالیس اقسام کے گوند - پچاس ساٹھ قسم کے مختلف گرم مسالے اور پچیس تیس قسم کے ایسے چھلکے - پھل - پتے - اور جڑین وغیرہ ہین جنسے رنگ بنتا ہے - کپڑے رنگے جاتے ہین یا رنگ پختہ کیا جاتا ہے - ہندوستان کے کل علاقون کی بیس قسم کی اسیان - چودہ قسم کے ارنڈ - اٹھائیس یا تیس قسم کے تل - پچاس پچپن قسم کی سرسون بیس پچیس قسم کا تمباکو - بیس یا تیس قسم کی چاے - تیس پینتیس قسم کی مونگ پھلی - نو دس قسم کے دیسی آلو - تیس پینتیس قسم کے چنے - دس بارہ قسم کے ماش - چالیس قسم کی مونگ موٹھ اور مسور - تیس قسم کی جوار اور باجرہ - دھان اڑھائی سو قسم کے - جو چالیس گیہون نوے - کپاس ستر - مکئی دس بارہ قسم کی دکھائی گئی ہے - اسکے سوا کئی قسم کے ریشے - سن اور پچال بھی ہین - سب سے زیادہ اقسام دھانون اور چالون کی ہین جو پشاور سے تونسی کوہ اور آسام سے اکٹھی تک جمع کی گئی ہین اور کئی چیزین بھی ہین جنکے خاص ذکر کی کوئی احتیاج نہیں معلوم ہوتی -

محکمۂ انہار پنجاب محکمۂ زراعت سے بلا واسطہ وابستہ صیغۂ انہار پنجاب ہے جسکے واسطے علیحدہ جگہ مخصوص ہے - اسے بھی ہر طرح سے عمدہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے - اسکے اندر نہرون کے نمونے بنائے گئے ہین - ایک جگہ دکھایا گیا ہے کہ نہر کسطرح کھیتون کو سیراب کرتی ہوئی آبادیون کے قریب سے گذرتی ہے اور کیونکر اسکی شاخین نکالکر الگ الگ کی گئی ہین - دیوار پر فوٹو آویزان ہین جنکے نیچے مختصر کیفیت درج ہے - ان تصاویر

مین نہرین کھودنے کی جگہہ - انکے مختلف ہیڈ کو اٹریعنی صدر مقام اور دیپ کو الف دکھائے گئے ہین بعض مقامات مین نہر دریا کے نیچے سے اور کبھی اُسکے اوپر سے نکالی گئی ہے - جسکا نمونہ زمین پر ریت بچھاکر اور دریا و نہر کی شکل بناکر بتایا گیا ہے - الغرض اس شعبہ کی ہر طرح سے عمدہ اور سبق آموز بنانیکی کوشش کیگئی ہے - جن لوگون کو نہری آبادیون مین جانے اور اُنکی اصلی حالت دیکھنے کا موقع نہین ملتا - وہ نمایشگاہ مین جاکر دیکھ سکتے ہین اگر سچ پوچھو تو نہرون کے ذریعے سے پنجاب کو بڑا فائدہ پہونچا ہے - لاکھون ایکڑ اراضی جو صدیون سے غیر مزروعہ اور غیر آباد پڑی ہوئی تھی اور کرون مکعب فٹ پانی پنجاب کے پہاڑون اور میدانون سے بہکر سمندر مین پہونچتا اور کسی مصرف مین نہ آتا تھا - وہ اب لاکھون بندگان خدا کی روزی اور گورنمنٹ کی آمدنی مین اضافہ کثیر کا باعث ہوا ہے

نہرون کے نمونون کے کمرے کے باہر چار قطارون مین فی قطار چھ نمونے مٹی اور اینٹون کے بنائے گئے ہین جو بیل پائے کی شکلون کے ہین - انکے ذریعہ سے نہرون کا خرچ - پیداوار - آمدنی اور پیداوار کی مالیت جو ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۵ء سے ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۰-۱۹۰۱ء مین ہوئی ظاہر کیگئی ہے - یہ بہت عمدہ اور سبق آموز ہین -

صیغہ جنگلات | اسمین جنگلی لکڑیون کے مختلف نمونے اور شہتیرون اور کڑیون کا ایک بڑا انبار ہے - لکڑی کے برادہ کے کئی قسم کے برتن اور مقوے ہین جنکے صندوق اور دیگر مفید اشیا بن سکتی ہین -

صیغہ واٹر نیری مین گاے - گھوڑے - اونٹ - بھینس - بھیڑ اور کُتّے کے ڈھانچ ہین ایک گلاس کیس کے اندر ایک بڑے ہونا کی چینی اژدہے کا ڈھانچ بندہے اور ایک ستون کے ارد گرد ایک بڑے بھاری اژدہے کی کھال جسکے اندر بھوسہ بھرا ہوا ہے لپٹی ہوئی نمایان کی گئی ہے - اسکا طول بارہ پندرہ فیٹ اور دور سوا یا ڈیڑھ فٹ ہوگا - معدنیات کے صیغہ مین ہندوستان کی تمام دھاتون کے نمونے جمع ہین - کیوڑہ (پنجاب) سے جو نمک نکلتا ہے - اُسکے کئی نمونے موجود ہین - بنگال کی زندہ اور مردہ مچھلیون کے نمونے شیشے کے کیسون مین بند ہین زندہ مچھلیان پانی کے اندر چلتی پھرتی نظر آتی ہین جو بنگال کے تالابون اور ندی نالون مین پائی جاتی ہین - انکی کئی قسمین دکھائی گئی ہین -

ڈائمنڈ ہندو جوبلی - ٹیکنکل اسکول لاہور اور پنجاب سائنس انسٹی ٹیوٹ لاہور کی بنی ہوئی بہت سی چیزین نمایان کیگئی ہین - سائنس انسٹی ٹیوٹ کے علمی آلات پنجاب کے اسکولون اور کالجون لبوریٹریون مین اکثر مستعمل ہوتے ہین - یہ چیزین عمدہ ہین اور دیسی کاریگری قابل قدر ہے - سائنس اور لٹریچر ہین انگریزی اُردو کی کتابین - نقشے اور کُرے اور ڈرائینگ وغیرہ ہین - ونکلیشور پریس بمبی کے بنے ہوئے مختلف ٹائپ اور تصاویر کے بلاک ہین - ایک ڈاکخانہ کا کارڈ خاص ذکر کا مستحق معلوم ہوتا ہے - اسپر مسٹر نوشیروان - جی - این - منشی نے لارڈ ڈلہوزی کی مختصر تاریخ نہایت باریک حروف مین قلم بند کی ہے - اسپر ایک سو سطور (۱۷۳۷) الفاظ اور (۹۱۰۴) حروف ہین - انگریزی زبان مین ہاتھ سے لکھا گیا ہے - بائبل مقدس ایک سو مختلف زبانون مین پنجاب بائبل سوسائٹی کیطرف سے دکھائی گئی ہے -

صیغہ حفظان صحت | اسمین چند چیزین صفائی سے متعلق ہین - ایک حصہ مین کونین کی گولیان بریعیشین بنتی ہین اور تین گولیان فی پیسے کے حساب سے فروخت ہوتی ہین - اسی مین رائے بشمبھر ناتھ اینڈ کمپنی ٹوتھ پک میکر دہلی کی وضع کردہ چند چیزین بھی نمایان کی گئی ہین - مثلاً فولڈنگ پنکھا برساتی - انگیٹھی - واٹر ہیٹر یعنی پانی گرم کرنے کا آلہ - پروف وینٹی لیٹر وغیرہ ہین -

زنانہ دستکاریون کے صیغہ مین بہت سی نفیس اشیا ریکیون

اور عورتون کے ہاتھ کی بنائی ہوئی موجود ہین۔ تصاویر۔ بچونکے کپڑے۔ لیس۔ چکن۔ جالی۔ واسکٹ وغیرہ چیزین ہین جو نہایت خوبصورت ہین۔ کشیدہ اور سوزنکاریان بہت عمدہ قسم کی نمایان لیکی ہین۔ انمین راجکاری شرمی من ہرکنور بھاوتگر اور راجکماری جشونت کنور کہرتا کی بنائی ہوئی چیزین بہت نفیس ہین۔

متفرق مصنوعات | اس صیغہ مین قابل ذکر "اپر انڈیا گلاس ورکس انبالہ" پیسہ فنڈ گلاس ورکس پونہ" کی مختلف کانچ کی چیزین ہین۔ انکے علاوہ بنگال کے سودیشی نب۔ قلم۔ کاغذ۔ پنسل۔ اور سودیشی روشنائیان اور سامان تحریر بھی توجہ خاص کا محتاج معلوم ہوتا ہے۔ فن انجینیری کے بعض نمونے مثلاً جہاز اور ریلوے کے سامان بہت عمدہ ہین۔

کیمیائی حرفت کے ڈیپارٹمنٹ مین سودیشی صابون بیسیون قسم کے۔ سودیشی مرکبات۔ ادویات۔ خوشبویات۔ کئی قسم کی دیاسلائیان جو بنگال اور بمبئی اور دیگر صوبون مین تیار ہوتی ہین۔ انمین بنگال کیمیکل ورکس۔ کلکتہ اور کیمیکل ورکس بمبئی کے مرکبات اور آرایش اور زیبایش کی اشیا بہت نفیس اور قابل تعریف ہین۔

ظروف چینی کے صیغہ مین چینی اور چکنی مٹی کے مختلف قسم کے برتن ہین۔ مثلاً پیالے۔ پرچ۔ پلیٹ۔ مٹکے۔ گھڑے صراحیان ٹی پاٹ۔ گلاس۔ لوٹے وغیرہ وغیرہ۔ ملتان کے مرتبان اور مٹکے بھی ہین مگر روغنی کام بہت اچھا نہین ہے۔ البتہ جالندھر کا ٹی سٹ قدرے اچھا ہے۔

فائن آرٹس (فنون لطیفہ) | انمین نقاشی۔ تصویر کشی۔ سنگتراشی۔ اور فوٹوگرافی کے عمدہ نمونے ہین۔ کئی قسم کے باجے بھی ہین۔ ایرانی اور ہندی ساخت کی پرانی روغنی تصویرین بھی دکھائی گئی ہین۔ لکڑی اور ہاتھی دانت کی اشیا بہت اچھی ہین۔ ایرانی ساخت کی تصاویر۔ درختون کی چھال اور دھات کے ٹکڑون پر بنی ہوئی ہین بعض روغنی تصاویر جو ہندی مصورون کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہین بہت قابل تعریف ہین۔ اور بعض قیمتی بھی سمجھی جاتی ہین بعض پر رامائن اور مہابھارت کے سین بنے ہوئے ہین۔ بعض مین قدرتی مناظر دکھائے گئے ہین۔

چرمی اسباب کے صیغہ مین مدراس کا کروم (Chrome)

چرم بہت عمدہ اور قابل دید ہے۔ سانپ۔ اژدھے اور گھڑیال کی کھالون کو کما کر عمدہ بنایا گیا ہے۔ سانپ کی کھال کا کروم بناکر کمربند بنائے گئے ہین۔ بمبئی۔ کانپور وغیرہ کے چرمی اسباب بھی موجود ہین۔ ایک گھوڑا بھوسہ بھرا ہوا ساز و زین سے آراستہ دکھایا گیا ہے۔ یہ دور سے اصل گھوڑا معلوم ہوتا ہے۔ اس شعبہ مین ایک بوٹ کا پاپانون قابل ذکر معلوم ہوتا ہے۔ اسکی لمبائی چھ فٹ اور کل وزن مع بھرتی پانچ من بتایا گیا ہے۔ اندر سے اتنا کھلا ہے کہ معمولی قسم کے دو تین آدمی بآسانی لیٹ سکتے ہین۔ اسکی قیمت تین سو روپیہ لگائی گئی ہے۔ رازدان برادرس امرتسر نے تیار کرکے بھیجا ہے۔

ٹیکسائل | یعنی اونی۔ ریشمی اور سوتی اشیا کا صیغہ بہت عمدہ ہے۔ اسمین ہندوستان کے ہر حصے کے کپڑے ہاتھ اور کل کے بنے ہوئے دکھائے گئے ہین۔ دھار یوال کے طرح طرح کے نفیس ملائم اونی کپڑے۔ امرتسر کی شال۔ قالین۔ ریشمی کپڑے سوزنکار اور زرنگار۔ پوش اور سوتی کپڑے۔ چھوٹی سلک فیکٹری بمبئی کے انواع اقسام کے ریشمی کپڑون کے نمونے ہین۔ جو فرانس اور جرمنی سے بخوبی مقابلہ کرسکتے ہین۔ کارونیشن کاٹن، وولن ہوزری بمبئی۔ بکنگھم ملز مدراس۔ آدم جی پیر بھائی ملز بمبئی۔ بھٹاؤ مانک کمپنی بمبئی۔ نیو قیصر ہند ملز۔ فضل بھائی ملز۔ ٹکسائل اینڈ اسپرنگ ملز۔ اسٹینڈرڈ ملز۔ مرارجی گوکل داس ملز۔ اور کریسنٹ ملز بمبئی۔ شروک ملز احمد آباد۔

شولاپور ویونگ ملز۔ وغیرہ وغیرہ کے بنے ہوئے کپڑے یورپ کے کارخانوں سے بہت اچھی طرح لگا کھاتے ہیں۔ اگر اس قسم کے پانچ چھ سو کارخانے ملک کے ہر صوبہ اور ہر بڑے شہر میں ہوں تو ولایت سے ہر سال ۳۴ کروڑ روپیہ سالانہ کا کپڑا خریدنے کی کوئی ضرورت نہ رہے۔ اور یہاں سے سولہ کروڑ روپیہ کی روئی ولایت بھیجنے کی زحمت باقی رہے۔

مذکورۂ بالا کارخانوں میں ہر قسم کے نفیس۔ باریک۔ پائدار اور خوشنما کپڑے بنتے ہیں جنکے نمونے صیغۂ زیر بحث میں موجود ہیں۔ کلانور کی مہیل مشین کے بنے ہوئے کپڑے ایک علیحدہ چھوٹے کمرے میں ہیں۔ انکی شہرت چاروں طرف ہے۔ اسلئے یہاں خاص ذکر کرنا غیر ضروری ہے۔ اس شعبہ پر سرسری نظر ڈالنے سے انسان یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس ملک میں ہر طرح کا سوتی کپڑا بنتا ہے۔ جو اہل ہند کو غیر ممالک سے مستغنی بنا سکتا ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اسقدر نہیں بنتا کہ اُس سے ملک کی ضروریات پوری ہوں۔

تیل | یعنی دھات کی چیزوں کے صیغوں میں جے پور۔ کشمیر۔ بنارس اور مراد آباد وغیرہ وغیرہ کی طرح طرح کی چیزیں موجود ہیں پیتل۔ لوہے تانبے۔ جست اور کانسے وغیرہ کے برتن بکثرت ہیں۔ اسی صیغہ میں دھات کی ایک پرانی ایرانی میز بھی ہے جسکی قیمت کئی ہزار ہے۔ جوئلری کے صیغہ میں دہلی اور کلکتہ کے جوہریوں نے عمدہ عمدہ قیمتی زیورات۔ چاندی کے نفیس برتن اور ہیرے لعل فیروزے اور موتیوں کے ہار بہم پہونچائے ہیں۔ فولادی اشیاء کے صیغے میں ملتان کے نفیس چھوٹے بکس اور دیگر اشیاء اور سیالکوٹ وغیرہ کے اسٹیل ٹرنک ہیں۔ چاقو۔ چھریوں کے شعبہ میں سیالکوٹ کے بنے ہوئے نازک آلات جراحی۔ چاقو۔ چھرپان وغیرہ ہیں۔ اسکے علاوہ اور مقامات کی بنی ہوئی اشیاء بھی ہیں۔

چوبی صیغہ میں پنجاب اور دیگر مقامات کی بنی ہوئی چیزیں ہیں۔ فرنیچر کے متعلق ہر قسم کی کرسیاں۔ میز۔ لکڑی کے پردے۔ طرح طرح کی میزیں۔ آرام چوکیاں وغیرہ وغیرہ ہیں جو دیکھنے سے خاص تعلق رکھتی ہیں۔ گجرات (پنجاب) راولپنڈی اور چند دیگر شہروں کا آرائشی سامان چوبی بہت عمدہ ہے۔ بمبئی کے بنے ہوئے اسٹوو (Stoves) یعنی گیس کے چولھے بھی بہت عمدہ اور نفیس معلوم ہوتے ہیں۔

جنرل مشنری کے شعبہ میں ہینڈلوم سب سے زیادہ دلچسپی لئے ہوئے ہیں۔ انکے کئی نمونے ہیں۔ کاریگر دن بھر کام کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ ملکی فوج کے تین چار قسم کے ہینڈلوم خاص ذکر کے قابل ہیں۔ ان میں ایک بہت بڑا ہے جسکی مشین پیچیدہ ہے۔ اور اسمیں ڈیزائن پونے دو گز عرض کا کپڑا۔ پلنگ اور میز پوش (جنمیں طرح طرح کے بیل بوٹے بن سکتے ہیں) تیار ہوتے ہیں۔ باقی بہت سادے ہیں جنکے ذریعہ سے ایک کاریگر دن بھر میں کئی گز کپڑا بُن سکتا ہے۔ ٹھکرال کمپنی سیالکوٹ کا ہینڈلوم بہت اچھا اور مفید معلوم ہوتا ہے۔

سامان تفریح | نمائش کی کمیٹی نے پبلک کی دلچسپی کا خاص اہتمام کیا ہے نمائش گاہ کے اندر ایک طرف نالہ کے قریب ایک بڑا تماشا گاہ بنایا گیا ہے جہاں دیسی کھیل۔ گھوڑدوڑ۔ نیزہ بازی۔ کبڈی وغیرہ سرحدی پٹھانوں کا تلوار کا ناچ۔ مشہور پہلوانوں کی کشتی وغیرہ کا اہتمام ہوا ہے۔ اسکے علاوہ اور بیسیوں کھیل تماشے ہیں جنکا تذکرہ کی گنجائش نہیں۔ واٹر شوٹ (Water chute) تکمیل کو نہ پہونچ سکا۔ ہوائی جہاز کی ہمراہی میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ نمائشگاہ کے تمام کھیل تماشے سوا کنسیتوں کے اُسی ٹکٹ میں دیکھے جا سکتے ہیں

جو آٹھ آنہ دیکر داخلہ کے لئے لینا پڑتا ہے۔ کشتی کے دن تماشا گاہ کا علٰحدہ ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔

نمایش کو پریشن کا نمونہ | نمایش مل جل کر کام کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔ رعایا کے لیڈر اور حکام سرکاری دونون نے ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہوکر اُسے کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ برین صوبۂ ہذا کے ہر مذہب وملت اور ہر طرح کے خیالات کے لوگ اسمین شریک ہوئے ہین۔ اس عظیم کوشش سے یہ بخوبی عیان ہوتا ہے کہ ہندوستان کی ہفت رنگ آبادی کے مختلف اجزا اپنے ملکی اور قومی فوائد اور حرفتی ترقی کے لئے اتفاق اور یکجہتی سے کسطرح کام کرسکتے ہین۔

نمایش یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ اہل ہند اپنے معاملات کا خود کسطرح اہتمام کرسکتے ہین۔ سر لوئیس ڈین نے اپنی تقریر مین اسے سیلف گورنمنٹ یعنی حکومت خود اختیاری کا مکتب اور تجربہ گاہ قرار دیا ہے۔ اسی سے رفتہ رفتہ ہم بڑے بڑے معاملات کا انتظام کرنیکی قابلیت پیدا کرسکتے ہین۔

نمایش کا تعلیمی پہلو | نمایش کے فوائد ہمیشہ رہین جنکے اعادہ کی چندان ضرورت نہین۔ اس سے ملکی دستکاریان ترقی پکڑتی ہین۔ تاجر اور کاریگرون کی ہمت افزائی ہوتی ہے مصنوعات کو عمدہ اور اعلیٰ بنانیکی تحریک ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر لوگون کے دلون مین وطن پرستی کا جوش اور اپنے ملک کی تکریم و توقیر کا خیال موجزن ہوتا ہے۔

پس نمایش دو بڑے اہم پہلو رکھتی ہے۔ ایک حرفتی اور ملکی اور دوسرا تعلیمی۔ ان دونون کو مدنظر رکھکر ہر صوبہ ہر ضلع۔ ہر تحصیل اور ہر پرگنہ مین ہر سال نمایش ہونا چاہیے۔ جسکی بدولت برادران وطن صنعتی ترقی اور تعلیم کی طرف بہت جلد راغب ہو سکتے ہین۔

جے۔ آر۔ رائے

تنقید

"تاریخ تمدن"

(مترجمہ منشی محمد احمد علی صاحب۔ بی۔ اے۔ مرحوم)

بگل کی مشہور و معروف کتاب "ہسٹری آف سویلزیشن" انگریزی زبان کی ایک نہایت نام آور تصنیف خیال کیجاتی ہے۔ بگل سے پہلے انگلستان مین اعلیٰ درجہ کے مورخ گذر چکے تھے مثلاً گبن جس نے اہل روما کے زوال کی تصویر اپنی معرکۃ الآرا کتاب (The Decline & Fall of the Roman Empire) مین کھینچی ہے اور جو تاریخی تحقیق اور عبارت کی سنجیدگی اور شکوہ کے لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہے۔ یا ہکاٹے جنے انگلستان کے ریولیوشن کی کیفیت اپنے جادو نگار قلم سے کچھ ایسے دلفریب طریقہ سے بیان کی ہے کہ باوجود اسکے کہ مزید تحقیق اور تفتیش نے اسکے بعض بعض بیانات کو تعصب پر مبنی اور غلط ثابت کردیا ہے

ع قیمت عہ ملنے کا پتہ دفتر الندوہ لکھنؤ۔

تاہم آجتک اسکی تصنیف نہایت ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہے اور اُسکا طرز بیان مورخون کیواسطے قابل تقلید سمجھا جاتا ہے یا کارلائل جسکا "فرنچ ریولیوشن" اُسوقت تک زندہ رہیگا جبتک کہ انگریزی زبان صفحۂ ہستی کے کسی حصے مین بولی جائیگی۔ لیکن بکل کا طریقہ اپنے ان تمام پیشروون سے جداگانہ ہے۔ گبن یا میکالے یا کارلائل واقعات کے متعلق تحقیقات کرکے انکو ایک دلکش اور دلچسپ طریقے سے بیان کرنا چاہتے ہین۔ بکل واقعات سے گذر کر اُنکے معنی اور مطالب۔ اسباب اور نتائج پر غور کرتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ کمسٹری یا ہیئت کے طرز پر تاریخ کا بھی ایک علم مرتب کرے۔ اسمین شک نہین کہ تاریخ کا فلسفہ مرتب ہوسکتا ہے اور کسی ملک کے جغرافیہ اور اُسکے باشندون کی جسمانی اور دماغی قوا اور جذبات کی کیفیت معلوم ہونے سے یہ بتایا جاسکتا ہے کہ اُس ملک کا تمدن کون سا رویہ اختیار کریگا مثلاً جزائر کے باشندے عموماً تجارت پیشہ ہونگے۔ پہاڑی اقوام اسوجہ سے کہ اُنکو آب وہوا اور زیر پیداوار کے لحاظ سے ہمیشہ دقتون کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اکثر جری ہونگے۔ اسلام کا سا پُرجوش مذہب اپنے پیرووں کو فتوحات کے طرف مائل کریگا برخلاف اسکے بدھ مذہب ایسے مذہب کا فلسفہ رواداری اور آشتی پیدا کریگا۔ چنانچہ بکل نے انہیں اصول کی بنیاد پر مختلف ممالک کی شکل وشباہت۔ آب وہوا۔ پیداوار وغیرہ کو تاریخی اسباب قرار دیکر اُنسے تاریخی اور تمدنی نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس کوشش مین ایک حدتک کامیاب ہوا ہے۔ چنانچہ فلسفۂ تاریخ کا یوروپ کے مستند علوم مین داخل ہوجانا بکل کی کامیابی کا بیّن ثبوت ہے۔ لیکن ساتھ ہی اسکے اسمین شک نہین کہ بکل نے اس امر کو نہین سمجھا کہ جن اصول پر اُسنے تاریخ کے فلسفہ کی بنا رکھی ہے وہ کلیتہً نہین بلکہ ایک خاص حدتک صحیح ہین۔ کمسٹری یا ہیئت کے قواعد قضایائے مسلمہ کا حکم رکھتے ہین۔ اُنکے نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر خاص خاص اسباب جمع ہونگے تو اُن سے خاص خاص نتائج ضرور پیدا ہونگے برخلاف اسکے علم الاقوام (Socialogy) یا علم تاریخ کے کے متعلق یہ بات نہین کہی جاسکتی۔ اور وجہ یہ ہے کہ اول الذکر علوم کا تعلق بے جان چیزون سے ہے جنمین انسان کیطرح قوت ارادی موجود نہین ہے اسمین شبہ نہین کہ انسان کی قوت ارادی بھی چند قواعد کی پابند نظر آتی ہے۔ لیکن اول تو ان قواعد کی پوری طور سے ابھی تفتیش اور تحقیق ہونا باقی ہے دوسرے بعض اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان کے جذبات زمانے یا مزبوم یا اور کسی سبب سے متاثر ہوکر خلاف امید نتائج پیدا کرتے ہین لیکن اسمین شک نہین کہ اگر فلسفۂ تاریخ کی یہ حد قائم کردیجاے اور اسکے نقائص کو مدنظر رکھکر اس سے وہین تک کام لیا جاے جہانتک کہ وہ کام دیسکتا ہے تو اس سے اکثر مفید اور کارآمد نتائج اخذ ہوسکتے ہین۔

بہرحال باوجود اس نقص کے جسکو مین نے اوپر بیان کیا ہے بکل کے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ اُسنے ایک نئے فلسفہ کے اصول کو فرنگستان کی علمی دنیا مین رواج دیا اور چونکہ ہندوستان اسوقت مغرب کے علمی خیالات سے متاثر ہورہا ہے اسوجہ سے اس بات کی ضرورت تھی کہ بکل ایسے مصنف کی کتاب کا ہماری زبان مین ترجمہ کیا جاے۔ چنانچہ جس کتاب کا مین اسوقت ریویو کررہا ہون وہ بکل کی تصنیف کے دو ابواب کا ترجمہ ہے۔ علامہ شبلی نے اس کتاب کا ایک مختصر سا دیباچہ لکھا ہے جسمین وہ لکھتے ہین کہ منشی احمد علیصاحب نے چھ ابواب کا ترجمہ کرلیا تھا اور ساتوین باب کا ترجمہ اُنکے کچھ اعزا کررہے ہین۔ علاوہ اس ترجمے کے

جو آٹھ آنہ دیکر داخلہ کے لئے لینا پڑتا ہے۔ کشتی کے دن تماشا گاہ کا علٰحدہ ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔

نمایش کو پریشن کا نمونہ | نمایش مل جل کر کام کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔ رعایا کے لیڈر اور حکام سرکاری دونون نے ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہوکر اُسے کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ برین صوبۂ ہذا کے ہر مذہب وملت اور ہر طرح کے خیالات کے لوگ اسمین شریک ہوئے ہین۔ اس عظیم کوشش سے یہ بخوبی عیان ہوتا ہے کہ ہندوستان کی ہفت رنگ آبادی کے مختلف اجزا اپنے ملکی اور قومی فوائد اور حرفتی ترقی کے لئے اتفاق اور یکجہتی سے کسطرح کام کرسکتے ہین۔

نمایش یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ اہل ہند اپنے معاملات کا خود کسطرح اہتمام کرسکتے ہین۔ سر لوئیس ڈین نے اپنی تقریر مین اسے سیلف گورنمنٹ یعنی حکومت خود اختیاری کا مکتب اور تجربہ گاہ قرار دیا ہے۔ اسی سے رفتہ رفتہ ہم بڑے بڑے معاملات کا انتظام کرنیکی قابلیت پیدا کرسکتے ہین۔

نمایش کا تعلیمی پہلو | نمایش کے فوائد بیشمار ہین جنکے اعادہ کی چندان ضرورت نہین۔ اس سے ملکی دستکاریان ترقی پکڑتی ہین۔ تاجر اور کاریگر دونون کی ہمت افزائی ہوتی ہے مصنوعات کو عمدہ اور اعلیٰ بنانیکی تحریک ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر لوگون کے دلون مین وطن پرستی کا جوش اور اپنے ملک کی تکریم وتوقیر کا خیال موجزن ہوتا ہے۔

پس نمایش دو بڑے اہم پہلو رکھتی ہے۔ ایک حرفتی اور ملکی اور دوسرا تعلیمی۔ ان دونون کو مدنظر رکھکر ہر صوبہ ہر ضلع۔ ہر تحصیل اور ہر پرگنہ مین ہر سال نمایش ہونا چاہئے۔ جسکی بدولت برادران وطن صنعتی ترقی اور تعلیم کی طرف بہت جلد راغب ہوسکتے ہین۔

جے۔ آر۔ رائے

تنقید

"تاریخ تمدن"

(مترجمہ منشی محمد احمد علی صاحب۔ بی۔ اے۔ مرحوم)

بگل کی مشہور ومعروف کتاب "ہسٹری آف سولزیشن" انگریزی زبان کی ایک نہایت نام آور تصنیف خیال کیجاتی ہے۔ بگل سے پہلے انگلستان مین اعلیٰ درجہ کے مورخ گذر چکے تھے مثلاً گبن جس نے اہل روما کے زوال کی تصویر اپنی معرکۃ الآرا کتاب (The Decline & Fall of the Roman Empire) مین کھینچی ہے اور جو تاریخی تحقیق اور عبارت کی سنجیدگی اور شکوہ کے لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہے۔ یا مکالے جسنے انگلستان کے ریولیوشن کی کیفیت اپنے جادو نگار قلم سے کچھ ایسے دلفریب طریقہ سے بیان کی ہے کہ باوجود اسکے کہ مزید تحقیق اور تفتیش نے اسکے بعض بعض بیانات کو تعصب پر مبنی اور غلط ثابت کردیا ہے

تاہم آجتک اسکی تصنیف نہایت ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہے اور اُسکا طرز بیان مورخون کیواسطے قابل تقلید سمجھا جاتا ہے یا کارلائل جسکا "فرنچ ریولیوشن" اُسوقت تک زندہ رہیگا جبتک کہ انگریزی زبان صفحۂ ہستی کے کسی حصے مین بولی جائیگی۔ لیکن بکل کا طریقہ اپنے ان تمام پیشروون سے جدا گانہ ہے۔ گبن یا میکالے یا کارلائل واقعات کے متعلق تحقیقات کرکے انکو ایک دلکش اور دلچسپ طریقے سے بیان کرنا چاہتے ہین۔ بکل واقعات سے گذر کر اُنکے معنی اور مطالب۔ اسباب اور نتائج پر غور کرتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ کمسٹری یا ہیئت کے طرز پر تاریخ کا بھی ایک علم مرتب کرے۔ اسمین شک نہین کہ تاریخ کا فلسفہ مرتب ہوسکتا ہے اور کسی ملک کے جغرافیہ اور اُسکے باشندون کی جسمانی اور دماغی قوا اور جذبات کی کیفیت معلوم ہونے سے یہ بتایا جاسکتا ہے کہ اُس ملک کا تمدن کون سا رویہ اختیار کریگا مثلاً جزائر کے باشندے عموماً تجارت پیشہ ہونگے۔ پہاڑی اقوام اسوجہ سے کہ اُنکو آب وہوا اور زیر پیداوار کے لحاظ سے ہمیشہ دقتون کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اکثر جری ہونگے۔ اسلام کا سا پُرجوش مذہب اپنے پیروون کو فتوحات کے طرف مائل کریگا بدھ مذہب ایسے مذہب کا فلسفہ رواداری اور آشتی پیدا کریگا۔ چنانچہ بکل نے انہین اصول کی بنیاد پر مختلف ممالک کی شکل وشباہت۔ آب وہوا۔ پیداوار وغیرہ کو تاریخی اسباب قرار دیکر اُنسے تاریخی اور تمدنی نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس کوشش مین ایک حد تک کامیاب ہوا ہے۔ چنانچہ فلسفۂ تاریخ کا یوروپ کے مستند علوم مین داخل ہوجانا بکل کی کامیابی کا بیّن ثبوت ہے۔ لیکن ساتھ ہی اسکے اسمین شک نہین کہ بکل نے اس امر کو نہین سمجھا کہ جن اصول پر اُسنے تاریخ کے فلسفہ کی بنا رکھی ہے وہ کلیتہً نہین بلکہ ایک خاص حد تک صحیح ہین۔ کمسٹری یا ہیئت کے قواعد قضایاے مسلمہ کا حکم رکھتے ہین۔ اُنکے نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر خاص خاص اسباب جمع ہونگے تو اُن سے خاص خاص نتائج ضرور پیدا ہونگے برخلاف اسکے علم الاقوام (Socialogy) یا علم تاریخ کے کے متعلق یہ بات نہین کہی جاسکتی۔ اور وجہ یہ ہے کہ اول الذکر علوم کا تعلق بے جان چیزون سے ہے جنمین انسان کیطرح قوت ارادی موجود نہین ہے اسمین شبہ نہین کہ انسان کی قوت ارادی بھی چند قواعد کی پابند نظر آتی ہے۔ لیکن اول تو ان قواعد کی پوری طور سے ابھی تفتیش اور تحقیق ہونا باقی ہے دوسرے بعض اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان کے جذبات زمانے یا مزبوم یا اور کسی سبب سے متاثر ہوکر خلاف امید نتائج پیدا کرتے ہین لیکن اسمین شک نہین کہ اگر فلسفۂ تاریخ کی یہ حد قائم کردیجاے اور اسکے نقائص کو مدنظر رکھکر اس سے وہین تک کام لیا جاے جہانتک کہ وہ کام دیسکتا ہے تو اس سے اکثر مفید اور کارآمد نتائج اخذ ہوسکتے ہین۔

بہرحال باوجود اس نقص کے جسکو مین نے اوپر بیان کیا ہے بکل کے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ اُسنے ایک نئے فلسفہ کے اصول کو فرنگستان کی علمی دنیا مین رواج دیا اور چونکہ ہندوستان اسوقت مغرب کے علمی خیالات سے متاثر ہورہا ہے اسوجہ سے اس بات کی ضرورت تھی کہ بکل ایسے مصنف کی کتاب کا ہماری زبان مین ترجمہ کیا جاے۔ چنانچہ جس کتاب کا مین اسوقت ریویو کررہا ہون وہ بکل کی تصنیف کے دو ابواب کا ترجمہ ہے۔ علامہ شبلی نے اس کتاب کا ایک مختصر سا دیباچہ لکھا ہے جسمین وہ لکھتے ہین کہ منشی احمد علیصاحب نے چھ ابواب کا ترجمہ کرلیا تھا اور ساتوین باب کا ترجمہ اُنکے کچھ اعزا کررہے ہین۔ علاوہ اس ترجمے کے

منشی صاحب مرحوم نے ایک نہایت مبسوط مقدمہ بھی لکھا ہے اور مختلف مقامات پر جہان جہان ضرورت سمجھی ہے اپنی طرف سے حواشی ایزاد کئے ہین - جنسے اُنکی علمیت اور لیاقت کا بخوبی پتہ چلتا ہے - اس امر کا خیال کرکے کہ کتاب کا موضوع کسقدر مشکل ہے اور اجکل اُردو کے لکھنے والے معمولی عبارت کے لکھنے مین بھی کسقدر زبان کو خراب کرتے ہین منشی احد علیصاحب کے ترجمے مین زبان کی سلاست اور الفاظ کی نشست اور فقرون کی بندش قابل داد ہے - ہم انکے مقدمہ سے چند فقرے ذیل مین نقل کرتے ہین -

"یہ گروہ عالم اور مافی العالم کی بابت تحریری داستانین پڑھنا نہین چاہتا کیونکہ لکھنے والون کی معلومات ہی کچھ زیادہ طمانیت کے قابل نہین بلکہ وہ خود اشیاء عالم کی زبان حال سے اُن کی رام کہانی سُننا چاہتا ہے - وہ کرم خوردہ کتابون کی ورق گردانی کے بدلے بوسیدہ استخوانون مین اپنی عقل و دانش کی روح پھونک کر اُنکی سرگذشت معلوم کرنے کا آرزومند ہے - وہ سلطنتون کے حالات بادشاہون کے فتوحات اور وزیرون اور سپہ سالارون کے کارنامجات سے مطلق دلچسپی نہین رکھتا اور اُنکی تحقیق و تفتیش محض تضیع اوقات سمجھتا ہے - اُسکے پیش نظر تماشا گاہ عالم رہتا ہے جسمین سب انسان بازیگر ہوتے ہین - اور وہ اس تماشا گاہ اور اُسکے بازیگرون کے حال و قال کا دلدادہ اور تماشائی ہے - وہ پوچھتا ہے کہ یہ دنیا کیونکر پیدا ہوئی اسنے کتنے انقلاب دیکھے - انسان اس تماشا گاہ مین کب آیا اور کس حال سے آیا اور اسنے وقتاً فوقتاً کیسے روپ بھرے اور کیا کیا کرتب دکھائے - ظاہر ہے کہ ان سوالات کے جواب مین مروجہ تاریخون سے مدد نہین ملسکتی یہ وہ باتین ہین جو تاریخ کی بدایت سے بھی پہلے کی ہین - تاریخین صرف عہد تاریخی کے حالات بیان کرسکتی ہین نہ کہ مقدم التاریخ کے کارنامے - پس ان سوالات کے جواب اگر ملتے ہین تو صحیفۂ فطرت کے مطالعے سے - صحیفۂ فطرت ہی کا مطالعہ ہمکو اس مقولے کے معنی سمجھاتا ہے کہ "زبان حال فصیح تر ہے زبان قال سے" صحیفۂ فطرت ہی کی عینک سے ہر ذرّے مین آفتاب اور ہر قطرے مین سمندر نظر آتا ہے - صحیفۂ فطرت ہی کے مطالعے نے یہ ہزار در ہزار علوم تجربیہ و حکمیہ کی بنیاد ڈالی ہے اور صحیفۂ فطرت ہی کا مطالعہ کرنے والا درخت کی ایک پتّی کو "دفتر کردگار" کا ایک "ورق" سمجھتا ہے اور کھر یا مٹی کے ایک ٹکڑے کو تاریخ کے ہزار صفحون سے زیادہ معلومات بڑھانیوالا ثابت کرسکتا ہے - افکار انسانی کی یہ ساری گُل تراشیان اور بلند پروازیان دنیا کی یہ تمام بزم آرائیان اسی صحیفۂ فطرت کے مطالعہ کی بدولت ہین - یہ خوشحال اور فارغ البال شہرون کی آبادیان یہ تہذیب اور شائستگی کی رنگ برنگ گُل کاریان ایک ادنیٰ کرشمہ ہین صحیفۂ فطرت کے مطالعے کا - یہ بحر و بر مین بیخطر سیر و سیاحت اور یہ کوہ و جبل کی بے ضرر مساحت آسان ہے اسی صحیفۂ فطرت کے مطالعے سے - قومون نے اسی مطالعے کی مشق بڑھاتی اور عروج پر پہونچین - فتح و نصرت ہمرکاب ہوئی - اقبال سے برومند ہوئین اور جب اس سے مُنہ موڑا اقبال نے سازوباری چھوڑی - تنزل نے مُنہ دکھایا - ادبار مین گرفتار ہوئین"؟

جس قابلیت اور خوبی سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے اسکا اعتراف ہم اوپر کرچکے ہین ساتھ ہی اسکے ہم دو ایک لغزشون کا ذکر کردینا بھی مناسب سمجھتے ہین مثلاً صفحہ ۱۶ اور ۱۷ مین مذکور ہے کہ "نہ صرف افراد مین بلکہ اقوام مین بھی کسی بڑی مہم سر کرنے یا کسی زبردست حریف سے سربرہونے کیواسطے تمدن اور اعلیٰ درجہ کے تمدن کی ضرورت ہے اور اقوام عالم کی تاریخ اسپر شاہد ہے کہ جب دو ملکون یا قومون مین باہم مقابلہ یا مجادلہ ہوتا ہے تو فتح کا سہرا اسی کے سر رہتا ہے جو بلحاظ تمدن فائق ہوتا ہے"۔

یہ قاعدہ کلیہ نہین ہے۔ شمالی یوروپ کی جن قومون نے سلطنت روما کو برباد کیا وہ اہل اطالیہ کے مقابلہ مین قطعی وحشی اور اُجڈ تھین جسوقت ساسانیون کے آتش خانے اسلام کی آب شمشیر سے بجھائے گئے کیا اُسوقت عرب ایرانیون سے زیادہ متمدن تھے؟ جس تاتاری سیلاب نے خلافت بغداد کا نام و نشان تک مٹا دیا اس کے تمدن کی کیا حالت تھی؟ اسمین شک نہین کہ قومی مجادلہ مین تمدن فتح و ظفر کا بہت بڑا عنصر ہوا کرتا ہے لیکن اسکے ساتھ ہمکو یاد رکھنا چاہئے کہ وحشی اقوام مین بھی بعض اوقات ایسی اخلاقی قوتین موجود ہوتی ہین جو اُنکو متمدن اقوام پر غالب کردیتی ہین۔ اس مقدمہ مین ایک دوسرے مقام پر ان مختلف مدارج کا ذکر ہے جسکو طے کرکے وحشی اقوام تمدن کا درجہ حاصل کرتی ہین اسمین یہ فروگذاشت ہوتی ہے کہ شکار اور کاشتکاری کے مدارج کے درمیان جو گلہ بانی کا ایک درجہ ہوتا ہے اُسکو نظر انداز کیا گیا ہے۔ شکاری کی حیثیت سے ایک درجہ آگے بڑھکر انسان جانورون کو رام کرکے اپنے قبضہ مین کرنا سیکھتا ہے۔ اس زمانہ مین اُسکی دولت محض اُسکے پالو جانور ہوتے ہین اور اُن جانورون کے واسطے چراگاہون کی تلاش مین وہ دنیا کے مختلف حصص مین گھوما کرتا ہے اور انھین کے خاطر مختلف فصلون مین تبدیل سکونت کیا کرتا ہے۔ اسکے بعد تیسرا درجہ کاشتکاری کا ہوتا ہے جب وہ درختون کا بونا اور لگانا سیکھتا ہے اور زمین کی پیداوار حاصل کرنے کے لئے مجبوراً کسی خاص مقام پر مستقل سکونت اختیار کرتا ہے۔

اسمین شک نہین کہ منشی احد علیصاحب نے جل کی تاریخ کا ترجمہ کرکے ہمکو فلسفۂ تاریخ کے اصول سے آگاہ کیا ہے اور ہمکو امید ہے کہ ہمارے اہل ملک کی قدر دانی اس کتاب کے باقی حصص کے طبع ہونے کا باعث ہوگی۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان کی تمدن کی تاریخ ان نئے اصول پر لکھی جاے۔ سٹرت کی تاریخ ہندوستان قدیم (Ancient India) اور مسٹر دت کی تصنیف موسومہ "ہندو تمدن" (Hindu Civilization under British Rule) مین اُنکی جھلک ضرور نظر آتی ہے لیکن جیسی چاہئے ویسی کوشش ابھی تک اس بارہ مین نہین ہوئی ہندوستان کے زمانہ قدیم کے متعلق تاریخی کتابین بہت کم ملتی ہین۔ لیکن اسمین ذرا بھی شک نہین کہ دوسری قسم کے تاریخی ذخیرے مین کیا نہین ہین اور مسٹر وانسنٹ اسمتھ نے انھین ذخیرون سے اپنی تاریخ کو مرتب کیا ہے۔ ہندوستان کے حالات کی تفتیش و جستجو اس مقولے کو کہ "زبان حال فصیح تر ہے زبان قال سے" بالکل صحیح ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ چاہے سلطنتون کے حالات۔ بادشاہون کے فتوحات اور سپہ سالارون کے کارنامے ہمکو کتب تاریخ مین نہ ملین لیکن ہندوستان کے تمدن کے حالات ہمکو صرف کتب قدیمہ سے نہین بلکہ ہندوستان کی خاک کے ہر ذرّے سے معلوم ہوسکتے ہین۔ البتہ لیاقت محنت اور شوق کی ضرورت ہے ؎

نہین کچھ دفتر گل ہی مین لکھی سرگذشت اپنی
شہادت نامۂ بلبل ہے ہر تنکا گلستان کا

کاش منشی احد علیصاحب مغفور کسطرح کوئی صاحب اسطرف بھی توجہ کرتے اور ہندی تمدن کی دلکش۔ حیرت انگیز اور سبق آموز داستان اپنی زبان مین اپنے اہل ملک کو سُناتے۔

منوہر لال زتشی

کلامِ اکبر

بارشِ پاسی ہوئی ہے بہت سب کے دامن کی گوٹ بھیگی ہے
نئی تفریق اب ہے ملت کی کوئی "ملکی"[ل] ہے کوئی "لیگی"[ع] ہے
فرہاد کو تو دلپہ بس اک چوٹ چاہئے ہنر و گنج چاہئے اور نوٹ چاہئے
یہ ہوائے بزم اگر سرد و خشک ہے یارون کو ممبری کا فقط ووٹ چاہئے

حریفون کیلئے ہنگامۂ حشر قوانی ہے یہان انشاء و لکوآہ کا مصرع بھی کافی ہے
کہان جب مین نے ہون بھا تیری چشم فتان کا بُت طنّاز نے ہنسکر کہا اللہ شافی ہے
شبِ تاریک کو ہم گیسوئے لیلا بھی کہتے ہین یہی حُسنِ تصوّر ہے جسے سودا بھی کہتے ہین
نہ پوچھو میری کیفیت بہارِ لالہ و گل مین یہی موسم وہ ہے جسکو جنون افزا بھی کہتے ہین
کیا عجب ہو گئے مجھسے مرے دمساز جدا دُور فونو مین گلے سے ہوئی آواز جدا
آسمان کی نہ یہ چالین ہین نہ جادو کے یہ رنگ سب سے اُس نرگسِ فتّان کے ہین انداز جدا
وجد یارون کو ہے اس بزم مین حیران ہونگے سُر سے آواز جدا، راگ سے ہے ساز جدا
اُنکی آنکھون کی لگاوٹ سے خدا سے آخر دین کو کرتی ہین دل سے یہی نماز جدا

نہ وہ بُتکدے کہین رد گئے، نہ وہ دلبری و صنم رہے
نہ وہ دن رہے نہ وہ ہم رہے، نہ وہ دل رہا نہ وہ غم رہے
مری رندیون کا ہے خاتمہ، نہ وہ مستیان نہ وہ ولولے
نہ مئے کہن کا رہا نشان، نہ طریقِ محفلِ جم رہے
مجھے کیا امید فروغ کی، کہ بتون کی تو ہے یہی خوشی
نہ یہ دل رہے نہ زبان رہے، نہ خدا رہے نہ حرم رہے

"ظرافت"

شایقِ تحقیق کے یہ مضمون حُسن لین انسان کی شکل جیسے میمون بنا
پاجامہ بھی یون ہی ازنفاسے بدا سمٹا، اُبھرا، غرضکہ تلون بنا

کلامِ رشید

"سلام"

تم ایجاد تیر و نیزہ و خنجر لگاتے ہین غصہ ہے فاطمہ کے لال کو پتھر لگاتے ہین
عدالت دیکھ حیدر کی، نظر کر زور بازو پر برابر تیرے حصے اے دریخیبر لگاتے ہین
غرور اب کیا رہیگا جھک گئے اسمین جہ پیری سے ہم اپنے سر کو اپنے پانون سے ٹھوکر لگاتے ہین
جو فرقت سے علی کی کٹ گئے تھے جنگ نیزہ پر ملک آنکھون سے وہ جبریل کے شہپر لگاتے ہین
جنان مین ساقیِ کوثر کا دیکھا لطف کوثر پر تحیّر کہتے ہین جب، نہ سے ہم ساغر لگاتے ہین
رقم اشعار یون آراستہ ہون مدح حیدر مین سلیقے سے دکانین جیسے سو دا گر لگاتے ہین
فلک پر سب فرشتے اُٹھ کھڑے ہوتے ہین گیم کر وغا مین زور سے تلوار جب حیدر لگاتے ہین
کہان مین آکے دیکھین باغبانِ گلشنِ جنت کہ ہم نخلِ مضا مین جا بجا کیونکر لگاتے ہین
وغا مین دیدنی ہے حضرتِ عباس کی قوت جہنّم مین پہونچتا ہے جسے ٹھوکر لگاتے ہین
ازل سے ہے جنہین عشق علی ابن ابیطالب وہ کیا جانین بھلا دل اور سے کیونکر لگاتے ہین
بہشت سے باغ جنت مین نجا ئینگے نجا ئینگے مین اُٹھتے در حیدر پہ جو بستر لگاتے ہین
قیامت آئی وقتِ امتحانِ صبر آپہونچا کہ اب سینے سے حضرت لاشہ اکبر لگاتے ہین
تہ خنجر نہ کیونکر شاہ ہو جان و دلِ زہراؑ گلے سے دمبدم جھک جھک کے پیغمبر لگاتے ہین
رشید اہل حسد سے ہون مین شاکی وہ یہ ہین بولے مری تقصیر کیا ہے کیون مجھے خنجر لگاتے ہین

"رباعیات"

طفلی نہ رہی کہ تھی وہ جانے والی کیا رہتی جوانی تھی مٹانے والی
پیری کو رشید بس غنیمت سمجھو اب فصل نہین ہے کوئی آنے والی

پیری سے خاک مہربانی نہوئی وقتِ آخر بھی کامرانی نہوئی
یون توڑتا دم کہ دیکھنے لوگ آتے افسوس ہے اسوقت جوانی نہوئی

ل مشترکہ انتخاب کے مؤلف۔ ع جداگانہ انتخاب کے مؤلف۔ ۱۲

خان بہادر سید اکبر حسین - جج پنشنر الہ آباد -

مری حقیقت ہستی یہ مشت خاک نہیں * بجا ہے مجھے جو پوچھے کوئی نشاں میرا

انڈین پریس الہ آباد

آہِ سرد

ایکدن مین۔ اور شریکِ بزم راحت ایک دوست
مہربان و مشفق و اخلاص مند و باصفا

یکدلی کیسے کہ یک رنگی کہ فرطِ اتحاد
اُسکے دلمین مین تھا۔ میرے دلمین وہ جلوہ نما

آشکارا اُس پہ تھی جو بات میرے دلکی تھی
وہ زبان پر تھا مری جو کچھ کہ اُسکے دلمین تھا

ایک کا دل ایک سے تھا صاف مثلِ آئینہ
ایک کا راز ایک سے مخفی نہ ہرگز تھا ذرا

اُسکی باتو نکو مین سمجھون جوڑ رہے مین سے پھول
گفتگو کو میری وہ سمجھے نسیمِ جان فزا

ایک ٹھنڈی سانس نکلی دلسے میرے ناگہان
ہوگیا بے چین سُنکر وہ رفیقِ باصفا

اور کہا اسطرح ٹھنڈی سانس تونے تو بھری
جیسے ہوتا ہے کسیکے دلمین دردِ جانگزا

ہنستے ہنستے کیون مکدر ہوگیا تو ایک بار
باتین کرتے کرتے آخر کیا تجھے یاد آگیا

دلمین اکثر میرے آیا۔ پوچھیے اسکا سبب
مین نے ٹھنڈی سانس بھرتے تجھکو دیکھا باربار

کیا کوئی حسرت ہے دلمین کیا کوئی غم ہے تجھے
اپنے ٹھنڈی سانس لینے کا سبب کچھ تو بتا

سُن کے مین نے غمگین سے یہ محبت کا کلام
کھینچی ایک دردآہ سرد اور یہ جواب اُسکو دیا

یون تو صدہا واقعے گذرے ہواول حین سے
مجھکو یاد آیا نہین اسوقت کوئی ماجرا

یون تو لاکھون حسرتین پیدا ہوئین اور مرگئین
کوئی حسرت بھی نہین اسوقت دلمین دھڑکتا

دردسے یون تو نہین خالی کسی انسان کا دل
میرے دلمین تو نہ تھا اسوقت دردِ جانگزا

غم کو گر پوچھو تو غم سہتے ہی سہتے کٹ گئی
لیکن اسوقت آتشِ غم سے تھا خالی دل مرا

کیا بتاؤن مین اس آہ سرد کا شافی سبب
سچ اگر پوچھو تو مدت کا ہے دل دکھا ہوا

ٹھنڈی سانسین بھرتے بھرتے ہوگئی عادت مجھے
بے سبب بھی کھینچتا ہون آہ سرد اب بارہا

سُن کے یہ اُسنے بھی کھینچی ایک دل سے آہ سرد
اور فرمایا کہ جیدر یہ تو تونے سچ کہا

اب جو دیکھا وہ بشاشت تھی نہ حسنِ التفات
ہوگیا اک دم مین وہ افسردہ دل جدسے سوا

دیکھکر افسردگی اُسکی کہا دل نے مرے
آہ کرکیون اسطرح جو سُن لے کوئی دوسرا

چھوڑ دینا تو نہ ہاتھون سے اگر دامان ضبط
کیون پشیمانی کا ہونا اسطرح سے سامنا

تیرا دل خود تو مکدر تھا مگر یہ تو سمجھ
دل مکدر کرکے اک مشفق کا تجھکو کیا ملا

شاہی و غم جبکہ وہ دونون ہین جہان مین بے ثبات
وقت اپنا کاٹ دے ہنس بول کر مردِ خدا

علی حیدر طباطبائی

شاعر کی قبر

اے اجل! اے موت! اور اے نشترِ سوہانِ عیسیٰ!
یاد کرتے ہی تجھے چین ہوجاتا ہون مین

دفعتہً شیخِ خرد ہوجاتی ہے گل اور آہ
ایک ہیبتناک تاریکی مین کھوجاتا ہون مین

یعنی ہنستے بولتے اکبار رہ جاتا ہون بُت
اور بنجاتا ہون مین گھنٹون مجسم خامشی

دیر تک رہتی ہے چھائی مجھپر اک افسردگی
موت کا سا اک سکوت اور ایک پُرغم خامشی

کوتا وحشت ناک ہے اور کتنا پُرغم یہ خیال — یعنی مین مرنا نچا ہون گا مگر مرجاؤن گا
خیر مرجاؤن۔ مگر پھر ہوگا میرا حشر کیا؟ — مرکے کیا ہونگا؟ کہان جاؤنگا؟ کیا نہ کہا جاؤنگا؟

اسکو بھی جانے دو۔ یہ مضمون وہ عقدہ ہے جو — حل ہوا ہے اور حل ہوگا نہ جیتے جی کبھی
یون سمجھ لو مرکے مین اک قبر بنجاؤنگا اور — بیکسی برسیگی اُسپر اور حسرت روئیگی

سیر کرتے اکثر آنکلینگے احباب اُسطرف — اور پڑھینگے فاتحہ پہلے وہ لیکر میرا نام
تذکرہ پھر میرا چھڑ جائے پر آجائینگے یاد — کچھ مرے اشعار موزون کچھ پسندیدہ کلام

یہ بھی ہے اک زندگی۔ اک بے تعلق زندگی — یعنی مین دنیا مین تو ہون۔ گو برائے نام ہون
اس مکان مین مین مکینِ مرگ قسمت تھا کبھی — اب سر دیوار تصویر فنا انجام ہون

اک صدی کے اندر ایسے لوگ بھی اُٹھ جائینگے — اور سٹ کر بے نشان ہو جائیگا میرا مزار
اب یہ گویا ہوگی میری دوسری موت اور آہ — رہ نہ جائیگی بظاہر کوئی میری یادگار

خیر۔ اصلی قبر وہ میری نہین۔ احباب نے — ایک تو وہ سا بنا رکھا تھا میرے نام کا
مدفن اصلی ہے میرا گوشۂ باغِ سخن — شاعری میری ہے گہوارہ مرے آرام کا

یہ تو خود میرے ہی ہاتھون کی بنائی قبر ہے — سو وُہ نگاہین اس لحد مین چین سے آرام سے
اور رہیگا سبزہ بھی محفوظ تربت کا مری — دور تاراجِ خزان سے گردشِ ایام سے

نادر علیخان نادر

لطفِ سحر

(ایک قصیدے کی تشبیب)

صبح کیا آئی کہ جاگا بخت پیرِ چنبری — دور کردی مہر نے عالم کی تیرہ اختری
اپنے غمخانے مین گویا جی اُٹھے فرقت نصیب — مرگئے حاصل تھا جنکو لطف وصل دلبری
آرہا ہے متصل چھن چھن کے نور مصحفم — پھر جلی اپنی جگہ تم تم کے شبنم کی تری
لشکرِ انجم نے بس پا ہو کے اپنی راہ لی — شرق سے تا غرب پھیلا حکم شاہ خاوری
مہر کی ضو سے ہوا یہ انقلاب ماہیت — نور کا لبقعہ بنا ہے گنبد نیلوفری
دیدنی ہے آج خورشید مبین کا فیض عام — کر رہے ہین خاک کے ذرے بھی سر کی ہمسری
جنبشوئے رزق مین حیوان بھی آمادہ ہوئے — بحر مین موجون نے پھر کی مچھلیون کی رہبری
نغمۂ بلبل سے پھر مستی گلون مین آگئی — پھر قیامت خیز فتانین چلا کبک دری
چشمِ یعقوب از پئے دیدار یوسف پھر کھلی — ہوگئی زائل زلیخا کی بھی تیرہ اختری
قافلے راہی ہوئے پھر کاروان در کاروان — بڑھ کے آواز جرس کرنے لگی پھر رہبری
لے چلی مجنون کو پھر خوشبو لگا کر اپنے ساتھ — بہر زینت پھر کھلی لیلیٰ کی زلفِ عنبری
بیستون پر پھر پڑا فرہاد کو تیشے سے کام — پھر تمناؤن نے کی بدقسمتی سے ہمسری
از سرِ نو پھر ہوا آراستہ بازارِ حسن — پھر چلے نقد دل و جان یکے گھر سے شتری
عید گاہِ رود قربانی بنی پھر کوے یار — کھینچ لایا عاشقون کو جذبِ حسنِ دلبری
یہ سحر عالم مین کیا ہی معرفت انگیز ہے — دیکھتے ہین اپنی ہستی کو تبان آذری
کر دیا دم مین نظام کارِ عالم کو درست — کیا ہی روشن ہے دماغ گنبد نیلوفری
کھل رہے ہین متصل میخانہ و مسجد کے در — یہان اذان کا شور واں دورِ شرابِ احمری
واہین شکلِ دیدۂ بیدار در ہائے قبول — کی ہر اک زاہد نے پیدا فروشان بوذری
آسمان والون پہ روشن ہے زمین والون کا حال — مہر کی کرنون نے پایا منصبِ پیغمبری
بچے گہواروں مین چونکے دیکھکر شیر سحر — کھکے بسم اللہ بڑھی تسکین کو مہ پاوری
روح موسیٰ کو جنان مین کیون نہ شوقِ ہمنشی — نور ہے یہ صبح صادق کا کہ شان داوری

رات کا پھیلا ہوا کاجل چھڑاتے ہیں حسین — اور کچھ سوجھی ہے شاید صورت افسونگری
یوں اُڑا ہے نشۂ دیدار دیدوں کی آنکھ سے — شیشۂ عامل سے اُڑ جائے کبھی جیسے پری
نور بخشا اس سحر نے سب کو سب اعضا کے — مٹ گیا معشوقوں کے چہرے سے خالِ عنبری
جاگ اُٹھے اپنی جگہ شورا دان سے حق پرست — سو گیا جاگا ہوا شب بھر کا سحر سامری
دیکھتے ہیں خضر آکر اپنی پیری کا جمال — بنگئی آئینہ لوحِ تربتِ اسکندری
کیوں نہ وہ شبنم کے قطرے خسروِ گل کو عزیز — قدر گوہر شاہ داند با بداند جوہری

محشر

قیسِ دیوانہ

اک دن آکر شہر میں قیسِ حزیں — پھنس گیا احباب میں صحرا نشیں
عشق کے رنج و الم جھیلے ہوئے — یار تھے سب ساتھ کے کھیلے ہوئے
رہروانِ جادۂ ملک وصال — قدردانِ دولتِ حسن و جمال
جویندان خط و خالِ نازنیں — عاشقِ حسن و جمالِ ظاہری
قیس سے ہونے لگا کچھ تذکرہ — حسن و الفت کا چھڑا کچھ تذکرہ
حال مجنوں پر ترس کھانے لگے — قصۂ دیرینہ یاد آنے لگے
چرخ کا ذکر ستم کرنے لگے — لوگ اسکے غم کا غم کرنے لگے
پھر زراہ طعن لیلی کے خلاف — اُسکے مُنہ پر کہدیا یوں صاف صاف

ابلہان گفتند مجنوں را زجہل
حسن لیلی نیست چندان بست سہل

تو نے دنیا کے حسین دیکھے نہیں — نازنیں نازآفریں دیکھے نہیں
تیری لیلی سے نرالے ہیں بہت — گوری گوری شکل والے ہیں بہت
دلربا انداز والے ہیں بہت — حسن والے ناز والے ہیں بہت
حسن کا بازار مالا مال ہے — ماہرویوں کا نہیں کچھ کال ہے
ہر قدم پر دلبروں کی بھیڑ ہے — ہر طرف غارت گروں کی بھیڑ ہے

مہ جمالوں کا ہے مجمع ہر جگہ — حسن والوں کا ہے مجمع ہر جگہ
جا نفزا دیدار کا جلوہ تو دیکھ — حسن کے بازار کا جلوہ تو دیکھ
حسن لیلیٰ پھر نہ مد نظر — پہلے تو نظارہ خوبان تو کر

بہتر از وے صد ہزاران دلربا
ہست ہمچون ماہ در شہرے کیا

سیکڑوں ہیں بوستان نازنیں — سیکڑوں اچھے سے اچھے ہیں حسین
سیکڑوں ہیں دلربایانِ ملیح — سیکڑوں ہیں ماہ رویان صبیح
جانفزا تصویر بول اُٹھتی ہے خود — خود نما تصویر بول اُٹھتی ہے خود
شمع کا فانوس میں روشن ہے حال — چھپ نہیں سکتا چھپائے سے جمال
جلوہ فرما آفتابِ حسن ہیں — سیکڑوں مستِ شرابِ حسن ہیں
سیکڑوں ہیں ماہ پیکر شہر میں — چاند کے ٹکڑے ہیں اکثر شہر میں
امتیازِ حسن ہی تجھ کو نہیں — سیکڑوں لیلیٰ سے بڑھکر ہیں حسین
ہوش میں آہا ے کیا کرتا ہے تو — سانولی صورت پہ کیوں مرتا ہے تو

دلربایان خود را و ما را نیز ہم
از چنین سودا ے زشت متنہم

قیس خستہ دل نے بھر کر ایک آہ — یوں کہا تم لوگ ہو گم کردہ راہ
تم نہیں ہو قدردان حسن دوست — تم کو کیا معلوم شانِ حسن دوست
عارض رنگین کا دم بھرتے ہو تم — پیاری پیاری شکل پر مرتے ہو تم
کالے بالوں سے محبت ہے تمہیں — گورے گالوں سے محبت ہے تمہیں
سیرتِ صورت پرستاں اور ہے — مذہب الفت پرستاں اور ہے
دُر وہ ہے جسمیں وہ صہبا اور ہے — بادۂ ناب مصفا اور ہے
جسکے ہم ہو یاں ہیں وہ شے اور ہے — چور ہم جس سے ہیں وہ مے اور ہے
مے ہے اپنی اور پیالہ ہے اور — عشق کے مستوں کا میخانہ ہے اور

گفت صورت کوزہ است و حسن مے
مے خدایم میدہاد ظرف وے

پی کے مین اُس نے کو پا یندہ ہوا — صورت جان پاک و شا بندہ ہوا
وہم و عقل و ہوش کا ساماں لُٹا — ننگِ ہستی شیشۂ دل سے چھٹا
دیکھتا ہون اسکا جلوہ آنکھ سے — اُٹھ گیا پردہ دوئی کا آنکھ سے
دل کسی محبوب پر آتا نہین — کچھ سوا اُسکے نظر آتا نہین
جب سے دیکھا اسکا جلوہ آنکھ سے — غیر لیلیٰ کچھ نہ دیکھا آنکھ سے
سا منا ہے آفتاب عشق سے — مست و بیخود ہون شرابِ عشق سے
یارسے واصل اسی شے نے کیا — زندۂ جاوید اسی مے نے کیا
میرے حق مین ہے یہ شے آبِ حیات — دوسرون کو ہے یہی مے سمیات

از یکے کوزہ دہد زہر و عسل
ہر یکے را دستِ حق عزّ و جل

جگر

گوپی چند

کبھی ہندوستان جنت نشان کیا رشکِ جنت تھا — تقدس مین تھا یکتائے جہان کان لطافت تھا
یہان کا ذرّہ ذرّہ آفتاب نور حکمت تھا — ہر اک فرد بشر دلدادۂ حُسنِ حقیقت تھا
ہوئے بیہوش موسیٰ طور پھونکا برق خرمن نے
مجسم ہو کے یان جلوہ دکھایا نور یزدان نے

ہر اک انسان کی پاکیزہ سیرت نیک طینت تھی — مقدس اور مبارک عورتون مردون کی خصلت تھی
فقیرون کی شہنشاہون سے بڑھکر شان و عظمت تھی — یہان کے بادشاہون کی فقیرانہ طبیعت تھی
سمائین ساز و برگ جاہ و حشمت کیا نگاہون مین
جہان اک ہستیٔ موہوم ہو دنیا نگاہون مین

روایت ہے کہ گوپی چند اک سلطان ذیشان تھا — خوش و شاداب ملک گوڑ جسکے زیر فرمان تھا
رعیت پروری۔ انصاف مین بیشل دوران تھا — فضائل مین ملک سے بھی افضل تر وہ انسان تھا
مچی ہر مملکت مین دھوم اُسکے عہد شاہی کی
ہر اک سو شہرہ تھی دنیا مین تھین عالم پناہی کی

مہاراجہ کا اکدن جلسۂ یوم ولادت تھا — طرب انگیز دار السلطنت مین جوش عشرت تھا
عیان اُس روز خورشید سحر سے نور فرحت تھا — خوشی کا دور تھا ہر سمت سامان مسرت تھا
ہوا تھی فرح بخش جان نسیم عنبر بیز
نشاط انگیز تھا آب روان موج خوشی لبریز

مہاراجہ نے ہر غسل کی جب جلوہ فرمائی — ادب کے ساتھ غازہ لیکے آئی شان زیبائی
لطافت بنکے پانی مین ملی خوبی و رعنائی — صفائی تھی۔ آب و تاب محسن افزائی
ادائین دیکھکر بیٹے کی بھولی بھولی صورت کی
دلِ مادر پہ اس نظارہ نے برپا قیامت کی

خدا جانے خوشی نے کیا کیا اُلٹا اثر پیدا — خیالاتِ غم افزا سے دگرگون ہو گیا نقشا
اُمنڈ آیا کلیجہ۔ آہ! قابو مین کمان دل تھا — نکل ہی آئے اُنکو گو بہت کچھ ضبط سے روکا
لبِ بام ایک عزلے مین کھڑی تھی مادر سلطان
گرہ کو نور نظر پر اشکِ گرم دیدۂ گریان

عجب عالم تھا گوپی چند کی حیران طبیعت تھی — دریچہ کیطرف دیکھا تو ان کی غیر حالت تھی
اُداسی چھائی تھی چہرہ پہ اور غمگین صورت تھی — یہ حالت دیکھکر کب ضبط کا بیٹے مین طاقت تھی
اُسی حالت مین جاکر ماں سے رونے کا سبب پوچھا
ادب سے موجب غم۔ باعث رنج و تعب پوچھا

کہا دل تھامکر مینا* وقتی نے سوز نہانی نے — فنا ہو جائیگی یہ کائناتِ عالم فانی
بہار نوجوانی کی سمجھ کچھ روز مہمانی — نمو گا چاند سی صورت پہ تیری حسن نورانی
یہ جسم خوبصورت ایکدن ہے خاک ہونے کو
مقرر وقت ہے ہستی کا قصد پاک ہونے کو

عبث عمر دو روزہ پر خیالِ جاہ و حشمت ہے — بقا جسکو نہین اُس چیز سے نا حق محبت ہے
جہانِ بیوفا مین ہیچ فکر مال و دولت ہے — مہا اچھا ہو جو مین ایسا تصور مین غفلت ہے
کہان ہے باپ تیرا چھنے برسون یاد شاہت کی
مناتے تھے خوشی سب اُسکے بھی روز ولادت کی

---

* مہاراجہ گوپی چند کی والدہ کا نام ہے۔

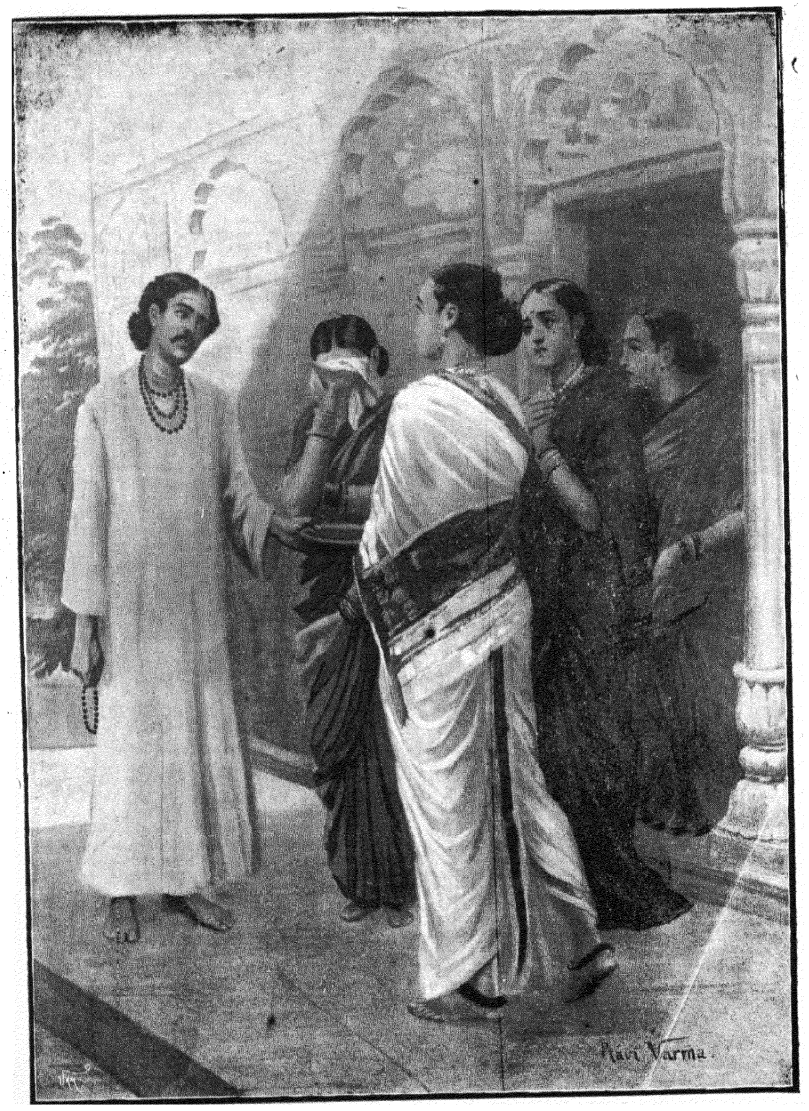

گوپی چند

الکٹرک پریس الٰہ آباد

کہان کا تاج مارولات تختِ بادشاہت پر وہی انجام ہین ہے خاک ڈالے جاہ وحشمت پر
وہی سرورِ دائم ہے نہ بھولے عیش وعشرت پر وہ ہے انسان نظر جسکی ہو کیسان رنج وراحت پر
مٹا کر ہستی فانی نشانِ بے نشان پائے
تمنا ہے یہ میری تو حیاتِ جاودان پائے

اثر دل پر پڑا جادو بھری تقریر کا ایسا ہوا القصہ گویا چند گورکھ ناتھ کا چیلا
گلے مین ڈال لی کفنی سنبھالی ہاتھ مین مالا خدا کی شان ہے دم بھر مین جوگی ہو گیا راجا
حقیقت کھل گئی جب اس جہانِ بے حقیقت کی
تعلق ہائے دنیائے دنی سے قطع الفت کی

گرو کا واجب التعمیل یہ ارشادِ اوّل تھا کہ جسکو سُن کے ہر فرد بشر کا دل تڑپ اُٹھا
ادا اسطرح سے کرنا ہے فرض اولین اپنا محل سے رانیون کے مانگ لاؤ بھیک کا ٹکڑا
غرور بادشاہی سر سے تا یکسر نکل جائے
فقیری کا قدم راہ حقیقت پر سنبھل جائے

وہ کشکولِ گدائی ہاتھ مین لیکر روان ہوگا صدا دی بھیک دینا مائیو سب کا بھلا ہوگا
اثر آواز نے پیدا کیا شورِ قیامت کا فغان ونالہ سے رنواس مین کہرام تھا برپا
ہر اک رانی مجسّم صورتِ تصویرِ ماتم تھی
سراسر روح فرسا دل پہ طاری حالتِ غم تھی

یہان سے چل کے مانگی بھیک مان کے آستانے تو دے سے دعائین مان نے دین بیٹے کو خوش ہو کر
مبارک ہو لباسِ فقر تجکو اے خرد پرور گدائی اُسکے کوچے کی شہنشاہی سے ہے بہتر
وزیرون کے یہان بھی بھیک مانگی جا کے سلطانے
مٹائی نخوتِ شاہی یہانتک شاہ ذیشان نے

غرض صحرا کیجانب شہر سے اُسنے عزیمت کی غم وافسوس سے ناگفتہ بہ حالت تھی خلقت کی
اسے پروا نہ تھی مطلق کسیکے رنج وکلفت کی وہان کا بالپٹ ہی ہو چکی تھی قلبِ ثابت کی
حباب آسا ملا تھا ٹوٹکر بحرِ حقیقت مین
بسر کی عمر گوتی چند نے زہد وعبادت مین

شنکر زچھاروی

چند روز

اے عندلیبِ رونقِ بستان ہے چند روز فصلِ بہار باغ مین مہمان ہے چند روز
دو دن کو خوشنوائی قمری چمن مین ہے خوش قامتیٔ سروِ خرامان ہے چند روز
دل مین گلون کے رہتی ہے ہر وقت یہ خلش ہوگا یہ خارزار گلستان ہے چند روز
لالہ کو بے ثباتیٔ عالم کا داغ ہے یون دیکھنے کو باغ مین خندان ہے چند روز
جمنے نہ دیگی رنگ یہ نیرنگیٔ خزان اے باغبان بہارِ گلستان ہے چند روز
گل کیجئے گذارئے یان ہنس کے زندگی باغِ جہان مین صحبتِ یاران ہے چند روز
کہتی ہے نے کہ تلخیٔ جہان کی مین لذتین دنیا کے ساز عیش کا سامان ہے چند روز
انسان کیا ہے؟ بحرِ جہان کا ہے بلبلہ مہمان سرائے دہر مین مہمان ہے چند روز
دنیا کی رنج وغم سے اسیر ونہ ہو ملول چھوٹو گے اس سے جلد یہ زندان ہے چند روز
ہے کچھ دنون جہان مین گر اکی گداگری واحسرتا حکومتِ سلطان ہے چند روز
کیا مال وجاہ وحُسن وجوانی پہ کیجئے ناز افسوس زندگانیٔ انسان ہے چند روز

اک حال پر کوئی نہین رہتا یہان ذہین
خنداں ہے چند روز تو گریان ہے چند روز

سید غلام مصطفےٰ ذہین

قطعہ

نہین بدلتی یہ دنیا بدلتے رہتے ہین ہم
کہ ہمکو ہوتے ہین محسوس راحت وآلام
جو انقلاب ہو زندگی مین انسان کی
اسیکو سکتے لگے لوگ گردشِ ایام

ایڈیٹر

۵۴
نوٹس
توضیح مقاصد

ادیب کی اشاعت سے اُردو علم ادب کی ترقی کیطرف ایک قدم اور بڑھایا گیا ہے۔ اس عرصے مین ہماری زبان کی سرحد مغربی ادب و انشا پردازی کے حدود سے بہت کچھ قریب ہوگئی ہے۔ اب اُردو مین ایسے اہل قلم پیدا ہو گئے ہین جو اُنیسین سے شاعرون کی ہمسری کا دعویٰ کرسکتے ہین۔ اُنکی رسائی خیال، ذہانت اور زور طبع نے ثابت کردیا ہے کہ خاک ہند اپنی مردم خیزی مین دُنیا کی کسی سرزمین سے کم نہین ہے۔ ساتھ ہی ہمارے علم ادب کا دامن بھی اسقدر وسیع ہوگیا ہے کہ عربی و فارسی، ترکی، تاتاری، سنسکرت و ہماشا کے علاوہ اب اسمین مغربی زبانون کے رنگین و شاداب پھول بھی نظر آرہے ہین۔

ان پھولون کی رنگارنگی کا دلکش نظارہ صرف اُن ادبی رسالون مین نظر آسکتا ہے جنکے مضامین کی گوناگونی درحقیقت ایک گلستان ادب ہے۔ ان رسالون کے بانیون مین اکثر اب اس دنیا مین موجود نہین ہین لیکن اُنکی یاد عام دلون مین تازہ ہے اور اُنکے نام عزت و احترام کے ساتھ لئے جاتے ہین۔ ہم بھی انہین ارباب کمال کی خوشہ چینون مین ہین اور اُنکے نمونے پر ایک ایسا رسالہ پیش کرتے ہین جو چند خصوصیات سے دلچسپ ہے گو ایسی کوشش بالکل نئی اور عدیم النظر نہین ہے تاہم "ادیب" کے مقاصد اور رنگ و ڈھنگ مین کسیقدر جدت کی جھلک نظر آئیگی۔

اس رسالے کے ساتھ تصاویر کی کثرت اس امر کو واضح کرنے مین ظاہر رہیگی کہ مصوری علم ادب کی ایک ضروری شاخ ہے۔ مغربی نقادان فن نے اس ضرورت کو یہانتک تسلیم کیا ہے کہ وہ کسی مضمون کو اُسوقت تک مکمل نہین سمجھتے جبتک اُسے الفاظ کے علاوہ تصاویر کے ذریعے سے بھی ذہن نشین نہ کیا جاسے۔ بلکہ بعض بعض مطالب محض تصاویر ہی کے ذریعے سے ادا کردیے جاتے ہین۔ گویا ایک خاموش تصویر وہ زبان حال ہے جو اپنی سرگذشت بیان کرنے مین تاریخ کے ہزارون صفحات سے زیادہ طاقت رکھتی ہے۔ اور مصور کا قلم اندرونی جذبات و احساسات کو واضح کرنیکے لئے قدرت کی پیشبینی مین حاضر ضرورتی ہے۔

حال کے بعض نامور رسالون کے نازک خیال ایڈیٹرون کے دماغ عرصے سے اس ادبی ضرورت کی تہ تک پہونچنے مین جنہین معزز مخزن و زمانہ کی کوششین قابل داد ہین۔

ادیب اس ضرورت کو کسیقدر وسعت کے ساتھ رفع کرنیکا قصد رکھتا ہے جو اسکے سلسل نمبرون سے واضح ہوتی رہیگی۔ نیز ان اوراق مین زیادہ تر ملکی صناعون کے زور قلم کے نمونے پیش کئے جائینگے جس سے ملکی صنعت کی رفتار ترقی پر بھی ایک عمدہ روشنی پڑتی رہیگی۔ اسکے ساتھ ساتھ زبان اور علم ادب کے خزانے مین بھی ایک معتدبہ اضافہ کا تہیہ کیا گیا ہے اور کوشش کیگئی ہے کہ ملک کے نامور اہل قلم کے خیالات سے ایک ایسا چمنستان ادب تیار کیا جاسے جسکی جانفزا خوشبوسے عام شائقین معطر ہون اور جسکی مہک دُور و نزدیک پہونچے۔

ادیب کی خصوصیات مین ایک مابہ الامتیاز یہ بھی ہے کہ اسمین حتی الامکان ایسے لٹریچر سے کام لیا جائیگا جو مرد و عورت دونون طبقون کے لئے یکسان دلچسپ و خوشگوار ہو۔ یہ ایسی بات ہے جو معمول سے زیادہ احتیاط کی محتاج ہے اور جس پر سب سے پہلے لحاظ کرنیکی ضرورت ہے۔ کیونکہ تعلیم نسوان کی موجودہ ترقی صاف بتا رہی ہے کہ اب ہمارے علم ادب مین حصہ لینے کے لئے ایک ایسا فرقہ بھی تیار ہوگیا ہے جو اس سے بیشتر علمی دُنیا سے علیحدہ تھا اور جسکی قدرتی حیا اور پاک جذبات کا احترام ہمپر واجب ہی نہین بلکہ فرض ہے۔ گو اس ضرورت کیلئے بعض رسالے مخصوص ہین لیکن ہمارے خیال مین یہ مقصد عام ہونا چاہئے نہ کہ خاص۔ چنانچہ ادیب مین اسی عمومیت کا لحاظ رکھا گیا ہے جو اسکے مختلف مضامین (نظم و نثر) مین ہمیشہ ملحوظ رہیگی۔

حالانکہ باغ ادب مین ایک نئی قلم لگاتے ہوئے ہمنے اس رسالے کا رنگ و ڈھنگ اور طرز و انداز سب سے جداگانہ رکھا ہے تاہم ادیب اپنے معاصرین کے ساتھ مل جل کر کام کرنا اور اُنکی کوششون مین اُنکا ہاتھ بٹانا اپنا فرض سمجھے گا اور فضول ساجھ اور ہمچشمی جھگڑون مین پھنسکر اپنی ترقی کی رفتار کو منقطع کرنا اپنے لئے باعث ننگ خیال کریگا۔ یہ دُنیا کی ہر زبان اور قدیم و جدید علم ادب کے خزانون تک اپنا ہاتھ بہم پہنچانیکی کوشش کرتا رہیگا اور نکتہ چینون کے خیالات سے ہوئے اپنے لئے نئے نتائج اخذ کرتا رہیگا یعنی اسکا کام خاموشی اور سنجیدگی کیساتھ انجام پاتا رہیگا۔ کہ اُن معرکہ آرائیون کیلئے جو علم ادب کی ترقی قومی میدان مین برپا ہوکر اکثر مفید نتائج پیدا کرتی ہین

تصریح تصاویر

(۱)

اس نمبر کی رنگین تصویر جو انڈین پریس کے ایک خاص مصور کی صناعی کا نمونہ ہے مہابھارت کے ایک عبرت انگیز واقعہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اصل قصہ بہت طولانی ہے تاہم مختصر طور پر اسقدر بتا دینا ضروری ہے کہ جب راجہ جدھشٹر راج پاٹ اور اثاث البیت کے علاوہ خود اپنی ذات، اپنے بھائیوں اور اپنی رانی دروپدی کو بھی جوے مین ہار گئے اور جوے کی شرط کے مطابق سب کے سب جرجودھن کی غلامی مین آگئے تو جرجودھن کے چھوٹے بھائی دوساسن نے عصمت وعفت کی دیوی دروپدی کو سر دربار ذلت دینے کی کوشش کی۔ اس خبر کو سُنکر جرجودھن کی ماں گاندھاری نے اپنے شوہر مہاراجہ دھرتراشٹ سے فریاد کی۔ بوڑھے دھرتراشٹ نے بیٹے کو زبردستی توبیخ کرکے بعد دروپدی کو (جو اُسکی بھتیجی بہو تھی) معافی مانگنے اور اُسکی دلجوئی کرنیکی غرض سے طلب کیا۔ دروپدی سامنے آئی ہے اور اپنی قدرتی شرم وحیا کیساتھ گردن جھکائے کھڑی ہے ضعیف العمر مہاراجہ نوعمر دروپدی سے معافی مانگنے اور اُسکی انتہائی دلجوئی کرنیکے بعد کہہ رہا ہے کہ "جو تو مانگ وہ مین دینے کو تیار ہون" یہ ہندو فرمانرواؤن کا ایک قدیم قاعدہ تھا جسے اصطلاحاً "بردان" کہتے ہین۔ دروپدی نے اپنے شیریں اور موثر لہجے مین کہا کہ "اگر آپ مجھے ایسے ہی مہربان ہین تو راجہ جدھشٹر کو غلامی سے آزاد کر دیجئے" دھرتراشٹ نے اس استدعا کو فوراً قبول کرکے کہا "ابھی کچھ اور مانگ۔ یہ بردان میرے حوصلے سے بہت کم ہے" دروپدی نے نہایت سادگی سے کہا کہ "ارجن یتیم نکل۔ اور سند یو یہ چاروں بھی آزاد کر دئے جائین" دھرتراشٹ نے پھر التجا کی کہ ابھی کچھ اور مانگ۔ دروپدی نے جواب دیا کہ "اب مین کچھ مانگنا نہین چاہتی۔ دھرم کے مطابق وشیون کو ایک چھتری کو دو اور برہمنون کو سو بردان مانگنے کا استحقاق ہے۔ مین چھتری ہون لہذا دو سے زائد بردان مانگ کر دھرم کی خلاف ورزی نہین کر سکتی" اخلاق کا یہ بلند معیار گو اب مفقود ہے لیکن یہی باتین ہین جنکی بدولت دنیا کے تاریخی تھیٹر میں یہ کیرکٹر اپنا پارٹ ادا کر رہے ہین

(۲)

پنڈت بشن نرائن صاحب دھر سپرنٹنڈنٹ لائبریری لکھنؤ جنکی علمی زندگی اہل ملک کیلئے چراغ ہدایت ہے عرصے سے ایک مرض صعب مین قبلہ ہین اور الموڑہ کے پرفضا پہاڑ پر زیر علاج ہین۔ آپکے کیس حالات ہماری درخواست پر پنڈت برج نرائن صاحب بیکیسٹر بی اے وکیل لکھنؤ نے ایک دلآویز پیرائے مین قلمبند فرمائے ہین اور آپ کا تازہ فوٹو بھی عنایت کیا ہے جو ۲۷۔ نومبر گذشتہ کو بمقام الموڑہ لیا گیا ہے۔ اس مرقع حسرت سے آپکے مرض کی موجودہ حالت کا کافی اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن جناب بیکیسٹر نے اپنے مضمون کے آخر مین یہ خوشخبری سُنائی ہے کہ اب آپکی حالت روبہ صحت ہے جو تمام علم دوست حضرات کیلئے یکسان مسرت خیز ہے۔ خصوصاً ہم اُس مُردہ جانفزا کیلئے ہمہ تن گوش ہین۔ جب آپ صحت یاب ہو کر ہمارے اجڑے دل کو پھر آباد کرینگے اور اپنی علمی سرچشمے سے تشنگان ادب کو سیراب فرمائینگے۔

(۳)

"حضرت آدم وحوا کی تصویر" جو حکیم محمد رضا صاحب لکھنوی کے زور قلم کا نمونہ ہے جو خاص اڈیٹ کیلئے تیار کرائی گئی ہے حکیم صاحب چھوٹی ہائی اسکول لکھنؤ کے تعلیم یافتہ اور کلکتہ آرٹ سکول کے نامور طالبعلم ہین۔ آپ کی مصوری کے نمونے ماڈرن ریویو وغیرہ انگریزی رسالون مین نہایت وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین۔ اور مسٹر بلنٹ ایسے سبر لیور جین آپکی صناعی کے مداح ہین۔ آپ مسٹر ابنندر ناتھ ٹیگور پرنسپل آرٹ اسکول کلکتہ کے خاص شاگرد ہین۔ مسٹر ٹیگور نے آپکی تصویر "نادر شاہ اور حکم قتل عام کی داد" اپنے مشہور اخبار بوگن مین بھی جو اس نمبر کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے آپ نے اعلیٰ صناعی دکھائی ہے۔ تصویر کے بالائی حصے مین بہشت کا نظارہ پیش نظر ہے۔ نیچے ایک سنسان میدان مین جو دُنیا کی ابتدائی حالت مین بالکل تاریک ہوگا حضرت آدم وحوا ٹھٹک رہے ہین بہشت کو روشن اور دُنیا کو تاریک دکھانے مین جس قدر قلم سے کام لیا گیا ہے

وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہین رہ سکتا۔ ان آسمانی مخلوق کی ستر پوشی کے متعلق روشن خیال مصور کو باقتضائے تہذیب حال اصل روایت سے مجبوراً تجاوز کرنا پڑا ہے بہشت ایسے مسرت خیز مقام سے نکلکر انسان کے ان مورث اعلیٰ کے دلون پر جو کیفیت گذری ہوگی اُسے جناب سرور جہان آبادی نے نہایت دلکش اور موثر الفاظ مین نظم کیا ہے اور یہ نظم اپنی ترتیب سے علیحدہ اس تصویر کے مقابل درج ہے۔

(۴)

نمایش گاہ لاہور کے بسیط مضمون کے ساتھ اسکا فوٹو بھی شایع کیا جاتا ہے جو اُس منظر سے تعلق رکھتا ہے جب ہز آنریبل لفٹنٹ گورنر پنجاب نے ایک عالیشان دربار کے ساتھ نمایش کا افتتاح فرمایا تھا تاریخی حیثیت سے یہ نمایش اپنی قسم کی خاص نمایش ہے جسمین گورنمنٹ اور اہل ملک نے متفقہ طور پر سرگرمی ظاہر کی ہے اس سے ملکی صنعت و حرفت ہی کے لئے ایک نیک فال نہین نکلتی ہے بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اسی سنجیدگی اور فہم و فراست سے کام لیا گیا تو گورنمنٹ ہمارے تمام مقاصد کی کامیابی مین تہ دل سے حصہ لینے کو موجود ہے۔ اس سے زیادہ ہم اپنی نمایش اس سال کے اختتام پر ہمارے شہر مین منعقد ہونیوالی ہے جسکا دیباچہ پرنس آف ویلز نمایش کے نام سے اسی ماہ مین شروع ہوگیا ہے

(۵)

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج پنشنر الہ آباد جنکی پاکیزہ شاعری اور اعلیٰ تخیل نے ارباب ذوق کے دلون کو تسخیر کر لیا ہے عرصے سے ضعف بصارت کے سبب تصنیف و تالیف کے شوق کو خاطر خواہ پورا نہ کر سکتے تھے۔ اسی حالت مین آپکا تازہ فوٹو دسمبر گذشتہ کو ادیب کے لئے لیا گیا تھا اور باوصف اس معذوری کے آپنے اپنا تازہ کلام بھی عطا فرمایا تھا جس سے اوراق ادیب کو زینت دیگئی ہے انہین ایام مین آپ بغرض علاج چشم کلکتہ تشریف لیگئے تھے جہان مغربی عمل جراحی مین کامیابی ہوئی اور یہ خبر نہایت مسرت انگیز ہے کہ اب آپ صحت یاب ہوکر واپس آگئے ہین۔ ادبی دُنیا کیلئے اس سے زیادہ کیا خوشی ہوسکتی ہے کہ ایک جادو نگار قلم پھر اپنی گلکاریون سے اُسے رشک ارم بنانیکے قابل ہوگیا

ہم آپکی نظمون کے علاوہ آپ کی نثر تحریرون کے نمونے بھی جلد ہی ہدیۂ ناظرین کرینگے جسکا آپ نے خاص وعدہ فرمایا ہے۔

(۶)

راجہ گوپی چند کی تصویر ہندوستان کے زندۂ جاوید مصور مسٹر راوی ورما کے زور قلم کا نتیجہ ہے جسے ہندون کی مشہور نفس کشی کی ایک نمایان مثال سمجھنا چاہیئے۔ اصل واقعہ کو دو ہزار برس کے قریب ہو چکے ہین مگر اپنی عبرت خیز نوعیت کیوجہ سے ابتک تازہ ہے اور عام طور پر اسکے ناٹک ہوتے رہتے ہین۔ جادو نگار مصور نے اس تصویر مین دُنیا پر پیش کیا ہے جب یہ عظیم الشان راجہ فقیرانہ حالت مین اپنی رانیون سے بھیک مانگنے آیا ہے اور اپنے فلک فرسا محل کے دروازے پر کشکول گدائی لئے ہوئے کھڑا ہے۔ مصور کے زور قلم اور منظر کے عبرتناک ہونے مین کلام نہین لیکن اس قطعے مین اصلی جان اُس نظم نے ڈالی ہے جو حضرت شرر سہارنپوری کے پُرزور قلم سے نکلی ہے اور اس تصویر کے ساتھ درج ہے۔

جلد ۱ فروری سنہ ۱۹۱۰ء نمبر ۲

ادیب

ادبِ اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ — ایڈیٹر۔ نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) دمینتی اور ہنس (رنگین) (۲) جامع مسجد آگرہ (۳) حضرت جلال مفقود
(۴) ڈیوڈ ڈہیوم (۵) پنچ گنگا گھاٹ (۶) سیتا جی اور باغ راون

فہرست مضامین

۱۔ اخلاقی تعلیم۔ از بابو گنیشی لال صاحب ماتھر۔ بی۔ اے (منشی فاضل) صفحہ ہیڈ ماسٹر کایستھ پاٹ شالہ الہ آباد ۵۷
۲۔ چند الہامی کلمات۔ از رائے پربھو لال صاحب۔ بی۔ اے ۶۰
۳۔ رہنمایان ہند۔ از "نواب رائے" ۶۴
۴۔ علامۂ جلال مغفور۔ از "نقاد لکھنوی" ۷۴
۵۔ تاریخ فوٹوگرافی۔ از مسٹر۔ پی۔ ایل۔ شاکر ۸۰
۶۔ صنائع لکھنؤ۔ از ایڈیٹر ۸۵
۷۔ ڈیوڈ ہیوم کے علمی کارنامے۔ از مولوی سید محمد فاروق صاحب ۸۸
۸۔ فرہنگ آصفیہ۔ (ریویو) ۹۴
۹۔ سال نو اور ادیب کا خیر مقدم از جناب سرور جہان آبادی ..... صفحہ ۹۶
۱۰۔ کلام اکبر۔ از خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر جج پنشنر الہ آباد ۹۷
۱۱۔ موسم سرما۔ از مسٹر شاکر بیرٹھی ..... "
۱۲۔ ذوق عرفان۔ از مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی ۹۸
۱۳۔ کلام چکبست۔ از پنڈت برج نرائن صاحب چکبست۔ بی۔ اے لکھنؤ ..... "
۱۴۔ قطعات تاریخ۔ از میر کرامت اللہ صاحب تیر رئیس امرتسر ۹۹
۱۵۔ دمن اور ہنس۔ از منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی ۱۰۰
۱۶۔ سیتا جی۔ از ایڈیٹر ۱۰۱
۱۷۔ ایڈیٹوریل ۱۰۴

قیمت سالانہ چار روپیہ — فی پرچہ چھ آنہ

پنچکوڑی متراپر نٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا

(قیمت سالانہ للعہ) — **ادیب** — (فی پرچہ ۸؍)

کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقیدتاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشا پردازلے وقیع۔ دلچسپ۔ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کے لئے دلچسپ ہو۔ کوشش کی گئی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہون خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کے لئے بھی اُسیقدر دلچسپ، مفید، اور خوشگوار ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی ضخامت ۴۸ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونے کی وجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب گنجایش کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم از کم ایک رنگین اور چار عکسی تصاویر دیجاتی ہین جنمین مشہور مصوّرون کی صناعیون کے نمونے۔ مشاہیر حضرات کے فوٹو۔ تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی نظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویر کی دلکشی کو دوبالا کردیتی ہین۔ قدردانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہے گا۔

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پہ نہایت صفائی کے ساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علیحدہ ہوتی ہین۔ ہر نوع قدردانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیّا کیا گیا ہے جو کی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کے ساتھ کوئی پرچہ نہین ملسکتا۔ بلکہ اس ارزانی کے ساتھ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم از کم ساٹھ ہوتی ہے) کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ نظر بین معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ ۱ر وصول ہونے یا وی پی کے اپریل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف و خوشخط لکھا جاے تاکہ پرچہ پہونچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہئے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجاے۔

اس رسالہ مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہین چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہین لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصویر ساتھ نہ آئیگی تو مضمون شائع نہوگا۔ خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جاے ورنہ تعمیل ارشاد نہو سکیگی۔ تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہئے۔

منیجر "ادیب"، انڈین پریس الہ آباد

دمینتی اور ہنس

انڈین پریس الہ آباد

فروری ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ۱ — نمبر ۲

اخلاقی تعلیم

اکثر لوگ کہا کرتے ہین کہ جب سے مغربی روشنی نے ہندوستان مین آزادی کو نقش سلیمانی بخشا ہے خود رائی اور تیز زبانی نے لوگون مین اور بعض بعض قومون مین عجیب کیفیت پیدا کر دی ہے۔ زمانے کے آشوب کو کون نہین جانتا اور باوجود اعلی درجہ کی تعلیم کے اخلاقی تعلیم کی ضرورت کو کون محسوس نہین کرتا۔ اگلے وقتون مین جب مشرقی علوم پڑھائے جاتے تھے اخلاقی تعلیم بجاے خود کوئی شاخ تعلیم رسمی کی نہین سمجھی جاتی تھی۔ عربی اور سنسکرت مین لٹریچر یعنی علم ادب کے تار و پود کی پرداخت مذہبی عقاید سے اسقدر منضم ہے کہ تعلیم کے ساتھ تہذیب اخلاق خود بخود ہونا ممکن تھا۔ جہانتک معلوم ہوتا ہے پرانے وقتون کے فضلا کی دور بینی اور عاقبت اندیشی بلا شبہہ اعلی درجہ کی تھی۔ انہون نے اس بات کو خوب سمجھ لیا تھا کہ بلا مذہب کے یعنی بلا خوف خدا کے انسان کے اخلاق پر وہ اثر مترتب نہین ہو سکتا جو اسکی روحانی ترقی کو مدد دے اور اسکے ذاتی اور قومی بہبود کا باعث ہو۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ ہر شعبہ مین علم و فن کے تاوقتیکہ اصول موضوعہ اور علوم متعارفہ کیطرح چند ابتدائی اصول ایسے نہ مان لے جائین جنکی توثیق مین برہان و ثبوت خود عاجز ہون ترقی نہین ہو سکتی۔ نظام قومی کے لئے بھی اسیطرح پر مذہب نے وہ اصول ہر قوم مین قرار دئے تھے جنسے اُس قوم مین ہر قسم کی ترقی خوش اسلوبی کے ساتھ اور بغیر فتنہ انگیزی کے ہو سکتی تھی۔ قوم کے افراد مین باہمی اُنس اور یکجہتی پیدا ہوتی تھی کیونکہ سب ایک ہی اصول پر کاربند ہوتے تھے جو لوگ اُن عقائد سے منحرف ہوتے تھے وہ ہدف ملام بنتے تھے اور سوسائٹی مین اُنکے لئے گنجایش نہین رہتی تھی۔ چنانچہ زندگی بغیر تردد اور خرخشہ کے خوبی کے ساتھ بسر ہو سکتی تھی۔ لیکن مغربی روشنی نے مذہب کو کچھ ایسا گون کی نگاہون مین بے وقعت اور بے اعتبار بنا دیا کہ سب کام درہم برہم ہو گیا اور زمانے مین ایک

عجیب قسم کا آشوب پھیل گیا۔ یہ ہم مانتے ہین کہ انگریزی تعلیم نے لوگون کو روشن دماغ بنادیا مگر اسکے ساتھ یہ کہنا بیجا انصاف نہوگا کہ روشنضمیری کا ہندوستان مین فقط نام رہ گیا اور وہ ملکہ ہندوستانی کے طبائع سے نکل گیا۔ آج ہم دیکھتے ہین کہ گریجویٹ اور تعلیم یافتہ اشخاص ایک انسان کی جان لینے مین ذرا تامل نہین کرتے۔ گورنمنٹ انگلشیہ استقدر معدلت پرست ہے مگر اسکے ماتحون سے وہ وہ فعلین پیش آرہی ہین۔ جو ہندوستان مین نہایت بدانتظامی اور بدامنی کے زمانہ مین بھی کسی بادشاہ وقت کو نہین ہوتی تھین یعنی تعلیم نے کبھی کسیکو خون کا پیاسا نہین بنایا تھا۔ یہ کب ممکن تھا کہ عربی فارسی مین قرآن کی آیتون اور احادیث کے فقرون سے مزین مضامین کو پڑھکر یا وید اور پرانون کے اقوال سے مربوط عبارتون کو سنسکرت مین پڑھکر لوگ جادۂ استقامت سے تجاوز کرتے۔ واقعی بات تو یہ ہے کہ جب سے بزرگان دین کی توہین روا ہوئی اور مذہب کی اطاعت ختم ہوئی لوگون نے اپنی عقل کو شیر بنا لیا اور اپنے میزان عقل مین ہر چیز کے عیب و ثواب کو تولنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قومی انضباط مین فرق آگیا اور یکدلی کا مادّہ جاتا رہا۔ مغربی ممالک مین جس اصول پر لوگ عمل کر رہے ہین وہ ہمارے فطری عقائد سے بالکل مغایر ہین اسلئے ہم انکی تعلیم سے تہذیب حاصل نہین کرسکتے۔ ہمارے یہان تعلیم رسمی ہی کی نوعیت مین اخلاق پر اچھا اثر پڑتا تھا اور سوسائٹی مین اخلاقی تعلیم نہین دیجاتی تھی بلکہ ایک قسم کی تلقین کیجاتی تھی۔ لوگ اپنی روش یعنی ایجوکیشنل سے دوسرون کو اپنا مقلد بنا لیتے تھے اور یہ ضرور ہے کہ مثال قائم کرنے سے جو اثر ہوتا ہے وہ کتابی نصائح سے نہین ہوسکتا۔ ایک بات اور بھی ہے۔ ہمارے تعلیم یافتہ اشخاص مغربی روشنی کی جھلک پر کچھ ایسے محو ہوگئے کہ اپنی فطرتی ساخت پر داخت کو بھول گئے۔ فضیلت کے یہ معنی نہین ہین کہ ہم دوسرون کی تقلید سے اپنی آبرو بنائین جبتک ذاتی جوہر نہوگا ہم واقعی ترقی کرنے کے قابل نہونگے۔ مین یہ ضرور کہونگا کہ اخلاقی تعلیم مدارس مین دی بھی جاسے تو تاوقتیکہ سوسائٹی مین تہذیب اخلاق کی تلقین نہوگی کچھ فائدہ نہوگا۔ گورنمنٹ ہماری خیراندیش ہے۔ ہماری بہتری اور آسایش کی ہر طرح کی فکر کر رہی ہے۔ ہمکو یہ اپنا فرض مذہبی قرار دینا چاہئے کہ ہم بھی ایسے طریق پر عمل کرین کہ جس سے تشتت کو قطعی لفظ غلط کیطرح مٹادین اور اپنے دینی عقائد پر واثق ہوجائین۔ میرے نزدیک اخلاقی تعلیم کی دو صورتین ہوسکتی ہین۔ ایک یہ کہ مدرسون مین ایسی کتابین پڑھائی جائین جنسے لوگ روحانی ترقی کا نفع اور قدر سمجھین لیکن اس صورت مین اندیشہ یہ ہے کہ مغربی لٹریچر کے بڑے بڑے فضلا کے خیالات جب دلون مین پیوستہ ہوجائینگے تو پہلے خیالات کی ترتیب خواہ مخواہ غلط ہوجاوے گی۔ مل اور اسپنسر کے اقوال اور خیالات کا اثر اسی سلسلہ مین اگر شامل ہوتا جو ابتدائی تعلیم مین حاصل ہوتا تو شاید انسان کو منزل بمنزل علم کی ترقی مین تمیز و تہی کا موقع نہ ملتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری سوسائٹی مین تہذیب کا پیایہ مشرقی خیالات سے مشروط ہو اور ہم تعلیم انگریزی حاصل کرین مگر اس صورت مین بھی تعلیم کے اثر کو ہم دور ہرگز نہین کرسکتے۔ تہذیب مین غیر ملک کی تعلیم ایسی رنگ آمیزی پیدا کردیتی ہے کہ خیالات کی شکل و گرگون ہوجاتی ہے۔ ہم سرکار انگلشیہ کو الزام نہین دیتے کہ اُس نے ہماری تہذیب کو خراب کردیا ہم بجاے الزام دینے کے اُسکے ازبس شکر گزار ہین کہ اُس نے ہمکو خواب غفلت سے بیدار کیا اور ترقی کی راہ دکھلائی۔ ہمارے لئے جو بہتری کا سامان ہوسکتا ہے وہ صرف یہی ہے کہ ہم خود بھی اپنی آنکھون سے ہر چیز کے نقص و کمال کو دیکھین اور محض تقلید پر

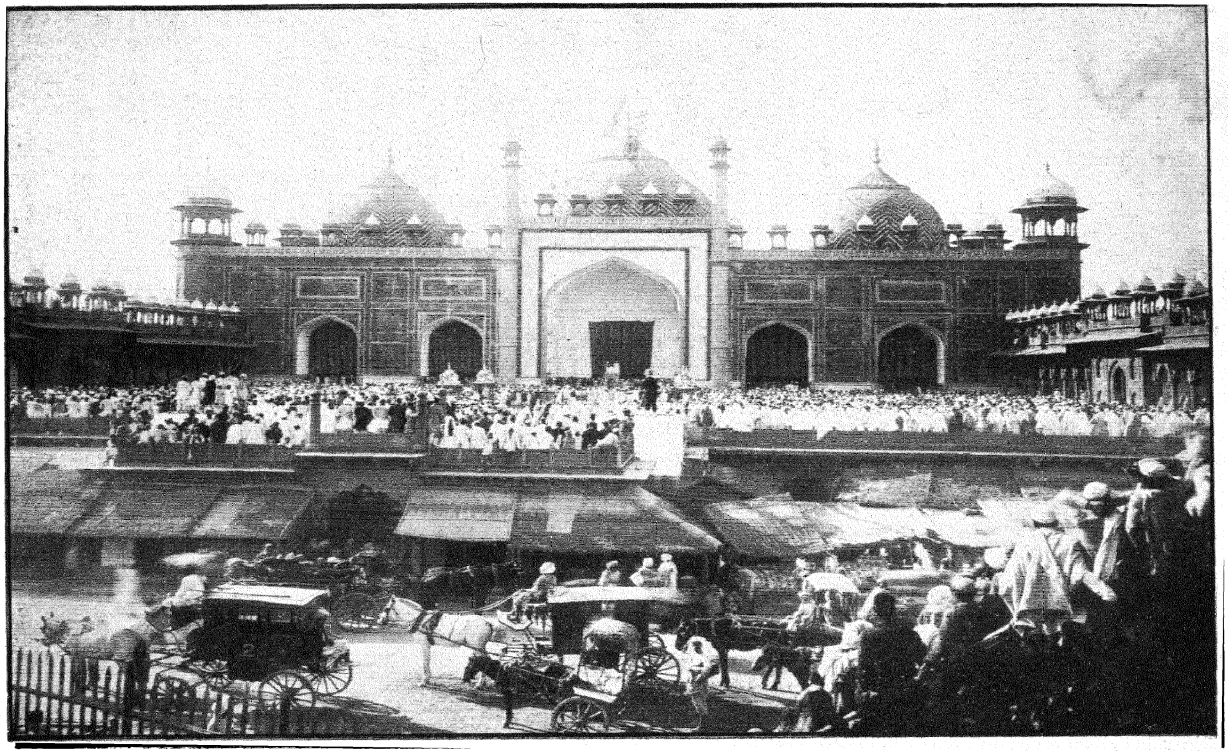

جامع مسجد آگرہ

الہ آباد پریس الہ آباد

انحصار نہ کریں - گورنمنٹ ہمارے لئے جو کچھ کر رہی ہے اُسکا اعتراف کریں اور اپنی ذاتی فضیلت اور دینی عظمت کو فخر سمجھیں - اس موقع پر یہ کہنا نامناسب نہوگا کہ بچّوں کی طبیعتیں مثل سفید کاغذ کے ہوتی ہیں اُنپر جو نقش قائم ہوجاتا ہے وہ عمر بھر باقی رہتا ہے اور اسکا اثر پشتہا پشت تک جاری رہتا ہے - اگر ہماری گورنمنٹ ہمارے اسکولوں میں درسی کتابوں میں ایسے مضامین کا اندراج فرمائے کہ بچّوں کو تہذیب اخلاق کا سبق ملے تو فی الواقع بہت مفید ثابت ہوگا - اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہندوستان ایسے پاکیزہ رو ملک میں ایسی ناجائز حرکتوں کا مہرشی سنتانوں سے سرزد ہونا نہایت مکروہ اور قابل افسوس ہے لیکن ہماری سوسائٹی کے لیڈر اگر لڑکوں کو مدرسوں کی تعلیم ہی پر نہ چھوڑیں اور خود بھی انکے نگران ہوکر انکے تہذیب اخلاق کی فکر کرتے رہیں تو بہت سی وقتیں رفع ہوسکتی ہیں - کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہماری قوم کے لیڈر کچھ ایثار نفسی کے ساتھ تعلیم میں گورنمنٹ کا ہاتھ بٹائیں اور لڑکوں کے رہنما ہوں اگر لیڈروں کو یہ خیال نہیں ہوسکتا تو انکا دعویٰ بھی میرے خیال میں غلط ہے کہ وہ لوگ لیڈر سمجھے جانے کے قابل ہیں -

قطعہ

خرم آنروز کزیں منزل ویران بروم راحت جان طلبم وز پے جانان بروم
بہوائے رخ او زندہ صفت نوش کنان تالب چشمۂ خورشید درخشان بروم

گنیشی لال ماتھر

جامع مسجد آگرہ

یہ مسجد قلعۂ آگرہ کے شمال مغرب جانب واقع ہے جسے شاہجہان کی پیاری بیٹی جہان آرا نے تعمیر کرایا تھا اور جسکی تیاری میں پورے پانچ سال صرف ہوئے تھے - اس تعمیر سے اُسکا نام "مسجد بیگم" پڑ گیا تھا جو عوام الناس میں عرصے تک مشہور رہا - اس مسجد کی تیاری میں پانچ لاکھ روپئے صرف ہوئے جو جہان آرا نے اپنے پاس سے دئے تھے - یہ پہلے "جہان آرا مسجد" کے نام سے مشہور تھی لیکن بعد کو اسکا نام "جامع مسجد" رکھدیا گیا جو اب تک مشہور ہے - شہر میں اس سے بڑی کوئی مسجد نہیں ہے - یہ سُرخ پتھر کی عمارت ہے جو نہایت وسیع اور عالیشان ہے - اسکے ساتھ ایک وسیع باغ بھی ہے جو ایک بلند چبوترے پر قائم ہے جسکی کرسی مشرقی صحن سے گیارہ فیٹ اونچی ہے - اصل مسجد باغ سے مغرب جانب ہے جو نہایت رفیع اور عظیم الشان ہے اسکا طول ایکسو تیس فیٹ ہے اور عرض ایکسو فیٹ، جو محرابوں کی دوہری قطار پر قائم ہے جنمیں سامنے کیطرف پانچ محرابی دروازے ہیں - اُنمیں ایک وسطی اور صدر دروازہ ہے اور اُسکے دونوں پہلوؤں میں دو دو اندرونی دروازے ہیں - عمارت کے چاروں کونوں پر بالائی جانب چار بڑے بُرج ہیں اور سامنے کیطرف چھوٹی چھوٹی مربع بُرجیوں کی قطار ہے - وسطی درجے کی چھت کے چاروں کونوں پر چار پتلے پتلے مینار ہیں جو ساری عمارت سے زیادہ بلند ہیں - عقب کیطرف چھت پر تین عالیشان گنبد ہیں جو نہایت نفیس اور نادر ہیں - انکی معماری میں نہایت عمدہ صناعی دکھائی گئی ہے اور سنگ خارا کے لہردار یا آڑے ترچھے ٹکڑوں کو سنگ مرمر کی چوڑی چوڑی پٹیوں اور باریک خطوط کے ساتھ پیوست کیا ہے - مشرقی پھاٹک اور حجرے جو بہت ہی خوشنما تھے ایام غدر میں مسمار کردئے گئے - کیونکہ یہ باغی فوج کیلئے مورچوں کا کام نہیں دے سکتے تھے جہاں سے قلعے پر گولہباری ہوسکتی جو اس مسجد کے سامنے ہی واقع ہے -

چند الہامی کلمات

(۲)

"عشق حقیقی"

پریم پریم سے ہوئے پریم سون پار ہی جیئے پریم بندھو سنسار پریم پر مار تھہ پیئے (سورداس)

(یعنی یہ کہ عشق سے عشق ہوتا ہے اور عشق ہی سے آدمی اس دُنیا سے پار ہوتا ہے عشق سے یہ جہان تبدہا ہوا ہے اور عشق ہی سے ابدی مرتبہ ملتا ہے)

عشق حقیقی پر لکھنے کے لئے قلم اُسی کو اُٹھانا چاہیئے جس نے عشق کا مزہ چکھا ہو عشق حقیقی کا نہین تو عشق مجازی ہی کا سہی - یہ وہ دریائے ذخّار ہے جسمین جس کسی نے غوطہ کھایا پھر باہر نہ آیا بچے عاشق مثل پروانے کے ہوتے ہین جو ایک بار جلکر پھر دوسری بار نہین جلتے ؎

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کان سوختہ را جان شد و آواز نیامد

عشق کی کہانی حقیقت مین ایسے ہی لوگ کہہ سکتے ہین مگر ایسے عُشّاق پھر دوبارہ دنیا مین اپنی کہانی کہنے کے لئے نہیں آتے ہین پھر سچّے عشق کی کہانی لکھی جاے تو کیونکر - گو سچّے عشق کی داستان سنانے والے چاہے وہ مجازی ہو یا حقیقی دہی لوگ ہو سکتے ہین جنکے جگر پر عشق کا خنجر کاری لگا ہے - مگر ایسے عُشّاق سے بھی یہ داستانین سُنی جا سکتی ہین جو اگرچہ عشق کا ذائقہ پوری طور سے لے رہے ہین مگر اس ذائقہ سے سیر ہونا نہین چاہتے بلکہ ہمیشہ ہی وہ ذائقہ لینا چاہتے ہین - ان سے اُتر کر وہ لوگ بھی کچھ کچھ عشق کی کہانی کہہ سکتے ہین جو اگرچہ عاشق نہین ہوئے ہین مگر جو شیلی طبیعت رکھتے ہین اور جو ہمیشہ خوبصورتی کے نظارون پر مرتے رہتے ہین گو نہ اُسقدر کہ جل بھُنکر خاک ہو جائین - ہمارے سوامی جی جنکے ارشادات ہم بیشتر لکھ چکے ہین ایسے عشق سے کسی مین بھی داخل نہ تھے تاہم عشق کی باتون سے وہ بیخبر بھی نہ تھے - اگرچہ وہ ایک سنیاسی تھے اور اسلئے اُن سے عشق کی باتون کا سُننا ایک حیرت خیز امر بھی ہو سکتا ہے مگر جو ارشادات اُنکے اس بارہ مین ہین وہ بھی کچھ کم حیرت افزا نہین ہین - اُنھون نے اپنے ارادتمندون سے مخاطب ہو کر جو کچھ عشق حقیقی پر کہا وہ سچّے عُشّاقِ خدا کے کلمات پر ہی فرمایا تھا چنانچہ سوامی جی کے ارشادات ذیل بیشتر مہرشی نارد کے بھگتی سوتروں پر مبنی ہین -

" خدا کے ساتھ انتہائی عشق کا نام بھگتی ہے اور یہ عشق حقیقی آبِحیات ہے جسکو پیکر آدمی کی پوری تشفی ہو جاتی ہے اور جسکے بعد اُسکو کسی نقصان کا افسوس نہین ہوتا اور نہ وہ کسی سے کبھی کوئی حسد کرتا ہے اور یہ وہ شراب ہے جسکے سرور مین وہ ہمیشہ متوالا رہتا ہے"

اسی خیال کو سندر داس نے اپنے ذیل کے سوئیے (सवैया) مین کیا خوب ظاہر کیا ہے -

پریم گیو پریشرسون تب بھول گیو سگرو گھر بارا
جیون اُنمت بھرے جت ہی تت ایک رہیو شریر بچھارا
سُواس اُساس اُٹھے سب روم چلے ورگ نیرا کھنڈت دھارا
سُندر کون کرے نو دھا بدھ چھاک پریو رس پی متوارا

پھر سوامی جی یون فرماتے ہین -

"خدا کا خیال کر کے بعض گریہ وزاری کرتے ہین بعض گاتے ہین بعض ہنستے ہین بعض ناچتے ہین بعض نہایت ہی تیز کی باتین کرتے ہین مگر یہ سب سوائے خدا کے اور کسی کا ذکر نہین کرتے۔

بھگتی یعنی عشق حقیقی کا یہ مقصد نہین ہوسکتا کہ وہ کسی خواہش کے پورا کرنے کے کام مین لائی جاے کیونکہ وہ خود ہی تمام خواہشات کی روک ہے۔ جب تمام خیالات تمام کلمات تمام افعال نذر خدا کر دئے جاتے ہین اور جب خدا کی طرف سے ذرا بھی فراموشی ہوجانے سے دل کو سخت بے چینی ہوتی ہے تب ہی جاننا چاہیے کہ عشق کا آغاز ہوا ہے۔ بھگتی کا سب سے بڑھا ہوا درجہ وہی ہے جب کسی بدلے کی خواہش باقی نہین رہتی کیونکہ بدلے کی ایسی خواہش انسانی محبت کا ایک خاصہ ہے۔

بھگتی کے تین اقسام ہین۔ ایک وہ جسمین حاجت ظاہر کیجاتی ہے اور مانگا جاتا ہے مگر دیا کچھ نہین جاتا۔ اس قسم کی بھگتی مین کوئی سچا پریم نہین ہوتا اور نہ اسمین بھگت کو ایشور کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ بھلا کبھی کسی گدا کو کسی شاہی دیوڑھی مین کبھی باریابی حاصل ہوئی ہے۔ ڈیوڑھی کے دربان ایسے بھکاری کو مار مار کر باہر نکال دیتے ہین۔ جو لوگ حاجتمند ہوکر کسیکے پاس جاتے ہین اُنکی جیسی کچھ عزت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ دوسری وہ جسمین کچھ دیا اور کچھ مانگا جاتا ہے۔ یہ بھی سچی بھگتی نہین بلکہ ایک تجارتی اصول کی بھگتی ہے۔ تیسری وہ جسمین معاوضہ کا کچھ بھی خیال نہین ہوتا۔ تن من دھن سب کچھ اُسکے نذر ہے مگر ہم اُس سے کچھ بھی نہین مانگتے۔ مثل پروانہ کے جو شمع پر قربان ہوجاتا ہے ہمین اپنے کو اُسپر نثار کر دینا چاہیے یہ آخری درجہ کی بھگتی ہے۔"

سریمد بھاگوت مین ایک جگہ یہ آیا ہے "اے راجہ بھگوان کے ایسے اچھے اوصاف ہین کہ مہاتما لوگ جنکو یہ سمجھ گیا ہے سچے عین الٰہی ہوجانے کی حالت مین آنند یعنی سرور دائمی حاصل ہوتا ہے اور جو تمام قیود سے چھوٹ گئے ہین وہ بھی بھگوان کے ساتھ محض اُنکی محبت کے لئے محبت کرتے ہین" ایسے لوگ شکر ہونا نہین چاہتے بلکہ شکر کا مزہ چکھنا چاہتے ہین۔

ہمارے ولون مین ایشور کی بھگتی کے خیالات کس طرح پیدا ہون اسکے متعلق سوامی جی یہ ارشاد فرماتے ہین۔

"خدا کی عنایت و رحم کے طالب ہو اور نیز ایسے لوگون کی صحبت طلب کرو جو اللہ والے ہین یہی دو طریقے خدا تک پہونچنے کے ہین جو اللہ والے ہین اُنکی صحبت کا ملنا بہت مشکل ہے۔ پانچ منٹ کی ایسی صحبت سے ساری زندگی کی کایا پلٹ ہوجاتی ہے اور اگر صدق دل سے تمہارے دل مین خواہش پیدا ہوگی تو ایسا شخص تمکو ضرور ملیگا۔ یہ اہل دل کچھ ایسی صفت کے آدمی ہوتے ہین کہ جہان وہ رہتے ہین وہ جگہ بھی اُنکے وجود سے پاک ہوجاتی ہے۔ وہ خدا ہی ہین اور اُنکے کلام وحی کا مرتبہ رکھتے ہین۔ ایسے سچے عشاق کے بہان۔ شرافت۔ دولت۔ خوبصورتی۔ علم ذات پات وغیرہ کا کوئی امتیاز نہین۔ تمام صحبت سے پرہیز کرو اور یہ میرا ہے یہ تیرا ہے ایسے تمام خیالات کو ترک کرو۔ کیونکہ خدا کا وصال اُنہین کو ہوتا ہے جو بالکل تارک الدنیا ہوجاتے ہین تمام دنیوی محبت کے بندھنون کو کاٹو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب نذر خدا کردو اور اسکا کوئی افسوس مت کرو۔ ایسی حالت مین مثل تیل کی دھار کے دل خدا سے لگ جاتا ہے اور اتنی فرصت نہین ملتی کہ دولت شہرت یا نام پیدا کرنیکا خیال پیدا ہو اور سوائے عشق خدا کے اور کوئی خیال باقی ہی نہین رہتا ایسی حالت جب ہوجاتی ہے تب ہی محبت کرنے کا وہ آنند حاصل ہوتا ہے جسکی کوئی انتہا نہین۔ اس عشق مین کوئی کمی نہین

ہوتی بلکہ وہ بڑھتا ہی جاتا ہے اور ہمیشہ نیا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اُس سے دل کبھی چھکتا نہین - تمام انانیت کا خیال جب دُور ہو جاتا ہے اور خودی مٹ جاتی ہے اور غصہ رنج خواہش وغیرہ سب کالعدم ہو جاتے ہین تب ہی جاننا چاہئے کہ سچے عشق کی نوبت پہونچ گئی ہے - اُسوقت بیساختہ زبان سے یہ نکلتا ہے کہ میری ہستی کچھ نہین ہستی ہے تو تیری اور مین تو ہی ہون"۔

ایسے سچے عشاق خدا ہندوؤن مین کیا زمانہ سلف اور کیا زمانہ حال مین کئی گذرے ہین - مثلاً ہنومان - برج کی گوپیان اور پرہلاد وغیرہ بھگتی تین قسم کی مانی گئی ہے - ایک وہ جس مین بھگت کا تعلق بھگوان کے ساتھ مثل ایک داس یعنی غلام کے ہے یعنی بھگت یہ کہتا ہے کہ مین تیرا خادم ہون - یہ بھگتی ہنومان جی کی تھی یہ ادنیٰ درجہ کی بھگتی ہے کیونکہ اسمین خوف کا خیال باقی رہتا ہے اور سچی بھگتی مین خوف مطلق نہ رہنا چاہئے اور یہی وجہ ہے کہ ہندوؤن مین ایشور کو کبھی دوست کرکے یا کبھی بیٹا کرکے بھی مانا گیا ہے - غرض اس خیال سے کہ خوف کے لئے مطلق گنجائش نہ رہے - دوسری وہ جسمین بھگت یہ کہتا ہے کہ مین تیرا ہون اور تو میرا ہے - ان دونون مین حسد کا خیال باقی رہتا ہے یہان رقابت ضرور رہتی ہے - ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ مین ہی سب سے بڑا خادم ثابت ہون اور نوازش بھی اُسکی میرے ہی اوپر رہے یا یہ کہ وہ میرا ہی رہے دوسرے کا نہین - تیسری قسم کی بھگتی وہ ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ "من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی" یعنی یہ کہ مین تو ہی ہون - چنانچہ روایت ہے کہ کسی پریمی یعنی عاشق نے اپنے پریتم یعنی معشوق کے دروازے پر پہونچکر دروازے کو کھٹ کھٹایا اور جب اندر سے آواز آئی کہ کون ہے تو اُسنے یہ جواب دیا کہ مین ہون مگر پھر کوئی جواب اندر سے نہ آیا - دوسری بار اُسنے پھر کھٹ کھٹایا اور اندر سے آواز آئی کہ کون ہے تو - اُسنے جواب دیا کہ اے پیارے مین تو ہی ہون - اسپر فوراً دروازہ کھل گیا -

عُشاقِ خدا اور خدا کے درمیان جو حالت پیدا ہوتی ہے اُسمین کبھی عین ہونے اور کبھی غیر ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے - جسوقت پرہلاد مراقبہ مین جاکر خدا کو اپنے مین جانتے تھے تو وہ مین اور تو کے خیال کو بھول کر اپنے اور خدا کے عین ہونے کے آنند مین ڈوب جاتے تھے مگر جو ہین وہ مین اور تو کے قید مین پھنسکر باہر نظر ڈالتے تھے تو اُنکو خدا کا جلوہ نظر آتا تھا جسکے وصف مین وہ فوراً اپنی زبان کو تر کرتے تھے - چنانچہ روایت ہے کہ جب پرہلاد کے سنگدل اور ظالم باپ نے اُنکو سخت اذیتین پہونچائین اور دریا مین پھینک دیا اور بڑے بڑے پہاڑون اور پتھرون سے اُنکو توپ دیا اُسوقت اُنہون نے خدا کی ایک ستایش کی تھی جو یہ ہے -

"مین سجدہ کرتا ہون تجھکو جو خداوند عالم ہے جو رحیم ہے کریم ہے اور جو برہمنون اور جانورون دونون پر یکسان مہربان ہے جو برہما ہوکر عالم کو پیدا کرتا ہے - وشنو ہوکر اُسکو قائم رکھتا ہے اور رودر یعنی شیو ہوکر اُسکو اپنے مین فنا کرتا ہے - سب تعریفین سزاوار ہین تجھکو جو تمام ملائک ونبات وانسان وحیوانات وطیور ونباتات وجمادات - پانی - آگ - ہوا اور آکاس بُو و خوشبو و آواز و قوت خیال وادراک وغیرہ وغیرہ کا اصلی جوہر ہے تو صرف انکا جوہر ہی نہین بلکہ تو ہی یہ سب کچھ ہے - یوگی تیرا ہی دھیان کرتے ہین - تو وہ ہے جسکا نہ کوئی نام ہے اور نہ شکل اور پھر تیرے ہزارون نام ہین اور ہزارون شکلین ہین تیری کوئی صفت نہین ہے بجز اسکے کہ تو ہی ایک حقیقت ہے جو ہے" اسقدر ستایش کرنے کے بعد پرہلاد خدا کے دھیان مین ڈوب کر یہ سوچنے لگے "وہ خداوند عالم جسکی مین بار بار ستایش کرتا ہون وہی ہر شے مین ہے چونکہ وہ سب مین سائر دوائر ہے اسلئے

وہ مجھ مین بھی ہے۔ نہین نہین وہ مین ہی ہون مجھ ہی سے سب چیزین ہین مین ہی وہ ازلی وابدی وغیر متغیر شے ہون جسکا نام آتما ہے مین ہی وہ ہون جسکو برہم یا پرش یا ایشور کے نام سے موسوم کرتے ہین"۔

جب پرہلاد کی حالت استغراق اس درجہ کو پہونچ گئی تو اُنہون نے یہ جانا کہ مین ہی خدا ہون اور کوئی دوسرا خیال وہان نرہا۔ جب وہ اس عالم مدہوشی سے جاگ کر ہوش مین آئے تو دیکھنے کیا ہین کہ جو پتھرون اور پہاڑون کے انبار اُنپر پڑے ہوئے تھے وہ سب اُنپر سے ہٹ کر الگ پڑے ہین اور اُنکے جسم کو ذرا بھی صدمہ نہین پہونچا ہے۔ وہ یہ حالت دیکھکر پھر خداوند حقیقی کو اپنے سے جُدا سمجھکر اُسکی توصیف اسطرح کرنے لگے "مین سجدہ کرتا ہون تجھکو اے خداوند عالم جو تمام اشیاء کا کیا کثیف اور کیا لطیف اور کیا پدید اور کیا ناپدید کا جوہر ہے اور جو تمام عالم کی روح ہے اور جو اس تمام موجودات کی علت ہو کر بھی پھر علت نہین ہے"۔

اوپر جو حالت بیان ہوئی یہ وہ حالت ہے جہان عارف و عاشق یعنی گیانی اور بھگت دونون مل جاتے ہین۔ گیانی تو حقیقت مین اپنے کو عین خدا ہی سمجھتے ہین اور بھگت عالم مدہوشی مین۔ ایسی حالت مین خدا کو ڈھونڈنے کے لئے ہمین کہین جانے کی ضرورت نہین۔ یہ خیال اُن لوگون کے نزدیک بہت ہولناک ہے جو خدا کو پردہ کے پیچھے یا کسی خاص مقام پر دیکھنے کی تمنا رکھتے ہین اور جو ڈھکا ہوا ہے اور کہین نظر نہین آتا ہے۔ واضح ہو کہ سوائے اگیان یعنی لاعلمی کے اور کوئی پردہ نہین ہے پردہ ہے تو اسی لاعلمی کا جو ہمکو خدا سے جدا کئے ہوئے ہے جسوقت عارف یا عاشق کو اپنے اور خدا کے ایک ہونے کا علم ہوا تو وہ اس دُنیا کو قید خانہ نہین خیال کرتا ہے۔ یہ دُنیا اُسکے لئے کھیل کی جگہ ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت مین وہی دُنیا اُسکے نزدیک بہشت ہے جو پہلے دوزخ سے بدتر تھی۔

ہندوؤن مین عشق و معرفت یعنی بھگتی اور گیان کا تنازعہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ کوئی معرفت کا معتقد ہے اور کوئی عشق کا۔ اسکے متعلق ہمارے سوامی جی نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے۔ "جن لوگون نے طریقۂ عشق ہی کو معرفت پر ترجیح دیکر اختیار کیا ہے اُنہین ایسے طریقہ اختیار کرنے دو کیونکہ آپ لوگون کو ہمیشہ یہ جاننا چاہئے کہ یہ جوش بھرے آدمی سچائی کیلئے آپ کی تعریف کی پروا نہین کرتے۔ اُنکی نگاہ مین خدا کوئی ایسی چیز ہے جسکو وہ چھو سکتے ہین دیکھ سکتے ہین سنتے ہین اور پیار کرتے ہین۔ وہ اُسکی تنقیح کرنا نہین چاہتے۔ آپ کا فلاسفر جو سب باتون کی تنقیح کرنا چاہتا ہے مثل اُس احمق کے ہے جو کسی خوبصورت تصویر یعنی مورت کو دیکھکر اُسکے ٹکڑے اسلئے کرنا چاہتا ہے کہ یہ معلوم ہو کہ وہ مورت کس چیز سے بنی ہوئی ہے۔ اگرچہ ہم جانتے ہین کہ فلاسفی یہ کہتی ہے کہ حقیقت مین ایک ہی ذات مطلق ہے جو تمام صفات و قیود و جسم کے خیال سے مبرا ہے تاہم ہمارے طبائع کا میلان کچھ کچھ مادی باتون کیطرف ہے۔ ایسی کسی چیز کیطرف جسکو ہم اپنے حیطۂ خیال مین لاسکین اور جسکے قدمون پر ہم اپنے جوش کا دریا بہا سکین اور اسکے لئے ایک شخصی خدا چاہئے۔ ایک عارف کے نزدیک خدا گیان اور آنند سروپ ہے یعنی وہ سراپا علم و سراپا سرور ہے لیکن ایک عاشق کے نزدیک وہ پریم سروپ یعنی عشق مجسم ہے جو سچے عشاق ہین اُنکو شخصی خدا کی نسبت ایسے کسی خیال کی پروا نہین ہوتی کہ وہ قادر مطلق ہے۔ رحیم مطلق ہے وغیرہ وغیرہ اُنکو جس بات کی پروا ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ مجسم عشق ہے۔ یہ ایک بڑا استدلال اُن لوگون کا ہے کہ وہ عشق کے لئے عشق کرنا چاہتے ہین۔ وہ عشق مین کسی بیوپار کو دخل نہین دیتے

یعنی یہ کہ وہ اپنی محبت کے بدلے مین کوئی معاوضہ نہین چاہتے دولت نہین چاہتے اولاد نہین چاہتے اُنکے نزدیک عشق ہی سب سے بڑا معاوضہ عشق کا ہے"

عشق حقیقی کو پہونچنے کے لئے دو راستے ہین ایک ویراگ یعنی ترک خواہشات اور دوسرا انوراگ یعنی طلب خواہشات - ویراگ یعنی ترک خواہشات کیا ہے حواس خمسہ کو خواہشات نفسانی سے ہٹاکر دل کو خدا کی محبت مین ڈبو دینا - اسکے یہ معنی ہین کہ جو نفس ہے وہ طرح طرح کی خواہشات مین لپٹا رہتا ہے اور ان خواہشات کے ساتھ اُسکو گہرا تعلق رہتا ہے - ان تمام محبتون سے دل کو ہٹاکر اُس سب سے بڑی اور اعلیٰ محبت مین جو صرف خدا کیلئے ہوتی ہے اپنے من کو پھنسانا چاہیے - یہ ویراگ یعنی ترک دل سے ہونا چاہئے اور نہ کہ محض عمل سے - یہ طریقہ گوشائین تلسی داس کا تھا -

دوسرا طریقہ جو انوراگ کا ہے اُسمین یہ ہدایت ہے کہ تم اپنی بیوی سے محبت کرو بچون سے محبت کرو - دوستون سے محبت کرو - تمام عالم سے محبت کرو - کیونکہ محبت ہی بڑی چیز ہے اور ان سب سے محبت کرنے مین خدا ہی کی محبت کا اظہار ہے اسلئے کہ تمہارے پیارے ہری کی جوت ان سب مین ہے اسطرح تم مین خود بخود وہ محبت پیدا ہو جائیگی جو خدا کے ساتھ ہونی چاہئے - ایسی حالت مین عاشق کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ باقی دوسری محبتین خود بخود مبدل بہ محبت خدا ہو جاتی ہین - نہ اسطرح کہ دوسرون کے ساتھ نفرت ہو جائے بلکہ اسطرح کہ محبت انہائے جنس اور محبت خدا کے درمیان کوئی تمیز باقی نہین رہتی ہے - یہ طریقہ مہاتما سُورداس کا تھا جنکا ایک شعر ہے اس مضمون کے عنوان پر درج کیا ہے - یہ طریقہ آسان تر ہے - اور زیادہ مقبول ہے -

پدرھو لال

رہنمایانِ ہند

رہنمایانِ ہند کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھکو وہ ازمنۂ قدیم یاد آتے ہین جنکی یادگارین تاریخ نے نہین قائم کین - اور جنکو سلف کے تاریک پردہ سے واقعات کو باہر لانیکی کوشش کرنی ہین - اور کامیاب نہین ہوتین - ایسے بزرگون کی تعداد ہمارے ملک مین بیشمار ہے - کیونکہ مدتہاے دراز سے ہمارے دیس کی خاک پاک سے اہل کمال پیدا ہوتے چلے آئے ہین اسلئے آج ہین اُنمین سے چند ایسے ممتاز مہاتماؤن کے حالات بیان کرنگا جنہون نے وقت کے صفحہ پر اپنی مہرین ثبت کردی ہین - سب سے پہلے مجھے اپنی قدیم کتابون کے متعلق چند باتین کہنا ہین - ہماری کتابون مین صداقت کے دو معیار پائے جاتے ہین - اوّل وہ جسے ازلی کہتے ہین اور جو زمان اور مکان کی قید سے آزاد ہے - اور دوسرا اگرچہ ایسا اہم نہین ہے - مگر خاص خاص حالتون - مکانون اور زمانون مین ویسا ہی حکم رکھتا ہے - قسم اوّل کی صداقتین جو روح اور پرماتما کی ماہیت - اور آتما اور پرماتما کے درمیان تعلقات سے بحث کرتی ہین وہ سُرتیون مین درج ہین جنہین وید کہتے ہین - قسم دویم کو سمرتی کہتے ہین - جسکی تفصیل منو - یاگ بلک اور دوسرے رشیون کی تصانیف مین پائی جاتی ہے - حیاتِ انسانی کے مقاصد وانجام کے بنیادی اصول ویدون مین بیان کردئے گئے ہین -

اور اُنکی تشریح و تفصیل سمرتیون اور پُرانون کے لئے چھوڑ دی گئی ہے - زندگی کے لئے عام اصول سُرتیون مین کافی طور پر موجود ہین - روحانیت کے متعلق نہ اُس سے زیادہ کوئی کہہ سکتا ہے اور نہ جان سکتا ہے - وہ تمام ہدایتین جو روح کو عرفان تک پہونچانے کے لئے لازم ہین سُرتیون مین تکمیل کو پہونچا دیگئی ہین صرف تفصیلین باقی رہ گئی تھین - اور یہ کمی وقتاً فوقتاً سمرتیون کے ذات سے پوری ہوتی رہتی ہے - دوسری خصوصیت سُرتیون کی یہ ہے کہ جن ارباب کمال نے اُسے جامہ وجود پہنایا اُنکا اُنمین کہین ذکر نہین آتا - اُنمین سے بیشتر مرد اور بعض عورتین بھی ہین - مگر اُنکی ذاتیات - اُنکی پیدایش اور سوانح پر وہ خفا مین مستور ہین لیکن اُنکے بہترین گوہر خیالات - اُنکی بہترین تحقیقاتین سب ہمارے مقدس ویدون مین محفوظ ہین - اسکے برعکس سمرتیون مین شخصیتین زیادہ نمایان ہین - بڑے بڑے اہل کمال جو اپنی طاقت سے دُنیا کو ہلا سکتے تھے - اور قوانین فطرت کو بھی پلٹ دیتے تھے - وہ پہلی بار ہماری نگاہون کے سامنے آتے ہین - اُنکے ذاتی فضائل بعض اوقات اُنکی تلقینات پر بھی غالب آجاتے ہین -

ہمارے مذہب مین نرگن پرماتما اور سگُن پرماتما کی یکسان تعلیم دی گئی ہے - لیکن سُرتیان جو ہمارے مذہب کی دیوارین ہین شخصیت سے پاک ہین یعنی وہ نرگن پرماتما کی تعلیم دیتی ہین - دیوتا اور اوتار اور رشی ہمکو سمرتیون اور پُرانون ہی مین نظر آتے ہین اور یہ بھی واضح رہے کہ سوا ہمارے مذہب کے دُنیا کے کُل دیگر مذاہب اپنے بانی یا بانیون کی ذات اور شخصیت پر قائم ہین ....

.....

..... اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان مذاہب مین اُنکے بانیون کے ذاتیات اور سوانحات کے متعلق تاریخی شہادتون پر خوب تحقیق ہوتی ہین - اگر کسی وقت یہ تاریخی شہادتین کمزور پڑ جائین تو ان مذاہب کی ساری عمارت معرض خطر مین آجائیگی - ہم ان خطرون سے آزاد ہین - ہمارا راستہ ان خندقون اور غارون سے پاک ہے - کیونکہ ہمارا مذہب شخصیون پر نہین بلکہ اصولون پر قائم ہے - ہم اپنے مذہب کی پیروی اسلئے نہین کرتے کہ اُسکا بانی کوئی شی یا کوئی اوتار ہے - سری کرشن ویدون کی سند نہین ہین - بلکہ ویدہی اُنکی سند ہین - اُنکی عظمت صرف اسلئے ہے کہ وہ وید کی تعلیم دینے والے تمام رشیون مین سب سے زیادہ مقبول اور ممتاز ہین - دوسرے اوتارون اور رشیون کا بھی یہی حال ہے - ہمارا پہلا اصول یہ ہے کہ انسان کی تکمیل اور تزئین - اور حصول نجات کے لئے جن ہدایات کی ضرورت ہے وہ سب ویدون مین موجود ہین - اُن پر ایزاد یا اضافہ کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے - مذہبی تعلیم اُسوقت درجۂ انتہا کو پہونچ گئی جب ویدون نے مسئلہ "تت توم اسی" پر روشنی ڈالی - اب صرف انسان کو وقتاً فوقتاً زمان و مکان حالات اور الفاظ کے مطابق رہنمائی کرنے کی ضرورت باقی رہگئی - یہ بڑے بڑے صاحب کمال رشی اسی لئے مبعوث ہوئے کہ انسان کو قدیم راستہ سے منحرف نہونے دین - اور بھولے بھٹکون کو سیدھے راستے پر لگائین - اسی نکتہ کو سری کرشن بھگوان نے بھگوت گیتا مین بڑی صفائی سے بیان فرمایا ہے -

"جب نیکی کا زوال ہوتا ہے - اور بدی غالب آجاتی ہے تو مین نیکی کی محافظت کے لئے اوتار لیتا ہون"

پس ایک طرف تو یہ ازلی اصول ہین - جنکی بنیادین پہاڑون سے زیادہ مستحکم ہین - اور جنہین کسی رشی کی خواہ وہ کیسا ہی کامل ہو - یا کسی اوتار کی خواہ وہ کیسا ہی عظیم الشان ہو - سہارے کی مطلق ضرورت نہین - حتّٰی کہ وہ دلیل اور مباحث کے قیود سے

بھی آزاد ہیں۔ اسی بنیاد پر ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف ویدانت ہی دُنیا کا عام مذہب ہو سکتا ہے۔ بلکہ اسوقت بھی اُسے یہ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ وہ اصولوں کی تعلیم دیتا ہے۔ نہ کہ شخصوں کی۔ کوئی مذہب جسکی جڑ شخصیت پر قائم ہو کُل اقوام دنیا میں مقبول نہیں ہو سکتا۔ تجربہ شاہد ہے کہ ایک ہی شہر کے باشندے وہاں کے سربرآوردگان میں مختلف اشخاص سے عقیدت رکھتے ہیں پھر کرونکر ممکن ہے کہ ایک ہی شخص یا ایک ہی پیمبر کے ساتھ ساری دُنیا کو عقیدت ہو جاوے۔ یہی نہیں بلکہ اخلاق اور روحانیت اور معاشرت پر اُسی ایک شخص کا قول سند سمجھا جاوے۔ ہمارے ویدانت مت کے لئے ایسے شخصی شہادت کی مطلق ضرورت نہیں۔ اُسکی سند انسان کی فطرت ہے۔ اور اُسکے اخلاقی اصول انسان کی روحانی حقیقت پر مبنی ہیں۔

مگر اسکے ساتھ ہی زمانۂ قدیم سے ہمارے رشیوں پر یہ امر روشن تھا کہ بنی نوع انسان کے ایک معتد بہ حصہ کے لئے شخصیت کی ضرورت ہے۔ اُنکے لئے کسی نہ کسی صورت میں سگُن پرماتما کا ہونا ضروری ہے۔ خود بُدھ بھگوان کو جنہوں نے سگُن پرماتما کے وجود سے انکار کر دیا تھا اُنکے عقیدتمندوں نے اُنکی وفات کے پچاس ہی برس بعد سگُن ایشور مان لیا۔ اس سے واضح ہوا کہ دنیا میں سگُن پرماتما کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ مگر ایسے پرماتما کا خیالی معیار قائم کرنا انسان کے دائرہ تخیل سے بہت ارفع ہے۔ ہاں کبھی کبھی اسی دُنیا میں ایسی پاک روحیں پیدا ہو جاتی ہیں جنکی عظمت کو پہونچنا ہمارے خیالی معیاروں کے لئے غیر ممکن ہے۔ یہ لوگ بمقابلہ کسی فرضی یا خیالی پرماتما کے جسے ہمارے تخیل نے بنایا ہو بدرجہا قابل پرستش ہوتے ہیں۔ سری کرشن بھگوان پرماتما کے اُس خیالی معیار سے کہیں زیادہ بزرگ اور برتر ہیں جو ہم یا آپ قائم کر سکتے ہیں۔ بُدھ بھگوان اُن بلندیوں سے بدرجہا عالی اور برتر ہیں جہاں تک ہمارا طائر فکر پہونچ سکتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں کے روبرو ساری دُنیا سر عقیدت خم کرتی ہے۔ ہمارے رشیوں کو یہ خاصۂ انسانی معلوم تھا۔ اور اسی لئے اُنہوں نے ہمکو ان پاک روحوں کی پرستش کرنے کی پوری آزادی دیدی۔ کرشن بھگوان خود فرماتے ہیں۔

"جب کبھی کسی آدمی میں غیر معمولی روحانی طاقت کا جلوہ دیکھو تو یقین کر لو کہ میں وہاں موجود ہوں۔ وہ طاقت میرے ہی وجود کا مظہر ہے۔"

اس لحاظ سے ہندو دُنیا کے سب اوتار وں کی پرستش کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ ہندو دنیا کے ہر ایک نبی اور ہر ایک پیغمبر کی پرستش کر سکتا ہے۔ ہمارا مذہب عام ہے۔ وہ اسقدر جامع اور وسیع ہے کہ اُسمیں عظمت کے سبھی معیار شامل ہیں۔ ویدانت کے سینۂ بے پایاں میں دنیا کے تمام موجودہ مذاہب کے لئے جگہ موجود ہے۔ اور آیندہ بھی جو مذاہب وجود پذیر ہونگے اُنہیں بھی اپنا جزو بنانے کے لئے ویدانت تیار رہیگا۔

دُنیا کی ارواح عالیہ۔ یا پرماتما کے اوتاروں کے متعلق میرے یہی خیال ہیں۔ ان اوتاروں کے علاوہ درجۂ دوم کے بزرگ بھی ہوتے آئے ہیں۔ انہیں رشی کہتے ہیں۔ ہمکو ویدوں میں لفظ "رشی" بار بار ملتا ہے۔ اور آجکل یہ بہت ہی عام لفظ ہو گیا ہے۔ رُشی کے معنی ہیں خیالات کا جاننے والا۔ روشن ضمیر۔ عالم اسباب ہمکو روح اور پرماتما کے وجود۔ حیات ابدی۔ مقصد زندگی اور ایسے ہی دیگر مسائل کے متعلق کچھ نہیں بتلا سکتا۔ وہ ہمیشہ حالت تعین میں رہتا ہے۔ وہ محدود۔ اور اجزا میں منتشر ہے۔ پس وہ غیر فانی۔ ازلی پرماتما سے کیونکر بحث کر سکتا ہے یہ امر ناممکن

ہے - ایسی حالت مین وہ دست گیان جس سے وید لبریز ہو رہے ہین کیونکر پیدا ہوا - جواب یہ ہے کہ رشیون کی برکت اور وسیلے سے - یہ گیان حواس ظاہر مین مضمر نہین ہے - بلکہ وجود انسانی کی علت غائی ہے - حواس ظاہر ہرگز انسان کا جوہر نہین - ہماری ہی زندگی مین جب ہماری آنکھون کے سامنے ہمارا کوئی عزیز اس جہان سے اُٹھ جاتا ہے - یا جب ہمارے دل پر اور کوئی آفت نازل ہوتی ہے - تو ہمارے دلون پر ایک عالم سکون طاری ہو جاتا ہے - ایسے ہی اور بھی موقع آتے ہین جبکہ ہمارا دل ایک لمحہ کے لئے اپنی حقیقت محسوس کرتا ہے - اور اُسے نور تجلی کی ایک جھلک سی نظر آجاتی ہے - رشی کا درجہ حاصل کرنے کے لئے انہین حواس کے تزکیہ اور تکمیل کی ضرورت ہے - ہندوؤن کو زمانہ قدیم سے معلوم تھا کہ روح حواس ظاہر یا ادراک کے احاطہ مین محدود ہین - ادراک ہمارے وجود کے سلسلہ بے پایان کی ایک کڑی ہے - ادراک ہماری ہستی کا ایک جزو ضعیف ہے - ارباب کمال میدان ادراک سے آگے بڑھنے کے لئے کمر ہمت باندھتے ہین - ادراک تو حواس ظاہر کے حلقہ مین گھرا ہوا ہے - انسان کو حقائق معرفت کا گیان حاصل کرنے کے لئے اس عالم ادراک - اس احاطہ حواس سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے - اور ہند مین آج بھی ایسے لوگ موجود ہین جو حواس کے گھیرے سے باہر نکلنے مین کامیاب ہو جاتے ہین - انہین کو رشی کہتے ہین - کیونکہ وہ روحانی حقائق کو نگاہ باطن سے دیکھتے ہین -

ہندوستان کی خاک سے بڑے بڑے رشی اور مہاتما کے اوتار اُٹھ چکے ہین جنھین بالخصوص دو اوتارون کی گھر گھر پرستش کی جاتی ہے - رام اور کرشن - رام جو صداقت اور اخلاق مجسم تھے - جو بیٹے شوہر - باپ - اور فرمانروا ے قوم کے اعلیٰ نمونہ اور بہترین مثال تھے - انکے گن رشی والمیک نے گائے ہین - اُس سے زیادہ پاکیزہ اور روشن - فصیح اور سلیس کوئی انداز بیان نہین ہو سکتا جو اس مخترشعرے روزگار نے سری رام کے بھینٹ کیا ہے - اور مہارانی سیتا کا کن الفاظ مین ذکر کیا جاے - ساری دُنیا کی داستان ہاے پارینہ کا مطالعہ کر جاؤ - مگر تمہین دوسری سیتا ہرگز نہ ملیگی - اور مین تمہین یقین دلاتا ہون کہ آنیوالے زمانہ مین بھی شعرا کے دماغ اور قلم تمہارے سامنے کوئی ایسی مثال ہرگز نہ پیش کر سکینگے - سیتا یگانہ روزگار ہے - رام شاید کئی ہو گذرے ہین - مگر سیتا واحد ہے - اُسکا کوئی جواب نہین - ایک کامل ہندوستانی عورت مین جو اوصاف ہونے چاہئین وہ سب سیتا کی ذات مین مجتمع ہو گئے ہین - اور سارے بھارت ورش مین آج ہزارون برسون سے اس دیوی کی ہر فرد و زن اور بچہ پرستش کرتا چلا آتا ہے - یہ شاندار سیتا - یہ پاکیزگی سے بھی زیادہ پاک سیتا - یہ صبر اور حلم کی مورت ہمیشہ ہماری دیوی بنی رہیگی - وہ جسنے زندگی کی کڑی مصیبتین جھیلین - اور چہرہ پر میل نہ آنے دیا - وہ عفت اور عصمت کی تصویر - وہ خلق اللہ کی دیوی - وہ دیوتاؤن کی ماتا - اسے ہم ابد تک اپنی قومی دیوی مانتے رہینگے - اُنکے کمالات سے ہم سب واقف ہین - اور اُنکے اعادہ کی یہان ضرورت نہین ہے - ہماری تمام پُرانی کتابین مٹ جائین - ہماری وید صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائین - اور سنسکرت زبان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے - لیکن جبتک دنیا مین پانچ ذی روح بھی ہندوؤن کے نام لیوا باقی رہینگے اسوقت تک مہارانی سیتا کا نام برقرار رہیگا -

اب ہم اُس مہاتما کا ذکر کرتے ہین جسکی اُپاسنا مختلف صورتون مین کیجاتی ہے - جو ہر مرد و زن اور برنا و پیر کا پیارا دیوتا ہے

یہ اِمطلب اُس بزرگ سے ہے جسکی نسبت سری بیاس جی فرماتے ہین "دوسرے اوتارون مین پرماتما کے کچھ انش پائے جاتے ہین - مگر مہاراج سری کرشن شاکشات ایشور تھے" اُنکے کمالات کی وسعت ہماری عقل کو حیرت مین ڈالدیتی ہے - وہ اعلیٰ درجہ کے سنیاسی - اور اسی کے ساتھ اپنے فرائض کے پابند گرہست بھی تھے - اُنکی ذات مین بے انتہا مادی قوت کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز ترک اور استغنا کا اتصال ہوگیا تھا - اُنکے حالات کی حقیقت ہماری سمجھ مین نہین آسکتی تاوقتیکہ ہم بھگوت گیتا کے رموز و نکات کو بخوبی نہ سمجھ جائین - کیونکہ وہ اپنی ہی تلقینات کی مشکل مجسم تھے - اُنہین اپنی ہدایات کا زندہ مثال کہہ سکتے ہین - ترک کی اس سے اعلیٰ مثال نہین ملسکتی - کیسا غنی دل ہے - دوارکا کو تخت اور تاج ہٹتا پھرتا ہے - مگر خود اسکی مطلق ہوس نہین - وہ جسکے ابرو کے اشارے سے سلطنتین بنتی اور بگڑتی تھین خود وہی آزاد - بے لوث اور غریب کرشن ہین جو گوپیون سے بہار کیا کرتے تھے - غور کیجئے - اُنکی زندگی کا کیسا حیرت انگیز پہلو ہے - جہان ہم ضعیف انسانون کی سمجھ نہین پہونچ سکتی - اور جسے سمجھنے کی کوشش کرنا ہمارے لئے بالکل بیکار ہے جبتک کہ ہم کامل طور پر پاک اور صاف نہو جائین - وہ محیط کل محبت کی کتھا - اور وسیع پریم کی کہانی - وہ بندرابن کی گلیون اور لب جمنا کے کنجون اور سایہ دار درختون کے تمگھٹے ہماری سمجھ مین نہین آسکتے جبتک کہ ہم شراب محبت سے متوالے نہو جائین - کون گوپیون کے ہجر و مفارقت کے صدمہ کا اندازہ کرسکتا ہے - محبت اُنکی جان و ایمان تھی - وہ محبت جو کسی چیز کی محتاج نہین - وہ محبت جو بہشت کی بھی پروا نہین کرتی - وہ محبت جو کونین کی نعمتون سے مستغنی ہے - اُنھین اسکی مطلق پروا نہین کہ کرشن خالق کونین ہین - وہ صرف اتنا جانتی ہین کہ اُنکی ذات محبت بے پایان ہے - وہ کرشن کو بندرابن کے کھلاڑی کرشن کے سوا اور کچھ نہین سمجھتین - وہ کرشن جو راجون کے مہاراجہ - اور فوجون کے سردار تھے - وہ گوپیون کی نگاہ مین سدا گوالے ہی بنے رہے - یہ محبت کا اعلیٰ معیار - محبت صرف محبت کی غرض سے - کام صرف کام کی غرض سے - فرض صرف فرض کی غرض سے - پہلی بار ایشور کے سب سے بڑے اوتار مہاراج کرشن کی زبان سے سرزمین ہند مین پیدا ہوا - اور اُسے دنیا کی تاریخ مذاہب مین ایک قابل یادگار واقعہ سمجھنا چاہئے - اس معیار نے خوف اور دھمکیون کے مذہب کا خاتمہ کردیا - کیسی عالمگیر - کیسی محیط کل محبت ہے - مین ابھی کہہ چکا ہون کہ گوپیون کی محبت کی تہ تک پہونچنا بہت مشکل ہے - اور ہم مین ایسے بنجیرون کی کمی نہین ہے جو اس حیرت انگیز داستان الفت کے معنی اور اسرار سمجھنے سے قاصر ہین - بلکہ ہم مین کچھ ایسی پلید روحین بھی ہین جو اسمین کچھ اور ہی معنی پنہاکر اپنی روحانی غلاظت کا ثبوت دیتی ہین - ان لوگون سے مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ پہلے اپنے نفس کو پاک کرو - اور یاد رکھو کہ جسنے یہ پریم کہانی لکھی ہے وہ بیاس رشی کا فرزند سکھ دیو ہے - جسکی ذات دنیا کی تحریصات سے پاک تھی - اور جسکے دل پر گناہ کا کبھی اثر نہین ہوا - جبتک کہ تمہارے دل مین غرض کی بو موجود ہے تم پرماتما سے لو نہین لگاسکتے - غرضمندانہ عبادت تو لین دین ہے - جبتک ہمارے دل مین غرضمندانہ خیالات بھرے ہون کیونکر ممکن ہے کہ ہم گوپیون کی دیوانگی اور مدہوشی کے معنی سمجھ سکین - پیارو! پہلے مال و زر - نام و نمود اور دنیا کا خیال دل سے نکال ڈالو - تب گوپیون کا عشق تمہارے سمجھ مین آئیگا - وہ عشق اسقدر لطیف تھا کہ تم بغیر دُنیا سے دل ہٹائے اُسکا لطف نہین اُٹھاسکتے

اور ایسا پاکیزہ کہ جبتک وہ دل پاک نہو جائے خیال مین بھی نہین آسکتا۔ یہ ہے کہ وہ لوگ جنکے دل حرص اور ہوس کے تخمۂ عشق بنے ہوئے ہین گوپیون کے پریم کو سمجھے اور اُسمین معنی چڑھانے کی کوشش کرتے ہین۔ یہی پریم کرشن کے اوتار کا زیور اور سنگار ہے۔ اس مدہوشی کے مقابلہ مین گیتا کی تلقینات بھی نہین ٹھہرتین۔ گیتا مین جگیاسو کو منزل مقصود تک پہونچنے کا راستہ بتلایا گیا ہے۔ لیکن وہ مدہوشی - وہ محبت کی دیوانگی - جہان گرد اور شیش - عالم اور علم سب ایک ہو جاتے ہین - بجائے خود منزل مقصود ہے۔ جہان عذاب و ثواب - نیک و بد کسی کا وجود نہین باقی رہتا سب حس و خیال مٹ جاتا ہے اور صرف بیخبری باقی رہجاتی ہے۔ جب عاشق پر یہ مستی - اور خود فراموشی کی کیفیت آجاتی ہے تب اُسے ہر چہار طرف کرشن ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اُسکی صورت کرشن سے مل جاتی ہے۔ اور اُسکی آتما کرشن کے رنگ مین رنگ جاتی ہے۔ یہ مہاتما کرشن کی عظمت ہے۔ ذرا ذرا سی باتون پر تضیع اوقات مت کرو۔ بلکہ زندگی کے اصول اور اُسکے جوہر باطنی پر نگاہ رکھو۔

ممکن ہے کہ کرشن کے حالات مین تمکو بہت سی باتین قرین قیاس نہ معلوم ہون۔ اور شاید تاریخی شبہات بھی کہین کہین پیدا ہون۔ مگر مذہب اور زندگی کے اس نئے معیار کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہوگی۔ کسی دوسرے پیغمبر یا نبی کی زندگی کا مطالعہ کیجئے۔ وہ اپنے زمانہ کے خیالات و تمدن کا مظہر نظر آتا ہے۔ اور اُنہین خیالات کی اشاعت کرتا ہے جو اسکے ملک مین اُسوقت عوام کے دلون مین پیدا ہونے لگے تھے۔ حتیٰ کہ اس نبی یا پیغمبر کے وجود پر بھی شک کرنیوالے لوگ نکل آتے ہین۔ لیکن کون ایسا شخص ہے جو انکار کرسکے کہ زندگی اور مذہب کا یہ رفیع معیار یعنی کام کی غرض سے۔ محبت محبت کی غرض سے۔ فرض فرض کی غرض سے۔ کرشن کی ذات پاک سے وجود مین نہین آئے۔ اُنکا موجد ضرور کوئی نہ کوئی ہوگا۔ کرشن کے زمانۂ طفولیت تک یہ معیار زندگی صفحۂ دنیا پر معدوم تھا۔ مہاراج کرشن نے پہلی بار انکی تلقین کی۔ اور اُنکے شاگرد بیاس رشی نے ان خیالات کو دنیا پر روشن کردیا۔ بندرابن کے گوال بنس والے کرشن گوپیون کے ساتھ بچرنیوالے کرشن اس اوتار کی روح ہین جب وہ بیخبری ہمپر طاری ہوجائیگی۔ جب ہم مبارک گوپیون کے رازِ الفت سمجھ جائینگے۔ تب محبت کی حقیقت ہم پر روشن ہوگی۔ جب تمہاری نظرون مین ساری دنیا مٹ جائیگی۔ جب تمہارا باطن صاف اور بے غرض ہوجائیگا۔ حتیٰ کہ تمکو تلاش حقیقت کی بھی خبر نہ رہیگی تب اور تب ہی تمپر اس محبت کی دیوانگی کا غلبہ ہوگا۔

اب اس سے کمتر درجہ کے گیتا والے کرشن کو لیجئے۔ ہم مین سے اکثر لوگون کا خیال ہے کہ کرشن کا گوپیون کے عشق مین سرشار ہونا کسیقدر معیوب سا معلوم ہوتا ہے۔ اور علمائے یورپ اسے پسندیدہ نگاہون سے نہین دیکھتے۔ ڈاکٹر فلان اور فلان نے اسپر اعتراض کیا ہے۔ اسلئے گوپیون کا ذکر نہ کیجئے۔ بغیر یوروپین علما کی سند کے ہم اس واقعہ کو کیونکر صحیح تسلیم کرسکتے ہین۔ مہابھارت مین بجز دو ایک موقعون کے گوپیون کا ذکر کہین نہین آیا۔ اور وہ بھی واضح طور پر نہین۔ دروپدی کی پرارتھنا مین چند الفاظ مین بندرابن کا ذکر آگیا ہے۔ اور سبھا پال کی تقریر مین بھی ایک جگہہ بندرابن کا نام ملتا ہے۔ مگر یقیناً یہ سب حریفون کی کارستانیان ہین۔ جو فضلاء یوروپ نہین مانتے۔ اُسکی قطع و برید کردینا چاہئے۔ حیف ہے کہ ایسے لوگ جو ہیولیٰ مین ڈوبے ہوئے ہین۔ جنکا معیار مذہب بھی

تجارت کے اثر سے محفوظ نہیں ہے۔ جو اس دنیا میں نیک کام کرکے بہشت میں جانیکی آرزو رکھتے ہیں وہ گویوں کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس محبتِ کُل کرشن سے قطع نظر کرکے ہم گیتا کے مصنف کرشن کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس حیثیت میں بھی وہ ذات عالی انتہائے کمال پر پہونچی ہوئی ہے۔ گیتا سے بہتر اسرار حقیقت کی تصنیف نہیں کی گئی۔ اور نہ کیجا سکتی ہے۔ سُرتیون اور اُپنشدون کے مفسر اس کثرت سے گذرے ہیں کہ پردۂ ابر میں ماہتاب تک نگاہ کا پہونچنا غیر ممکن سا ہوگیا ہے۔ ہر مفسر اپنے ہی خیالات کے موافق تفسیر کرتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ ذات برحق جس سے سُرتیون کا وجود ہوا خود گیتا کے معلّم کی حیثیت سے دنیا میں جنم لیتا ہے۔ اور اصلی معنی ہیر روشن کرتا ہے۔ تعجب ہے کہ زمانۂ مابعد کے مفسر بھی گیتا کی تشریح کرتے ہیں اکثر اُسکے مفہوم اور موضوع تک نہیں پہونچ سکتے۔ گیتا میں کچھ اور لکھا ہے۔ اور یہ زمانہ حال کے ٹیکا کار کچھ اور کہتے ہیں۔ ایک "ادویت" مت کا پیرو کسی اُپنشد کی تشریح کرنے بیٹھتا ہے۔ اور اُسے جتنا اسلوک "دویت" خیال کے ملتے ہیں۔ ان سبھوں کو توڑ مروڑ کر اپنے ہی خیال کے موافق معنی اخذ کرلیتا ہے۔ علیٰ ہذا "دویت" عقیدہ کا عالم ادویت خیال کے اسلوکوں کو مسخ کرکے اپنے رنگ میں ڈھال لیتا ہے۔ مگر گیتا میں سارے نکتے آئینے کی طرح روشن کردئے گئے ہیں۔ اور اُسکا لُب لباب چند الفاظ میں یہ ہے کہ روح انسانی بتدریج قدم بہ قدم کثیف سے لطیف۔ اور لطیف سے لطیف تر مدارج پر پہونچتی ہوئی بالآخر ذات مطلق میں وصل ہوجاتی ہے۔ کرم[1] کانڈ سے بھی بحث کی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ بلا اخلوص قلب کے وہ ذریعۂ نجات نہیں ہوسکتا۔ مورتی پوجن۔ اور مراسم دینی جائز تسلیم کئے گئے ہیں۔ صرف صفائی قلب درکار ہے۔ عبادت اُسی حالت میں وسیلۂ نجات ہوسکتی ہے جبکہ باطن صداقت سے معمور۔ اور دل کثافت سے دُور ہو۔ عبادت کے مختلف طریقے۔ مختلف اُپاسنائیں بھی ضروری ہیں ورنہ اُنکا وجود ہی نہوتا۔ ہماری نئی روشنی کے اکثر نوجوان خیال کرتے ہیں کہ یہ مختلف فرقے اور مذاہب غرضمندوں اور سکارون نے دُنیا کمانے کے لئے بنا رکھے ہیں۔ اُنکا یہ خیال بادی النظر میں کیسا ہی صحیح نظر آتا ہو مگر واقعیت کے برعکس ہے۔ فرقے اور مذاہب کی ابتدا یوں نہیں ہوئی۔ وہ سب روح انسانی کے رجحانات کے نتیجے ہیں۔ وہ سب دنیا کے مختلف طبائع کی تسکین و تشفی کرنیوالے ہیں۔ اور تمہیں ان میں عیب ڈھونڈھنے کی ہرگز کوشش نہ کرنی چاہیے۔ جس دن اُنکی ضرورت باقی نہ رہیگی وہ خود بخود صفحۂ ہستی سے مٹ جائینگے۔ مگر جبتک اُنکی ضرورت رہیگی وہ ضرور قائم رہینگے۔ خواہ تم اُنکی کتنی ہی مخالفت کرو۔ اور کتنے ہی عیوب نکالو۔ تو پیں اور بندوقیں منہ سے آگ برسائیں۔ تلواروں سے خون کی ندیاں بہیں۔ مگر جب تک ان مورتیوں اور فرقوں کی ضرورت موجود رہیگی۔ انہیں کوئی مٹا نہیں سکتا۔ اور بھگوان سری کرشن نے صاف صاف فرمایا ہے کہ انکا قائم رہنا برحق اور لازم ہے۔

اب تاریخ ہند کا ایک افسوسناک زمانہ آتا ہے۔ فرقوں کے عناد و فساد اور شور و شر کی آوازیں گیتا ہی میں آنے لگی تھیں۔ مہاراج کرشن کی وفات سے پہلے ہی عنصر فساد نے پھر زور پکڑ لیا تھا۔ اور اب کی مُلک پر جو طوفان آیا وہ مذہب کی بنیاد پر نہ تھا۔ بلکہ ذات پانت کی تفریق پر۔ برہمن اور چھتری

[1] ریاضت۔

جو ہندو سماج کے دور کن اعظم ہین اپنے اپنے احاطے سے قدم باہر نکالنے لگے۔ اور نتیجہ وہی ہوا جو ایسی حالتون مین اکثر ہوا کرتا ہے۔ تقریباً ایک ہزار برس کے طوفان اور سیلاب کے بعد ایک اور بڑے مہاتما کا جنم ہوتا ہے۔ اور یہ گوتم شاکیہ مُنی ہین۔ آپ لوگ اُنکی تعلیم اور تلقین سے واقف ہین۔ ہم اُنکو ایشور کا اوتار مانتے ہین۔ حُسن اخلاق اور رحم کا جیسا اعلیٰ معیار اُنھون نے قائم کیا وہ پردۂ دنیا پر اور کہین نظر نہین آسکتا۔ وہ زبردست کرم یوگی تھے۔ گویا خود مہاراج سری کرشن اپنے اصولون پر عمل کرنے کے لئے اپنے ہی شاگرد بنکر دنیا مین آئے۔ ایک بار پھر وہی پُرزور۔ الوہیت سے لبریز آواز سُنائی دی جسنے گیتا مین کہا تھا "عورتین۔ اور ویش اور شودر سب اپنے اپنے کرمون کے مطابق نجات حاصل کرتے ہین" گویا گیتا کی تلقینات کی زندہ مثال پیش کرنے کے لئے۔ گویا اُسے عملی صورت مین لانے کے لئے۔ گروے نیا سروپ دھارن کیا۔ اور یہ شاکیہ مُنی تھے۔ جنکا مقصد پامال قومون کو سُدھارنا تھا۔ جنھون نے دیوتاؤن کی زبان کو خیرباد کہدیا۔ تاکہ عوام کی زبان مین تعلیم دیکر اُنکے دلون تک پہونچ سکین۔ جنھون نے درویشون اور بینواؤن کے لئے شاہی تخت اور تاج کو ترک کردیا۔ اور جو سری رامچندر کیطرح شودرون کو بھی چھاتی سے لگاتے تھے۔ آپ لوگ انکے مہتم بالشان کام اور اُنکے اوصاف بالغہ سے بخوبی واقف ہین۔ لیکن اُنکے مشن مین ایک نقص تھا۔ جسکا خمیازہ ہم اب تک اُٹھا رہے ہین۔ وہ ذات بابرکات اس نقص کے لئے جوابدہ نہین کہی جاسکتی۔ مگر بدقسمتی سے وہ غیر مہذب اور نیم وحشی قومین جو آریون کے حلقۂ اثر مین آگئی تھین مذہب کے ایسے اعلیٰ معیار پر عمل نہ کرسکین۔ یہ قومین جنکے توہمات اور عبادت کے طریقے جُدا جُدا تھے آریون کے حلقہ مین آکر ملگئین۔ اور کچھ دنون تک ایسا معلوم ہوا کہ اُنکی خو بو تبدیل ہوگئی ہے۔ مگر ایک صدی بھی نہ گذرنے پائی تھی کہ اُنھون نے وہ بھوت اور پریت اور سانپ بچھو اور لکڑی پتھر پوجنے شروع کئے جو اُنکے بزرگ پوجتے چکے آتے تھے۔ اور اسطرح سارا ہندوستان توہمات اور بطلان کے ایک سیلاب مین غرق ہوگیا۔ ابتدائی بودھون نے جبر و کشا کے جوش مین ہون کی بھی ممانعت کردی تھی۔ اُسوقت تک گھر گھر بخورات جلائے جاتے تھے۔ اگن کُنڈ مین آگ جلتی رہتی تھی۔ اور اسکے سوا پرستش کے اور لوازمات رائج نہ تھے۔ مگر بودھون نے یہ رواج مٹاکر اُنکی جگہہ عالیشان منادر۔ اور نمایشی طریق عبادت۔ اور زاہدانہ طمطراق۔ اور عالی شان خانقاہون کا رسم پھیلایا۔ جنکے بچے کھچے اثرات اب بھی موجود ہین۔ جب مین آجکل کے مصنفین کو جنہین زیادہ تحقیق سے کام لینا چاہیئے تھا یہ لکھتے ہوئے پاتا ہون کہ بودھ نے برہمنون کی بُت پرستی کا خاتمہ کردیا تو مجھے ہنسی سی آتی ہے۔ اُنہین اسکی مطلق خبر نہین کہ بودھ مت ہی نے ہندوستان مین بُت پرستی کی بنیاد ڈالی جگن ناتھ کا مندر بودھون کا ایک پرانا مندر ہے۔ ہمنے اسپر اور اسکے ساتھہ اور بھی کتنے ہی مندرون پر دوبارہ ہندوؤن کی قلعی کی خبر۔ باوجود اُنکی تعلیم کے۔ باوجود رفیع اخلاقی معیار کے۔ باوجود اُن موشگافیون کے جو پرماتما کے "آدی یا انادی" ہونے کے متعلق ہوتی رہتی تھی۔ بودھ مت کی عالیشان عمارت منہدم ہوگئی۔ اور اُسکے در و دیوار شکستہ کی جیسی مٹی پلید ہوئی اُسکا ذکر فضول ہے۔ انتہا درجہ کا کراہیت آمیز طریق پرستش۔ انتہا درجہ کی فحش کتابین۔ اور مذہب کے پردے مین انتہا درجہ کی خلیفہ حرکتین۔ یہ سب بودھ مت کے زوال کے تبرکات ہین۔

لیکن بھارت ورش کو دُنیا مین ابتک قائم رہنا تھا۔ اور ایشور نے پھر اوتار لیا۔ وہ جسنے فرمایا تھا کہ "جب کبھی نیکی کو زوال ہوتا ہے تو مین دُنیا مین آتا ہون"۔ پھر آیا ابکی بار یہ شرف جنوبی ہند کو حاصل ہوا۔ وہ نوجوان برہمن جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ سولہوین سال مین اُسکی تمام اعجاز نما تصنیفین مکمل ہوگئی تھین جنوبی اُفق سے آفتاب درخشان بنکر نکلا۔ یہ تصنیفات آجتک عجائب روزگار ہین۔ سری شنکر اچارج کا معیار یہ تھا کہ ہندوستان کو اس اخلاقی رتبہ پر پہونچائین جہان وہ ابتدار آفرینش مین تھا۔ خیال کیجئے کیسی نظر وسیع اور ہمت بلند تھی۔ مین نے اُسوقت کی حالت کا چند لفظون مین ذکر کیا ہے۔ یہ تمام نقائص تمدن اور معاشرت جنہین آج ہم اور آپ دائرۂ اصلاح مین لانا چاہتے ہین اُسی اخلاقی ادبار کے زمانہ کے آثار ہین۔ بلوچی۔ تاتاری اور دُنیا کی دوسری قومین ہندوستان مین آئین اور بودھ مذہب مین داخل ہوکر ہمارے ساتھ رہنے سہنے لگین۔ اُنکے مراسم اور معاشرت کا اثر ہمارے طرز تمدن پر اس حد تک پڑا کہ ہماری قومی زندگی مکروہ ترین حرکات وخیالات کا ایک صفحۂ عظیم بنگئی۔ قوم کی یہ حالت گویا نوجوان شنکر کو بدھون سے ترکہ مین ملی۔ اور ویدانت آج تک اُسی زمانہ کے بوئے ہوئے کانٹے کاٹ رہا ہے۔ شنکر نے اپنے زبردست فلسفہ کے زور سے ثابت کر دکھایا کہ ویدانت اور بودھ مت کی حقیقتون مین بہت زیادہ اختلاف نہین ہے۔ لیکن شاگردون نے اُستاد کا مطلب نہ سمجھا۔ اور آتما و پرماتما کے وجود سے منکر ہوگئے یہ تھا سری شنکر کی تعلیم کا ماحصل۔ اور بودھ لوگ اپنے پُرانے مت مین پھر آنے لگے۔

تب سری رامانج نے جنم لیا۔ شاید سری شنکر باوجود حیرت انگیز ذہنی قوتون کے ایسی وسیع نگاہ نہ رکھتے تھے۔ رامانج کا دل زیادہ فراخ تھا۔ پنچ ذاتون کے درد سے اُنکا سینہ لبریز تھا۔ اُنھون نے طریق عبادت کے اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ اور حشو زوائد کو خارج کرکے اُنکے بجائے نئے نئے مراسم جاری کئے۔ کیونکہ قوم کا جزو اعظم بلا ظاہری مراسم کے نرہ سکتا تھا۔ اسکے ساتھ ہی اُنھون نے روحانی عبادت کا دروازہ برہمن اور نیچ دونون کے لئے یکسان طور پر کھولدیا۔ یہ تھا سری رامانج کا مشن۔ اور اس مشن کا دائرہ وسیع ہوتے ہوتے شمال تک جا پہونچا۔ وہان کے چند بزرگون نے اُسکی اعانت کی۔ اور رامانج کے زمانہ سے روحانیت کے معبد کو مرجع خاص وعام بنانے کی سلسل کوششین ہوتی آئی ہین۔ جتنے اولیا اور رشی سری رامانج کے بعد آئے اُن سبھون نے یہی رویہ اختیار کیا۔ میری سمجھ مین نہین آتا کہ شنکر پر کیون نیچ ذاتون کو علیحدہ رکھنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ مجھے اُنکی تمام تصانیف مین اس الزام کی تائید نہین ملتی۔ غالباً اسکا سبب یہ ہے کہ بدھ بھکوان کے پیروؤن کی طرح سری شنکر کے عقیدتمندون نے بھی اُنکا مطلب نہ سمجھا۔

اب مین شمالی ہندوستان کے اُس تقدس مآب رشی حقیقی کا تذکرہ کرکے تقریر کا خاتمہ کرتا ہون جو سری رامانج کے پُرزور حامی تھے۔ وہ خود ذات کے برہمن تھے۔ علما کے گھرانے مین پیدا ہوئے۔ اور منطقی مباحث مین اپنا وقت صرف کرنے لگے۔ یہی اُنکی زندگی کا شعار تھا۔ مگر یکایک کسی رشی کی دعا نے اُنکی زندگی کی رفتار پلٹ دی۔ اُنھون نے لفظی مباحث سے کنارہ کیا۔ اور بھگتی کے اعلیٰ درجہ کے گرو بنگئے۔ اُنھین لوگ دیوانہ چیتن کہا کرتے تھے۔ وہ گوپیون کی دیوانگی کے عاشق تھے۔ اُنکی بھگتی کی لہر بنگال مین شرق سے غرب تک پھیل گئی۔ اُن کا جذبۂ محبت وسیع تھا۔ اُسکی کوئی انتہا نہ تھی۔ نیک اور بد۔ ہندو و

مسلمان - اوپنچ اور نیچ سبھی اُنکی محبت اور ہمدردی مین شریک تھے - اور آج بھی اگرچہ اُنکامت دُنیا کی ہر شے کیطرح ابتری کیحالت مین آگیا ہے - تاہم ابھی تک کتنے ہی بے ذات ہندو قوم کے مظلوم آدمی اُنکے نام لیوا باقی ہین -

سری شنکراچارج کا دماغ وسیع تھا اور سری رامانج کا دل مگر اب ایک ایسے رشی کے جنم لینا کا وقت آگیا جسکا دل ودماغ دونون وسیع ہو - جو ایک ہی قالب مین شنکر کا دماغ اور چیتن کا غیر محدود دل رکھتا ہو - جو ہر ایک فرقہ مین ایک ہی پرماتما کی قدرت کا جلوہ دیکھے - جسکی آنکھین غربا اور مساکین مظلوم اور خستہ حال آدمیون کی حالت پر آنسو بہائین - جسے ہر فرد بشر خواہ ہندوستانی ہو یا غیر ہندوستانی یکسان ہمدردی ہو - اور جسکی طبع عالی ایسے بلند خیالات کا منبع ہو جو تمام متضاد فرقون اور ذاتون کو صلح اور محبت کے رشتہ مین منسلک کرے - اور ایک ایسا مذہب وجود مین لائے جو دل ودماغ دونون کیلئے باعث تقویت ہو - وہ نفس عالی ہندوستان کی خاک پاک سے اُٹھا - اور مجھے اُسکی صحبت سے فیض اُٹھانیکا عرصہ تک شرف حاصل رہا - اُسکی زندگی کا کام ایک ایسی سرزمین مین شروع ہوا جو مغربی روش پر ترقی پذیر ہو رہی تھی - جہان کا ہر شخص مغربی خیالات کے پیچھے دیوانہ بنا ہوا تھا - جو ہندوستان کے دوسرے شہرون کے مقابلہ مین یوروپ کا جادو زیادہ اثر کر گیا تھا - یہ مرد کامل اُمی محض تھا - اُسے اپنا نام لکھنے کی بھی قابلیت نہ تھی مگر یونیورسٹی کے بڑے بڑے علما اور پروفیسر اُسکی وسعت معلومات پر متحیر ہو جاتے تھے - وہ عجیب وغریب آدمی تھے - اُنکے سوانح زندگی بہت طول ہین - اور مجھے آج اتنی فرصت نہین کہ اُنکا ذکر کرون - سری رام کرشن کا نام آج آفتاب کیطرح چمک رہا ہے - اور غور کیجئے کہ کتنی زبردست روحانی طاقت اُنکے ذریعہ سے اپنا کرشمہ دکھا رہی ہے - ایک مفلس پوجاری کا لڑکا جو ایک آبادی سے دُور کے گانون مین پیدا ہوا آج یوروپ اور امریکہ مین ہزارون آدمیون کا معبود بنا ہوا ہے - اور کل لاکھون اُسکے نام پر عقیدت سے سر جھکائینگے - اگر وقت آیا اور موقع ملا تو مین اپنے مرشد کا تذکرہ آپ لوگون سے زیادہ تفصیل کے ساتھ کرونگا - اسوقت صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ اگر میری زبان سے ایک لفظ بھی صداقت کا نکلا ہے تو اُسی ذات پاک کی فیضان صحبت کا اثر ہے -

(ترجمہ از سوامی ویویکانند) **نواب رائے**

امن ہند - یہ چھوٹی تقطیع کے دوسو صفحات کی کتاب ہے جو ایک ضروری مقصد پر مبنی ہے - ملک مین جاہلانہ چھینا اور جھپٹا مرکات کی ترقی دیکھکر ماسٹر شنکر داس صاحب تجربہ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر اور پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی رام نگر ضلع گجرانوالہ نے اپنے ملک کو مفید مشورے دئے ہین اور حکومت وقت کے احسانات اور دیگر امور ضروری کے تشریح کے بعد ملکی نوجوانون کو وفاداری حکومت کے فوائد سے آگاہ کیا ہے - ایسی کتابون کی اشد سخت ضرورت ہے - زبان اگرچہ بہت صاف نہین ہے اور لہجہ بھی کسی قدر سخت ہے تاہم ماسٹر صاحب کی کوشش قابل تشکر گذاری ہے - قیمت فی جلد ۵ ر

علامۂ جلال مغفور

پیدائش ۱۲۴۸ھ — وفات ۱۳۲۶ھ

حکیم سید ضامن علیصاحب جلال کی ذات بابرکات اُس دورِ کہن کی آخری یادگار تھی جو اُنیسوین صدی کے آغاز سے شروع ہوکر بیسوین صدی کی ابتدا مین ختم ہوگیا۔ شاہ زمن غازی الدین حیدر لکھنؤ کے پہلے بادشاہ تھے جو ۱۸۱۴ء مین مسند آبائی پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔ انہین کے عہد معدلت مہد مین لکھنؤ کی اُس شاعری کی ابتدا ہوئی جو دہلی کی شاعری سے بالکل جداگانہ تھی اور جسے یہین کا ایجاد کہنا چاہیئے۔ اسی زمانے مین شیخ ناسخ مرحوم نے کوس لمن الملکی بجایا اور مروّجہ زبان اور مذاق شاعری کی کایا پلٹ کردی۔

حضرت جلال اسی خاندان کے نام لیوا اور اُردو شاعری کے آخری ارکان ثلاثہ کے تیسرے رکن تھے۔ ان سے پہلے امیر و داغ کی وفات پر ہماری شاعری ماتم کرچکی ہے اور ابھی یہ دونون زخم تازہ تھے کہ اُسے تیسرا اور آخری زخم بھی اُٹھانا پڑا جو نہایت حسرتناک ہے۔ کیونکہ اسکے ساتھ ہی اُس طرز قدیم اور آداب فن کا بھی خاتمہ ہوگیا جنکی آیندہ نسلین آرزو کرینگی۔

جلال مغفور کی پیدائش کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب ناسخ و آتش کی اُستادی کے ڈنکے بج رہے تھے اور رند و صبا، ذیروبم خلیل، رشک و برق ایسے جادو بیانون کی شہرت سے تمام لکھنؤ گونج رہا تھا۔ ہوش سنبھالا تو ہر طرف شاعری شاعر نظر آئے اور جدھر کان لگاکر سنا شاعری ہی کے دلکش ترانے سنائی دیے۔ یہی لکھنؤ کی شاعرانہ زندگی کی معراج تھی اور یہی وہ خواب تھا جو خیالی دُنیا مین اب تک دیکھا جارہا ہے۔

بہرکیف حضرت جلال کی ابتدا شاعرانہ دھوم دھام کے زمانے سے ہوئی اور جس آب و ہوا مین اُنہون نے پرورش پائی وہ اس فن کے لئے نہایت موافق تھی۔ جسطرح آج تھیٹر اور بال کے جلسے تہذیب کے اعلیٰ ارکان مین داخل ہین اُسیطرح اُس زمانے مین شعر و شاعری کی صحبتین تہذیب کا جزو اعظم خیال کیجاتی تھین۔ اس سے بحث نہین کہ وہ حماقت پر مبنی تھین یا عقلمندی پر۔ کیونکہ ہر زمانے کی حماقت و عقلمندی ایک خاص حیثیت رکھتی ہے جسپر آیندہ نسلون کو نکتہ چینی کا کوئی حق نہین۔

جلال نے ہوش سنبھالا تو یہی میدان سامنے تھا۔ جوانی کے جوش اور زمانے کی ہوا نے اُنہین بھی اُسیطرف بڑھادیا۔ مگر یہ بالکل ٹٹ پونجئے شاعر نہ تھے بلکہ علوم متعارفہ کی دولت سے مالامال تھے۔ فارسی و عربی کی کافی استعداد کے علاوہ فن حکمت مین بھی دستگاہ رکھتے تھے اور یہ اُنکا آبائی پیشہ تھا۔ اُنکے والد حکیم سید اصغر علیصاحب ایک مشہور طبیب تھے اور اپنی شہرت کی بدولت روسار لکھنؤ کے علاوہ ریاست رامپور سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ جلال اپنے والد کی حیات مین ضروریات زندگی سے مستغنی تھے اسلئے اُنہین مشق شعر کیلئے کافی وقت اور عمدہ زمانہ ملا۔

لیکن یہ بیفکری زیادہ عرصے تک قائم نہین رہی۔ ۱۸۵۷ء کا غدر وہ سیلاب تھا جو شمالی ہندوستان کے اکثر شہرون کے ساتھ لکھنؤ کی ساری کائنات بہالے گیا۔ لوگ بھاگڑ کے بعد

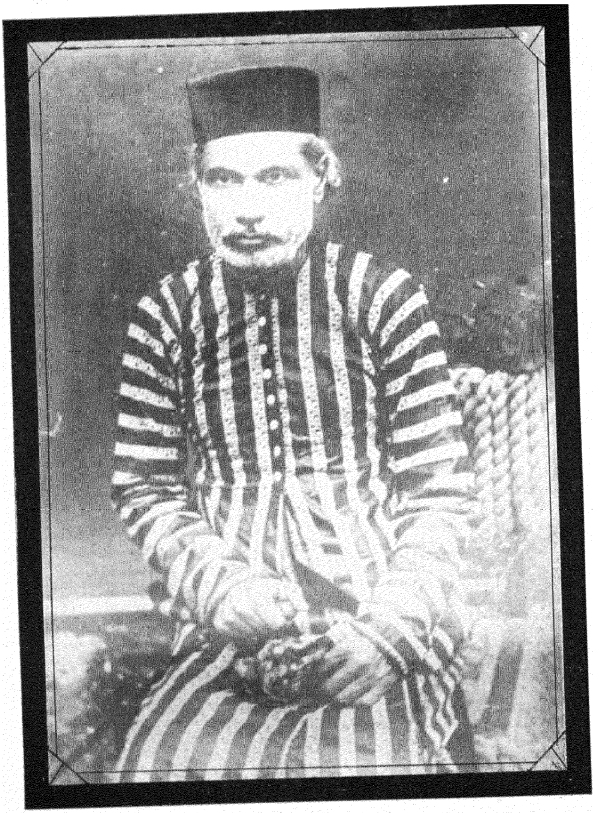

حضرت جلال مرحوم

انڈین پریس الہ آباد

جب شہر مین واپس آئے تو اُس فردوس مین خاک اُڑ رہی تھی جو حضرت آدم کے باغ ارم سے زیادہ پُر فضا اور مینو سواد تھا۔ مکانات کی جگہ کھنڈر اور محلّون کی جگہ کف دست میدان تھے۔ جو نقد و جنس ساتھ تھی وہ راستے مین لُٹ گئی اور جو گھر مین دفن کر گئے تھے۔ اور جسپر بھاری بھاری تینے لگا گئے تھے وہ بدمعاشون کی نذر ہوئی۔ کیف اچھے اچھے امیرون کے یہان بھی خاک پاک کی تسبیح اور بوریئے کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس تنگ وقت مین حضرت جلال نے اپنا موروثی پیشہ اختیار کیا اور اپنا مطلب شہر کے اُس مغربی حصّے مین کھولا جو قدما اور عمائد شہر کی سب سے بڑی بستی تھی اور مدت سے علم و کمال کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اس مغربی حصّے سے میری مراد اُس مقام سے ہے جو میان الماس کے عالیشان امام باڑے کی پشت پر واقع ہے۔ کبھی یہ مقام سارے شہر کا خلاصہ تھا لیکن آج خاک اُڑ رہی ہے اور انسان کیا جانور بھی اس منحوس زمین پر پانون رکھنا پسند نہین کرتے۔

اسی مقام پر ایک رئیس رہتے تھے جنکا نام بخشی نوندھ رائے تھا۔ حضرت جلال کے والد اور ان رئیس مین مراسم قدیم تھے۔ اسی تقریب سے جلال نے اپنا مطب اُنکے دیوان خانے مین کھولا تھا۔ بخشی نوندھ رائے شعر و سخن سے ذوق رکھتے تھے اور شاعرون کے قدردان تھے۔ میر دوست علی خلیل انکے اُستاد تھے بخشی جی گو اعلیٰ درجے کے شاعر نہ تھے لیکن پختہ کلام تھے اور "وقار" تخلص کرتے تھے۔ انکے ایک اور عزیز کا نام بخشی پتمبر داس تھا جنکے یہان منشی امیر اللہ صاحب تسلیم کی نشوونما ہوئی۔ منشی صاحب ابتک ان مرحوم کو چچا کے لفظ سے یاد کرتے ہین۔ لیکن چونکہ اب ہندو مسلمانون مین اگلی یگانگت کی برکت آہستہ

کا حکم رکھتی ہے لہذا اسکی زیادہ تفصیل تحصیل حاصل ہے۔

کہان اب وہ مسلمان اور ہندو
نہ تھی جنمین کہ غیریت سر مو

خلاصہ یہ کہ بجائے تشخیص مرض اور تباضی مین نام و نمود حاصل کرنے کے حضرت جلال کو یہان بھی شعر و سخن ہی کی زیادہ مداولت رہی۔ حالانکہ فن حکمت مین وہ عمدہ دستگاہ رکھتے تھے لیکن طبیعت کا اصلی رُجحان شاعری ہی کی طرف رہا، اور یہی اچھا ہوا۔ کوئی شک نہین کہ اگر وہ طبابت مین جی لگاتے تو اپنے زمانے کے نہایت نامور حکیم ہوتے اور آج بڑی بڑی عمارتین اور کافی دولت چھوڑ جاتے۔ لیکن بہ نسبت اُس عارضی دولت و ثروت کے جسے فنا ہوتے دیر نہین لگتی اُنکی وہ ادبی تصانیف بدرجہا بہتر ہین جو ایک لازوال دولت ہین اور جنھین بقاء دوام حاصل ہے۔

فن شعر مین اولاً وہ جناب ہلال کے شاگرد ہوئے جو میر علی اوسط رشک کے تلامذہ مین ممتاز تھے۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد خود رشک مغفور کے زمرۂ تلامذہ مین داخل ہو گئے۔ رشک مرحوم زبانداني اور تحقیق فن مین درجۂ اجتہاد رکھتے تھے۔ ناسخ مرحوم کے بعد اُنکے تمام شاگردون نے اُنھین کے آگے زانوے شاگردی تہ کیا تھا۔ منشی اسمٰعیل حسین میرٹھی شکوہ آبادی بھی اُنکی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ رشک مرحوم نے اُردو شاعری کو اپنے فیض کمال سے بہت کچھ سیراب کیا تھا۔ اُردو زبان کا پہلا لُغت اسی یگانۂ آفاق محقق کے قلم سے نکلا تھا جو نہایت مدلّل، مبسوط، اور مکمل تھا۔ لیکن اُس زمانے مین پریس کی یہ ارزانی نہ تھی جو آجکل نظر آتی ہے اور اسیوجہ سے اب اُس قلمی لُغت کا کہین پتہ نہین ملتا۔

U996

جلال منفور کی زندگی کا تابناک زمانہ دربار رامپور سے شروع ہوتا ہے جہاں ہنگامۂ غدر کے بعد اہل کمال کا سب سے بڑا مجمع تھا۔ بحر۔ خلق۔ اسیر۔ منیر۔ غالب۔ امیر۔ داغ۔ جلال وغیرہ اُس دور کے تمام نامور اور کامل الفن شاعر اسی دربار کے وظیفہ خوار تھے اور مجمع اہل کمال سے رامپور اصفہان و شیراز پر چشمک زنی کرتا تھا۔ قدردان اور سخن رس رئیس نے ہندوستان کے ہر گوشے سے صاحبان کمال کو کھینچا تھا جن میں علما، شعرا۔ قاری۔ حافظ۔ ناشر۔ خطاط اور جملہ علوم وفنون کے ماہر شامل تھے۔

جلال کو تحقیق فن کا شوق اپنے اُستاد رشک مرحوم سے بطور ورثہ ملا تھا جو اُنکی آخر زندگی تک قائم رہا۔ فارسی و عربی میں اعلیٰ استعداد رکھتے تھے اور اُردو اُنکی مادری زبان تھی۔ ان وجوہ سے اُنہیں تحقیق زبان میں زبردست انہماک تھا۔ چنانچہ رامپور کے مجمع شعرا میں اکثر وہ معاصرین کے کلام پر نکتہ چینی کرتے رہتے تھے۔ اور اسی کے بدولت اُنکے معاصرین اُنسے خوش نہیں رہے۔

نکتہ چینی کی عادت رفتہ رفتہ اسقدر ترقی کر گئی کہ رامپور میں اُنکی شہرت کا یہی باعث ہوئی۔ معاصرین سے اکثر شاعرانہ معرکے ہوئے ہیں لیکن اُنکے بالتفصیل حالات باوجود کوشش بھی دستیاب نہیں ہو سکے۔ مرزا غالب مرحوم سے لفظ "عفی" پر عرصے تک بحث جاری رہی مگر نتیجہ کیا ہوا؟ اسکا جواب کوئی نہیں دے سکتا۔ مولوی غیاث الدین مولف غیاث اللغات کو "مُلّائے مکتبی" کا خطاب جلال ہی کے شاعرانہ دربار سے ملا تھا جسپر نواب صاحب کا عتاب نازل ہوا تھا۔

لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد جلال پھر رامپور بُلائے گئے اور وہیں اُنکا مایۂ ناز لغت "سرمایۂ زبان اُردو" لکھا گیا تھا جو اُردو محاورات کا سب سے پہلا اور مستند لغت ہے۔ اس دور کے شعرا میں جلال کو یہ فخر حاصل ہے کہ اُنہوں نے زبان کے اصول و قواعد سب سے زیادہ مدون کئے۔ چنانچہ سب متذکرہ بالا لغت کے علاوہ اُنہوں نے تذکیر و تانیث کے متعلق بھی ایک رسالہ لکھا جو اس فن میں سب سے پہلا رسالہ ہے۔ اسیطرح زبان کے بعض قواعد بھی ایک کتاب کی حیثیت میں مدون کئے جسکا نام "منتخب القواعد" ہے۔ آخر میں فن عروض پر ایک رسالہ لکھا تھا جسکا مسودہ راقم کی نظر سے گذرا تھا۔ فن تاریخگوئی پر بھی اُنہوں نے ایک کتاب لکھی ہے۔ اصطلاح زبان دانی کا ایک عمدہ مسالہ اُنکے قلم نے جمع کر دیا جسپر عالیشان عمارتیں اُٹھ رہی ہیں۔

شاعری میں بھی اُنہوں نے چار دیوان کہے ہیں اور سب چھپ چکے ہیں۔ حالانکہ اُنکے ابتدائی دو دیوان اسوقت عنقا ہیں لیکن اُنکا اصلی زور طبعیت اُنہیں دواوین سے ظاہر ہے۔ اُنکا رنگ سخن بہ نسبت جدت طرازی کے زیادہ تر پختگی لئے ہوئے تھا اور اگرچہ اُنکے کلام میں رنگین اشعار بکثرت موجود ہیں مگر زیادہ تر صفائی اور روزمرہ ہی پر زور دیتے تھے اور یہی اُنکے کلام کی خصوصیات ہیں۔ جلال کی شاعری پر ایک نکتہ شناس کا ریمارک ہے کہ "اُنہوں نے اپنے لئے وہ پختہ سڑک تیار کی تھی جسپر لغزش کا خوف نہیں"۔

مضمون آفرینی کے میدان میں بھی وہ اپنے معاصرین سے کم نہیں رہے لیکن اُنکے اشعار میں پیچیدگی کو دخل نہیں۔ سیدھے سادے خیالات، بندھے ٹکے محاورے، مستند الفاظ، چُست بندش، اور اُستادانہ ترکیبیں اُنکی شاعری کی جان ہیں۔ اپنے اسکول کے خلاف وہ تصنع اور آورد کے رنگ سے ہمیشہ گریز کرتے رہے اور یہ صفت اُنکے کلام میں ابتدا سے انتہا تک

صاف نظر آتی ہے - اُنکی شاعری مین ایک اور مابہ الا متیاز بھی ہے اور وہ اُنکا مذاق صحیح ہے - عاشقانہ رنگ مین وہ اُس حد تک نہین جاتے تھے کہ فحش ہوجائے - بلکہ اُس مذاق کو بھی جو اُسوقت کی سوسائٹی مین نہایت مقبول تھا جلال نے ایک لطیف پیرائے مین نظم کیا ہے - مثلاً :-

کنگھی چوٹی، مسی کاجل، زیب و زینت، ناز کی
کس نے کس نے اُنکو دیکھا میرے گھر آتے ہوئے
ناز سے چلنے ذرا اپنی کمر پر رکھکے ہاتھ
ہم بھی دیکھین ناز کی کو پانون پھیلاتے ہوئے

یہ اُردو شاعری کا پُرانا رنگ ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اسمین رشک و برق اور رند و صبا وغیرہ کے مذاق کی جھلک موجود ہے - اُنکا عام مذاق ذیل کے اشعار سے واضح ہے اور یہی اُنکا خاص رنگ تھا جو اُنکے پہلے اور دوسرے دیوان مین موجود ہے :-

شغل اگر ڈھونڈھتے ہو جی کے بہلنے کیلئے
دل مین آبیٹھو کلیجہ مرا ملنے کیلئے
شکوہ ہے برق تجلی سے کہ او نا انصاف
ہم ہون مُنہ دیکھنے کو طور ہو جلنے کیلئے
مے کہان روز ہے پی لیتے ہین گاہے گاہے
وہ بھی تھوڑی سی مزہ مُنہ کا بدلنے کیلئے
دل مرا آنکھ تری دونون ہین بیمار مگر
ایک کا حال بُرا ایک کا حال اچھا ہے
عجیب طرح کا سرمہ ہے وصل یار کی شام
سفید آنکھ ہو تو صبح کو سیاہ ملے

ان چند اشعار سے اُنکی عام شاعری پر روشنی نہین پڑسکتی مگر اختصاراً اسیقدر کافی ہین - خصوصاً ادیب کے صفحات پر اُنکی عاشقانہ شاعری کی زیادہ تفصیل کی گنجایش نہین - لاجرم اُنکے حالات زندگی جس حد تک معلوم ہین مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہین -

رامپور مین جلال بیس بائیس برس تک رہے اور وہان سے ترک تعلق ہونے پر ہندوستان کی ایک دور دراز ریاست منگرول مین جو کاٹھیاوار مین واقع ہے ملازم ہوئے - وہان کے قدردان رئیس نے اُنکی قدردانی مین دریادلی سے کام لیا - لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد یہ سلسلہ بھی منقطع ہوگیا اور وہ اپنے وطن مالوف مین اطمینان کے ساتھ رہنے لگے - اس عرصے مین اُنکے شاگردون کا حلقہ بہت وسیع ہوگیا تھا - ہندوستان کے ہر گوشے مین اُنکا ایک نہ ایک شاگرد موجود تھا اور اصلاح کلام کا کام اسقدر بڑھ گیا تھا کہ اکثر شبانہ روز مصروفیت رہتی تھی - اسکے علاوہ ذاتی تصنیف و تالیف کا کام بھی کچھ کم نہ تھا -

اُردو رسالون کی ابتدا شاعرانہ گلدستون سے ہوئی تھی جنمین ہر طرح غزلیات شامل ہوتی تھین - تھوڑے ہی عرصے مین ان گلدستون کی وہ کثرت ہوگئی کہ بعض اخبارات نے انہین "حشرات الارض" کا خطاب دیدیا - بہ نوع ان جدید گلدستون مین جلال کی غزلین عموماً ہوتی تھین - اور یہ محض اسوجہ سے کہ وہ شاعرانہ فرمایشون کو کبھی نہین ٹالتے تھے - غزلون کے علاوہ قطعات تاریخ کی فرمایشات کی بھی کثرت رہتی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ اُنمین دوسرون کے لئے غزلیات و قصائد بھی کہنا پڑتے تھے - مگر اُنکی مشق سخن اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ روزانہ دس بیس غزلون کی اصلاح، دو ایک غزلون کی

تصنیف اور اکثر اوقات ایک آدھ قصیدہ بھی کہہ ڈالتے تھے۔

یہ سب کام وہ خود ہی کرتے تھے اور ہمیشہ اپنے کمرے مین اکیلے بیٹھے رہتے تھے۔ عام اُستادون کیطرح اُنکے گرد شاگردون کا مجمع کبھی نہین دیکھا گیا۔ بعض شاگردون کو عروض وغیرہ کا درس بھی دیتے تھے اور اکثر شاگرد اپنی غزلین بنوانے آتے تھے۔ لیکن یہ سب کام بہت جلد ہو جاتا تھا اور کسیکو دربارداری کی ضرورت نہین لاحق ہوتی تھی۔ وہ زیادہ تر تنہائی پسند تھے اور ایک شاعر کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

اُنکے شاگردون مین میرزا کرمین صاحب یاس مرحوم۔ محمد احسان علیخانصاحب احسان شاہجہانپوری اور سردار اودھم سنگھ صاحب ترسا زیادہ نامور ہین۔ انکے علاوہ اُنکے تلامذہ کی تعداد اسقدر زیادہ ہے کہ پوری تفصیل نہین ہوسکتی۔ اُنکے صاحبزادون مین حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال ایک نامور شاعر ہین جو اپنے کامل الفن والد کی جانشینی کی پوری قابلیت رکھتے ہین۔ رسالہ دستور الفصحا انہین کے قلم سے نکلا تھا جسمین متروک اور غلط الفاظ کی تشریح کیگئی تھی اور جسپر عرصے تک معرکۂ آرا بحثین ہوتی رہین۔ اس رسالے مین بعض ایسے الفاظ بھی تھے جو حضرت جلال کے قدیم کلام مین موجود تھے۔ اسلئے لوگون کو اسکی تردید کے لئے ایک زبردست دلیل ملگئی تھی۔ لیکن جلال نے سب کو یہ کہکے خاموش کر دیا کہ جن الفاظ کو ہم اب غلط سمجھتے تھے اب اُنہین ازروے تحقیق غلط سمجھکر ترک کرتے ہین۔ درحقیقت کوئی شخص ابتدا ہی سے ہمہ دان نہین ہو سکتا۔ پس ایسے دلائل فضول ہین۔

عام طور پر جلال ایک مغرور شاعر کہے جاتے ہین اور یہ بالکل غلط بھی نہین۔ شہر کے مشاعرون مین وہ عام طور پر نہین شریک ہوتے تھے اور کسیکے شعر کی داد دینا اُنکی خلقت ہی مین نہین داخل تھا۔ راقم کی یاد مین وہ ایک مشاعرے مین شریک ہوئے تھے جو نواب امیر بہادر مرحوم کے مکان پر منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرے مین شیخ محمد جان صاحب شاد پیرو پیر۔ مولوی علی میان صاحب کامل۔ نواب بنے صاحب مشاق اور تمام اساتذۂ شہر شامل تھے۔ حضرت جلال کی شرکت مشاعرہ کے لئے سخت کوششین کیگئی تھین اور بعد انتظار بسیار وہ اپنے صاحبزادہ جناب کمال کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ شرکاء مشاعرہ مین حضرت شاد سب سے زیادہ کہنہ مشق اور پرانے بزرگ تھے۔ اُنکی ایک غزل بہت مشہور تھی جسکا مطلع حسب ذیل ہے:۔

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤن یہ مرضی مرے جلاد کی ہے

یہی مشاعرے کی طرح تھی اور اسی زمین مین سب نے غزلین کہی تھین۔ مشاعرہ شروع ہوا اور شاد و کامل و مشاق سب پڑھ چکے مگر جلال کا قفل سکوت نہ ٹوٹا۔ حتیٰ کہ ابھی نصف سے زائد شاعر پڑھنے کو باقی تھے کہ جلال اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے صاحبزادے کیطرف یہ اشارہ کرکے کہ "انہین سُنیئے" فوراً روانہ ہوگئے۔

اسیطرح وہ اپنی شاعرانہ آن بان کو ہر جگہ لئے رہے اور اسیوجہ سے بعض لوگ بے سبب بھی اُنکے مخالف ہوگئے۔ چنانچہ جناب شوق نیموی نے "اصلاح" و "ایضاح" نام دو کتابین شائع کرکے جلال پر اعتراضات کی بھرمار کردی۔ لیکن چونکہ وہ ایک مخالفانہ جوش تھا لہذا دیرپا نہ ثابت ہوا اور زمانے نے اُس مخالفت کو بہت جلد فنا کر دیا۔

سب سے آخر مین جلال ایک اور مشاعرے مین شریک ہوئے جو سید بادشاہ نواب صاحب رضوی رئیس پٹنہ

نے کلکتہ مین منعقد کیا تھا - اس مشاعرے مین اُنہون نے اپنی معرکۃ الآرا غزل سے لکھنؤ کی عزت رکھ لی اور نہایت وقار حاصل کیا - اسمین شک نہین کہ اس پیرانہ سالی اور کثرت اصلاح کی حالت مین بھی جب وہ طبیعت پر زور دیتے تھے تو ایسے لاجواب شعر نکال لیتے تھے کہ لوگ دنگ رہ جاتے تھے لیکن عام طور پر اُنکا آخری کلام نہایت پھیکا ہے -

یہ مسلم ہے کہ وہ اپنے کلام کے سامنے کسی دوسرے شاعر کے کلام کی ہستی نہین سمجھتے تھے - تاہم نظام رامپوری کے اکثر اشعار نہایت ذوق سے پڑھا کرتے تھے اور اُنکی پوری داد دیتے تھے - اُنکے مزاج مین ایک حد تک خشونت موجود تھی اور شاعرانہ معاملات پر وہ اکثر اُلجھ بیٹھتے تھے - لیکن جن لوگون کو اپنا سچا دوست سمجھتے تھے اُنسے اُس لطف سے پیش آتے تھے جو بیان نہین ہو سکتا -

ضیق النفس اُنکا قدیم مرض تھا جسمین وہ مدت سے مبتلا تھے - اور اکثر اسکا دورہ بہت سخت ہوتا تھا - تاہم اُنکے روزمرہ کے مشاغل مین شکل سے کمی واقع ہوتی تھی - اصلاح کلام اور تصنیف و تالیف کے علاوہ اُنھین کتب بینی کا شوق اسقدر زائد تھا کہ آنکھون مین نا - ور پڑ گئے تھے اور بائین آنکھ کے زخم سے مواد جاری رہتا تھا - تاہم روز علی الصباح نہایت باقاعدگی سے قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور عینک کی کبھی احتیاج نہین ہوتی تھی -

مرض الموت صرف معمولی بخار تھا جسنے دو چار روز مین کام تمام کر دیا - انا للہ وانا علیہ راجعون - اُنکے لوح مزار پر جو قطعۂ تاریخ کندہ ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے -

۱۳ شوال کی تاریخ چوتھی وہ بُدھ کا روز تھا آفت کا سماں
وہ شاعر اُٹھ گیا بزم جہان سے کمال شاعری جسپر تھا نازان
کمال آنکھون سے پنہان ہین ہلال آج
چھپا ہے شاعری کا مہر تابان
۱۳۲۷ھ

نقاد لکھنوی

بوستان آصفیہ - مشہور علم دوست اور وسیع النظر مصنف رائے مانک راؤ جمل راو صاحب نے سلطنت آصفیہ کے مکمل حالات تاریخی تحقیق و تلاش کے بعد ایک ضخیم کتاب مین قلمبند فرمائے ہین جسکا نام زیب عنوان ہے اس سے پہلے ہم مختلف کتاب ہذا کی ایک اضافی تالیف دیدہ ور بھی دیکھ چکے ہین جو نہایت ہی قابل قدر ہے - اس کتاب مین سلطنت آصفیہ کے تمام دینی و دنیاوی حالات جس شرح و بسط سے تحریر کئے گئے ہین اور اُنکی تدوین مین جس محنت، دماغ سوزی اور قابلیت سے کام لیا گیا ہے اُسکی تفصیل ان چند سطور مین ناممکن ہے - کتاب کا حجم آٹھ سو صفحون سے زائد ہے جسمین ملک دکن کا جغرافیہ فرمانروا خاندانون کے تفصیلی حالات شجرے اور انتظامی معاملات کی کمابیش تفصیل موجود ہے مصنف موصوف نے اپنے دیباچے مین اُن منقلات کا ذکر کیا ہے جو تاریخ کی تدوین مین پیش آئی تھین اور جن پر اُنھون نے اپنی علمی و عملی طبعی استقلال کی بدولت نمایان فتح حاصل کی ہے - اُردو زبان کی بے بضاعتی پر نظر کرتے ہوئے ہم اس تالیف کو جو یکتا سے خود ایک تصنیف کا حکم رکھتی ہے نہایت کمزان مایہ کتاب خیال کرتے ہین سلطنت آصفیہ کی بعض اور تاریخین بھی نہایت محنت سے لکھی گئی ہین لیکن یہ سب سے زیادہ مکمل ہے جسمین ابتدا سے اب تک کے تمام شرح حالات درج ہین علاوہ بحضور نظام فرمانروائے حال کی شبیہ اور مصنف کی عکسی تصویر بھی شامل ہے - اگر گذشتہ فرمانروا دن اور وزرا و عمائد سلطنت کی تصویرین بھی دیجاتین تو کتاب بالکل مکمل ہو جاتی -

---

قیمت قسم اول فی جلد دس روپیہ - قسم دوم سات روپیہ - ملنے کا پتہ "مطبع انوار السلام روبرے عدالت دیوانی بلدہ - حیدر آباد دکن -

تاریخِ فوٹوگرافی[1]

فرانس کے مشہور مصنّف ڈاکٹر جوزف لے بارڈی نے اٹھارویں صدی کے وسط مین علوم و فنون کی تاریخ لکھنے مین خاص نام پایا ہے۔ اُنھون نے اپنے ایک لیکچر مین لکھا ہے: "یہ جو آئے دن کوئی نہ کوئی ایجاد دُنیا والون پر ظاہر ہوکر کسی نہ کسی نئے لفظ کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے اور کتابون کا حجم بڑھاتی ہے۔ اگر غور سے دیکھو تو اُنکے مجموعی خواص صحیفۂ کائنات کے باب حقائق الاشیاء مین پہلے ہی سے موجود ہین جنکا نام حکماے یونان کی اصطلاح مین عالم صغیر ہے اور عوام الناس اسکو انسان کہتے ہین۔" ڈاکٹر صاحب موصوف نے تو یہ بات ایک خاص طور پر فرمائی تھی۔ مگر جب اسکے مفہوم کو فوٹوگرافی کی ایجاد کے ساتھ مطابق کرکے دیکھا جاے تو انکا تان کے ایک دوسرے فلاسفر کا قول بایہ صداقت کو پہونچتا ہے کہ "سورج کے نیچے کوئی چیز نئی نہین!"

کیمرہ آبسکیورا (Camera obscura) کی ایجاد کا فخر اگرچہ اٹلی کے ایک مشہور شخص بپٹسٹا پورٹا کو حاصل ہے۔ لیکن خالقِ حقیقی نے جو فوٹوگرافی کا کیمرہ ہر ایک چشم بینا کے ساتھ ابتدے آفرینش سے رکھدیا ہے ہزارون فوٹوگرافون کی ایجادون اور اختراعون سے ہر حیثیت سے بڑھا ہوا ہے۔ اس کیمرہ مین نہ فوکس کی ضرورت ہے نہ اکسپوزکی۔ یہ لیول اور بیلنس کے قیود سے آزاد کیمرہ ہر ایک قسم کی شکل و شباہت اُسکے اصلی رنگ اور قامت مین ہمارے مرقعِ خیال مین اُتار دیتا ہے۔ یہ کوئی تمثال نہین۔ پہیلی نہین۔ صاف بات ہے۔ فرمایئے! آپ نے اپنی آنکھ کا کبھی کچھ خیال کیا؟ اللہ اللہ صانع قدرت نے آنکھ کے بنانے مین جس قسم کی صنعت کو استعمال کیا ہے کیدکا دماغ اُسکا اظہار نہین کرسکتا۔ ظاہری ساخت اور اندرونی بناوٹ مین اس قسم کے محدّب و مجوّف شیشون کو جوڑا ہے جسکے ساتھ ایک ایسا صاف و شفاف پردہ لگایا ہے جسکے پیچھے وہ قدرتی شیشہ ملحق ہے جسمین سے روشنی کی کرنین گزر کر فوکس قائم کرتی ہین۔ ڈبیلے کے اندرونی حلقے کے عقب مین یعنی سیاہ پردہ کے اُوپر رے ٹی نا ہے۔ جسکے بیچ مین سے ہوکر بینائی کی وہ خاص رگ گذرتی ہے جسکے ذریعہ سے آنکھ کے بلّوری پردہ پر ہر ایک سامنے سے گذرنے والی تصویر معاً دکھائی دیتی ہے۔

عام اصطلاح مین شیشہ کا وہ ٹکڑا جسمین سے بڑی چیز چھوٹی اور چھوٹی چیز بڑی دکھائی دیتی ہو یا جسمین کوئی چیز منعکس ہوسکے لینس (Lens) کہلاتا ہے۔ لینس کی شکل عام طور پر ایسی ہوتی ہے کہ اُسکا ایک یا دونون پہلو مجوّف ہونگے۔ یا ایک مجوّف اور ایک مسطح تاکہ ایک دُور بین یا خوردبین وغیرہ کے اقسام کے شیشے افرادی یا اجتماعی صورت مین روشنی کی کرنون کے تغیّر و تبدّل کا بخوبی اظہار کرسکین۔ قدرتی لینس یا وہ لینس جو ہماری آنکھون مین موجود ہے۔ کچھ اس قسم کا ہے کہ جون ہی اُسکے سامنے

---

[1] لفظ فوٹوگرافی دو یونانی الفاظ Fotus اور Grafein سے مرکب ہے جنکے معنی علی الترتیب روشنی اور نقش و نگار ہین۔ اس لفظ کا موضوع اُس فن ہے جسکے وسیلے سے موجودات کی ہر ایک شے کا خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان۔ نقش و نگار۔ صورت و شکل۔ شبیہ و تصویر۔ روشنی کے قدرتی فعل و قوت کے ذریعہ سے حاصل کیجاتی ہے۔ یا یون کہو کہ فوٹوگرافی وہ فن ہے جسکے ذریعہ سے اجسام و اشکال و مرئیات کی تصویر روشنی کے وسیلے سے ہو بہو بنائی جاسکتی ہے۔

کوئی چیز آئی - اُسکا فوٹو ظاہر کرنے کے بعد پھر نئے مشاہدہ - تجربہ اور تصویر کے لئے تیار ہوگئی - لیکن جو لینس فوٹوگرافی مین استعمال کیا جاتا ہے وہ اس سے ذرا مختلف ہے - اصول تو دونون کا ایک ہی ہے مگر فرق یہ ہے کہ موخر الذکر پر منعکس تصویر کی کیفیت ہے کہ جب چاہو اُسے ایک مسالہ کے کاغذ پر منعکس کرکے نئی تصویر اُتار لو اور اپنا جی خوش کرلو -

فوٹوگرافی کی ایجاد کا فخر اگرچہ اہل یورپ کو حاصل ہے مگر اسکا ایک اعلیٰ اصول اسلام کے فلاسفر ابو علی حسن نے اسطرح ایجاد کیا تھا کہ اُسنے یونانی کتابون کو ترجمہ کرتے وقت اس غلطی کو بدلائل ظاہر کیا تھا کہ "آنکھون سے قوتِ بینائی نہین نکلتی بلکہ محسوسات چیزون کی تصویر آنکھون مین بناتی ہین" یہی وہ اصول تھا جسپر غور و فکر کرنے کے بعد - نگون کے انعکاس کی کیفیت ظاہر ہوچکی تھی اور جسکو گویا فوٹوگرافی کی ایجاد کا سنگِ بنیاد سمجھنا چاہئے -

سولھوین اور سترھوین صدی تک اس واقفیت سے کوئی فائدہ نہین اُٹھایا گیا - نہ تو اسکے اسباب دریافت کئے گئے اور نہ اس واقفیت کا کسی خاص حد تک تجربہ کیا گیا - البتہ اٹھارھوین صدی کے اوائل مین مسٹر ٹامس وج وڈ نے رسالہ "جنرل آو دی رائل انسٹی ٹیوشن" مین ایک مضمون کے دوران مین بیان کیا کہ کیونکر انہین ایک تصویر کا عکس لینے مین کامیابی ہوئی ہے - اس مضمون مین اُنہون نے اُس طریقہ کا بھی ذکر کیا تھا جسسے "نائٹرٹ آف سلور" کو شیشے پر ڈالنے سے تصویر نمایان ہوسکتی ہے - مسٹر وج وڈ نے بہت سے تجربات بھی لوگون کو دکھائے مگر یہ صرف ایک ابتدائی خاکہ تھا جسنے کوئی خاص صورت اختیار نہین کی تھی - اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک مشہور کیمسٹ ہمفری ڈیوی نے مسٹر وج وڈ کی مدد کی اور جب دونون نے ملکر تجربات کئے تو یہ بات معلوم ہوئی کہ "نائٹرٹ آف سلور" کے بجاے "کلورائڈ آف سلور" زیادہ کارآمد ہے - مگر ایک اور دقت لاحق ہوئی کہ جس روشنی سے تصاویر اور نقشے تیار ہوتے تھے اُسی سے بگڑ بھی جاتے تھے - جہان دو چار مرتبہ تصویر کو دیکھا سطح کاغذ بالکل سیاہ ہوگئی - ڈیوی صاحب نے تصویرون کو پایدار کرنے کی ہزار کوشش کی - کئی کئی دفعہ پانی مین ڈبویا وارنش کی - مگر یہ سب کوششین بالکل بے سود ثابت ہوئین - ان دونون صاحبون نے اپنے تجربات کی مختصر کیفیت ایک کتاب مین درج کی ہے جو ۱۸۰۲ء مین شائع ہوئی تھی

جس شخص نے سب سے پہلے (۱۸۱۶ء) آفتاب کی کرنون سے مکمل تصویر تیار کی وہ نائیس فور نیپسی تھا - اُسنے "اسفالٹ" کو مٹی کے تیل مین حل کرکے شیشون پر چڑھایا اور جس شے کا نقشہ اُسے اُتارنا منظور ہوتا تھا اُسکو شیشے پر رکھکر روشنی دکھاتا تھا - روشنی کے اثر سے اسفالٹ مٹی کے تیل مین محلل ہوجاتا تھا - اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ جب پلیٹ مٹی کے تیل مین دھویا گیا تو جن حصص پر روشنی کا اثر نہ ہوا تھا وہان کا سب مسالہ تیل مین حل ہوگیا اور جس جگہ روشنی کا اثر ہوا تھا وہان اسفالٹ قائم رہا - اس طریق کا نام اُسنے "ہیلیوگرافی" رکھا اور ۱۸۱۶ء سے ۱۸۳۳ء تک اسی پر عمل کرتا رہا - مگر اسمین بڑا نقص یہ تھا کہ تصویر کی تیاری مین منٹون کے بجاے گھنٹے صرف ہوتے تھے اور شاید یہی وجہ تھی کہ نیپسی نے اپنے تجربات کو کسی پر ظاہر نہین کیا -

۱۸۲۹ء مین نیپسی نے اپنے ساتھ جرمن کے ایک ڈاکٹر مسٹر ڈاگور کو شریک کیا اور جب نیپسی فوت ہوگیا تو مسٹر ڈاگور کا عمل بھی اسی طریق پر رہا اور جب کامیابی کی شکل نظر آنے لگی تو اُسنے اپنے تجربات کی اشاعت کی اور اسکے حصے مین فرانسیسی

گورنمنٹ سے بیش قیمت انعامات عطا ہوئے۔ اس پرانے طریق مین اُسنے چند خاص تبدیلیان بھی کین تھین اور اسکی بنا پر اسکا نام "ڈاگوریوٹائپ" رکھا۔ فوٹوگرافی کے اس طریقہ مین پلیٹ پر "آیوڈائیڈ آف سلور" چڑھایا جاتا تھا۔ اور کیمرے مین چند منٹ تک عکس لینے کے بعد پلیٹ کو گرم پارہ مین ڈبو دیا جاتا تھا۔ پارے کی بھاپ اُن مقامات پر جہان ہوجاتی تھی جہان روشنی نے اپنا اثر کیا تھا۔ عوام الناس نے اس طریق کو بہت پسند کیا اور ۱۸۳۹ء سے ۱۸۵۳ء تک کثرت کے ساتھ اسکا رواج رہا۔ اتبک ڈاگور اپنے طریق پر تیار کردہ تصاویر کو معمولی نمک یا "پوٹاشیم برومائیڈ" سے پائدار کرتا تھا۔ مگر انہین دنون جبکہ مسٹر ہرشل نے "ہیپوسلفائٹ آف سوڈا" کے فوائد دریافت کئے تو وہ بھی اسی کو استعمال کرنے لگا۔

جب مسٹر ڈاگور (۱۸۳۹ء) فرانس مین تجربات کر رہا تھا اُسی زمانے مین انگلستان مین ڈاکٹر ہمفری فاکس ٹالبائٹ بھی اصول فوٹوگرافی کی چھان بین مین مصروف تھا۔ ہر دو اصحاب نے قریب قریب ایک ہی وقت مین تصاویر اُتارین۔ ڈاکٹر ٹالبائٹ نے بھی شروع مین "کلورائڈ آف سلور" سے کام لیا مگر ۱۸۴۱ء مین "آیوڈائڈ آف سلور" سے کام لینے لگا۔ ڈاکٹر ٹالبائٹ نے اپنے طریقہ تصویر کشی کا نام کالوٹائپ رکھا۔ اس طریق مین تصویر بذریعہ "گیلک ایسڈ" اور "نائٹریٹ آف سلور" کے ڈیولپ (نمودار) کیجاتی تھی۔ ۱۸۴۱ء سے ۱۸۵۵ء تک انگلستان مین یہ طریقہ بہت رائج رہا۔

۱۸۳۹ء مین ڈاکٹر ہرشل نے شیشے پر "برومائیڈ آف سلور" چڑھانا ایجاد کیا۔ مگر اسکے لئے ایک ایسی چیز درکار تھی جو اُسے شیشے پر جما دینے مین مدد ثابت ہو۔ اس وقت کو ایک فرانسیسی مسٹر ٹانپسی ڈی سنٹ وکٹر نے ۱۸۴۷ء مین انڈے کی سفیدی استعمال کرکے رفع کیا۔ لیکن ۱۸۵۱ء مین مسٹر اسکاٹ آرچر نے "کلوڈین" کو اس سے زیادہ مفید پایا۔ اور ڈیولپر کے لئے "پیروگیلک ایسڈ" کو تجویز کیا۔ اس طریق مین اول شیشے پر ایک ہلکی تہ "کلوڈین" کی اور اُسکے اوپر ایک تہ "پوٹاشیم برومائیڈ" یا "پوٹاشیم آیوڈائیڈ" کی جمائی جاتی تھی۔ بعد ازان اُسے "نائٹریٹ آف سلور" کے پانی مین غوطہ دیا جاتا تھا اور اسی تر حالت مین کیمرے مین رکھکر عکس لے لیا جاتا تھا۔ اور عموماً "پوٹاشیم آف سیانائیڈ" سے تصویر کو پائدار کیا جاتا تھا۔ شروع کے جملہ طریقون سے یہ طریقہ زیادہ کارآمد ثابت ہوا اور ۱۸۵۱ء سے ۱۸۸۰ء تک اسی کا رواج رہا۔

یہ طریقہ اسٹڈیو مین استعمال کئے جانے کے حق مین تو واقعی مفید تھا۔ لیکن اسکے ذریعہ باہر جاکر تصویر اُتارنا آسان نہ تھا۔ اس نقص کو دُور کرنے کے لئے ۱۸۵۵ء ڈاکٹر ہل نارس نے کلوڈین ڈرائی پلیٹ ایجاد کئے۔ یہ سب سے پہلے ڈرائی پلیٹ تھے اور کوئی دس برس تک انکی خوب شہرت رہی۔ ان پلیٹون کو چاندی چڑھانے کے بعد پانی مین اچھی طرح دھویا جاتا تھا اور تب ٹینن۔ گیلک ایسڈ اور شراب لگاکر بہت جلد خشک کرلیا جاتا تھا۔ اولاً ان پلیٹون پر تصویر زیادہ دیتک عکس لینے پر آتی تھی مگر میجر رسل میزس گارڈن اور کیپٹن اینی صاحبان نے اس طریق عمل مین بہت سی نئی ایجادون سے اسکو اور بھی زیادہ آسان کردیا۔

۱۸۵۵ء مین پیرس کے ایک فوٹوگرافر مسٹر گوڈن نے ایک ایسا عرق دریافت کیا جسپر روشنی کا عکس ہوسکتا تھا اور میسرز سیبل و بولٹن نے اسکا تجربہ کرکے "کلوڈیو برومائیڈ ایملشن پلیٹ"

ایجاد کئے - مسافرت مین رہنے والے فوٹوگرافرون نے ان پلیٹون کو بہت پسند کیا - تاہم ان مین بھی کچھ زیادہ سہولت نہ تھی - ان مین عکس بہت دیر تک لینا پڑتا تھا -

۱۸۷۱ء مین ڈاکٹر میڈاکس نے ایک اور قسم کی "ڈرائی پلیٹ" ایجاد کئے جنمین جیلیٹین "مع "برومائیڈ آف سلور" پڑھائی جاتی تھی - رفتہ رفتہ میسرز برجس - کینٹ اور ہینٹ وغیرہ صاحبان نے اصولِ فوٹوگرافی مین بہت ہی چھان بنان کی اور اس فن کو درجۂ کمال تک پہونچایا - اگرچہ ۱۸۷۹ء ہی مین کلوڈین پلیٹ متروک الاستعمال ہوگئے تھے مگر ۱۸۸۱ء مین انکا نام و نشان تک نہین رہا -

مندرجۂ ذیل نقشے سے یہ امر واضح ہوگا کہ رفتہ رفتہ کسقدر تبدیلیان اصولِ فوٹوگرافی مین ہوئین اور کہانتک ماہران کیمسٹری نے اسمین ترقی کی :-

نمبر	نام موجد	طریقہ	سن ایجاد	اکسپوژر یعنی وقتِ عکس
۱	نائیسنور نیپی	ہیلیوگرافی	۱۸۲۶ء	۶- گھنٹے
۲	ڈاگور	ڈاگوریوٹائپ	۱۸۲۹ء	۳۰ منٹ
۳	ہنری فاکس ٹالباٹ	کولوٹائپ	۱۸۴۱ء	۳ منٹ
۴	اسکاٹ آرچر	کلوڈین (تر)	۱۸۵۱ء	۱۰- سکنڈ
۵	سیبل و بولٹن	کلوڈین ایملشن پلیٹ	۱۸۶۴ء	۵ - سکنڈ
۶	ڈاکٹر میڈاکس	جیلیٹین ایملشن پلیٹ	۱۸۷۸ء	۱- سکنڈ

اسقدر ترقیون اور آسانیون کے بعد بھی ماہرین فوٹوگرافی اسکو مختلف پہلوؤن سے ترقی کا محتاج بتاتے ہین اور خدا معلوم اس فن کے مکمل ہونے مین ابھی اور کتنا زمانہ لگیگا - پلیٹون اور سالون مین آئے دن ایک نہ ایک تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ جہان تک ممکن ہو اس فن کو زیادہ سہل بنایا جائے -

فوٹوگرافی کا دارومدار زیادہ تر لینس پر ہے - اگر لینس اچھا ہے تو تصویر ضرور ہی اچھی ہوگی اور اگر لینس ناقص ہے تو تصویر ناقص ہوگی - جسطرح پلیٹ کے سالون مین رفتہ رفتہ تبدیلیان ہوا کی ہین اسیطرح لینس مین بھی یہ سلسلہ جاری رہا ہے -

ساخت کے لحاظ سے لینس کی بہت سی قسمین ہین مگر اینمین مشہور یہ ہین :-

(۱) ایک پہلو صاف اور دوسرا قوسی یا محرّف یعنی (Plano-Concave)

(۲) محدّب باقبہ دار یعنی (Plano-Convex)

(۳) ڈبل یا دوہری محرّف یعنی (Double-Concave)

(۴) دوہری محدّب یعنی (Double-Convex)

(۵) ایک طرف ہلالی اور دوسری طرف مقعر یعنی (Maniscus)

(۶) جوفی محدّف یعنی[1] (Concave-Convex)

انکے علاوہ بلوری کثیر الاضلاع یعنی پولی ژونکل (Polyzonical) وغیرہ قسمین بھی لینس کی مشہور ہین - لینس کی ہر ایک قسم مین مندرجۂ ذیل خواص کا ہونا ضروری ہے -

(۱) فوکل لنگتھ (یعنی فاصلۂ عکس) -

(۲) ڈپتھ آف ڈی فی نیشن (یعنی جب کسی چیز کو مختلف بُعد یا فاصلون سے دیکھا جاے تو ایک سی صورت معلوم ہو) -

(۳) اینگل آف ویو (یعنی زاویہ نظری) -

(۴) رے پڈ ڈے ٹی (یعنی منعکس شدہ روشنی کی کیفیت) کیونکہ بعض لینسون مین تصویر کے پاس سیدھی کرنین ترچھی دکھائی دیتی ہین

(۵) ڈس ٹورشن (یعنی بعض متوازی یا عمودی خطوط کا تصویر پر اصلی صورت مین منعکس نہونا) -

---

[1] کہا جاتا ہے کہ اسکے ایک طرف کا قطر دوسری طرف سے چھ گنا ہوتا ہے -

انہین مندرجۂ بالا اصولون کی بنا پر سب سے پہلے ۱۸۹۲ء مین لینس تیار کیا گیا - مگر ان لینسون مین چونکہ کوئی اس قسم کی طاقت یا قوت نہ تھی یا اپنر کوئی ایسا مسالہ نہ تھا جس سے شعاع پورے طور پر منعکس ہو سکے - بدینوجہ تصویر پر عموماً داغ اور دھبے نمایان ہوتے تھے - اس قسم کا دقیقہ جے نا (Jena) کے مشہور کارخانۂ شیشہ گری نے کیا - اسکے بعد ڈاکٹر میتھ نے یکے بعد دیگرے دو قسم کے لینس ایجاد کئے جنمین ایک کا زاویہ ۶۵ درجہ کا اور دوسرے کا پچاس درجہ کا تھا - یہ ایجادین ۱۸۸۶ء و ۱۸۹۶ء مین ہوئین -

میسرز شروڈر و اسٹوارٹ کمپنی نے ۱۸۹۸ء مین ڈاکٹر میتھ کے بعد ایک نئی قسم کے لینس ایجاد کئے اور ۱۸۹۲ء مین فوٹوگرافروں کے عام طور پر استعمال کے لئے اعلان کیا - ان لینسون مین صنعت رکھی گئی تھی کہ سامنے اور نیچے کے سطحون کا انصف قطر ایک ہی مرکز سے گذرتا تھا اسلئے انکا نام نیم مرکزی لینس (Concentric Lens) رکھا - انکے ذریعہ بہت ہی صاف تصویر اترنے لگی -

اسی اصول پر کام کے بسرعت انجام پانے اور زیادہ وضاحت سے عمل مین آنے کے لئے ۱۸۹۲ء مین ڈاکٹر رودلف نے ایک قسم کے لینس ایجاد کئے جنکے ذریعہ سے ۳ء۶ سے لیکے ۱۸ تک کے فاصلہ فوکس (عکس) کا اظہار ہو سکتا ہے - ۱۸۹۳ء مین ڈاکٹر گوئرز نے ایک اور جدت دکھائی یعنی دو پارے لوٹ مین ایک نگیٹو اور ایک پارے لوٹ کو دو نگیٹو مین رکھکے اس قسم سے انعکاس شعاع کا طریقہ ایجاد کیا کہ جس سے وقت کی اور بھی بچت ہو گئی -

امریکہ کے میسرز ٹرزانیڈ یج کو یہ فخر حاصل ہے کہ بے اندازہ دوہرے لینس کے شیشے انہین کے یہان سے پہلے نکلے - انین درمیانی لینس ایک پہلو پر ہلالی اور دوسرے پہلو پر مقعر یعنے مے س کس ہے اور باہر کا نگیٹو اور اس سے اوپر کا پورے لوٹے تس کس ہے مسٹر وڈلے رے نے (Platystigment) لینس ۱۸۹۲ء مین ایجاد کئے جس سے F 16 فاصلہ فوکس پر نصف پلیٹ اور F 32 فاصلہ فوکس پر پورا پلیٹ ظاہر ہوتا ہے کھلے میدانون مین یہ لینس نہایت ہی مفید ثابت ہوئے ہین - مگر جو لینس حال مین ایجاد ہوئے ہین انکی خاصیت کچھ اور ہے - انمین یا وہ تر طولانی فاصلہ - ہموار میدان اور صحت کا خاص خیال ملحوظ ہے -

بعض ماہرین فن لینس کے بجائے پن ہول (سوئی کے سوراخ) کو ترجیح دیتے ہین - انکا خیال ہے کہ سب کرنین اسی مین سے ہوکر گذرتی ہین اور تصویر بآسانی اتر آتی ہے - مگر کارنوال کے مشہور ڈاکٹر بے - بیک اسکے خلاف ہین - وہ کہتے ہین کہ جو تصویر سوئی کے چھید مین ہوکر آئیگی اسکا انعکاس محدود ہوگا - حالانکہ جو تصویر لینس پر مختلف کرنون کے ذریعہ سے دوسرے رخ پر آتی ہے وہ کرنون کے مجموعی اثر کا نتیجہ ہے -

شاکر

مسدس حالی - سعدی وقت مولانا حالی کے مشہور مسدس "مدوجزر اسلام" کو منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد نے ایک نفیس اڈیشن مین شائع کیا ہے جو انکے حسن مذاق کا اعلیٰ نمونہ ہے تجلید و چھپائی کی نفاست کے ایجاد کا فخر جناب رعد ہی کو حاصل ہے اور آپ نے اس کام مین جو دیدہ زیبی دکھایا ہے وہ نہایت حیرت انگیز ہے - مسدس حالی کے اس نئے ایڈیشن مین اعلیٰ کاغذ اور بے نظیر چھپائی کے علاوہ جا بجا رنگین نقشے بھی دئے گئے ہین جنسے مسدس کے بعض مطالب کی وضاحت ہوتی ہے اور جو حضرت رعد کی جدت طبع کا بالکل معجزہ ہین - علاوہ برین حواشی کی ترتیب ضمیمون کا اضافہ اور مضامین اور نئے پڑھنے دیباچون کے اندراج کے ساتھ مولانا ممدوح کی ہاف ٹون تصویر بھی دیگئی ہے اور سرورق رنگین و مذہب لوح سے مزین ہے - کتاب کی تقطیع پاکٹ ایڈیشن کے مطابق ہے اور انگریزی قسم کی جلد کتاب کی خوبصورتی کو دوبالا کر رہی ہے - قیمت مرتن ایک روپیہ - نامی پریس کانپور سے طلب کرنا چاہئے -

صنائع لکھنؤ

(۱)

کچھ عرصے سے ملک مین صنعتی ترقی کی شعاعین پھر بلند ہونے لگی ہین اور ہماری تمدنی بیداری کے آثار پھر نمایان ہوچلے ہین - تعلیمی ترقی کی ساتھ ساتھ حکومت وقت ، رعایا کی صنعتی ترقی کی طرف بھی مائل ہے اور ملک کے اکثر حصون مین نمایش گاہین کھولی جارہی ہین تاکہ عوام الناس مین صنعت و حرفت کی ترقی کا رجحان پیدا ہو - چنانچہ ہمارے صوبے کے اکثر مقامات پر ضلعی نمایشین ہورہی ہین اور آیندہ دسمبر مین خاص اس شہر مین ایک عظیم الشان نمایش منعقد ہونیوالی ہے جسکی تیاریان نامحدود ہین -

اس موقع پر مجھے لکھنؤ کا قدیم زمانہ خیال آگیا جو کسی زمانے مین صنعت و حرفت کا سب سے بڑا مرکز تھا اور جسکی تصدیق نہ صرف زبانی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی ہوتی ہے - تاریخ اودھ کے انگریز مورخ اور وہ غیر ملکی سیاح جو لکھنؤ کے زمانہ عروج مین یہان آئے تھے - اپنی اپنی تاریخون اور سفرناموں مین اسے اُس عہد کا سب سے بڑا تجارتی اور تمدنی شہر تسلیم کرتے ہین - چنانچہ ۱۸۱۲ء کا ایک انگریز مصنف لکھتا ہے -

"لکھنؤ مین ہر قسم کے بہترین صناع اور دستکار پائے جاتے ہین جو عقل و دانش مین انگلستان کے بہترین کاریگر اور اہل حرفہ سے شاید ہی کم درجہ ہون"

اسیطرح متعدد ثبوت موجود ہین - لیکن ۱۸۵۷ء کے ہولناک غدر کے بعد کچھ ایسے اسباب واقع ہوئے کہ یہان کے ذہین، طباع اور عالی دماغ لوگون کی تمدنی ترقی کی رفتار یکقلم منقطع ہوگئی اور اُن ناموروں کی نسلین قعر مذلت مین گر گئین جنھون نے علم و ہنر کے ہر صیغے مین انسانی حیطۂ امکان تک ترقی کی تھی اور وہ شہرت حاصل کی تھی جسکا خفیف اثر ابتک باقی ہے -

تاہم اس زمانے مین وہ صناع اور اُنکی صناعیان تقریباً غالب تباہ، برباد، اور مفقود ہوگئی ہین - اور جو باقی ہین اُنکی حالت زوال پذیر اور قابل رحم ہے - غدر کے بعد عام مفلسی، تباہی اور خانہ ویرانی کے سیلاب نے اُن باکمالون کو اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ اپنی تمدنی ترقی کی رفتار قائم رکھتے بلکہ وہ پرانے صنعتی ذخیرے بھی جو آج یورپ کے عجائب خانون کی زینت کا باعث ہین مفلسانہ مجبوری کے عالم مین اُنکے قبضے سے نکل گئے -

اس انقلاب عظیم نے جو باشندگان شہر کی زندگی مین دفعتہً واقع ہوا تھا مدت تک لوگون کو محو حیرت رکھا اور ایک معتدبہ زمانہ صرف اپنی گذشتہ حالت پر افسوس کرنے مین گذر گیا - تقریباً بیس سال تک لوگ یہ سوچتے رہے کہ ہمین اب کیا کرنا چاہیے اور اگرچہ نئی حکومت نے ترقی تعلیم کیلئے جدید کوشش کی تاہم شرفا شہر اور زمانۂ شاہی کے رئیس اپنی اولاد کو انگریزی تعلیم دلانے سے بدرجہا تامل محترز رہے - اسطرح اُنکی آیندہ نسلین اُس مفلسی کا خطا ہوگئین جو اسوقت تمام شہر پر چھائی ہوئی ہے اور جسکی بدولت اُنکی شرافت، نجابت اور تمدنی شہرت سب برباد ہوگئی - خالی پیٹ اور کمزور دماغ کسی آدمی کو اس قابل نہین رکھتا کہ وہ علم و ہنر کے کسی صیغے مین ترقی کی معراج حاصل کرسکے -

یہ کہدینا آسان ہے کہ ہماری فطری عیش پسندی نے ہمین موجودہ ترقی کی دوڑ مین سب سے پیچھے ڈالدیا ہے اور

زمانۂ شاہی کے حیرت انگیز خواب ہماری آنکھون کو ابتک فراموش نہین ہوئے ہین - ہمارے کان اُنہین دلچسپ افسانون سے بھرے ہوئے ہین اور ہمارے دماغون مین وہی دل خوش کُن خیالات ابتک گونج رہے ہین - لیکن جب اسباب ووجوہ پر غور کیا جاتا ہے اور فلسفیانہ نتائج اخذ کرنیکی کوشش کیجاتی ہے تو یہ الزام زیادہ وقیع اور درست نہین ٹھہرتا - یہ صحیح ہے کہ ہم اپنی گذشتہ حالت کے مقابلے مین اپنی نئی حالت کی قدر وقیمت سمجھنے مین عرصے تک قاصر رہے - ہمارے بزرگون نے انگریزی تعلیم اور جدید تمدن کی برکتون سے اسلئے فائدہ نہین اُٹھایا کہ اُنہین یکبین کے فلسفہ سے مستفید ہونے کا موقع نہین ملا تھا - کیونکہ اودھ کو انگریزی حکومت کی برکتین اور مغربی تہذیب سے بہرہ ور ہونیکا موقع سب کے بعد نصیب ہوا -

نئی اور پُرانی تہذیب مین کشمکش ایک قدرتی بات تھی جو لکھنؤ مین عرصے تک جاری رہی اور باشندگان شہر کی تمدنی قسمت کا فیصلہ اُس آسانی سے نہین ہوسکا جو بنگال، مدراس، بمبئی اور پنجاب مین وقوعہ ہوگیا تھا - چنانچہ رسل صاحب نے اپنی کتاب موسومہ "پرنس آف ویلس کا دورۂ ہندوستان" مین جو ہمارے موجودہ شہنشاہ کی تشریف آوری ہند کے متعلق لکھی گئی تھی اس مسئلے پر حسب ذیل روشنی ڈالی ہے :-

"یہان ابتک پُرانے کاریگرون کی ایک قلیل تعداد موجود ہے جنکی زمانۂ شاہی مین کثرت تھی جبکہ لکھنؤ پیرس کی ہمسری کرتا تھا - یہ سونے چاندی کی اشیاء - نفیس ونادر قسم کے زیورات - جلد سازی - نیچہ بندی - چتائی (زیور مین پھول بوٹے کھودنا) اور بدرسازی مین ید طولیٰ رکھتے ہین - انہین اپنی قدیم صناعی پر ناز ہے اور گذشتہ زمانے کے مداح ہین نیز یہ جدید قسم کی صناعیون کو بے حقیقت سمجھتے ہین"

یہ ایک سرسری راے ہے جو بادی النظر مین قائم کی گئی ہے اور جسمین زیادہ تحقیق کی تکلیف نہین گوارا کی گئی - ورنہ لکھنؤ کی قدیم صنعت وحرفت ایسا وسیع مضمون ہے جسپر ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے - پکٹوریل لکھنؤ (Pictorial Lucknow) کے واقفکار مصنف نے اس مسئلے پر کسیقدر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے - اُسکی تحریر سے چند اقتباسات ذیل مین درج کئے جاتے ہین -

"نقادانہ نظر ڈالنے سے لکھنؤ کی صنّاعیان نہایت نفیس و نادر ہین - جب کسی سادے اور مختصر کام کا نمونہ نظر سے گذرتا ہے تو وہ اپنی ساخت اور کاریگری مین اسقدر مکمّل ہوتا ہے کہ اُسپر کوئی اضافہ ناممکن ہے یا اُسمین کسی اصلاح کی ضرورت نہین باقی رہتی - لیکن جب کوئی وسیع اور پیچیدہ کام کا نمونہ پیش نظر ہوتا ہے تو اُسمین صنّاعیون کا اسقدر ہجوم ہوتا ہے جو سادگی پسند نظرون کو گران گذرتا ہے"

مندرجۂ بالا تحریر سے صاف ثابت ہے کہ لکھنؤ کے کاریگر سادی اور پُرتکلف دونون قسم کی صنّاعیون پر قدرت رکھتے تھے - اس موقع پر سادگی وتصنع کی بحث فضول ہے جو مصنّف کے آخری فقرے سے ظاہر ہے اور زیادہ تر اختلاف مذاق پر مبنی ہے - آگے چلکر یہی مصنّف پھر لکھتا ہے :-

"گذشتہ دو نمایش گاہون مین یہانکی صنّاعیون کے نمونے اگرچہ نفیس ترین یا مقید ترین یا کُلیتہً نہین دکھائے گئے تھے تاہم دیسی کاریگری کے نمونون مین وہ سب سے زیادہ ممتاز تھے اور مختلف صوبون کے ناظرین پر لکھنؤ کی اعلیٰ صناعیون کا زبردست اثر پڑا تھا - اگر اس قسم کی نمایش یہان ہر سال

ہوتی رہے تو مقامی صنعت وحرفت کی بربادی کے بعض اسباب (تجربہ اور قدردانی کی کمی) رفتہ رفتہ کافور ہو جائینگے۔ لیکن اس صورت مین یہ خوف ہے کہ غیر ملکی مذاق کے اثر سے مغلوب ہوکر مقامی کاریگر بھی زمانۂ حال کے نوخیز فیشن کی تقلید کرنے لگین گے اور صنائع لکھنؤ کی اصلی خصوصیات بے پروائی اور فراموشی کی نذر ہوکر یکقلم زائل ہو جائینگی۔"

ان سطور مین جو خوف ظاہر کیا گیا ہے وہ چہارم حصہ سے بھی کم عرصے مین ایک حد تک عملی صورت مین آچکا ہے۔ روسا شہر اور اہل دول کی ناقدردانی نے پرانی دستکاریون کو اس حد تک مٹا دیا ہے کہ اب وہ برائے نام باقی ہین اور روز بروز بدسے بدتر حالت مین ہوتی جاتی ہین۔ فیشن ایبل رئیس اپنے کمرونکی زیبائش، اپنی سواریون کے ساز وسامان اور لباس وغیرہ کے علاوہ روز مرّہ کی ضروریات مین بھی مغربی فیشن کے دلدادہ ہوگئے ہین۔ انھین دیسی چیزون سے اسقدر نفرت ہے کہ شکستہ حال کاریگر انکے دروازون پر جاتے ہوئے خوف کھاتے ہین۔

مجھے قدیم تعلقات کیوجہ سے اکثر جلیل القدر روسا شہر سے شرف نیاز حاصل رہا ہے اور انکے تغیر مذاق کو ارتقائی حیثیت سے دیکھتا رہا ہون۔ انکے طبائع کا جدید میلان انکے قدیم اصول زندگی پر رفتہ رفتہ حاوی ہوا ہے اور اس مذاقی جنگ مین فتح و شکست کے بہت سے پُرلطف منظر نظر سے گذرے ہین۔ خصوصاً انگریزی زبان اور انگریزی تہذیب سے بے بہرہ ہونے پر انکی جنٹلمینی جسقدر مضحک تھی اُسکی تصریح ناممکن ہے۔

بہرنوع یہی جنٹلمینی یا تغیر مذاق دیسی کاریگرون کی حوصلہ فرسائی کا باعث ہوا۔ انکی صناعیون کی سردبازاری، انکی عام بیقدری اور تحقیر نے انھین کنج عزلت مین بیٹھ رہنے پر مجبور کیا اور عسرت کے عالم مین راہی ملک عدم ہوگئے۔ انمین بہت سے ایسے لوگ تھے جنکی صناعیان انھین کے ساتھ فنا ہوگئین اور اب انکا نام ونشان بھی باقی نہین ہے۔ تاہم جسقدر باقی رہگئی ہین انمین بہت سی قابل قدر اور کارآمد ہین اور جنکو ترقی دینے سے شہر مین آسودگی اور خوشحالی کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔

صنعتی زوال کے اسباب مین عام مفلسی اور مقامی بیقدری کے علاوہ تجارتی ضعف کو بھی بہت کچھ دخل ہے اور وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ اسکے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہین کہ ہنگامہ غدر سے پہلے شمالی ہند مین لکھنؤ دیسی تجارت کی سب سے بڑی منڈی تھا۔ عام مؤرخ مرفع القلم لکھتے ہین کہ لکھنؤ کا مال ملک کے دور دراز حصون تک جاتا تھا اور ہر جگہ قدر کے ساتھ بکتا تھا۔ حالانکہ اُس زمانے مین سوداگرون کو باربرداری۔ حفاظت مال، اور وہ آسانیان ناممکن تھین جو آجکل ریلون کے ذریعے سے میسّر ہین خصوصاً ان اضلاع مین لکھنؤ سب سے بڑا جنکشن ہے جہان شبانہ روز چارون طرف کی ریلین آتی رہتی ہین اور نہایت آسانی سے ہندوستان کے ہر حصے مین مال روانہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن جب مال ہی نہو تو کیا روانہ کیا جاے۔ اُن بیحد وعد دستکاریون مین جنکی صراحت کسی دوسرے مضمون مین کیجائیگی اب صرف چکن۔ رضائی۔ لحاف۔ پلنگ پوش کی فردین۔ زردوزی کام اور مٹی کے مصنوعات ایک محدود حالت مین باقی رہگئے ہین اور انکے کارخانے اسقدر کم اور بے بضاعت ہین کہ اُنسے کسی بڑی تجارت کی امید ناممکن ہے جو شہر کی آسودگی اور خوشحالی کا باعث ہو۔ البتہ شہر مین وسیع قطعات اراضی موجود ہین جو ملک کے دولتمند لوگون کو نہایت ارزان قیمت مین ملسکتے ہین اور جنمین

مقامی صنعت وحرفت کے نہایت عظیم اور وسیع کارخانے قائم ہوسکتے ہین جو ذاتی منفعت کے علاوہ غرباے شہر کی کفاف کا باعث بھی ہوسکتے ہین۔

ان غربا اور شکستہ حال لوگون مین ان ذہین۔ طبّاع۔ اور اہل کمال کی نسلین ابتک باقی ہین جو صنعت وحرفت کے میدان مین انسان کے حیطۂ امکان تک ترقی کرسکتی ہین اونکی حوصلہ فزائی اعلانًا واجب بلکہ فرض عین ہے۔ انمین پرانی ہی دستکاریون کو قبول کرنیکا مادہ نہین ہے بلکہ جدید صناعیون اور مغربی ایجادات کی نقل اُتارنے مین بھی کافی قابلیت رکھتے ہین۔ انمین بہت سے ایسے ہین جنھون نے اپنے بچپن کے زمانے مین ریل اور تار کی نقلین اُتاری تھین اور گلی گلی تماشا کرتے پھرتے تھے۔ لیمپ۔ چھتری۔ میز۔ کرسی۔ اور زمانۂ حال کی تمام ضروریات کو جس ہوشیاری۔ نفاست اور تیزدستی سے یہ بناسکتے ہین ہندوستان کے دوسرے حصّون مین ناممکن ہے۔ صرف۔ سرمایہ اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے جو ملک کے ایسے دولتمند رفع کرسکتے ہین جنہین سرمایہ لگانے کے لئے موقعے نہین ملتے۔ بنقاے رؤسا سے ایسی امید اسلئے نہین کیجاسکتی کہ اُنمین تجارتی ترقی کا مادہ فطرۃً مفقود ہے اور ضروریات زمانہ سے کلیتاً بے خبر ہین۔

ایڈیٹر

ڈیوڈ ہیوم کے علمی کارنامے

منجملہ اُن مشاہیر کے جو خاک اسکاٹلینڈ سے پیدا ہوکر آسمان فضل وکمال پر آفتاب نصف النہار بنکر چمکے اور اپنے علم وہنر کی نورانی شعاعون سے تمام عالم کو روشن کیا۔ ڈیوڈ ہیوم کا نام نامی خاص طور پر عزّت اور وقعت سے لیا جاتا ہے اور جبتک دنیا مین اُسکے علمی کارنامون کے قدردان موجود ہین اُسکے اعزاز واحترام مین فرق نہین آسکتا اور اُسکے خرمن فیض کے خوشہ چین اُسکا نام نیازمندانہ عقیدت سے لیتے رہینگے

ڈیوڈ ہیوم کا شمار اُدباے انگلستان کے صفِ اولین مین ہے۔ وہ پہلا مورّخ ہے جسکی مساعی جمیلہ سے تاریخ انگلینڈ مکمل حیثیت سے معرض وجود مین آئی۔ اُس سے پیشتر صرف دو شخصون نے اس دشوار گذار مرحلے کے طے کرنیکی جرأت کی تھی۔ لارڈ کلیرنڈن (۱۶۰۸ - ۱۶۷۴) کی کوششین محض ہسٹری آف ریبلین (تاریخ بغاوت) تک محدود رہین۔ سر والٹر ریلے (۱۵۵۲ - ۱۶۱۸) نے تاریخ عالم لکھی لیکن وسعت مضمون کے اعتبار سے اُسمین جسقدر حصہ واقعات انگلستان سے متعلق ہے وہ اصابت راے۔ صحیح تحقیقات اور آزادانہ راے زنی کے لحاظ سے چنداں قابل وقعت نہین اور اسیوجہ سے ہیوم کی ہسٹری آف انگلینڈ سب سے پہلی تاریخ خیال کیگئی ہے جسمین انگلستان کے سیاسی اور معاشرتی معاملات پر نہایت تشریح اور تفصیل کے ساتھ بحث کیگئی ہے۔

ہیوم کے علمی کارنامے صرف تاریخ انگلینڈ ہی تک محدود نہین رہے بلکہ اُسکے حالات زندگی پر کافی عبور کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ اُسکی ساری عمر اُسکا قلم یکسان اپنے کام مین مصروف رہا ہے۔ ہمارے یہان ہندوستان

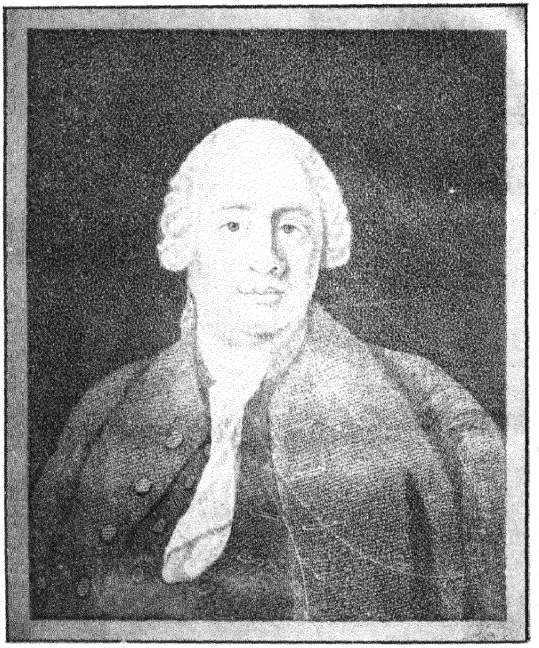

ڈیوڈ ہیوم

ہین جو اہل قلم اپنے مشاغل معاش کے سبب ادبیات پر متوجہ ہونیکا عذر پیش کرتے ہین اُنہین ہیوم کے واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ہیوم کو بھی بسا اوقات اُن مشکلات کا سامنا رہا جو انسان کے لئے اس دنیا مین لابدی ہین لیکن اُسکی جوانمردانہ طبیعت پست نہین ہوئی اور اُسکے حوصلے اور ہمت مین ذرا فرق نہین آیا۔ علمی شغل کی مصروفیت کے باوجود اُسنے بعض نہایت اہم ذمہ داریون کی خدمات انجام دین۔ ساتھ ہی اُسنے جطرف اپنی عنان توجہ پھیری اُس کام کو غایت انہماک اور مستعدی سے پورا کیا۔ اس مختصر مضمون مین تفصیلی بحث کی گنجایش نہین لیکن ہم اختصار کے ساتھ اُسکے بعض ضروری سوانحی حالات اور اُسکے علمی خدمات کا ذکر کرینگے جنکی بدولت انگریزی لٹریچر اوج کمال پر پہونچا ہے۔ ہیوم اپنے ملکی علم ادب کے اولین محسنون مین ہے اور اُسکی بعض معتبر تصانیف اور تقریرات علمیہ اسوقت تک انگریزی خزانۂ ادب کے گرانمایہ جواہر شمار کئے جاتے ہین۔

ڈیوڈ ہیوم ۱۶ - اپریل ۱۷۱۱ء کو بمقام ایڈنبرا علاقہ وجو مین آیا۔ باپ کا نام جوزف ہیوم اور مان کا نام کیتھرائن تھا۔ خوش قسمتی سے اُسے ایک معزز اور خوشحال خاندان ملا جسکا سلسلہ ارل آف ہوم سے جاکر ملا تھا۔ اُسکی مان سر ڈیوڈ فالکنر پریسیڈنٹ کالج آف جسٹس کی لڑکی تھی۔ اُسکے بزرگ ایک جاگیر پر پشتہا پشت سے قابض چلے آتے تھے۔ اس اضافی اعزاز و وقعت سے قطع نظر کرنیکے بعد ہیوم کا ذاتی سرمایہ بہت کم تھا۔ یہ اپنے بھائیون مین سب سے چھوٹا تھا اسلئے حسب رواج اسکو ترکہ مورث مین بہت کم حصہ ملا اور سب سے بڑی مصیبت عالم طفولیت ہی مین اُسکے سر یہ آپڑی کہ اُسکے والد کا انتقال ہوگیا۔ سایۂ پدری سے محروم ہونا سخت بدنصیبی ہے لیکن اگر مان اپنی ذمہ داریون کو محسوس کرے تو یہ مشکل کسقدر آسان ہوسکتی ہے۔ ڈیوڈ ہیوم اس اعتبار سے بہت خوش قسمت تھا۔ ایک جگہہ اپنے حالات مین لکھتا ہے کہ "میرا ایک بڑا بھائی تھا اور ایک بہن۔ میری مان جو اپنی ذاتی خوبیون کے لحاظ سے بے نظیر تھی ان سب کی نگران اور خبرگیران تھی۔ گو اُسکا حسن اور اُسکی عمر اس قابل تھی کہ وہ دوسری شادی کرلے لیکن اُسنے اپنی بقیۂ زندگی اپنے بچون کی تعلیم و تربیت کی نذر کردینا مناسب تصور کیا۔

مان کی غور و پرداخت کا یہ اثر ہوا کہ ہیوم کی ابتدائی تعلیم باقاعدہ طور پر ہوگئی اور شروع ہی سے ادبیات کی طرف اُسے رجحان پیدا ہوگیا ہیوم کا قول ہے کہ یہ رجحان اُسکا تمام عمر باقی رہا۔

بعض مبصرین کی راے ہے کہ لڑکے کی تعلیم مین اُسکی طبیعت کا اندازہ ضرور کرنا چاہئے۔ یعنی جس فن کی طرف اُسکا طبعی لگاؤ ہو اُسکی تعلیم دلانا چاہیے۔ اس قاعدہ کلیہ سے انحراف کرنا سخت غلطی ہے۔ ہندوستان مین تو اسکا مطلق خیال نہین کیا جاتا اور یہ اسیکا نتیجہ ہے کہ ہمارے لوگون کی ذہنی اور دماغی قابلیت نہایت کمزور ہوتی ہے اور جدت ہمارے یہان سے مفقود ہوگئی ہے۔ انگلستان مین تربیتی قانون اسوقت اگرچہ مکمل خیال کیا جاتا ہے لیکن اُسوقت وہان بھی ہندوستان کی سی حالت تھی۔ چنانچہ ڈیوڈ ہیوم کے فطرتی رجحان کے برخلاف اُسکے اہل خاندان نے اُسے قانونی تعلیم دلانیکی خواہش ظاہر کی۔ مگر فلسفہ اور علم ادب کی دلچسپیان ہیوم کے دل پر قبضہ کرچکی تھین۔ عزیزون کی کوشش کارگر نہوئی۔ برائے نام

وہ قانون کا مطالعہ کرتا لیکن زیادہ تر سنسر و اور ورجل کی تصانیف اُسکا وقت لے لیتیں اور پوشیدہ طور پر وہ لٹریچر کا دلدادہ بنا رہا۔ لٹریری مشاغل مین منہمک ہونے اور فراغ آمدنی مسدود ہونے سے اُسکی مالی حالت بہت ابتر ہوگئی اور کثرت مطالعہ کا اثر اُسکی صحت جسمانی پر بھی پڑا۔ تنگدستی نے اُسے تلاش معاش پر آمادہ کیا اور وہ اسی غرض سے ۱۷۳۴ء مین برسٹل پہونچا لیکن جو جگہ وہان ملی وہ ہیوم کو ناپسند تھی۔ اُسے ترک کرکے وہ عازم فرانس ہوا۔ لیکن ملازمت کا تھوڑا بہت تجربہ جو اُسے برسٹل مین حاصل ہوا ہیوم کی آیندہ طرز عمل قائم کرنے جانیکا موجب ثابت ہوا۔ فرانس مین اُسنے حتمی عہد کیا کہ ادبیات کے سوا کسی دوسری طرف طبیعت کو متوجہ نہ کرونگا اور اعلیٰ درجہ کی کفایت شعاری سے اپنی آمدنی بڑھاؤنگا۔ اسی قیام فرانس کے اثنار مین اُسکی سب سے پہلی تصنیف "رسالہ تحقیق طبیعت انسانی" کے نام سے تکمیل کے درجہ کو پہونچی۔

۱۷۳۷ء مین وہ لندن واپس آیا۔ فرانس کی سکونت مین اُسکا شوق علم ادب کے ساتھ اور بڑھ گیا تھا۔ اُسکے فطرتی میلان کے ساتھ فرانس کی علمی سوسائٹی اور فرنچ ادیبون کی لطیف صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ لندن مین پہونچکر دوسرے سال اُسنے اپنا رسالہ شائع کیا۔

رسالہ مذکور کی ایک ہزار کاپیان چھاپنے کے عوض جان نون نے پچاس پونڈ اور ۱۲ نسخے دینے منظور کئے۔ کتاب پریس سے نکلی لیکن خلاف قیاس ملک مین اُسکے ساتھ سرد مہری برتی گئی۔ پبلشر نے جن امیدون سے اُسکی اشاعت ضروری سمجھی اور گرانقدر اخراجات برداشت کئے اُن سب پر پانی پھر گیا۔ کسی نامور ماہواری رسالے مین اُسپر تنقیدی مضمون شائع ہوا جسمین کتاب پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کیگئی اور بیچارے ہیوم پر بھی درشت الفاظ مین حملہ کیا گیا۔ اس مخالفت سے غریب نوجوان مصنف کی غایت درجہ دلشکنی ہوئی۔ لیکن اُسکے ہمت و استقلال مین کوئی کمی نہین ہوئی۔ وہ فطرتاً بشاش اور خوش مزاج تھا اور مصائب اور تکالیف کا اثر اُسپر زیادہ نہوتا۔ اسوقت بھی اُسکی یہ قابل تعریف صفت اُسکی حوصلہ افزائی کے لئے کارآمد ثابت ہوئی اور اپنے مشاغل علمیہ مین وہ بدستور مصروف رہا۔ ہندوستان مین اگر کوئی شخص معمولی سی کتاب بھی لکھ لیتا ہے تو اُسکی تمنا ہوتی ہے کہ ملک اُسکی قدردانی کرے۔ اگر اُسکی یہ آرزو پوری نہو تو پھر اُسکی ہمت آگے بڑھنے کی نہین پڑتی۔ ہمین ڈیوڈ ہیوم کی مستقل مزاجی کا اسجگہ اعتراف کرنا چاہیے کہ باوجود پہلی کوشش مین شکست کھانے کے وہ کامیابی سے مایوس نہوا اور علمی کوششون کا سلسلہ جاری رکھا۔

۱۷۴۲ء مین اُسکے مضامین کا پہلا حصہ شائع ہوا اور اہل ملک نے جائز قدردانی کے ساتھ اُسکا استقبال کیا جس سے ہیوم کی گذشتہ ناکامیابی کی تلافی ایک حد تک ہوگئی۔ یہ مضامین اخلاق اور ملکی بحث پر تھے جو ماہواری رسالون اور پرچون مین شائع کرنے کی غرض سے قلمبند ہوئے تھے۔ ڈاکٹر ٹیلر نے انکی بہت تعریف کی ہے اور فی الحقیقت یہ مضامین ادبی اور لٹریری پہلو سے اب بھی بہت کچھ قدر کے مستحق ہین۔ جسقدر کاپیان ان مضامین کے پہلے ایڈیشن مین نکلین وہ ایک تھوڑے عرصہ مین ہاتھون ہاتھ بک گئین۔

"رسالہ تحقیق طبیعت انسانی" کی ناکامیابی کے اسباب

وہ اکثر غور کرتا رہتا۔ ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ میرا یہ خیال ہمیشہ رہا کہ رسالہ مذکور کی اشاعت میں جو کامیابی نہوئی تو اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ کتاب ناوقت ہے بلکہ یہ تھی کہ اُسکی اشاعت وقت سے پہلے کیگئی۔ اُسنے اپنے ایک خط میں بھی جو اواخر عمر میں غالباً کسی دوست کے نام لکھا گیا تھا رسالہ کے متعلق تقریباً یہی خیال ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ بچیس برس کی عمر میں اسقدر بار اُٹھانیکی میں نے ناحق کوشش کی۔ ہیوم کے عزم بالجزم کا کیا کہنا۔ رسالہ مذکور کی آو بھگت ملک میں پہلی دفعہ اگر نہوئی تو اس سے وہ برداشتہ خاطر نہوا۔ اہل ملک پر ناقدردانی کا الزام عاید کرنیکی جگہ اُسنے اپنی ناکامی کا سبب خود اپنی ناتجربہ کاری اور بے بضاعتی کو ٹھہرایا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی وہ کتاب کی مفید مطلب خوبیوں کا مقر تھا اور اسیوجہ سے اُسنے اپنی اس پہلی تصنیف کو جو خود اُسی کے الفاظ میں گویا پریس سے مردہ پیدا ہوئی تھی اور نو نظر ثانی کرنے کے بعد دوسرے نام سے شائع کرنیکی ضرورت محسوس کی۔ لیکن باوجود تبدیل ہیئت کے بدنصیب کتاب کی قسمت نہ بدلی۔ اس درمیان میں اُسکے بعض دوسرے مضامین کا نیا ایڈیشن بھی پریس سے نکلا لیکن اسکی پرسش بھی پبلک میں مطلق نہوئی۔ اتنی ناکامیوں اور شکستوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ہیوم قلمی مساعی سے ہمیشہ کیلئے دست بردار ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا وہ اپنی ہر شکست کو آیندہ فتح کا پیش خیمہ سمجھکر برابر اپنی دھن میں لگا رہا۔

ہیوم کی تصانیف میں پولیٹیکل ڈسکورس (مباحث ملکی) خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ یہ کتاب اُسکے مضامین کے دوسرے حصہ کی حیثیت سے شائع ہوئی اور اسکے ساتھ اہل ملک نے بے اعتنائی سے کام نہیں لیا۔ پریس سے نکلتے ہی مانگ شروع ہوگئی اور اُسکی شہرت فرانس تک جا پہونچی۔ اس کتاب سے اہل فرانس میں بہت ہر دلعزیزی حاصل کی اور فرنچ زبان میں اسکے دو ترجمے ہوئے۔ پہلا ترجمہ ۱۷۵۳ء میں ہوا۔ دوسرا ترجمہ ایبے لی بلینک نے ۱۷۵۴ء میں کیا۔ ان ترجموں کی اشاعت سے فرنچ پبلک کو ہیوم کی قابلیت اور اُسکے آزادانہ خیالات سے آگاہی حاصل کرنے کا عمدہ موقع ملگیا اور اُسکا نام وہاں مستند مضمون نگار کی حیثیت سے مشہور ہوگیا۔

ہیوم کی شہرت کا حلقہ اب وسیع ہو چلا تھا اور اُسکے مضامین ملک میں خاص طور پر دلچسپی سے دیکھے جانے لگے تھے۔ اُسکی آزادانہ رائے زنی اور انصاف پسندی نے اُسکے بہت سے مخالف بھی پیدا کر دیئے تھے۔ مذہبی عقائد عوام الناس سے اُسکے بہت مختلف تھے۔ اُسکا خیال تھا کہ آدمی کسی بات کا تعین نہیں کر سکتا۔ رسالت و نبوت۔ نزول وحی۔ وقوع معجزات اسکے نزدیک مشکوک و مبہم تھے۔ اس قسم کے خیالات نے پادریوں میں ہل چل مچادی اور اُنکی طرف سے کئی جوابات شائع ہوئے لیکن ہیوم کی رائے میں جواب الجواب کی ضرورت نہ تھی۔

ہیوم کی تمام تصانیف میں تاریخ انگلستان کا نمبر اول ہے ۱۷۵۲ء میں ایڈنبرا کے انجمن وکلاء نے ہیوم کو اپنا لائبریرین مقرر کیا۔ یہ کتب خانہ اسکاٹلینڈ میں اوّل درجہ کا تھا تیس ہزار کتابیں اسمیں تھیں۔ باوجودیکہ اسکا تعلق ایک قانونی مجلس سے تھا لیکن کتب تواریخ کا اسمیں نادر ذخیرہ تھا۔ جس سے مستفید ہونیکا ہیوم کو کافی موقع حاصل ہوگیا۔ یہیں اُسکو تاریخ انگلستان مدوّن کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ انگلستان کی ابتدائی تاریخ لکھنا۔ مسلسل واقعات جمع کرنا اور اُنپر بالتفصیل گہری نگاہ ڈالکر نتائج

اخذ کرنا معمولی باتین نہ تھین۔ آسانی کے خیال سے اُسنے خاندان اسٹوارٹس سے اپنی مہتم بالشان کتاب کا آغاز کیا پہلی جلد کے شائع ہوتے ہی اُسے معلوم ہوگیا کہ لوگ اُسکی آزادانہ روش پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے لئے تیار نہین ہین۔ اُسکا یہ خیال تھا کہ عوام کے توہمات اور موجودہ گورنمنٹ کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرنے سے اگر بہت سے لوگ مخالفت کرینگے تو اکثر موافق بھی ہونگے لیکن یہ خیال غلط نکلا۔ اور چار طرف سے اُسپر لعنت وملامت کی بوچھار ہونے لگی۔ اصل یہ ہے کہ چارلس اوّل کی بدنصیبی پر آنسو بہانا بجائے خود انگریزی پبلک کو مشتعل کرنا تھا اور اسی بدنصیب بادشاہ کی حمایت و طرفداری نے ہیوم کو بھی انگریزون کی نظر سے گرایا اور اُسے عام مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسکے باوجود بھی وہ اپنے کام مین لگا رہا۔ پہلی جلد سال بھر کی محنت شاقہ کے بعد ختم ہوکر شائع ہوئی تھی۔ اُسکے اوّل اشاعت کے لئے کتب فروش نے ۴۰۰ پونڈ دئے۔ اسمین جیمس اوّل اور چارلس اوّل کا بیان ہے۔ دوسری جلد کے لئے ۶۰۰ پونڈ ملے۔ اُسکے علاوہ پہلی دو جلدون کی حفاظت حقوق کے عوض آٹھ سو گنیان ملین۔ دوسری اور تیسری جلد مین خاندان ٹیوڈر کے حالات درج ہین۔ چوتھی اور پانچوین جلدین جو ۱۷۶۱ء مین اختتام کو پہونچین جولیس سیزر سے لیکر ہنری ہفتم کے عہد تک کے واقعات لکھے گئے ہین۔ آخری دونون جلدون کیلئے ملر بلشر نے ۱۴۰۰ پونڈ کا معاوضہ پیش کیا۔

ہیوم کی تاریخ انگلستان ہر پہلو سے قابل وقعت ہے۔ زبان سلیس اور بامحاورہ۔ واقعات مسلسل۔ طرز بیان پسندیدہ ان تمام خوبیون پر اُسکی بے لاگ آرا نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے۔ یہ پہلی کتاب ہے جو ہیوم کی سالہا سال کی کوششون سے عالم وجود مین آئی اور جسمین انگلستان کے ہر عہد کے حالات نہایت شرح وبسط سے قلمبند کئے گئے ہین۔ یہ تاریخ اپنی ظاہری و باطنی خوبیون کیوجہ سے ابتک مستند سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب نے جہان ہیوم کی شہرت وعظمت مین چار چاند لگادئے وہین اُسکی مالی حالت بھی درست کردی۔ ہیوم کا ذاتی بیان ہے کہ حق تصنیف کی مدمین کتب فروشون سے مجھے جسقدر ملا اُسکی نظیر زمانہ گذشتہ مین کہین نہین ملتی۔ اسکی وجہ سے مین خاصہ دولتمند ہوگیا"۔

اس عظیم الشان مہم کے سر کرنیکے بعد اُسے لارڈ ہرٹفورڈ کے ہمراہ پیرس جانے کی ضرورت پیش آئی۔ وہان کے خوشحال اور علم دوست باشندون نے اُسکی آؤ بھگت مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا۔ ۱۷۶۳ء مین اُسے یہ سفر پیش آیا۔ لارڈ لیٹنیک کا قول ہے کہ پیرس مین کسی زندہ مصنف کی کبھی اتنی عزت نہین کیگئی جسقدر ہیوم کی۔

اس اثنا رمین اُسکی مالی حالت بھی بہت کچھ درست ہوگئی۔ اب اُسکی آمدنی ایک ہزار پونڈ سالانہ کی تھی۔ اُسنے مصمم قصد کرلیا تھا کہ اب دنیاوی جھگڑون سے علیحدہ ہوکر بقیہ عمر مطالعۂ فلسفہ مین گذار دیگا۔ لیکن ۱۷۶۵ء مین اُسکی صحت خراب ہوگئی اور اس درجہ اُسکی حالت مین فرق آگیا کہ اُسے اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی۔ معدہ کی خرابی سے اُسکی ماں کا انتقال ہوا تھا۔ یہی عارضہ اُسے بھی لاحق ہوگیا۔ لیکن باوجود کمزوری و ناطاقتی کے اُسکا علمی شوق آخر وقت تک قائم رہا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر مجھسے کوئی پوچھے کہ کون حصہ میری زندگی کا ایسا تھا جسمین پھر حاصل کرنے کی تمنا کرسکتا ہون تو مین اس اخیر زمانہ کو بتاؤنگا۔ بالآخر ہیوم کا وہ وقت آگیا

جس سے کسی ذی روح کو مفر نہین - موت سے کوئی بچ نہین سکتا اور کوئی انسانی طاقت اُسکی دست درازی کو روک نہین سکتی - ۲۵ - اگست ۱۷۷۶ء کو اُسنے اس سرائے فانی کو خیرباد کہا اور بمقام انڈنبرا اپنے سارے عزیز و اقارب کو متاسف و اشکبار چھوڑکر دوسری دنیا کی راہ لی - اُسکی ہڈیان اب بھی مشہور قبرستان کیلٹن ہل مین مرجع خاص و عام ہین -

کسی اہل الرائے کا قول ہے کہ مشاہیر مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہین - اس قول کی صداقت مین شک و شبہ کی گنجایش نہین - ہیوم مرگیا ہے اور اُسکو مرے ہوئے سیکڑون برس گذر گئے ہین لیکن اُسکے علمی کارنامے اور اُسکی اولوالعزمی اور قومی خدمات کی داستانین ابتک زندہ ہین اور رہینگی -

ڈیوڈ ہیوم کے سوانحی حالات نہایت دلچسپ ہین اور جس طریقے پر اُسنے باوجود معاش کی تنگی کے ملکی علم ادب کی خدمت کی وہ دوسرون کے لئے سبق آموز ہے مختلف مضامین اور تصانیف سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو تاریخ انگلستان کی تکمیل و تدوین ہی اُسکی عظمت کا سکہ بٹھانے کے لئے کافی ہے -

علمی مشاغل مین مسلسل مصروف رہنے کے ماسوا اُسنے اور بھی بہت سی ملکی خدمات انجام دین - پوکر کلب ایڈنبرا کا وہ دوامی ممبر رہا اور ۱۷۵۲ء مین اُسکے سکریٹری شپ کی ذمہ داریان بھی اُسکے سر پڑین - سلیکٹ سوسائٹی جسکا مقصد خالص انگریزی زبان کی ترقی تھی اُسکا بھی یہ ایک سرگرم رکن تھا - نیز اسفیکل سوسائٹی سے بھی اسکا تعلق عرصہ تک رہا -

ہیوم نے ان علمی اور تفریحی کامون کے علاوہ سرکاری امور مین بھی بقدر وافی حصہ لیا ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ اسقدر ذمہ داریون مین پھنسے رہنے کے باوصف آتی اہم تصنیفات کی تکمیل اُس سے کیونکر ہوئی ۱۷۴۶ء مین اُسے ایک سفارت کے ہمراہ دربار وائنا اور ٹیورن تک جانیکی ضرورت ہوئی - اس سے پیشتر اُسے مارکوئس انڈیل کی حفاظت و نگرانی کے لئے انگلستان مین قیام کرنا پڑا تھا - ۱۷۵۲ء مین وہ انجمن وکلاے اڈنبرا کا دارونہ ہوگیا - ۱۷۶۳ء مین سفارت کا سکریٹری بنکر وہ دارالحکومت فرانس مین پہونچا - جہان اُسنے لارڈ ہرٹفورڈ کے ساتھ کارنمایان کئے اور لارڈ موصوف کے آئرلینڈ چلے جانے کے بعد کچھ عرصہ تک سفارت کا کل کام اسی نے انجام دیا ۱۷۶۵ء مین مسٹر کانوے نے جو لارڈ مذکور الصدر کے بھائی تھے اُسے طلب کرکے انڈر سکریٹری کا عہدہ تفویض کیا -

ہیوم اپنے گردوپیش کے آدمیون مین بہت ہر دلعزیز تھا - اپنے ذاتی خصائل و عادات کی نسبت وہ خود لکھتا ہے کہ مین بہت خوش مزاج اور نرم دل تھا - دوستون سے محبت کرتا تھا اور عداوت و دشمنی کا خیال تک دل مین نہ لاتا - اپنے جذبات و خیالات مین اعتدال پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا - باوجود متعدد ناکامیون کے مین اپنی طبیعت پر قابو رکھتا - میرے دوستون کو کوئی موقع میری شکایت کا نہ ملتا تھا -

بیشک ہیوم کے کارنامے اور اُسکے اوصاف اُسے اب بھی ممدوح خلائق بنانیکے لئے کافی ہین - مبارک ہے وہ ملک جسکے افراد ہیوم کیطرح علم و فن مین یگانۂ روزگار ہون اور خوش نصیب ہے وہ زبان جسکے محسنون مین ہیوم کے سے شہرۂ آفاق لوگ شریک ہون - ہماوگ،

اگر چاہین تو ان حالات سے سبق لیکر اپنی ملکی زبان کو محمود معاصر بنا سکتے ہین - "اے خدا تو ہمکو اپنے ملک اور قوم - اپنی زبان - اپنے علم ادب کی خدمت کی توفیق عطا فرما"

سید محمد فاروق

فرہنگ آصفیہ

(ریویو)

مولوی سید احمد صاحب نے فرہنگ آصفیہ لکھکر جیسا کچھ احسان اُردو پر کیا ہے وہ محتاج بیان نہین اور اس بیش بہا لٹریری خدمت کے لئے مولوی صاحب ممدوح کی جتنی ثنا و صفت کیجاے کم ہے - واقعی باوجود عمدہ اور نادر تصانیف کے ہر علمی زبان ڈکشنری اور گرامر کے بغیر ادھوری معلوم ہوتی ہے - منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم نے بھی ڈکشنری کے بارہ مین قابل تحسین کوشش فرمائی لیکن اُنکی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ کوشش ناتمام رہگئی - نتیجہ اور بہت سی علمی قدردانیون کے فرہنگ آصفیہ کی اشاعت کا سہرا بھی ریاست حیدرآباد ہی کے سر پر بندھا ہے اور اس امر کا اعتراف مصنف نے شکر گذاری کے ساتھ اپنے دیباچہ مین کیا ہے ہم نے فرہنگ مذکور کے دیباچہ کو بڑے شوق کے ساتھ پڑھا اور اسکی چار جلدون کی بہت کچھ ورق گردانی بھی کی - ہمکو اسکے کہنے مین ذرا بھی تامل نہین کہ اُردو کے طلبا اور محققین دونون کے واسطے یہ کتاب نہایت کارآمد ہے -

+ + + + + + + +

دیباچہ مین مصنف کے ذاتی حالات سے قطع نظر کرکے اُردو زبان کی ایک دلچسپ مختصر تاریخ اور انسان کی ابتدائی درمیانی اور آخری زبان پر مصنف کا ایک پُر مغز لکچر نہایت قابل قدر ہین -

فرہنگ آصفیہ مین معمولی ڈکشنریون کیطرح محض معنی نہین درج کردیے گئے ہین بلکہ ویبسٹر کے طرز پر اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ ہر لفظ کی ماہیت اور اُسکے متعلق مختلف محاورون کے معنی و مطلب سے بھی پڑھنے والا آگاہ ہوجاے بقول مصنف "تذکیر و تانیث کی تمیز اہل دہلی اور لکھنؤ کے مطابق اسمین موجود ہے - زبانون کا فرق اور انکی اصلیت کا پتا اس سے لگتا ہے - عام محاورے اسمین درج ہین خاص محاورے اسمین داخل ہین - فقیرون کی صدائین اس مین سُن لو - سودے والون کی آوازین اسمین دیکھ لو..... اس کتاب سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سابق کے فصحا نے کن کن محاورون کو پسند کیا تھا اور اب کے فصحا کون سے محاورے پسند کرتے اور کون سے چھوڑتے جاتے ہین - عوام الناس کون سے محاورون کا استعمال کرتے ہین اور خاص آدمی کون کون سے لفظون سے بچتے اور کون کون لفظون کو شامل روزمرہ کرتے جاتے ہین - پنڈت جی مہاراج کن شبدون کو سنسکرت آمیز ہوتے ہین - مولوی صاحب قبلہ کن عربی الفاظ پر فخر کرتے ہین ..... ہندی لغتون کے مادہ کی تحقیق اکثر سنسکرت - پالی - پراکرت زبان سے لیکر فارسی تک جہان

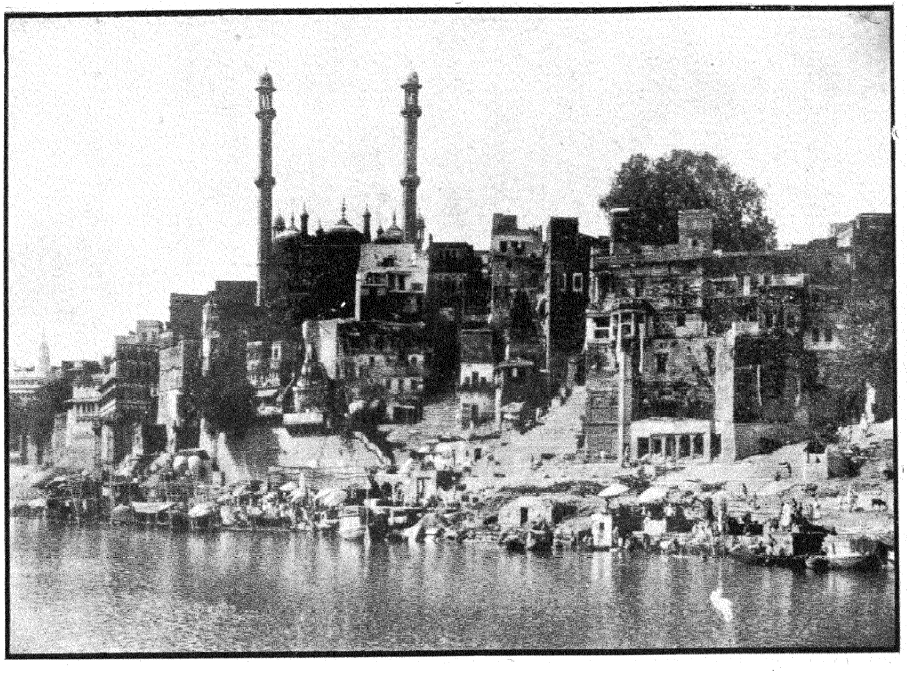

پنچ گنگا گھاٹ بنارس

انڈین پریس الہآباد

سے ان دونون کا ایک ہونا ثابت ہے کی ہے اور اگر ہندوستانی قدیم زبان کا کوئی لفظ آیا ہے تو اُسے بھی جتا دیا ہے کہ یہ سنسکرت کے رواج سے پہلے کی نشانی ہے... ہر ایک محاورے کی سند حتی الوسع کلام شعرا۔ ضرب الامثال روزمرہ گفتگو۔ گیت۔ کبت۔ دوہے۔ پہیلی۔ مکری۔ بھجن وغیرہ سے دی ہے۔ اگر مثال کا موقع آگیا ہے تو پھبتیون اور ذومعنیون سے بھی قلم کو نہین روکا ہے۔ نہ بچون کے کھیل چھوڑے ہین نہ عورتون کے کوسنے اور دعائین۔ جو محاورے کسی اور زبان سے ترجمہ ہوکر اُردو مین رواج پاگئے ہین اُنکو بھی جتا دیا ہے۔

اُردو کے کسی شائق کا کتب خانہ اس بیش بہا کتاب سے خالی نہ ہونا چاہئے اور اسکو لون اور مدرسون مین اسکا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ہم امید کرتے ہین کہ گورنمنٹ اور پبلک دونون کی طرف سے مولوی سید احمد صاحب کو ان کی محنت کی پوری داد ملے گی۔

\+ \+ \+ \+ \+

ڈکشنری کا انتظام تو مولوی سید احمد صاحب کا خدا بھلا کرے یون ہوگیا لیکن گرامر کا لکھا جانا ابھی باقی ہے۔ یون تو ولایت کے تازہ وارد صاحب لوگون کے لئے رومن انگریزی مین بعض کتابین اُردو گرامر کے نام سے موجود ہین لیکن وہ اہل زبان کے واسطے زیادہ کارآمد نہین ہین۔ ایک وقت یہ ہے کہ اُردو فارسی کی طرح آیرن زبان ہے لیکن بعض اصحاب اسکی گرامر لکھنے کا اگر کبھی خیال کرتے ہین تو اسکو عربی کے قالب مین ڈھالنا چاہتے ہین۔ ہماری راے مین اُردو کی گرامر ہندی پراکرت اور سنسکرت کی گرامر جانے بغیر نہین لکھی جاسکتی اور اسکو زبردستی عربی کا جُبّہ و دستار پہنانا ایک تحصیل حاصل ہے۔

(ایڈیٹر)

پنچ گنگا گھاٹ۔ بنارس کے مشہور مقامات مین پنچ گنگا گھاٹ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسمین ابتدا سے اتنک جو تغیرات ہوئے وہ بجاے خود ایک دلچسپ تاریخ ہین۔ اسکی ابتدا کو اسقدر عرصہ ہوا کہ اسکی بنیاد کی صحیح صحیح تاریخ کہین نہین ملتی۔ بنارس کے عروج و زوال کے ساتھ ساتھ اسکی قسمت کے ورق بھی اُلٹتے رہے۔ گیارھوین صدی مین بنارس کی قسمت قنوج کی راجدھانی سے وابستہ تھی۔ اسی صدی کے وسط مین اسلامی حملون کے واقعات کے ضمن مین بنارس کا بھی ذکر آتا ہے مگر اُسوقت کوئی مستقل اثر نہین قائم ہوسکا۔ بارھوین صدی کے اختتام پر شہاب الدین غوری کی فوج نے یورش کی اور تقریباً ایک ہزار مناور مسمار کردئے گئے۔ اسوقت سے سولھوین صدی تک بنارس فاتح قوم کے زیر اثر رہا اور اُسکی حالت بتدریج گرتی گئی۔ سولھوین صدی مین آزاد خیال اکبر کی حکمت عملی کیوجہ سے اسے پھر ترقی نصیب ہوئی۔ لیکن اکبر کے بعد ہی اسکی حالت پھر خراب ہونے لگی اور ۱۶۶۹ء مین اورنگ زیب نے شہر پر حملہ کرکے گیان باپی سے ملی ہوئی ایک مسجد تعمیر کرائی جو نہایت قدیم مندر بشوناتھ کو مسمار کرکے بنائی گئی تھی اور جسکے عالیشان مینار ابتک اپنی گذشتہ عظمت و جبروت کی زبان حال سے شہادت دے رہے ہین۔

سالِ نو

اور

ادیب کا نیر مقدم

رباعیات

تصویرِ جمالِ عالم آرا بنکر — زیبا صنم و نگارِ یکتا بنکر
نوروز آیا ہے لے کے پیغامِ نشاط — چوتھی کی دُلہن۔ عروسِ رعنا بنکر

او بیخبر! اوستِ مئے جامِ نشاط — اُٹھ سو کے کہ ہیں مغتنم ایامِ نشاط
ہے مژدۂ نوروز سے کیا رنگِ چمن — ہر پھول ہے شاہدِ گلِ اندامِ نشاط

کافور ہے دلجلوں کو تنویرِ سحر — ٹھنڈک ہے کلیجوں کی طبا شیرِ سحر
جی اُٹھیں دلوں میں آرزوئیں مر کر — کیا روح فزا ہے واہ! تاثیرِ سحر

پھر عیشِ دوام لے کے آیا نوروز — پھر بزم میں جام لے کے آیا نوروز
"لایا ہوں میں سال نو کی خوشخبری میں" — یاروں کو پیام لے کے آیا نوروز

اے! محوِ نشاط ہونے والو! اُٹھو — سرمایۂ عمر کھونے والو! اُٹھو
آتی ہے وہ قافلہ سے آوازِ جرس — نکلا خورشید سونے والو! اُٹھو

پھر لالہ و گل ہیں زیبِ دامانِ چمن — پھر جھوم رہے ہیں سرو و ریحانِ چمن
ہیں صحنِ چمن میں تشنیت سیخِ بہار — یعنی ہیں ترانہ ریز مرغانِ چمن

نکلا ہے ادیب بنکے نیرنگِ نظر — آنکھوں سے کہو۔ کہ دیکھ لیں رنگِ نظر
سُن تو۔ یہ کدھر سے آج اے گوشِ خیال — آتی ہے صدائے نغمۂ چنگِ نظر

ہیں اوجِ کمال کے نمونے آئین — نیرنگِ خیال کے نمونے آئین
وہ پیکرِ حُسن ہے۔ کہ آتے ہیں نظر — دلکش خط و خال کے نمونے آئین

وہ گل ہے یہ۔ بوئے آرزو ہے آئین — ہر گل کی بہار رنگ و بو ہے آئین
وہ آئینہ ادب نما ہے یہ سرور — تصویرِ کمال ہو بہو ہے آئین

اُٹھ سو کے کہ ہیں مغتنم ایامِ نشاط — دنیا میں رہے ادب کا زیور ہو کر
ہر پھول ہے شاہدِ گلِ اندامِ نشاط — چمکے تاجِ سخن میں گوہر ہو کر

کیا روح فزا ہے واہ! تاثیرِ سحر — گنجینۂ اسرار نہانی ہے ادیب
نیرنگ فسوں تازہ ہے ہر مضمون — مجموعۂ اعجاز بیانی ہے ادیب

پھر بزم میں جام لے کے آیا نوروز — شیشوں میں جھلکتی ہے مئے ناب نظر
یاروں کو پیام لے کے آیا نوروز — ہے نورِ نگاہِ دیدۂ شوق۔ ادیب

ارباب سخن بزمِ سخن میں آئین — مرغانِ غزل سرا چمن میں آئین
یعنی ہے صلائے عام یاروں کیلئے — احبابِ نظر کی انجمن میں آئین

اُتری ہے فصاحت کی پری شیشوں میں — بانطق کی ہے جلوہ گری شیشوں میں
اوراقِ ادیب میں ہیں اشعارِ سرور — یا ہے مئے لالہ گوں بھری شیشوں میں

سُرور جہان آبادی

کلامِ اکبر

الا یا ایہا الساقی بدہ ووٹے بہ محفلہا — کہ سیٹ آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

پھڑا ہے راگ بھوپالی کا ہوا کی ہے نئی دُھن بھی
قیامت پر قیامت ہے، جوانی بھی ہے پھاگن بھی

ہجومِ عارضِ گُل گُلشنِ مستانۂ بلبل
اشارہ کرتی ہے فطرت ادھر آ، دیکھ بھی سُن بھی

دَورِ گردوں میں کسی نے میری غمخواری نہ کی — دشمنوں نے دشمنی کی یار نے یاری نہ کی
کوئے جانان کا پتہ دیکر مجھے پہونچا خلد میں — مجھے رضوان نے بھی بحث نابجا ناری کی

کشتِ دل کو نفع پہونچے، اشک ایسی چیز ہے
دیدۂ گریاں پہ واٹر ٹیکس کی تجویز ہے

آرزو دنیا میں کب نکلی الا بالبصار کی — چشمِ موسیٰ کو بھی حسرت رہگئی دیدار کی
عشق میں تیرے اوڈیٹر ہوگئے ہیں ناتواں — ضعف سے خالی نہیں ہوتی خبر اخبار کی
ناقۂ لیلیٰ پہ اب وہ محملِ لیلیٰ کہاں — روٹیاں لدتی ہیں اسپر کپ کے بازار کی
لے لیا شیریں نے کسرٹ میں ٹھیکہ دودھ کا — ریل بنوائے لگے فرہاد اب کہسار کی
شعرِ تر اکبر کے سُن اے سامعِ عالی دماغ — قدر کر اے آسمان اس ابرِ گوہر بار کی

خلاف پردے کے خود ہوگئی ہیں مستورات — ہوئی ہیں سرد اب اس مد میں گرمیاں میری
حجاب چشم ہوا دُور آپریشن سے — رہیں نہ آنکھ کے پردے میں بجلیاں میری

موسمِ سرما

یہ سُہانا سبزہ زار اور ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوا — موسمِ سرما کی بھی کس درجہ دلکش ہے فضا
یہ وہ موسم ہے کہ جسمیں ہے عجب لطفِ بہار — پھول پانی میں شگفتہ ہیں کنول کے جابجا
ٹہنی ٹہنی جھک گئی ہے سجدہ شکرانہ میں — کچھ عجب دلکش ہے بیلوں کے درختوں کی ادا
گونجتے پھرتے ہیں بھونرے اُن پہ جوشِ باد سے — اور ہیں سرگرمِ نغمہ طائرانِ خوشنوا
اُجلی اُجلی کاس نیکدشت میں بیش سفید — دیتی ہے برسات کی پیرانہ سالی کا پتا
جب سے بدلی ہے بساطِ دہر نے اپنی روش — آسمان پر جب سے نکلا ہے یہ میلِ خوشنما
راستوں کا ہوگیا ہے خشک پانی اسطرح — جیسے اٹھتا جائے حرص دنیا کو ہوا
اب نہ کیچڑ کا نشان ہے اور نہ ہے گردوغبار — پیاری رت ہے اور سہانی ہے زمین یوں راہ کی
جسطرح دلکش کسی کا دورِ انصاف ہو — عدل گستر ہو رعیت پر کوئی فرمان روا
صاف شُستر ایون ہے تالابوں کا پانی اسطرح — قلب صافی ہو کدورت سے کوئی ناآشنا
بادلو تم کب وہ نکلے ہیں نہ وہ ابرِ سیاہ — اب نہ وہ ساون کے جھالے ہیں نہ وہ کالی گھٹا
اب ہے مطلع آسمان کا صاف یوں جسطرح — پاک دنیا کی ہوس سے قلبِ مردِ باخدا
ہو چلا پانی جو چھوٹے چھوٹے چشمونمیں ہے کم — مچھلیوں کا اضطراب و درد دل بھی بڑھ چلا
جیسے ہو کم مانگی سے آہ! کوئی خانہ دار — فکرِ روزی میں غریق بحرِ ہم و رجا
اب بھی پڑ جاتے ہیں یوں دو چار چھینٹے کادگاہ — جیسے ہو نزرِ کرم کوئی تلوّن آشنا
مچھلیاں یوں گہرے پانی میں مگن ہیں اسطرح — عابدوں کے دل کو اطمینانِ کامل ہو عطا
جوشِ غم سے مضطرب تھا جو اب ہے یوں — گو ہے نظارہ سواد و دشت کا تسکین فزا
دیکھکر غیروں کی دولت کو وفورِ رشک سے — جسطرح آزردہ ہو کوئی سخنور ناسزا
پیاس کے مارے پپیہا یوں ہے سرگرمِ فغاں — نالہ کش ہو جیسے کوئی منکرِ ذاتِ خدا
ٹھنڈا ٹھنڈا چاند گرمی کی حرارت کے لئے — کر رہا ہے اسطرح جاڑے کی راتوں کو جدا
دُور کر دے دل سے اوہامِ پریشاں یکقلم — فیضِ صحبت سے کوئی جسطرح پیرِ دانا

چاندنی نکھری ہوئی ہے اور حکیور رنگا گردہ ۱ ٹکٹکی باندھے ہوئے یوں چاند کو تک رہا
جیسے ہوں خلوت میں محوِ جلوۂ دیدارِ حق ۲ ق عابدانِ باخدا و زاہدانِ بے ریا

واہ! جاڑے کا بھی موسم کیا نشاط انگیز ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی روح پرور ہے عجب بادِ صبا

(ترجمہ از رامائن تلسی داس)

شاکر (بیرٹھی)

ذوقِ عرفان

(اشعار تشبیب قصیدہ)

لصاب مکتبِ پیرِ مغاں ہے درسِ عرفانی — رہیگا تا بکے سرمست حکمتہائے یونانی
خمارِ بادۂ اشراق میں انگڑائیاں کب تک — کہانتک اب یہ افلاطون کے خم کی گرانی
کہانتک اب یہ پابندی معقولات لایعقل — کہانتک مجلسِ سقراط کی اب حلقہ چینانی
کہانتک اب یہ تحقیقاتِ اجرامِ سماویہ — کہانتک ہوگی سیاروں کی ثابت گرم جولانی
سخاوت ذہن کی کب تک بیارِ علمِ سوفسطا — کہانتک سیمیائے رہم کی پیہم زر افشانی
ریاضت تا بکے خلعِ بدن میں عاملِ کامل — یونہیں نابود ہو جائے نہ اکدنِ حیِّ فانی
کہانتک مغز سر خالی کریگا فکرِ ہیجا سے — بتا دے اے حریفِ حکمتِ قابوس جرجانی
کہیگا آسمان کو دیکھکر حدِ نظر کب تک — یہ ہیئات سے انکارِ کب تک وائے نادانی
زمیں کرتی ہے دورہ رات دن تیری نگاہوں میں — پھرا ہے مرتا شاید ہوئی ہے عقل دیوانی
ہوا کیا رنگِ مرغِ فکر عرض میں دیکھ آئینہ — نظر کرتی ہے تجھکو دیدۂ جوہر ہے حیرانی
ہوا ناقص عضادہ تیرے اصطرلابِ ایماں کا — یہاں تک کی ہے یکبارہ ارسطو کی ثنا خوانی
نکتہ عقل کرائی اگر تو بدو وطرت میں — نہ سوئے عقل کل محتاج ہوتا جوہرِ ثانی
ترے تحقیق کے صدقے محقق واہ کیا — ہوا ہے رفتہ رفتہ سنگِ تو حیرِ ربانی
تدبر میں بسیط محض کو بھی ہاتھ سے کھویا — رہا دنیا میں تو اور مادہ باقی ہیں سب فانی
الٰہیات کے پڑھنے سے اے جاہل نتیجہ کیا — نہیں ہے دل ترا جب جلوہ گاہِ نورِ عرفانی
کتاب النفس افلاطون اگر پڑھ لی تو کیا حاصل — حقیقت نفسِ امارہ کی اپنے جب نہ پہچانی

مؤحد ہو کے کر کسبِ معارف نفس سے اپنے — جو ذوق فلسفہ ہے سیکھ حکمتہائے ایمانی
فضائے مسجد و تجرید میں ہو معتکف جاکر — نہیں اس تنگنائے دہر میں غافل تن آسانی
کیا پیدا خدا نے تجھکو مخلوقات سے اشرف — طبیعت کو تری مرغوب ہے کیوں نوحہ حیوانی
صفائے نفس پیدا کر کہ روشن چشمِ حق بیں ہو — چراغِ راہ بیجا ہے جو دل میں نورِ عرفانی
سبق لے اپنے دلمیں کشف اسرارِ حقیقت کا — یہ ہے وہ مدرسہ کہتے ہیں جسکو عرشِ رحمانی
دمِ لغزش یدِ بیضائے دل سے لے مدد اسکا — نہیں ہے سہل اس وادی کا طے مضمار انسانی
روائے صدق سے کر صاف گردِ آئینہ دلکی — وہی دیکھیگا تو جسکے لئے خاک آستاں چھانی
ہر اک آنسو میں پیدا ہو تلاطم بحرِ قدرت کا — رہے گر آبجوئے چشمِ محو قطرہ افشانی
ارے او جاگنے والے شبِ تاریک الفت میں — چراغِ عمر گل کر نیند آجائے بآسانی
خدا ہی جین دیگا خوابگاہِ عشق میں تجکو — کہ ہیں سب تار بستہ خارِ حسرت ہائے پنہانی
متاعِ ظاہری سے ہو بکدوش ایسی نزاکت کی — کہ سد راہ ہے ہر اک قدم پر بارِ جسمانی
سمجھ لے عاشقی کی موت کو پیغامِ وصلِ ابدی — یہ کھینچا بھی رگوں کا نزع میں ہے جذبِ روحانی
فنا فی العشق ہونے پر یہ تجھپر منکشف ہوگا — ترا فی الضمیر نفس ہے وہ رازِ پنہانی
جو ذوقِ عاشقی ہے دل میں ایسا درد پیدا کر — چمک میں جسکی اک جلوہ نظر آتا ہو نورانی

مرزا محمد ہادی عزیز

کلامِ چکبست

رباعیات

بیکار تعلق سے ہے نفرت مجھکو — لون و داد سخن نہیں یہ عادت مجھکو
کسواسطے جیتو کروں شہرت کی — اک دن خود ڈھونڈ لیگی شہرت مجھکو

آبادی ہے اصل میں نہ ویرانہ ہے — شادی کا یہ گھر ہے نہ عزا خانہ ہے
واللہ نہ معتدا ہے اسکی نہ خبر — دنیا اک ناتمام افسانہ ہے

ہرچند کہ خونین نفسی رہتی ہے — پنہاں مری یاس دبکی رہتی ہے
گو زخم کے مانند جگر ہے صد چاک — ہر وقت مگر لب پہ ہنسی رہتی ہے

بو گُل کے لئے ہے گُل ہے شبنم کے لئے — اک ربط ہے انتظام عالم کے لئے
لیکن ہے مرا شباب ماتم کے لئے — غم میرے لئے ہے اور میں غم کے لئے

غزل

فنا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا — اجل کیا ہے خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا
غریزانِ وطن کو غنچہ و برگ و ثمر جانا — خدا کو باغبان اور قوم کو ہے شجر جانا
کرشمہ یہ بھی ہے اے سیخرِ افلاس قومی کا — تلاشِ رزق میں اہلِ ہنر کا دربدر جانا
مصیبت میں بشر کے جوہرِ مردانہ کھلتے ہیں — مبارک بزدلوں کو گردشِ قسمت سے ڈر جانا
اجل کی نیند میں بھی خواب ہستی گر نظر آیا — تو پھر بیکار ہے تنگ آکے ہی نیا ہے مرجانا
وہ سودا زندگی کا ہے کہ غم انسان سہتا ہے — نہیں تو ہے بہت آسان اس جینے سے مرجانا
بہت سودا رہا زاہد تجھے نارِ جہنم کا — مزہ سوزِ محبت کا بھی کچھ اے بے خبر جانا
چمن زارِ محبت میں اُسی نے باغبانی کی — کہ جسنے اپنی محنت ہی کو محنت کا ثمر جانا
وہ طبعِ یاس پرور نے مجھے چشمِ عقیدت دی — کہ شامِ غم کی تاریکی کو بھی نورِ سحر جانا
سدھاری منزلِ ہستی سے کس بے اعتنائی سے — تنِ خاکی کو شاید رُوح نے گردِ سفر جانا

چکبست

قطعہ

ملک میں جنگ مذاہب ہے نہایت پُرخطر — تم قاتل سے نہیں کم مومنین اسکا اثر
ہر طرف بحث مباحثہ سے ہے ہنگامہ بپا — شور محشر کے برابر ہے یہ نفسی شور و شر

نظر

قطعات تاریخ

(انتقال جناب جلال لکھنوی)

(۱)

آہ! شیرازۂ سخن بشکست — شعبدہ باز چرخ بازی بُرد
میر گویند جملہ اہل سخن — ہائے ضامن علی جلال بمرد
۱۳۲۷ھ

(۲)

جلالِ لکھنوی فخرِ زمانہ — خرد آموزِ استادانِ اشعار
بداعی اجل لبیک گویان — سفر سوئے جنان ہنود یک بار
باقلیم سخن شد شور و شیون — چشم ماست دنیا تیرہ و تار
۱۳۲۷ھ

(۳)

ضامن علی جلال چو پنہت از جہان کشید — از چار سو بپا شدہ غم ہم الم محن
دیدند میر بے سر و پا در فراق او — رکن و دقیقہ نکتہ و شعر و غزل سخن
۱۳۲۷ھ

(۴)

میر رضا من علی جلال حکیم — زبدۂ خاندان فخر رسل
رفت از تیرہ خاکدانِ جہان — عاشقِ نام صاحبِ دُلدُل
قد آہے کشیدہ گفتم میر — شمع کاشانۂ تمنا گُل
۱۳۲۷ھ

(۵)

دریغا - حسرتا - ہیہات ہیہات — رئیس شاعران بنمود رحلت
شنیدم از لب برزخ نشینان — جلال لکھنوی رفتہ بجنت
۱۳۲۷ھ

(۶)

اے دریغا - ابوالکمال جلال — شد ز دنیا بجنت الماوے
میر گفت از سرِ دعا پے سال — مضجعش باد سایۂ طوبے
۱۳۲۷ھ

(۷)

ہائے فرمانروائے ملکِ سخن — عاشق سبط صاحبِ لولاک

وہ محقق دقیقہ سنج جلال — جسکی دنیا مین بندہ رہی تھی دھاک
چھوڑکر سب علایقِ دنیا — چلدئے جب بسوے ایزد پاک
حرف منقوط کہ رہے ہین میر — آسمانِ سخن ہے زیرِ خاک

۱۳۲۷ھ

(۸)

بازشد عشرت سرائے لکھنؤ عشرت کدہ — بازشد ہندوستان - درکسوت عیاسان
بازاز دست قضا تقطیع شد بیت سخن — باز آثار محرم - درمرج - شد عیان
بازاز پا اوفتادہ جملہ ارکانِ بدیع — باز درماتم - بحلۂ آمدہ - پیر و جوان
آہ! آن مہر سپہر شعر - ملکوتی صفات — یکبیک کردہ سفر از ایں جہان - در آن جہان
آہ! آن سرو آمد ناز کنہالانِ زمن — کوس رحلت جانبِ ملک بقاز دنا گہان
حیف! آن استاد و اُستادانِ نقادِ سخن — رفت از باغِ جہان - دامن کشان سوے جنان
نامن دست اجل - ناسور کہنہ تازہ کرد — در گلستان پرستان آمد و گر باد خزان
از غم ضامن علیصاحب جلالِ لکھنوی — تازہ شد سوز غم اَیر و داغ دل اندر جہان
باغبان عقل سیر - از سال رحلت زور قم — انتقال بلبلِ شیرین بیان شیرین زبان

۱۹۰۹ء

دمن اور ہنس

اے ہنس آہ! تیری یہ دلربا ادائین — یہ لغزشاے دلکش، یہ جانفزا صدائین
افسون ہے عاشقی کا تیرے رد و خرام مین — کچھ دلکی داستان ہے کچھ شوق کی کہانی
لفظون مین آہ تیرے ہے سوز عاشقانہ — دلکش تری صدا ہے، دلکش ترا ترانہ
آنکھین ہین آہ! تیری سرمست جامِ الفت — آیا ہے لیکے شاید نل کا پیامِ الفت
تیری صدا و سن کو بیجو و بنا رہی ہے — تیری ادا سے دلکش دلکو لبھا رہی ہے
نطقِ بشر کا جادو تیری زبان مین ہے — نیرنگ سحر افسون تیرے بیان مین ہے
ہین میٹھی میٹھی تیری باتین عجب سریلی — بولی ہے پیاری پیاری آواز ہے رسیلی
امرت کی ہین برستی جھڑیان تری زبان سے — اور شہد ہے ٹپکتا لعل شکر فشان سے

اومرغ خوشنوا! اُو محوِ فسانہ خوانی — پوچھے دمن کے دل سے کوئی تری کہانی
ہے گوش شوق تیری آواز پر لگائے — ذکر جمیل جانان سنتی ہے سر جھکائے
عالم ہے بیخودی کا آنکھون مین آہ اطلس — اور اشک کر رہے ہین چہرے پہ غازہ کاری
لیتا ہے آہ بیکلی شوق وصال دل مین — کیا جانے! آرہے ہین کیا کیا خیال دل مین

او نقش دلفریبی! او نا بسش زمانہ — یہ تیری جامہ زیبی، یہ وضع شاہانہ
ہان! او نگار خوشخو! او لعبتِ پریرو — عفت کی تو ہے مورت، او یوی ہے حسن کی تو
نل کا گزر رہا ہے جیسے فراق تجھکو — صد مرحبا رفاقت کا ہے دل پہ شائق تجھکو
یونہین نہین گوارا اُسکو تری جدائی — اک آگ عشق نے ہے دونون طرف لگائی
دو دل بھیدے ہوئے ہین اک ناو کِ الم سے — دو صید ہین تڑپتے اک دام رنج و غم مین
سینے فگار ہین دو اک تیغ خون نشان سے — بسمل ہین دو کلیجے اک تیر جان ستان سے

از بسکہ آہ نل کو ہے اشتیاق تیرا — حد سے گذر گیا ہے درد فراق تیرا
آنکھون مین پھر رہی ہے تصویر آہ تیری — دل مین کھٹک رہی ہے نوک نگاہ تیری
دن بھر ترا تصور، شب بھر خیال تیرا — بیچین کر رہا ہے شوق وصال تیرا
شام و سحر زبان پہ تیری ہی گفتگو ہے — حسرت ہے دید کی، اور ملنے کی آرزو ہے
آنکھون مین بس رہی ہے چھب تیری بیقراری — کچھ انتظار ہے، اور کچھ ہے امیدواری

آنسو بہانہ روکر! اے شمع انجمن تو — کب تک رہیگی وقف سوز غم و محن تو
درد و فراق کا ہے، پایان کار، آخر — ہے ختم ہونے والا یہ انتظار، آخر
تھک نل کا او حسینہ! ہے تیری ہر گذر مین — آنکھون مین تیرا نقشہ، صورت تری نظر مین
چہرے سے ہے نمایان عبِ جلال شاہی — اور حسن کا ہے شہرہ، از ماہ تا بماہی
نکھڑا ہے چاند سا، اور ماتھا ہے گو اگورا — بازو مین لمبے لمبے، سینہ ہے چوڑا چوڑا
نورِ نگاہِ عالم ہین انکھڑیون کے تارے — روشن ہون آسمان پر جسطرح دو ستارے

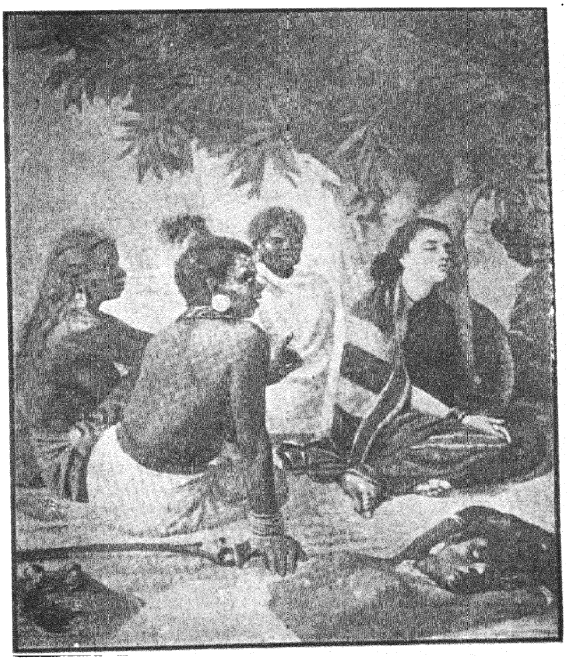

سیتاجی اور باغ راون

او نقش نازخیز، او عشرتِ مجسم — جسطرح حُسن مین ہے تو انتخاب عالم
کل آہ! زورِ بازو مین ہے یونہین لگا تُو — طاقت مین فرد، ہمت مین نازشِ زمانہ
شاہانِ دہر سے ہے یون دبدبہ مین پرٹھکر — تارون مین ماہِ کامل ہو جیسے جلوہ گستر

دریا روان ہو کوئی جسطرح سوے قلزم — اور بحر بیکران مین اپنا نشان کرے گم
کھویا گیا ہے یونہین تُو تیری آرزو مین — پھرتا کشانِ کشتان ہے تیری ہی جستجو مین
الفت ہے تیری دل مین سودا ہے تیرا سر مین — اک آگ شوق کی ہے بھڑکی ہوئی جگر مین
بیگانہ ہو رہا ہے تیرے لئے جہان سے — مرتا ہے تیرا شیدا تجھپہ ہزار جان سے
ہر چند غم کا پُتلا رنج و ملال سے ہے — غافل نہین مگر وہ تیرے خیال سے ہے

سرور جہان آبادی

سیتا جی

جب گلشنِ جہان مین کچھ تازگی سی آئی — غنچون کے بھی لبون پہ کچھ کچھ ہنسی سی آئی
شاخون مین مُسکل گُل کی اک نازکی سی آئی — کاواک انجمن مین دلبستگی سی آئی

تب ساقیِ ازل نے دیدیکے جامِ ثانی
ہم وحشیون کو بھیجا اپنا پیامِ ثانی

پایا سبق جو ہمنے اخلاقِ بے ریا کا — تہذیب اور تمدن مذہب کا اور وفا کا
تھا موجزن سمندر اک صدق اور صفا کا — پُتلا بنا ہوا تھا ہر آدمی حیا کا

تھا نازشِ دو عالم طرزِ عمل ہمارا
تاریکیون مین سب سے نورِ ازل ہمارا

وہ دن کہان گئے اب اے آسمانِ دیرین — سُنتے کبھی نہین ہم وہ نغمہ ہائے شیرین
وہ نرمی و حلاوت وہ لطف ہائے پیشین — وہ ذلیت کے کہان اب سادے ہوں آئین

دُنیا بھری ہوئی ہے آلائشون سے یکسر
پُر ہے تکلفون سے، آرایشون سے یکسر

آتے نہین یہان اب وہ ہادیِ عرفیت — طرزِ عمل تھا جنکا خود مشعلِ ہدایت
کرہ الم اُٹھا کر سہ سکے رنج و کلفت — دیتے بشر کو ہر دم اک دائمی بشارت

دُنیا کو پاک کرتے ظالم کی بدعتون سے
ہر وقت کام اُنکو انسان کی راحتون سے

تھین دیویان ہماری عفت مآب یکسر — پڑھتین نماز حورین دامن پہ جھکے آکر
جنت تھی جنکو ہردم زیرِ قدوم شوہر — وہ ہو فقیر کوئی یا شاہِ ہفت کشور

یہ جانتین اُسیکو، یہ مانتین اُسیکو
اپنا خدائے عالم گردانتین اُسیکو

ان دیویون مین سیتا سرمایۂ وفا تھین — جو راجہ جنک جی کی بانوئے خوش ادا تھین
شمعِ حریمِ دل تھین، خورشیدِ پرضیا تھین — باطن مین ایک تھین وہ ظاہر مین گو جدا تھین

کاشانۂ جہان مین تھے رام شعلۂ نور
نورِ ازل کی خاطر سیتا تھین شمعِ کافور

دونون کی ذات سے تھی دونون جہان کی رونق — یہ تھین زمین کی رونق وہ آسمان کی رونق
دونون کے دم سے دونی کون و مکان کی رونق — جسطرح بُلبل و گل ہین بوستان کی رونق

دونون ہی انجمن تھے چشم و چراغِ عالم
فیضِ قدم سے جنکے جنت تھا باغِ عالم

سیتا کے عیش مین جب رخنہ فلک نے ڈالا — اور رام کو محل سے بن باس کر نکالا
رخصت ہوا نظر سے گھر کا وہ سب اُجالا — دیکھے اُنکو تسکین سہتے بہت سنبھالا

سائے کیطرح لیکن دُنیا رامِ تھین وہ
شامِ شبِ الم مین ماہِ تمام تھین وہ

چھالون کی خونفشانی کو سون وہ دشتِ پُرخار — زخمی تھے پانہ نازک چلنا تھا سخت دشوار
شوہر کے ساتھ لیکن وہ دشت بھی خاطر — راحت سے اُنکی طلب، خدمت سے تھا سروکار

لہ مراد از وید مقدس ۱۲

چہرہ تھا زرد، لیکن دل مین شگفتگی تھی
ہر دم تھین پیش شوہر اسکی بڑی خوشی تھی

صحرا مین رام دیکھن پھرتے تھے بادل شاد سیتا تھین ساتھ خوش خوش، آتی نہ گھر کی یاد تھی
بستی سے موڑ کر منہ جنگل کیا تھا آباد بن باس کی غرض تھی چودہ برس کی میعاد
نیکی سے انکے ممنون جن بھی تھے اور شر بھی
مانوس ہو گئے تھے جنگل کے حیوان بھی

راون نے دیکھے دھوکا جب رام سے پھرایا صحرا مین جا رجا ب سیتا کا رنج چھایا
جنگل کو چھان ڈالا لیکن پتہ نہ پایا پائی نہ گرد انکی، دیکھا نہ انکا سایا
لچھمن انھین اکیلا کیون چھوڑ کر گئے تھے
بھائی کی جوش خون سے لینے خبر گئے تھے

اے ساکنان صحرا سیتا کدھر گئی ہین اے کوہ و دشت دریا سیتا کدھر گئی ہین
اے آہوان رعنا سیتا کدھر گئی ہین کچھ دو نشان خدارا سیتا کدھر گئی ہین
ہوتی ہے شام اب تک انکا پتا نہین ہے
منزل سے دور جانا اسدم روا نہین ہے

کیا جانے کیا مصیبت گذری ہے اس حسین پر اندوہ بہت ہے اسدم میرے دل حزین پر
زیور پڑا ہوا ہے سیتا کا سب زمین پر آنسو کے بھی نشان ہین ظاہر کہین کہین پر
دلکو نہین ہے دم بھر تاب غم جدائی
ہر وقت کس سے ہوگا یہ ماتم جدائی

تیر و کمان تو لاؤ دیکھون کمان ہین سیتا کس پردہ خفا مین آخر نہان ہین سیتا
حالت ہے زار انکی یا شادمان ہین سیتا دلکو مرے یقین ہے محو فغان ہین سیتا
اونچا ہے اس جہان سے اے آسمان بتا دے
نیری نظر مین سب ہے سیتا کا کچھ پتا دے

کرتے ہوئے یہ زاری جاتے تھین رام بن مین بلبل ہو جیسے نالان پھولے پھلے چمن مین
لچھمن انیس غربت، ہمدرد ہین محن مین ہوتی ہے اتنے تسکین اس رنج و شکن مین
بھائی ملے تو ایسا، ہمدم ملے تو ایسا

زخم جگر کی خاطر، مرہم ملے تو ایسا

یان دلکو رام کے تھی ایذا و بیقراری سیتا پہ روتے روتے غش اسطرح تھا طاری
تھی رہ رو انکا اُنکی ابھی سواری راون کی بھی خوشی تھی اسوقت اعتباری
پہونچین یہان انکا جسدم وہ بے بسی سے
اک باغ مین اتارا راون نے خامشی سے

پہرے پہ آکے بیٹھے دیوان کوہ پیکر خدمت کو عورتین تھین صد ہا کریہ منظر
لنکا کی جگمگاہٹ سونیکے بام اور در وہ قلعہ ہائے زرین وہ کاخہائے پرزر
پھاٹک تھے آٹھ اسکے آٹھون مگر مرصع
ایوان خسروی بھی تھا سر بسر مرصع

ناگاہ آنکھ کھولی سیتا نے غش سے اکثر دیکھا کہ بن کے بدلے پیدا یہان ہے گلزار
جھلتی ہے مور چھل اک بدتر کل اور مردار صدہا خواجہ سین ایسی صورت پہ جنکی خونخوار
تھین یہ طرح یہ ظالم گھیرے ہوئے جو شب سے
ہوتے ہی صبح بیٹھین وہ دور جا کے سب سے

زیر درخت روئین جی کھولکر وہ یکبند سیلاب چشم اُمنڈا پلکون کا توڑ کر بند
اُس دل پہ بار غم ہے کل تک رہا جو خورسند روتی تھین چپکے چپکے شمع سحر کے مانند
پابند شرم تھین وہ نفرت رہی فغان سے
گھٹ گھٹ کے جان کھو تین کتین زکچھ زبان سے

تھا رام رام لب پر دلمین ہجوم غم تھا فرقت مین آب و دانہ اُنکے لئے قسم تھا
تھین اک غزال رعنا غیرون سے اُنکو رم تھا بیگانگون کا جیع سب سے بڑا ستم تھا
دُوری سے رام کی تھے لاکھون ملال اُنکو
آتے تھے کیسے کیسے ہر دم خیال اُنکو

پڑتے جگر پہ نشتر غم کے سحر سے تا شام تھا شام سے سحر تک دلپر ہجوم آلام
شب کو نہ چین دم بھر، دن کو نہ صبر و آرام آنکھون مین پھر رہی تھی ہر وقت صورت رام
ناکامی محبت عبرت فزا سے دل تھی
سُنسان فرط غم سے عشرت سرا سے دل تھی

ہر دم نڈھال رہتی از بسکہ طبع محزون آنکھوں سے بہ رہا تھا اشکوں کا ایک جیحون
ایذائے دردِ فرقت حدِ بیان سے بیرون بخ و غم جدائی ہر وقت تشنۂ خون
آماوہ خلش تھے سینے مین خارِ حسرت
داغون سے جوش پہ تھی دلین بہارِ حسرت

راون تھا دیو سرکش لیکن فہیم و دانا از بر تھے وید چاروں، عالم وہ بے بدل تھا
آکر حضورِ سیتا اظہارِ شوق کرتا لالچ ہر اک طرح کے دیتا تھا بے محابا
گستاخیون سے لیکن، مطلب نہ کچھ وہان تھا
راز نجات اُسکا اس رمز مین نہان تھا

انسان کوئی جہان مین اُسکا نہ تھا مقابل تھی لوگ کی بدولت عمرِ دوام حاصل
اس زعم مین ہوا تھا ظلم و ستم پہ مائل نالان تھی اُس سے خلقت، لرزان تھے خون سے دل
قاتل کوئی نہ اُسکا اوتار کے سوا تھا
پر خاشِ رام سے بس اُسکا یہ مدعا تھا

سیتا کے پاس پہونچے اُس قید مین ہنومان یہ رام کے تھے قاصد سب نکتے تھین آسان
بولے کہ ساتھ چلیے، آئے نہ دلمین کچھ دھیان کہنے لگین یہ سیتا مجھکو ہے ایک ارمان
نکا کو فتح کرکے لیجائین رام مجھکو
چلنے مین تھا نہ ورنہ کوئی کلام مجھکو

آخر کو لیدمدت جسدم خبر یہ پائی فوراً ہی سوے نکا کی رام نے چڑھائی
دل سے لگی ہوئی تھی سیتا کو دین ہائی فوجین ہوئین اکٹھا بادل سی ایک چھائی
بپھرے ہوئے بہادر شیر ژیان کی صورت
لشکر ہوا روانہ ابر روان کی صورت

راون بھی لیکے نکلا دیوانِ کوہ پیکر اُٹھا کر زمین سے پہونچی گردون پہ گرد لشکر
ہیبت سے اُسکی کانپے دُنیا کے بحر و بر تینغین کھچی ہوئی تھین نکلے ہوئے تھے خنجر
لڑنے پہ راکھشس سب بیتاب ہو رہے تھے
نقارے بج رہے تھے، پرچم کھلے ہوئے تھے

فوجین ہوئین مقابل آخر کو چھڑ گئی جنگ میدان رزم مین تھا صحراے حشر کا رنگ
تھی عرصہ گاہِ دنیا فوجون کے واسطے تنگ تھا وہ ہجوم لشکر چشم فلک بھی تھی دنگ
کوشش جو صلح کی تھی سب رائگان گئی تھی
آواز بوق و قرنا تا آسمان گئی تھی

وہ رن پڑا کہ جس سے گردون بھی ہو گیا خم روئین نکل کے بھاگین تن کے قفس سے یکدم
حیرت تھی قدسیون کو سکتے مین ایک عالم جنتی کبھی لڑائی، ہوتی کبھی وہ برہم
ہر وقت حالتِ جنگ اُمید و بیم مین تھی
فتح و ظفر کی دولت دست کریم مین تھی

آخر کو فوج راون میدان مین کام آئی پھر بھی بہادری سے اُسنے شکست کھائی
مشکل تھی موت اُسکی لیکن امان نہ پائی سیتا کو قید غم سے فوراً ملی رہائی
زندان سے چھٹ کے آئین جسدم وہ جانِ عصمت
لازم ہوا کہ پہلے دین امتحان عصمت

دیکھا جو سمتِ شوہر پایا کبیدہ خاطر اگلی سی وہ محبت چہرے سے تھی نہ ظاہر
اذہل مراحیان تھین اور ازدل سے ماہر سمجھین کہ بدگمانی لائی ہے رنگ آخر
عورت کی زندگی کیا شوہر جو بدگمان ہو
کہنے لگین کہ فوراً اس شک کا امتحان ہو

داخل ہوئین چتا مین آخر وہ بے محابا شعلون سے آگ کے تھا آتشکدہ وہ صحرا
اسطرح آگ مین تھا روشن وہ روے زیبا خورشید ہو افق مین جس طرح عالم آرا
گردون سے ہو رہی تھی دیوی پہ بارش گل
ہر لب پہ مدح سیتا ہر دل مین تھا یہی غل

جب آگ سے ہوا کچھ انکا بال بیکا پہونچا ثبوت کامل جب پاکدامنی کا
تب رام نے بھی بڑھکر انکو گلے لگایا عظمت ہوئی مسلم آنکھون پہ سب نے دی جا

نکا کو فتح کرکے رام آئے جب وطن مین
آئی بہار رفتہ اُجڑے ہوئے چمن مین

فوجین بھی ہمعنان قیمن منصور اور مظفر مدت سے منتظر تھا تخت شہی وافسر
آخر کو تاجپوشی کا دن ہوا مقرر بجتے تھے شادیانے فرط خوشی سے گھر گھر
تیاریان ہزارون دربار عام مین تھین
سیتا بھی جلوہ آرا پہلوے رام مین تھین

نظر

ایڈیٹوریل

ادیب کے پہلے نمبر کا غیر مقدم جس جوش و خروش اور فراخدلی کے ساتھ کیا گیا ہے وہ ہمارے لئے نہایت حوصلہ افزا ہے۔ ملک کے مقتدر اخبارات نے اس ادبی خدمت کو نہ صرف مفید بتایا ہے بلکہ اس رسالے کی ضرورت بھی تسلیم کی ہے۔ اسی طرح پرائیویٹ طور پر بھی بہت سی رائیں موصول ہوئیں جن میں ادیب پر اظہار پسندیدگی کے ساتھ بہیں مفید مشورے بھی دئے گئے ہیں۔ یہ عام طور پر کہا گیا ہے کہ اسکی موجودہ حالت قائم رکھنے کی کوشش کیجائے اور یہ ہر طرح نمونہ ہی نہ ہو۔ اگرچہ ان باتوں کو ہم علی طور پر بثابت کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاہم عام بدگمانی رفع کرنے کیلئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ادیب کی نہ صرف موجودہ ہی حالت قائم رکھی جائیگی بلکہ بتوفیق اسکے اعلان کے مطابق "قدم الوکی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہیگا"۔ جسطرح ادیب کی خصوصیات قائم رکھنے کا پریس ذمہ دار ہے اسیطرح اسکے کثیر اخراجات کی کفالت قدر دانان علم ادب پر فرض ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے رہینگے۔

اخبارات کے علاوہ ادیب کا پہلا نمبر بعض ایسے حضرات کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا تھا جو ادبی معاملات میں خاص بصیرت اور تجربہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ادبی تہذیب و شائستگی کے روح رواں جناب منشی رحمت اللہ صاحب رحمہ مالک نامی پریس کانپور اپنے نوازشنامہ میں حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:۔

"رسالہ ادیب کا پہلا نمبر پہونچا۔ نظر کی جدت نظر کو بہت ہی پسند آئی۔ ایسی تصاویر جنکا ڈیمی سائز کے مختصر قطعہ پر چھاپنا دشوار ہوتا ہے کرون سائز کے ایک صفحہ پر آسانی سے درست ہو جایا کرینگی۔ اسی ضرورت سے آپ نے غالباً یہ قطع مقرر فرمائی ہے جسکو میں بھی پسند کرتا ہوں۔ امید ہے کہ ملک اسکی بالعموم مضامین اور بالخصوص نفاست کے قدردانی کرے گا"۔

محمد رحمت اللہ رحمہ

ادیب کی پالیسی کے متعلق بعض حضرات کو سخت غلط فہمی ہوئی جو مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس سے علیحدگی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ادیب مذہبی اور ملکی معاملات سے بحث نہیں کیجائیگی بلکہ وہ مذہبی محرکہ آرائیاں جو ملکی ترقی کی رفتار میں سنگ راہ ہیں ادیب میں نہیں چھیڑی جائینگی اور حکومت وقت کے طرز عمل پر کسی قسم کی نکتہ چینی روا نہ رکھی جائیگی۔ ان امور سے قطع نظر کرکے تمام اُن مذہبی اور ملکی معاملات کے لئے جو دائرۂ ادب کے اندر ہوں اور جنسے اپنا سے ملک فائدہ اُٹھا سکیں ان صفحات میں کافی گنجایش ہے۔

شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد مصنف آبحیات و دربار اکبری وغیرہ کی وفات جو ۲۱ جنوری سنہ حال کو واقع ہوئی ہے اُردو علم ادب کیلئے ایک سخت ماتم ہے۔ آپ زبان اُردو کے سب سے پہلے محسن اور ہندوستان میں سب سے پہلے "شمس العلما" تھے۔ موجودہ علم ادب کی داغ بیل آپ ہی فاضل اور یگانۂ آفاق ادیب کے قلم نے ڈالی تھی اور اپنے زور علم اور بلندی خیال کی بدولت فضاے ادب کی اُس بلندی پر پہونچے جہاں جاتے ہوئے طائر خیال کے پر جلتے ہیں۔ وہ اپنی وفات سے پہلے ہی اُس بہشت میں پہونچ گئے تھے جہاں رنج و راحت ایکسی ہی ہے اور دُنیا کے شور و شر سے فراغت حاصل ہو جاتی ہے، اور جہاں دائمی مسرت اور سرور ابدی کی موجیں اُٹھتی رہتی ہیں ہم حضرت مرحوم کے لئے دعاے مغفرت کرتے ہیں۔

اس نمبر کی تصاویر کے ساتھ مضامین اور ضروری نوٹ سب موقع درج ہیں۔ حضرت جلال مغفور کی تصویر کے لئے ہم اپنے قدیم کرمفرما جناب سردار صاحب امرتسری کے ممنون ہیں جنہوں نے ادیب کے لئے معمول سے بڑا فوٹو بنوا کر عنایت کیا ہے۔ رنگین تصویر انڈین پریس ہی کے ایک دوسرے مصور کی صناعی ہے اور سیتا جی کی تصویر سٹراوی ورما کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔

ادیب کا خیر مقدم

ملک کے گرانمایہ اور نامور اخبارات نے ادیب کا خیر مقدم جن حوصلہ افزا الفاظ میں کیا ہے اُسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم اُنکے ریویو درج ذیل کرتے ہیں۔ یہ معلوم کرکے ہمیں خوشی ہوئی کہ ملک کو ادیب کی ضرورت ہے اور معزز اہل الرائے ہماری اس علمی خدمت کو ملک کے لئے مفید سمجھتے ہیں۔

مینیجر ادیب

لیڈر۔ الٰہ آباد:- "ہم اپنے نئے اُردو ہمعصر ادیب کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ یہ ایک باتصویر ماہوار رسالہ ہے جسکے اڈیٹر منشی نوبت رائے نظر لکھنوی ہیں اور انڈین پریس کی ملکیت اور اہتمام میں شائع ہوا ہے۔ پہلے نمبر میں نثر و نظم میں کئی کثیر تعداد ہے جو نہایت قابلیت سے لکھے گئے ہیں۔ اور مختلف ٹیکٹ پر مبنی ہیں۔ انمیں پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی کے قلم سے نکلا ہے خاص طور پر قابل الذکر ہے۔ نظمیں بھی اعلیٰ درجے کی ہیں اور ہم نہایت خوشی سے محسوس کرتے ہیں کہ اڈیٹر کو پہلے ہی نمبر کے لئے ہمارے نامور ہموطن خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر کے پُر زور اشعار حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ پانچ نہایت نفیس تصاویر بھی شامل ہیں۔ مشہور ہندی رسالہ سرسوتی کی تقطیع کے ۵۶ صفحات کے مجموعہ میں تصاویر اور نفیس لکھائی چھپائی کے ساتھ اسکی قیمت صرف چار روپیہ سالانہ ہے جو بالکل کم ہے۔ اگرچہ اُردو میں بیشمار رسالے نکلتے ہیں لیکن انمیں نصف بھی ایسے نہیں جو قابل اعتنا ہوں اور کوئی شک نہیں کہ اُردو میں اعلیٰ درجے کے ادبی رسالوں کی بیحد کمی ہے۔ ادیب کی اشاعت نہایت امید افزا ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اُردو رسالوں میں اپنا وقار عرصے تک قائم رکھے گا۔"

ایڈوکیٹ لکھنؤ:- "ہم اپنے نئے ہمعصر ادیب کا خیر مقدم کرتے ہیں جو ہندوستانی رسالوں میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے یہ ایک باتصویر ماہوار رسالہ ہے جو انڈین پریس الٰہ آباد سے شائع ہوا ہے اور جسکے اڈیٹر ہمارے شہر کے مشہور اہل قلم منشی نوبت رائے نظر ہیں۔ اسکے مضامین نثر و نظم دونوں بلند پایہ ہیں۔ نمبر ۱ کے پہلے مضمون "چند الہامی کلمات" پنڈت برج نرائن صاحب چکبست کا مضمون "پنڈت بشن نرائن در" اور شرما کے کا مضمون "ناٹکشالا" بہت خاص طور پر قابل تعریف ہیں۔ لکھائی چھپائی اور تصویریں بھی اعلیٰ درجے کی ہیں جو انڈین پریس کی عمدہ کارگزاری کا نمونہ ہیں۔ اس پرچے میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسمیں غیر اخلاقی مضامین کی اشاعت سے سختی کے ساتھ احتراز کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ اُردو جاننے والی مستورات کے ہاتھ میں بلا تکلف دیا جا سکتا ہے۔ ہم کارکنان ادیب کو اُنکی مساعی جمیلہ کیلئے مبارکباد دیتے ہیں اور خواہشمند ہیں کہ اُردو کا یہ ممتاز رسالہ ہر طرح ترقی کرے۔"

ہندوستانی لکھنؤ:- انڈین پریس الٰہ آباد سے ادیب نامے اُردو کا ایک باتصویر ماہوار رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اسکے اڈیٹر منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی ہیں جنوری کے پرچہ کے مضامین اور نظمیں اعلیٰ درجہ کی ہیں اور انمیں چند الہامی کلمات از رائے پرھولال صاحب پنڈت بشن نرائن صاحب دلہ پنڈت برج نرائن صاحب چکبست (یہ تینوں ہم کچ کے پرچہ میں درج کر چکے ہیں)۔ ناٹکشالا لاہور از مسٹر رائے۔ کلام اکبر۔ انخاں بہادر سید اکبر حسین صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ رسالہ کی تقطیع انڈین پریس کے شرما ہندی رسالہ سرسوتی کی تقطیع کے برابر ہے اور یہ التزام کیا گیا ہے کہ ہر ماہ ۸۴ صفحے مع ۵ تصویروں کے جنمیں سے ایک رنگین اور چار سیاہی ہوا کرینگی ہدیۂ ناظرین کیجاوینگی۔ چنانچہ اس نمبر میں دھر تراشٹ اور دروپدی کی رنگین تصویر۔ اور پنڈت بشن نرائن صاحب در اور خان بہادر اکبر حسین صاحب کے فوٹو کے علاوہ آدم و حوا اور راجہ گوپی چند کی تصویریں موجود ہیں۔ آدم اور حوا کی تصویر حکیم محمد خانصاحب لکھنوی کی بنائی ہوئی ہے جو کلکتہ کے آرٹس اسکول کے نامور طالبعلم اور مسٹر ابنندر ناتھ ٹاگور کے شاگرد رشید ہیں باوجود ان تمام خصوصیتوں کے قیمت صرف چار روپیہ سالانہ ہے۔ نمونہ کا پرچہ بھیجہ آنہ وصول ہونے پر روانہ کیا جاتا ہے۔ یوں تو اردو میں اخبار اور رسالے بہتیرے نکلتے ہیں لیکن شمالی ہندوستان میں ابھی تک ایک اول درجہ کے اُردو ماہوار رسالہ کی ضرورت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ منتظمان انڈین پریس اور منشی نوبت رائے صاحب نظر کی سعی سے ادیب جلد اس خاص ضرورت کو پورا کرے گا۔

نیر اعظم مراد آباد:- رسالہ ادیب الٰہ آباد۔ ہمارے پاس رسالہ کی ایک کاپی بغرض ریویو آئی ہے یہ رسالہ انگریزی رسالوں کی شان میں نکالا گیا ہے۔ اور ہم مالک رسالہ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے ایک ایسی شان کا رسالہ نکالا ہے جو اپنی مثال آپ ہی ہوگا۔ بشرطیکہ اسکی یہی آب و تاب قائم رہے کاغذ و لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے اور اسکے علاوہ رنگا رنگ تصاویر بھی قبل سائز کی ہاف ٹون دی گئیں ہیں جنمیں سے ایک رنگین تصویر

ہین دو تصویرین بہت زیادہ دلچسپ ہین۔ ایک تو راجہ گوپی چند کی تصویر دوسرے ہمارے ملک کے قابل فخر فرزند جناب مولوی اکبر حسین صاحب اکبر کی جنکا کلام ایسی عام مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔

مضامین مین بھی قریباً تمام مضامین اعلیٰ پایہ کے ہین اور نظمین بھی نہایت مناسب ہین جنمین کلام اکبر بھی شامل ہے۔ رسالہ کے مقاصد اردو لٹریچر کی مدد اور تمدنی معاملات پر بحث کرنا ہے۔ پولیٹیکل معاملات سے رسالہ کو کوئی تعلق نہوگا۔ باوجود ان تمام خوبیون کے قیمت سالانہ فی نمبر ہے جو درحقیقت بہت ہی کم ہے۔ ہمارے نزدیک اس شان کے رسالہ کی اس سے کم قیمت ہو ہی نہین سکتی۔ ہم امید کرتے ہین کہ یہ رسالہ بہت جلد مقبول ہوکر اعلیٰ طبقہ کے رسالون مین گنا جائیگا۔

آریہ گزٹ لاہور:۔ الہ آباد سے ماہواری رسالہ ادب کا پہلا پرچہ پہونچا ہے۔ اس مین پہلے اعلیٰ درجہ کی تصویر ہین حجم ۵۶ صفحہ ہے چھپائی کی نفاست کے لحاظ سے اردو رسالون مین بیمثل ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کے انگریزی رسالون کے ہم پایہ۔ مضامین بھی اچھے ہین۔

پہاڑی نارنگیان

اندنون ہمارے کارخانے مین بٹول (علاقہ نیپال) کی نارنگیان جو کہ نہایت شیرین اور خوش ذائقہ ہوتی ہین منگوائی گئی ہین۔ سلہٹ اور ناگپور کی نارنگیان اسکی خوشبو اور ذائقہ کا ہرگز مقابلہ نہین کرسکتین۔ تمام ہندوستان مین یہ نارنگیان بوجہ اپنی شیرینی اور خوشبو کے لاثانی ہین۔ صاحبان یورپین اسکو نہایت ذوق سے پسند کرتے ہین لہذا انکو تحفہ بھیجنے کیلئے یہ ایک عمدہ چیز ہے۔ علاوہ اسکے یہ نارنگیان مفرح قلب و دماغ ہین اور صفی خون ہین انکی قیمت فیصد مع محصول ریلوے وغیرہ صرف تین روپیہ ہے۔ صاحبان فرمایش اپنے نام کے ساتھ اپنے قریب کے اسٹیشن کا نام اور اپنا پورا پتہ خوشخط لکھین

ملنے کا پتہ۔ بی۔ ایل۔ اینڈ کمپنی پہاڑی نارنگی

شہر گورکھپور

جلد ۱ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء نمبر ۳

ادیب

ادب اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ ——— ایڈیٹر نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) شاہجہان کا محل (رنگین)
(۲) نظارۂ تاج محل (۳) شمس العلما مولانا آزاد مرحوم (۴) مالتی (۵) پرتھی راج کا دربار
(۶) مسٹر دتش چندر دت (۷) بلند دروازہ (۸) دھانک (۹) سنگتلا

فہرست مضامین

۱- چند الہامی کلمات - از رائے پربھو لال صاحب بی۔ اے ۱۰۵
۲- قومی یادگارین - از مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ۱۱۰
۳- شمس العلما آزاد مرحوم - از پنڈت برجموہن ناظم صاحب دتاتریہ کیفی ۱۱۴
۴- فلسفۂ سانکھیہ - از منشی سورج نرائن صاحب مہر دہلوی ۱۲۴
۵- قدیم عربون کا فن تحریر - از حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ۱۳۲
۶- رمیش چندر دت - از "وامدیو شاستری" ۱۳۵
۷- کلام اکبر - از خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر جج پنشنر الہ آباد ۱۴۳
۸- کلام رشید - از حضرت رشید لکھنوی نبیرۂ ارشد جناب انیس مغفور ..... //
۹- پریاگ کا سنگم - از منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی ۱۴۴
۱۰- شاہد غیب - از مرزا کاظم حسین صاحب مؤثر لکھنوی ۱۴۵
۱۱- پرواز وقت - از مسٹر شاکر بیرسٹلی ۱۴۶
۱۲- تلقین صبر - از منشی محمد یحییٰ صاحب تنہا ۱۴۷
۱۳- کلام چکبست - از پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی ۱۵۰
۱۴- کلام جلیل - از حافظ محمد جلیل حسن صاحب شاعر خاص دربار آصفیہ حیدرآباد دکن ..... -
۱۵- ایڈیٹوریل ۱۵۱

قیمت سالانہ چار روپیہ فی پرچہ ۲ر
پنچکوڑی مشنر پرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا

(قیمت سالانہ للعہ)

ادیب

(فی پرچہ ۱/۶)

کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقید تاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشا پردازاسے وقیع۔ دلچسپ۔ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کے لئے دلچسپ ہو۔ کوشش کی گئی ہے کہ اسکے مضامین (خواہ نظم) تعلیم تافتہ متوسط کے لئے بھی اُسیقدر دلچسپ، مفید، اور شگفتہ ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی ضخامت ۴۸ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونے کیوجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے ایک صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم ازکم ایک رنگین اور چار عکسی تصاویر دیجاتی ہین جنمین مشہور مصوّرون کی صناعیون کے نمونے یا مشاہیر حضرات کے فوٹو۔ تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی نظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویر کی دلکشی کو دوبالا کردیتی ہین۔ قدردانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہیگا۔

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کے ساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علیحدہ ہوتی ہین۔ ہر نوع قدردانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کے ساتھ کوئی پرچہ نہین ملسکتا بلکہ اس ارزانی کیساتھ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم از کم ساٹھ ہوتی ہے) کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ نظر بین معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ ۱/۲ روصول ہونے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت آپنے ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف و خوشخط لکھا جاے تاکہ پرچہ پہونچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کیلئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہئے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصے کے لئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجاے۔

اس رسالہ مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہین چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہین لئے جائینگے جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصویر ساتھ نہ آئیگی تو مضمون شائع نہو گا۔

خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جاے ورنہ تعمیل ارشاد نہو سکے گی۔ تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہیے۔

منیجر "ادیب" انڈین پریس الہ آباد

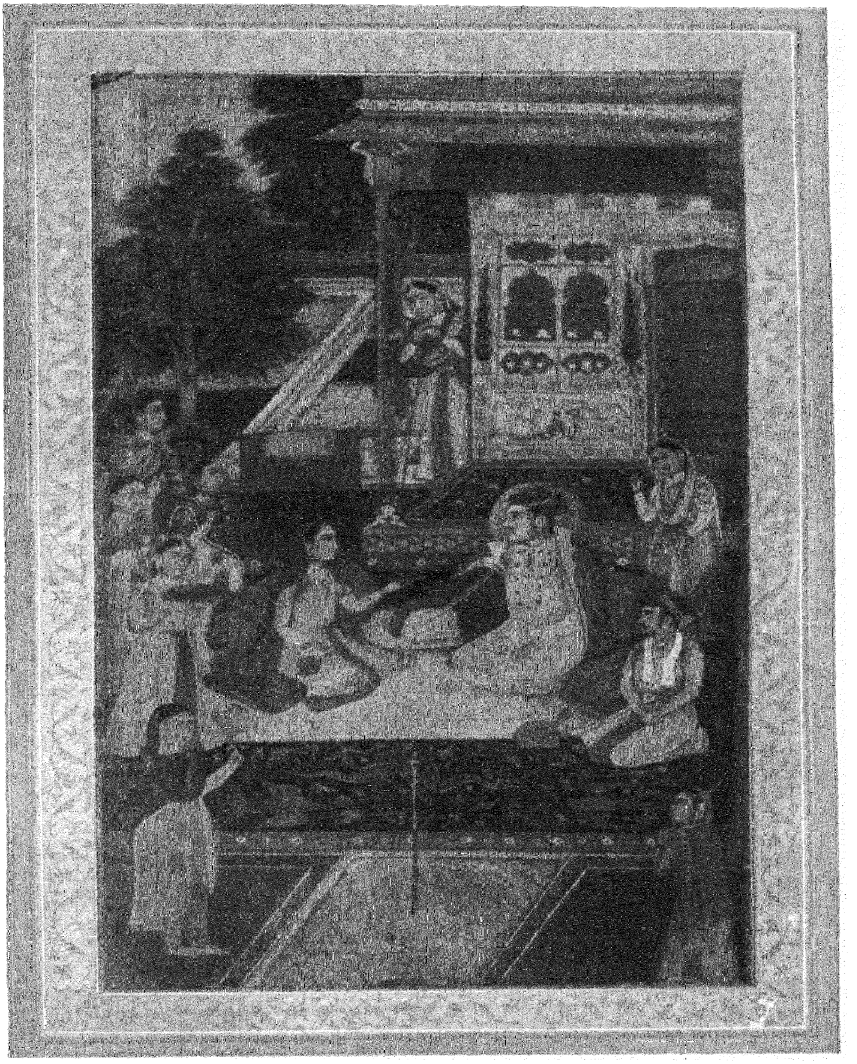

شاہ جہاں کا محل

انڈین پریس الہ آباد

مارچ سنہ ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ۱ — نمبر ۳

چند الہامی کلمات

(۳)

विजानीयात वात्मानमन्यां वाचं विमुञ्चत।

(ترجمہ)

"آتما کو جان یعنی اپنے کو پہچان اور دوسری باتوں کو چھوڑ"

معرفتِ حق

اس سے پہلے عشق کا مضمون ہدیۂ ناظرین ہو چکا ہے لیکن یہ ایک ایسا طریقہ ہے جسمین اگرچہ عالم مستی و مدہوشی مین عاشق عین وصل کی حالت مین اپنے کو عین معشوق ہی سمجھکر یہ پکار اُٹھتا ہے کہ اے پریتم پیارے۔ من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن پھر بھی ہوش مین آکر وہ اپنے معشوق کو اپنے سے جُدا سمجھکر اُسکی ستایش کرنے لگتا ہے اور اُس ستایش کے کرنے سے وہ کبھی سیر نہین ہوتا ہے اور اسطرح کی حالت کیا عشق مجازی اور کیا عشق حقیقی دونون مین طاری ہو جاتی ہے۔ کسی شاعر کا ایک شعر ہے:۔

چڑھا منصور سولی پر پکارا عشق بازون کو
یہ اُسکے بام کا زینہ ہے آئے جسکا جی چاہے

اس شعر سے ظاہر ہے کہ اگرچہ عاشق و معشوق دونون کا وصل کامل ہو گیا تھا اور عین حالتِ مدہوشی و کیفیت مین جسے عاشق خدا منصور حلاج نے کلمۂ "انا الحق" کو اپنی زبان پر جاری کیا تھا تاہم جو ضمیر غائب "اُسکے عشق" کی اس شعر مین مستعمل ہوئی ہے اُس سے یہ صاف ٹپک رہا ہے کہ باوجود وصل کے

پھر بھی جدائی کا خیال رہا۔ یعنی یہ کہ کسی ایسے معشوق کے بام کا یہ زینہ ہے جو اپنے سے الگ ہے اسیطرح مجذوبۂ کامل میران بائی کا یہ مشہور گیت ہے۔

گیت

بھئی مین تو دَرد دِوانی دَرد نہ جانے کوے ٹیک

گھائل کی گت گھائل جانے جو کوئی گھائل ہوے بھئی مین تو الخ
بھیتر گھاو لگیو ور ہ کو باہر جانے نہ کوے بھئی مین تو الخ
سُلی اوپر سیج ہماری کس بدھ چڑھنو ہوے بھئی مین تو الخ
میران کے پربھو گردھر ناگر بیدیہ (वैद्य) سانوریا کو بھئی مین تو الخ

اگرچہ گیت کا مضمون نہایت ہی دلستانہ ہے اور حالتِ وجد پیدا کرتا ہے تاہم یہ پایا جاتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق سے جدا ہے ویدیہ (वैद्य) سانوریا کوئی الگ ہے جس سے اس مرض عشق کی شفا کی امید کیجاتی ہے۔

سچ پوچھو تو بھگتوں کا طریقہ ہے جو عین وصل مین بھی جدائی کا خیال قائم رکھنا چاہتے ہین اور جو امتیاز عاشق و معشوق مین ہے اُسکو باقی رکھنا چاہتے ہین۔ ہمیشہ کے لئے وہ عاشق ہی رہنا چاہتے ہین کیونکہ جب عاشق و معشوق دونون ایک ہو گئے تو عشق درمیان سے جاتا رہا اور اُنکے نزدیک جب عشق ہی نرہا تو پھر کیا خاک رہا جس سے اُنکی تشفی ہو۔ اسلئے یہ اہل طریقت اسی کو ترجیح دیتے ہین کہ وہ ہمیشہ عاشق ہی بنے رہین اور معشوق کا جو مرتبہ ہے اُسکو قائم رکھین۔ اور جو حد اُنہون نے اسطرح قائم کر لی ہے اُس سے وہ تجاوز کرنا نہین چاہتے اور اُس سے تجاوز کرنے کے خیال کو وہ داخل الحاد سمجھتے ہین۔ یہ وہ حد ہے جو ہندوون مین شری رامانج آچارج کی قائم کی ہوئی ہے اس سے باہر قدم رکھنا اُنکے نزدیک الحاد ہے۔ لیکن شری سوامی شنکر آچارج فرماتے ہین کہ نہین بیچے سالک کو اس حد سے بھی باہر قدم رکھنا چاہیئے۔ اگر مستی و مدہوشی ہے تو وہ ایسی ہونی چاہیئے کہ کپڑون وغیرہ کی بھی سُدھ بُدھ نہ رہے بلکہ کپڑون کو پھاڑ کر بالکل عریان ہی ہو جانا چاہیئے۔ گویا یہ عریانی ہی عین حالت ہے۔ عین حقیقت ہے۔ بقول شخصے

تن کی عریانی سے بہتر نہین دُنیا مین لباس
یہ وہ جامہ ہے کہ جسکا نہین سیدھا اُلٹا

یہان تن کی عریانی کی جگہہ باطن کی عریانی مراد لینا چاہیئے نہین نہین سوامی شنکر آچارج کا یہ قول ہے کہ عین حالت ہوش ہی مین ہمکو یہ عریانی کی حالت پیدا کرنی چاہیئے۔ عریانی سے مراد یہان یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ ایک ہی حقیقت ہے اور وہ حقیقت ہمارا ہی آتما ہے۔ ہمارا ہی آتما سب جگہہ ہے اور سوائے اُسکے اور کوئی دوسری حقیقی ہستی ہے ہی نہین۔ باقی جتنے لباس علایق دُنیا کے ہین وہ ہمنے سب اُتار ڈالے ہین کیونکہ فی الحقیقت یہ لباس ہمارے لباس نہین ہین۔ ہمنے جہل سے، لاعلمی سے، اگیان سے، انکو اپنا ملبوس سمجھ لیا ہے۔ ہماری اصلی حالت تو عین عریانی ہی ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جس مین قدم رکھتے ڈر لگتا ہے ہر قدم پر الحاد کے فتوی کا خوف ہے زبان سے یہ کلمہ نکلا

(चिदानन्दरूपः शिवोहम् शिवोहम्)

"چدانند روپ شوو ہم شوو ہم" کہ ہماری زبان پکڑی گئی "منصور نے صرف عالم مدہوشی ہی مین کلمہ انا الحق اپنی زبان سے نکالا تھا اور وہ مستوجب سزاے دار ہوا تھا یہان تو اس طریقہ مین عین حقیقت یہی ہے۔ عالم مدہوشی و مستی کا کیا کہنا۔ یہان اگر کوئی جرأت اس حقیقت کی تعریف کی گئی تو یہ کہکر فوراً زبان پکڑی گئی کہ "نیتی نیتی" (नेति नेति) یعنی یہ نہین یہ نہین جب

پوچھا گیا کہ آخر تم ہو کیا تو جواب ملا بقول شنکر اچارج "نہ مین خاک ہون نہ آب نہ آتش نہ باد اور نہ اکاش نہ برہمن نہ چھتری نہ ویش نہ شودر وغیرہ وغیرہ بلکہ ست چت آنند روپ شیو یعنی پرمیشور ہون۔ بقول مولانا شمس تبریز۔

نہ از خاکم نہ از بادم نہ از آبم نہ از آتش
نہ ترسا و یہودی ام نہ گبرم نے مسلمانم
الا یا شمس تبریزی چرا ہستی درین عالم
بجز مستی و مدہوشی نباشد ہیچ سامانم

غرض اسیطرح کے خیالات کے متعلق ہمارے سوامی جی کے آگے کے ارشادات ہین جو اُنکے الہامی کلمات مین بہت بڑا حصہ لئے ہوئے ہین۔ چنانچہ وہ فرماتے ہین۔

"یہ ہمہ گیان یعنی عرفان حق اسطرح حاصل ہوسکتا ہے کہ یہ نیک ہے یہ بد ہے، یہ شگھ ہے یہ دُکھ ہے، اس سے ہمین اپنے کو پرے رکھنا چاہیے۔ ہر راحت کے بعد تکلیف ہے گو اُنمین فصل زیادہ ہو یا کم۔ ہمکو ان دونون سے علیحدہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ ان دونون کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی اصل حقیقت کو بھول جاتے ہین۔ ان دونون کے پرے آتما ہے جسپر راحت اور مصیبت کا کوئی اثر نہین پڑتا ہے۔ مصیبت و راحت یہ دو ایسی حالتین ہین جنمین دائمی انقلابات ہوتے رہتے ہین لیکن آتما الگ پرے ہے۔ کیونکہ وہ پرماننر سروپ ہے۔ اس پرماننر یعنی سرور دائمی کو حاصل کرنے کے لئے ہمین کہین جانے کی ضرورت نہین کیونکہ وہ سدا ہمارے پاس ہے اور ہمکو ہر وقت یہ کرنا چاہیے کہ ہمارے آئینۂ دل پر جو زنگ ہے اُسکو دھوئین جب ہمکو یہ گیان ہوجائیگا کہ آتما سب جگہہ ہے اور کوئی مقام نہین جو اُس سے خالی ہو تو پھر ہم دُنیا کے اُن آلام کو قطعاً خاموشی کے ساتھہ دیکھینگے۔ ہمکو اسکی بھی پرواہ نہ ہوگی کہ ہم بہشت کو جاتے ہین یا دوزخ کو۔ کیونکہ ایسی صورت مین ہر مقام ہماری ہی آتما کا مندر ہے۔ ہر مقام پاک ہے نہ سکھہ ہے نہ دُکھہ ہے نہ جیتا ہے نہ مرا۔ کیول پرماننر ہے جسکی کوئی انتہا نہین۔

ہم ہی کائنات مین داخل ہوتے ہین اور پھر وہ کائنات ہمارے لئے زندہ ہوجاتی ہے۔ فی الحقیقت کل اشیاء بیجان ہین۔ ہم ہی اُنکو جاندار بناتے ہیں اور پھر مثل احمقون کے ہم اُنسے ڈر کر بھاگتے ہین یا اُنسے خطا اُٹھانا چاہتے ہین[1]۔ لیکن تمہاری حالت اُن مایوں گیسہ عورتون کی سی ہونی چاہیے جنکو گھر کو واپس آتے وقت ایک طوفان نے گھیر لیا تھا کسی درخت سے وہ ایک گندھی یا پھر لوالے کے مکان مین پناہ لینے پر مجبور ہوئی تھین۔ یہان وہ کیا دیکھتی ہین کہ چارون طرف خوشبودار پھولون کے ڈھیر ہین جنسے سارا مکان مہک رہا ہے۔ ان بیچاریون نے بہت کوشش کی کہ نیند آئے مگر کیسے آتی اُنکے دماغ تو پھولون کی خوشبو سے پریشان ہو رہے تھے۔ آخر اُن مین سے ایک نے یہ حکمت کی کہ مچھلی کے ٹوکرون کو پانی سے بھگو کر ہر ایک کے سرہانے رکھدیا اور پھر وہ سب گہری نیند مین سوگئین۔ یہ دُنیا بھی ہمارے لئے مچھلی کے ٹوکرے کے مانند ہے اسلئے ہمین حظ اُٹھانے کے لئے اسپر حصر نہ کرنا

[1] سوامی جی کا یہ ارشاد کسیقدر تصریح طلب ہے اس ارشاد سے اُنکی یہ مراد ہے کہ چونکہ کل کائنات کا وجود ذات حق پر قائم ہے اور وہ ذات حق ہماری ہی آتما ہے یا یون کہو کہ چونکہ نمود عالم بے بود نہین بلکہ اُسکی بود ہی ایک حقیقت ہے جو ہمین ہماری ہی آتما ہے اسلئے اس کائنات کی ہستی کے گویا ہم ہی باعث ہوئے یا یون کہو کہ ہم اپنے ہی اگیان سے اس کائنات کو پیدا کرتے ہین ورنہ فی الحقیقت اُسکی کوئی حقیقی ہستی نہین ہے۔

چاہیئے - دُنیا ہمارے لئے ہے نہ کہ ہم دُنیا کیلئے ہین - ہمین ایسا کرنا چاہیئے کہ نیکی اور بدی پر قادر ہو جائین - نہ کہ یہ الٰہی ہمپر مسلّط ہونے پائین جیسے لڑکے کانچ کے نگون (नगीं) کو کیچڑ مین پاکر خوش ہو جاتے ہین ویسے ہی ہم دُنیا سے خوش ہوتے ہین نیکی و بدی پر بے تعلقی کے ساتھ نظر ڈالکر ہمین سُکھ دُکھ دونون کو ایک سمجھ لینا چاہیئے اور یہ جانکر کہ یہ دُنیا خدا کا ایک کھیل ہے ہمین دونون کو بھوگنا چاہیئے -

اہنکار مین انانیت کی آہنی دیوار ہی ہمارے بیچ مین سدّ اُ ہے - کیونکہ ہمارا تو یہ وتیرہ ہو رہا ہے کہ جب ہمین کسی کام مین کامیابی حاصل ہوتی ہے تو ہم بڑے فخر کے ساتھ یہ کہتے ہین کہ یہ کام ہمنے کیا - یہ ہماری تدبیر سے ہوا ہے - اس اہنکار کو ہمین مٹانا چاہیئے - اسلئے اُن لوگون کو دعا دو جو تمہین پُرا کہین - کیونکہ وہ اسطرح تمہارا اہنکار مٹا کر تمہارے ساتھ بہت بڑا سلوک کرتے ہین - ایسے لوگون سے ملو جو تمسے نفرت کرتے ہین تاکہ خودی کی بو تمہارے دل سے دُور ہو - ہمارا تو ایسا حال ہو رہا ہے کہ مثل ایک بندریا کے ہم دُنیا کے اس بچے کو اپنے پیٹ سے لگائے ہوئے ہین - مبارک ہین وہ لوگ جو اس بچے کو گرا کر اور اُسکو کچل کر خدا تک پہونچتے ہین - ہم مین سے بعض دُنیا کو ایک دفعہ ہمت کر کے ترک تو کر دیتے ہین مگر پھر مایوسی اُن کو گھیر لیتی ہے - نہین ایسا نہونے دو - استقلال کے ساتھ ثابت قدم رہو - یہ دُنیا مثل ایک سلطنت کے ہے جس پر اہنکار حکمران ہے - اس اہنکار کو مٹاؤ اور استقلال کے ساتھ اگر کھڑے ہو جاؤ گے تو ضرور مقصد کو پہونچو گے یہ خیال کہ جملہ لذائذ ہمین حواس خمسہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہین وہی ہمین لذائذ ہین صحیح نہین ہے - انہین ایک شمہ بھی حقیقی مسرت نہین ہے - انہین اگر کوئی حظ ہے تو وہ اصلی سرور یعنی برہمانند کا محض ایک پرتو یا عکس ہے -

جو گیانی ہے وہ سب چیزون کے پرے جانا چاہتا ہے اس دنیا کی چیزون سے اُسکی تشفّی نہین ہوتی ہے کتابون مین جو کچھ لکھا ہے اُس سے بھی اُس کی تشفّی نہین ہوتی ہے نہ سائنس سے اُسکا دل بھرتا ہے - یہ کُل عالم اُسکی نگاہ مین دریائے ہستی کا ایک قطرہ ہے - وہ ان تمام چیزون سے پرے جانا چاہتا ہے اور حقیقت کو جیسی کہ وہ ہے دیکھنا چاہتا ہے - ایسا فلاسفر ہے کہ جسکی نگاہ مین ایشور نہ صرف پتا ماتا ہے نہ صرف اس پرپنچ (प्रपंच) کا کرتار ہے نہ صرف اسکا پالن ہارے بلکہ یہ تمام الفاظ اُسکے لئے بہت ہی کم ہین - اُسکے نزدیک ایشور خود اُسی کی روح ہے خود اُسی کا آتما ہے اُسکے لئے اور کوئی چیز باقی نہین رہتی - وہ دریائے ہستی مین اپنے آپ کو مٹا دینا چاہتا ہے -

جیو آتما کیا ہے اور پرماتما کیا ہے اسکا ایک درشٹانت (مثال) مین بیان کرتا ہوں[1] ایک درخت پر دو پرندہین ایک چوٹی پر ہے اور دوسرا نیچے ایک شاخ پر - وہ جو چوٹی پر ہے چُپ چاپ اپنے ہی شان مین ڈوبا ہوا ہے اور وہ جو نیچے کی شاخ پر ہے باری باری سے میٹھے اور کڑوے پھل کھاتا ہے کبھی میٹھے پھل کھاکر خوش ہوتا ہے اور کبھی کڑوے پھل کھاکر دُکھ پاتا ہے - کچھ عرصے کے بعد نیچے کے پرندے نے ایک بہت ہی کڑوا پھل کھایا جس سے اُسکو تکلیف ہوئی اور اُسنے اوپر کیطرف نظر ڈالی اور وہان اُسکو وہ سُنہرے پر والا پنچھی دکھائی دیا - وہ پکشی نہ میٹھے نہ کڑوے پھل کھاتا ہے اور

[1] یہ درشٹانت اُپنشدون مین سے لیا گیا ہے -

نہ دُکھی ہے نہ دُکھی۔ وہ بالکل چپ چاپ اپنے ہی وہیکل (شان) مین ڈوبا ہوا بیٹھا ہے۔ لیکن نیچے کا پرند پھر سوہ مین پھنکر اُس درخت کے میٹھے اور کڑوے پھل کھانے لگتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اُسنے ایک ایسا کڑوا پھل کھایا کہ اُسکا بڑا دُکھ ہوا اور پھر نگاہ اوپر کو ڈالی اور اوپر کے پکشی کیطرف کو چڑھنے لگا۔ یہانتک کہ اُسکے اسقدر نزدیک پہونچ گیا کہ اوپر کے پکشی کے سُنہرے پرون کی روشنی اُسکے بدن پر پڑی۔ ہوتے ہوتے وہ اُسکے اسقدر نزدیک پہونچ گیا کہ جو اصل حقیقت تھی وہ اُسکو معلوم ہوگئی۔ اُسکو یہ معلوم ہوا کہ مین جو اپنے آپ کو ایک جُداگانہ پرندنیچے بیٹھا ہوا سمجھتا تھا صرف پرتو یا عکس تھا اُس پرندے کا جو اوپر فی الحقیقت بیٹھا تھا وہی خود اوپر والا پکشی تھا۔ یہ نیچے کا پکشی یہ باری باری سے میٹھے اور کڑوے پھلون کو کھانا، یہ باری باری سے خوش اور ناخوش ہونا، ایک خیال ہی خیال تھا۔ ایک خواب تھا۔ اصل پکشی تو اپنی شان مین ڈوبا ہوا یہ مانند سروپ ہمیشہ ای موجود ہے۔ جس سے مراد پرماتما لینا چاہیئے۔ اور نیچے والے کو جیو آتما، جو اس دُنیا کے میٹھے اور کڑوے پھلون کو باری باری سے کھاکر باری باری سکھ اور دُکھ بھوگتا ہے۔ ایک مزہ اُسکو وہ صدمہ پہونچتا ہے جس سے وہ تھوڑی دیر کے لئے اوپر کیطرف کو دیکھتا ہے اور کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اور اُسکو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دُنیا متھیا یعنی جھوٹی ہے۔ وہ کچھ اوپر کو چڑھتا ہے لیکن اندریان اُسکو پھر نیچے کی طرف ڈھکیل دیتی ہین اور پھر وہ دُنیا کے میٹھے اور کڑوے پھلون کو کھانے لگتا ہے۔ پھر ایک بہت ہی بڑا صدمہ پہونچتا ہے جسکی وجہ سے اُسکی آنکھین کھلتی ہین اور پھر وہ حقیقت پر غور کرتا ہے۔ اور اس مرتبہ ذرا گہرا غور کرتا ہے۔ یہانتک کہ اُسکو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہی پرماتما سروپ پرماتما ہے وہ جو اس دُنیا کے ذرہ ذرہ مین موجود ہے۔ وہ جو بڑے سے بڑے سورجون اور چاندون مین موجود ہے وہی میری زندگی کی بھی جڑ ہے۔ اور وہی میرا آقا ہے نہین نہین مین وہی ہون اہم برھاسمی (انا الحق)

آخر مین سوامی جی یہ فرماتے ہین :-

جب تم یہ جان جاؤگے کہ مین ہی عین حقیقت ہون تب یہ سب خیال دور ہوجائینگے۔ مین آدمی ہون مین عورت ہون مین بیمار ہون مین تندرست ہون۔ مین طاقتور ہون مین کمزور ہون۔ مین پاپ کرتا ہون۔ مین نفرت کرتا ہون۔ یہ سب بھرم ہے اور کچھ نہین۔ ان خیالات کو نکال ڈالو تم کسوجہ سے کمزور ہوتے ہو تم ہی تو عین حقیقت ہو۔ یہ سمجھو کہ ہر ایک خیال ہر ایک فکر جس سے دُنیا مین کمزوری پیدا ہوتی ہے وہی بُرائی ہے جو اس دُنیا مین ہے۔ مگر یعنی ناداں لوگ یہ کہتے ہین کہ تم پاپی ہو اسلئے آؤ ایک کونے مین بیٹھکر آہ وزاری کرکے استغفار کیلئے مناجات کرین۔ تمکو جو پاپی کہین وہ اگیانی ہین۔ تم تو عین حقیقت ہو۔ تم کیسے پاپی ہوسکتے ہو۔ ذاتِ حق اور تم کوئی جُداجُدا نہین ہو۔ اگر تم کسی غریب کی مدد کرتے ہو تو اسکا ذرا بھی فخر مت کرو۔ کیونکہ تم اپنی ہی مدد کرتے ہو۔ تم ہی سارے عالم کی روح یعنی آتما ہو۔ تو پھر تم کس سے نفرت اور کس سے محبت کروگے[1]

سوامی جی کے مندرجہ صدر ارشادات کو پڑھکر شاید

---

[1] سوامی جی کا یہ ارشاد صرف نگاہ حقیقت سے صحیح ہے کیونکہ جب ہم ذات مطلق ہی ہین اور وہ ذات پاک ہے تو پھر ہم پاپی کیسے ہوسکتے ہین البتہ نگاہ تعین سے ایسے بہت کم ہونگے جو پاپی نہین کہلائے جاسکتے کیونکہ ان تعینات کا باعث اگیان ہے جس سے یہ سب کمزوریان ہین اور جسے بڑا پاپ ہے۔

پائی جاتی ہین اور جسقدر ہمارے اردگرد ایسے سامان حرفت اور صنعت کے موجود ہین اُن مین سے یا تو بہت سا حصہ نامکمل ہے یا جزوی رنگ مین تکمیل شدہ۔ اگر اس نامکمل اور کسی حد تک مکمل سامان کو ملک و قوم مین سے جُدا کر لیا جاے تو اُسکا نتیجہ سوائے اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ملک بھر مین ایک اودھم مچ جاے اور لوگ ادھر اُدھر بھٹکتے پھرین۔ اسکا یہ نتیجہ نکلا کہ جسقدر یادگارین اور ساختین اسوقت ہمارے ملک مین پائی جاتی ہین باوجود کس مپرسی اور عدم تکمیل کے ملک و قوم کو اُنکی ایک خاص حد تک ضرورت بھی ہے ایسی ضرورت کہ اُنکا عدم خود انسانی جماعتون کا عدم ہے۔

ہم یادگارون سے صرف چونہ اور خشت یا لکڑی کی یادگارین ہی مراد نہین لیتے۔ بلکہ کُل ایسی چیزین جو ہمارے ملک اور ہماری ملکی قومون مین پائی جاتی ہین۔ خواہ خیال ہون خواہ مادّیات وہ سب یادگارین ہین اور اُن سب پر ہم پس ماندگان اپنے اپنے رنگ مین فخر کر سکتے ہین۔

صرف تماشائی رنگ مین ہم یادفتگان کی ڈیوٹی (فرض) پوری نہین کر سکتے جبتک کہ عملی رنگ بھی کچھ کر کے نہ دکھلائین فرحت متھرا بر نڈابن۔ ہردوار۔ جگن ناتھ جی۔ آگرہ۔ دہلی۔ حیدرآباد۔ امرتسر۔ لاہور کی خشتی یادگارین ہی ہمارے اردگرد نہین ہین اور بھی ہزارون یادگارین خیالی اور مادّی رنگ مین ہمارے گردوپیش مدتون سے پائی جاتی ہین اور اُنپر ہماری زیست کا بھی بہت کچھ دارومدار ہے۔

یہ ضرورت نہین کہ ہم گنگا جمنا عبور کرتے ہوے آگرہ اور متھرا مین جائین۔ بلکہ اپنے اردگرد کی یادگارین بھی دیکھین اور اُنکا نقش قدم بھی لین۔

یون زبان حال سے کہتا ہے ہر نقش قدم
گو مٹایا خاک نے پر ہون نشان سہلان کا

جسطرح نقش قدم جانیوالون کی یاد دلاتا ہے اُسیطرح ہر چھوٹی بڑی یادگار اور ساخت بزرگون اور موجدون کی یاد دلاتی ہے۔ جب ہم ایک خشتی یادگار کی اسقدر آؤ بھگت کرتے ہین کہ ہماری اُسطرف پوری توجہ پائی جاتی ہے تو عام یادگارین اور عام ساختین بہ نظر تاسف ہمین دیکھتی ہین اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہی ہین کہ ہم نے کیا گناہ کیا ہے اور کیون ہمین عالم فراموشی مین چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ درد بھلا ہمین کیا یاد دلاتا ہے۔ یہ کہ ہم ہر ایک چھوٹی بڑی یادگار اور ساخت کو زندہ رکھنے یا ترقی دینے کیواسطے از سرتاپا زور لگائین اور رفتگانِ عدم کی روحون کو اس توجہ سے مسرور کرین۔ قومی یادگارون اور قومی ساختون کے قائم رکھنے کیواسطے یہی ضروری نہین کہ اُنہین عزت کی نظرون سے دیکھا جاے یا اُنہین محفوظ رکھا جاے۔ بلکہ اُن مین اگر کوئی نقص ہو تو وہ رفع کیا جاے۔ اگر نامکمل ہو تو اُسکی تکمیل کیجاے اور اُسے اعلیٰ پیمانہ پر پہونچایا جاے۔

اسوقت ہمارے ملک یا ہماری سرزمین مین جسقدر چھوٹی بڑی یا اچھی بُری یادگارین اور ساختین پائی جاتی ہین خواہ وہ خیالی ہون اور خواہ مادّیات سے اُن سب کیحالت کس پرسی مین ہے۔ زرعی ساختین زرعی یادگارین اور دیگر حرفتی یادگارین اور صنعتی ساختین سب کی سب دن بدن رو بہ تنزل ہین۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ یہ کہ ہمین اپنے بزرگون کی یادگارون کی ترقی اور تکمیل کیواسطے کوئی وقت نہین ملتا یا خود ہی ایسا وقت نکالا نہین جاتا۔

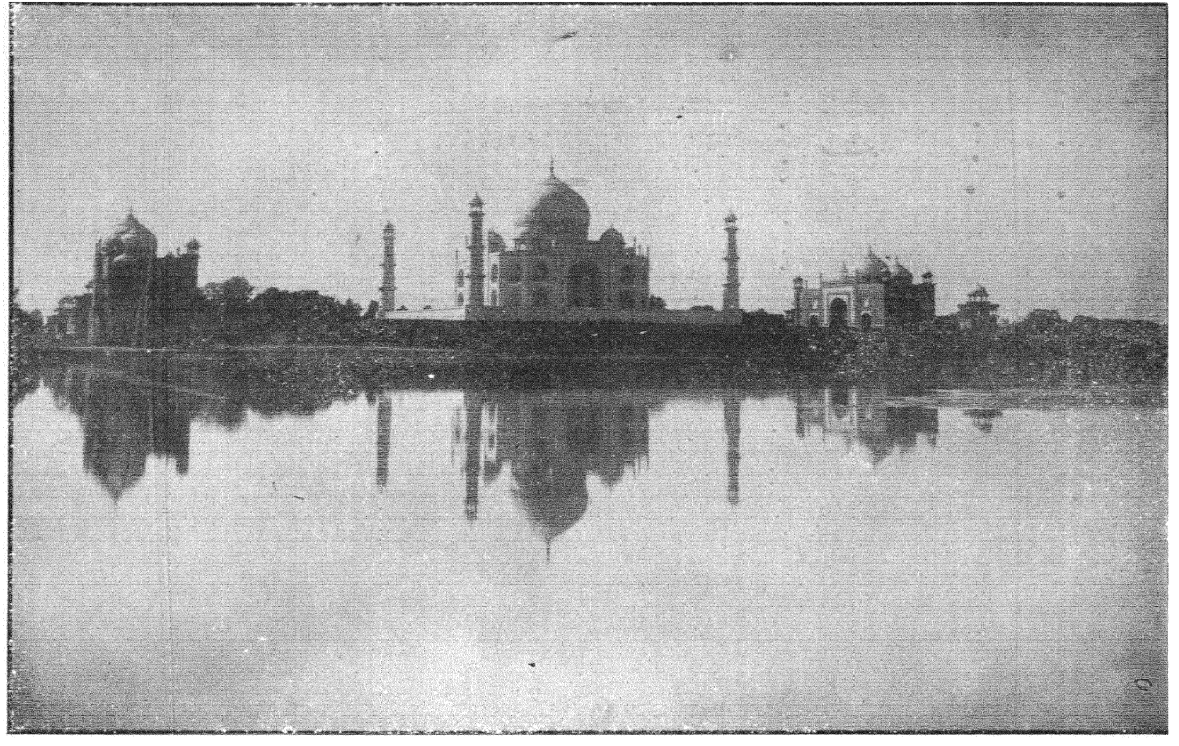

نظارۂ تاج محل

انڈین پریس الہ آباد

لاہور کی نمایش اس بات کا کافی ثبوت تھی کہ ملک بھر مین حرفت وصنعت کا کہانتک شوق ہے اور موجودہ نسلین کہانتک اس ضرورت کیطرف توجہ کر رہی ہین یہ افسوس سے ظاہر کیا جائیگا کہ ابتک ملکی وقومی یادگارون اور صنعتون کی ایسی حالت نہین ہوئی کہ یہ ہیئت مجموعی اُنہین ترقی یافتہ کہا جائے۔

یہ نقص ابتک کیون باقی چلا آتا ہے؟ اسواسطے کہ قومی یا ملکی یادگارون کی ترقی روز افزون کیواسطے درحقیقت کوئی غور نہین کیا جاتا۔ جسطرف مدتون سے لوگ لگے ہوئے ہین اُسمیطرف اندھا دھند جا رہے ہین اور اسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ ملک بھر مین ایسی کوئی انجمن اور کمیٹی نہین جو ایسے لوگون کی عزت کا باعث ہو یا اُنہین مدد دے سکے جو قومی یادگارون مین ترقی کرکے دکھائین۔

اب وقت آگیا ہے کہ لوگ ہندو اور مسلمان درمیانی خرخشون سے فرصت پاکر معاشرتی مذہب کے رنگ مین ایسی متحدانہ کمیٹیون کی بنیاد رکھین جنکے سہارے اور زور پر ملک و قوم کے افراد اسطرف متوجہ ہون۔ زرعی اور دیگر حرفتی کامون کیواسطے ایسی کمیٹیان اعلانات شائع کرین اور پھر تجربہ اور کافی مشاہدہ کے بعد ایسی مفید ساختون کے رواج دینے مین کوشش کیجاے۔ یہ کہنا کہ ہندوستانی طبائع مین ایسا مادہ نہین ہے محض غلط ہے۔ مادہ موجود ہے اور ہندوستان کے لوگ عموماً ذکی الحس ہین۔ لیکن اُنکے احساس کس پرسی ہی مین ضائع ہو کر رہ جاتے ہین۔

لوگ جسقدر پُرانے مینارون اور پُرانے ستونون یا رنگ برنگ اینٹون کی نگہ داشت کرتے ہین اُس سے اگر چوتھائی حصہ عملی رنگ مین بھی محافظت کرین اور رفتہ رفتہ ترقی کرتے جائین تو بہت جلد ترقی کے آثار نمودار ہونگے۔

ہر صوبہ مین ایسی کمیٹیان متفقہ کوششون سے کھل جانی چاہئین جو لوگ یورپین تعلیمات سے واقف ہو کر ایسی ہدایات اپنے ابناے ملک اور ابناے قوم کو دے سکتے ہین وہ شخص محنت سے آسان آسان عبارتون مین چھوٹے چھوٹے رسالے جاری کرین تاکہ معمولی تعلیم یافتہ بھی فائدہ اُٹھائین۔ بقول شخصے حرفتی کامون کی ترقی کیواسطے بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ کی چنداں ضرورت نہین ہے۔ حرف صاف دماغ اور محنت کی ضرورت ہے اور یہ کہ ایسا دل و دماغ ضروریات موجودہ کا احساس کرتا ہے۔ زمانہ موجودہ کی آب وہواے ضروریات کا احساس بوجہ احسن کرا دیا ہے اور خود زمانہ ہی ایسے دل و دماغ کو رفتہ رفتہ تیار بھی کر رہا ہے۔

ان حالات مین متفقہ کوششون کی زیادہ ضرورت ہے لوگ ایک دوسرے کو حوصلہ دلائین تاکہ افراد کی طبائع مین جوش پیدا ہو اور اُنکے اذہان مین ترقی کے ذرات ایک جا جمع ہو کر کچھ کام کرکے دکھائین۔

زندگان عدم کی روحین شوق سے دیکھ رہی ہین کہ ہماری ذرّیات ہماری یادگارین کس کس رنگ مین بناتی اور قائم کرتی ہے۔ عام فلاکت اور تنگدستی صرف ترقی حرفت ہی دُور کر سکتی ہے۔

سلطان احمد

شمس العلما مولوی محمد حسینؒ صاحب آزاد

یا کسی سوشل پلیٹ فارم سے نہیں ہوئی جیسا کہ عموماً دیکھا جاتا ہے۔ اُنکے نام کی شہرت اور اُنکے کلام کی مقبولیت محض اپنے اصلی معیار اور جوہر ذاتی کیوجہ سے ہوئی۔ نہ وہ کسی در بار کے مدح خواں تھے نہ کسی مدون جماعت کے ارکن۔ قلم اُنکی چوب تھی اور کاغذ اُنکا نقارہ اور انہیں نے اُنکی شہرت کا آوازہ سارے ہندوستان میں پھیلا دیا۔

آزاد قدرت کے ظاہری محاسن میں بڑے حصہ دار نہ تھے۔ میانہ بلکہ چھوٹا قد۔ گندمی رنگ۔ چھریرے بدن کے آدمی تھے۔ مزاج کیطرح وضع اور لباس میں بھی سادگی تھی۔ اکثر چغہ پہنتے اور ہندوستانی فیشن کا عمامہ باندھا کرتے تھے۔ چہرے سے ذکاوت و فطانت ٹپکتی تھی۔ بشرہ سے کشادہ پیشانی۔ ہنس مکھ۔ نکتہ رس اور ہمدرد و رحمدل معلوم ہوتے تھے۔ تالیف قلوب کا یہ عالم تھا۔ زبان میں یہ جادو اور خیالات میں یہ اثر تھا کہ جو ایک گھنٹے پاس بیٹھ گیا اُنکا کلمہ پڑھنے لگا۔ بذلہ سنجی کا یہ عالم تھا کہ منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ آج کل کے اسکول اور کالجوں کے شاگرد اور اُستادوں میں عقیدت اور یگانگت کا وہ رشتہ پیدا نہیں ہوتا جو پہلے شاگرد اور اُستاد میں ہوتا تھا۔ مگر صدہا نوجوان جنکو گورنمنٹ کالج لاہور میں مولانا آزاد کے سامنے زانوے ادب تہ کرنیکی خوش نصیبی میسر آئی انکو اُسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے کہ فقید مرزا غالب کو اور شیفتہ مومن خان کو دیکھتے تھے۔ اُنکی شفقت بزرگانہ بھی یہانتک تھی کہ اکثر شاگردوں کو فارغ التحصیل ہونے کے بعد حصول معیشت میں اُنہوں نے بڑی امداد دی ہے۔

مولانا آزاد فارسی کے عالم متبحر اور عربی کے اچھے عالم تھے اور اُن تمام علوم پر عبور رکھتے تھے جو اِن زبانوں میں متضمن ہیں۔ بھاشا اور ہندی کے نکات اور خوبیوں سے پورے آگاہ اور انگریزی علم ادب کی خصوصیات سے واقف تھے اگرچہ انگریزی نہیں جانتے تھے صرف و نحو عروض اور صنایع بدایع تو گویا انہیں سے پیدا ہوئے تھے۔ فارسی ایسی سلیس اور بامحاورہ بولتے تھے اور لب و لہجہ ایسا تھا کہ اُنمیں اور اہل ایران میں تمیز کرنا غیر ممکن تھا۔ یہ کہنا ایک امر واقعی ہے کہ اُردو پر جو احسانات اُنکے ہیں وہ آجتک کسی ایک شخص کا حصہ نہیں ہوئے۔ نہ یہ کہ سارا صوبہ پنجاب خاص اُردو کی واقفیت کے لئے اُنکا مشکور ہے۔ بلکہ پنجاب کو اُردو سکھانے کے لئے جو تصنیفات و تالیفات اُنہوں نے کیں اُنکی اُسوقت اُردو زبان کو اشد ضرورت تھی۔ شاید کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ پُرانی اُردو کی پہلی۔ دوسری اور تیسری کتابیں۔ اُردو کا قاعدہ قصص ہند کا دوسرا حصہ۔ جامع القواعد۔ اور نئے سلسلہ کی بھی کئی پہلے کی کتابیں مولانا آزاد ہی کی تصنیف سے ہیں۔ فارسی میں وہ کتابیں لکھیں جو باوجود خسرو اور فیضی۔ ابو الفضل اور نعمتخان عالی کی ذات بابرکات کے ہند میں ہونے کے اُسکو نصیب نہ ہوئی تھیں۔ یعنی اُنہوں نے ہمکو زندہ فارسی سکھائی ایران کے روزمرہ کی تعلیم دی۔ جو کچھ اُنہوں نے لکھا جو محاورات اور روزمرہ اُنھوں نے ہمکو سکھائے وہ قدما کی تصانیف کی مطالعہ کے بعد اُنکی حال کی زبان کی ذاتی تحقیق و تلاش کے نتیجے تھے۔ ایران اور تاتار وغیرہ ملکوں میں جہاں فارسی بولی جاتی ہے۔ اُنکی سیاحت موجودہ زبان کی تحصیل میں بہت معاون ہوئی۔ دوسری مرتبہ مولانا آزاد جب ایران کے سفر سے واپس آئے تو ایک پشتارہ نوٹوں۔ مسودہ۔ یادداشت اور تحقیقات کا اپنے ساتھ لائے۔ شعلۂ کے

قریب کا ذکر ہے کہ وہ کتب خانہ آزاد کی عمارت تعمیر کرا رہے تھے ایک کمرہ بن چکا تھا اور فرط اشتیاق سے اُسمین چند الماریون کی ترتیب اور خانہ پُری مین معروف تھے - راقم اُن دنون لاہور گیا ہوا تھا - اور آپ کی صحبت سے اکثر فیضیاب ہوا کرتا تھا - اتفاق سے محاورے کی صحتِ استعمال کا ذکر چھڑ گیا - فرمانے لگے کہ ایک غیر زبان کے محاورے کو صحیح اور با موقع استعمال کرنا بہت مشکل ہے - اور یہ دلچسپ روایت بیان کی کہ ایک دن مین ایران مین ایک گھر مین مہمان تھا کھانا پک رہا تھا - مان دس بارہ برس کی لڑکی کو چھولھے کے پاس بھیجکر کہ آپ اندر کے والان مین کوئی کام کرنے گئی - اور لڑکی سے کہتی گئی کہ دیگچی کا خیال رکھے کہ کھانا جوش کھاکر باہر نہ گر پڑے - رفتہ رفتہ آنچ تیز ہوتی گئی - اب مین نے سوچا کہ چاول اُبلکر باہر نکل پڑینگے - دیکھون تو اس کیفیت کو یہ لڑکی کن الفاظ مین ظاہر کرتی ہے اور فرمایا کہ مین اپنی فارسی کی لغات اور زبان دانی کے دفتر دون کو اپنے ذہن مین دُہراتا تھا اور اس خیالی کیفیت کے مختلف اظہار کر رہا تھا کہ شاید یہ کہیگی - یہ کہیگی - کہ وہ وقت آپہونچا اور میرے تمام خیالی دفتر خیالی پلاؤ ثابت ہوئے - جون ہی دیگچی کے جوش کھانے سے اُسکا ڈھکنا ایک طرف سے ایک آدھ انچ اوپر کو اُٹھا کہ لڑکی چیخی -

"امان امان دیگچہ سرکردہ"

یہ لفظ گویا میرے کانون مین الہامی کلمہ کیطرح پڑے اور میری آنکھین کھل گئین - جس شخص کو زباندانی کا یہانتک مذاق ہو جو شخص اسقدر نکتہ رس اور صاحب تلاش ہو جسنے غیر زبانون کی تحقیق مین اس درجہ کاوش اور کوشش کی ہو وہ خود اپنی زبان مین کیا کچھ نہ کر دکھاتا - اور حق الامر یہ ہے کہ اُردو مین آزاد نے وہ کچھ کر دکھایا جسکی اُن جیسے آدمی سے توقع کیجا سکتی تھی - اُنکی تصانیف کے بغیر دہلی بغیر قلعہ کے اور لال قلعہ بغیر دیوان خاص اور مثمن برج کے ہوتا - مگر زمانہ کو یہ منظور نہ تھا - اسلئے اُنکو موقعے ملے کہ اپنے سینے کے خزانے سفینون کے سپرد کرین - شاہد سخن کو حجلۂ خیال سے نکالکر جھروکۂ درشن مین نظارہ افروز کرین -

جسطرح شاہ عالم کے عہد کی نادر گردیون نے دہلی کے اہل کمال اور ماہران فن کو اس اُجڑے دیار سے نکالکر لکھنؤ کی گل زمین کو رشک ارم بنانے کے لئے وہان پہونچایا - اُسیطرح غدر ۱۸۵۷ء کی گیرودار نے اُنکو ایک لٹے ہوئے قافلہ کے ساتھ پنجاب مین پناہ دی جو اُن کی چابکدست باغبانی اور شاہد سخن کی نفیس مشاطگی سے ہشت بہشت کا نمونہ بنگیا - راے بہادر ماسٹر پیارے لال - منشی درگا پرشاد نادر - مولوی سید احمد مولف فرہنگ آصفیہ - مولوی کریم الدین - پنڈت من پھول - شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی - یہ سب یکے بعد دیگرے دہلی سے نکلکر لاہور مین جمع ہوئے - انمین راے صاحب اور مولانا آزاد غالباً اولیت کا فخر رکھتے ہین - یہ زمانہ وہ تھا کہ بازار علم مین دہلی اور لکھنؤ کی نکسالی شاعری کی کساد بازاری ہو چکی تھی اور چونکہ کسب معاش علوم مغربی کی تحصیل پر موقوف تھا - اسلئے شاعری ایک عیب سمجھی جانے لگی تھی چنانچہ یہ کیفیت مولانا سے مغفور ایک جگہ اسطرح لکھتے ہین -

"اس سے بڑھکر یہ ہے کہ بعض طبایع شعر سے متنفر پائی جاتی ہین اور دلیل اسکی یہ پیش کرتے ہین کہ اس سے کچھ حاصل نہین"

ان حالات کو دیکھکر اور اپنی اسوقت کی شاعری کی اہمیت

کا دیگر زبانون کی شاعری سے موازنہ کرکے اور طبیعت کی جدت سے مدد لیکر انہون نے اردو شاعری کے نئے طریق یا نیچرل شاعری کی بنیاد ڈالی۔ پہلے خود کئی نظمین لکھین۔ کئی جلسہ مضامین اس ایجاد کی حمایت مین لکھے اور پھر ایک شاعرہ کی بنیاد ڈالی۔ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی اپنی کتاب مجموعۂ نظم حالی کے دیباچہ کے شروع مین اس واقعہ کا اس طرح ذکر کرتے ہین:-

"۱۸۷۴ء مین جب راقم پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو سے متعلق اور لاہور مین مقیم تھا مولوی محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنل ہالرائیڈ ڈائرکٹر شعبۂ تعلیم پنجاب کی تائید سے انجمن پنجاب نے ایک مشاعرہ قائم کیا تھا جو ہر ہفتے مین ایک بار انجمن کے مکان مین منعقد ہوتا تھا۔ اس مشاعرہ کا مقصد یہ تھا کہ ایسی شاعری جو کہ دروغ بصورت عشق اور مبالغہ کی جاگیر ہوگئی ہے اُسکو جہانتک ممکن ہو وسعت دیجائے۔"

اس مشاعرے مین غزلون کے لئے عربی مصرعے تجویز نہوتے تھے بلکہ صرف مطالب تجویز کئے جاتے تھے جیسے برسات۔ حبِ وطن۔ تعصب والنصاف وغیرہ وغیرہ۔

اس نئی شاعری کے لئے مولانا آزاد نے ملک کو پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ انجمن کے اکثر جلسون مین وہ اُردو ادب اور نظم کی اکثر شقون پر مبسوط اور نقادانہ لکچر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ انجمن کے ایک جلسہ مین جو ماہ اگست ۱۸۷۴ء مین منعقد ہوا تھا آپ نے ایک لمبا مضمون "نظم اور کلام موزون کے باب مین خیالات" پر پڑھا جسمین سے بعض مطالب کا انتخاب خالی از لطف نہوگا:-

"شاعر اگر چاہے تو امورات عادیہ کو بھی بالکل نیا کر دکھائے۔ نیچر کو گویا کر دے۔ دہقان پادر گل کو روان کر دے۔ ماضی کو حال۔ حال کو استقبال کر دے۔ دور کو نزدیک کر دے۔ زمین کو آسمان۔ خاک کو طلا۔ اندھیرے کو اُجالا کر دے..... روشنہ لان اہل درد کے نزدیک طلوع و غروب آفتاب اور انقلاب صبح و شام ہزارون باطن نوبہار قدرت الٰہی کے شگفتہ کرتا ہے اور تیرہ دلان ہیچمدان کے نزدیک کارگاہ عالم ایک خراس یا دولاب ہے کہ دن رات چکر مین چلا جاتا ہے..... اس سے پڑھکر یہ ہے کہ اکثر اشخاص علی العموم فن شعر کو گمراہی خیال کرتے ہین اور فی الحقیقت حال ایسا ہی ہے..... اسیطرح شاعرون کی بدزبانی و بدخیالی سے شعر بھی تہمت کفر سے بدنام نہین ہوسکتا۔ درحقیقت ایسے کلام کو شعر کہنا ہی نہین چاہئے کیونکہ شعر سے وہ کلام مراد ہے جو جوش و خروش خیالات سنجیدہ سے پیدا ہوا ہے اور اسے قوت قدسیہ الٰہی سے ایک سلسلہ خاص ہے۔ خیالات پاک جون جون بلند ہوتے جاتے ہین۔ مرتبۂ شاعری کو پہونچتے جاتے ہین۔"

"..... ابتدا مین شعر گوئی حکما اور علمائے متبحر کے کمالات مین شمار ہوتی تھی اور اُن تصانیف مین اور حال کی تصانیف مین فرق بھی زمین و آسمان کا ہے۔"

مئی ۱۸۷۵ء مین آپ نے اس جدید طرز کے مشاعرے کا پہلا جلسہ منعقد کیا اور اپنی افتتاحی تقریر مین جو نہایت حکیمانہ اور ادیبانہ تھی اُردو شاعری کے متعلق نہایت پر مغز خیالات ظاہر فرمائے۔ جنکا ثانی اُردو نظم و نثر مین کہین دیکھنے مین نہین آیا۔ اس اعلیٰ مضمون مین سے چند طویل اقتباسات کے لئے امید ہے کہ معاف فرمایا جائیگا جو حال اور آئندہ کی

اُردو نظم پر ایک نہایت غایر نظر ڈالتے ہین :-

"بیشک بیانمے کا زور۔ تشبیہ اور استعارے کا نمک زبان مین لطف اور ایک طرح کی تاثیر زیادہ کرتا ہے۔ لیکن نمک اتنا ہی چاہیے کہ جتنا نمک۔ نہ کہ تمام کھانا نمک ..... ہمین چاہیئے کہ اپنی ضرورت کے بموجب استعارہ اور تشبیہ اور اضافتون کے اختصار فارسی سے لین۔ سادگی اور اظہار اصلیت کو بھاشا سے لیکین۔ لیکن پھر بھی قناعت جائز نہین۔ کیونکہ اب رنگ زمانہ کا کچھ اور ہے۔ ذرا آنکھین کھولینگے تو دیکھین گے کہ فصاحت اور بلاغت کا عجائب خانہ کھلا ہے۔ جسمین یوروپ کی زبانین اپنی اپنی تصانیف کے گلدستے ہار۔ طُرّے ہاتھون مین لئے حاضر ہین اور ہماری نظم خالی ہاتھ الگ کھڑی مُنہ دیکھ رہی ہے۔ لیکن اب وہ بھی منتظر ہے کہ کوئی صاحب ہمّت ہو جو میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھائے۔"

اور یہ صاحب ہمّت وہ خود تھے۔ اگرچہ اُنکی مراد اپنی ذات سے نہ تھی۔ آگے چلکر اسی مضمون مین فرماتے ہین جو سب سے زیادہ غور کے قابل ہے :-

"اے میرے اہل وطن! مجھے بڑا افسوس اس بات کا ہے کہ عبارت کا زور۔ مضمون کا جوش و خروش اور لطایف و صنایع کے سامان۔ تمہارے بزرگ اس قدر دے گئے ہیں کہ تمہاری زبان کسی سے کم نہین۔ کمی فقط اتنی ہے کہ وہ چند بے موقع احاطون مین گھر کر محبوس ہو گئی ہے۔ وہ کیا؟ مضامین عاشقانہ ہین جسمین کچھ وصل کا لطف بہت سے حسرت و ارمان۔ اُس سے زیادہ ہجر کا رونا۔ شراب۔ ساقی۔ بہار۔ خزان۔ فلک کی شکایت اور اقبالمندون کی خوشامد ہے۔ یہ مطالب بھی بالکل خیالی ہوتے ہین اور بعض دفعہ ایسے دُور دُور کے استعارون مین ادا ہوتے ہین کہ عقل کام نہین کرتی۔ وہ اسے خیال بندی اور نازکخیالی کہتے ہین اور فخر کی موچھون پر تاؤ دیتے ہین۔ افسوس یہ ہے کہ ان محدود دائرون سے ذرا بھی نکلنا چاہین تو قدم نہین اُٹھا سکتے۔ یعنی اگر کوئی واقعی سرگذشت یا علمی مطلب یا اخلاقی مضمون نظم کرنا چاہین تو اُسکے بیان مین بدمزہ ہو جاتے ہین۔"

آگے چلکر فرمایا ہے اور کیا سچی پیشینگوئی کی ہے :-

"اے میرے اہل وطن! ہمدردی کی آنکھین آنسو بہاتی ہین جب مجھے نظر آتا ہے کہ چند روز مین اس رائج الوقت نظم کا کہنے والا بھی کوئی نہ رہیگا۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ بہ سبب بیقدری کے اور کہنے والے پیدا نہ ہونگے۔ کئی پُرانی موزین باقی ہین۔ وہ چراغ سحری ہین۔ انجام یہ کہ زبان ہماری ایک دن نظم سے بالکل محروم ہو جائیگی اور اُردو مین نظم کا چراغ گل ہو جائیگا۔"

حضرت آزاد کی اس پیشینگوئی کے اوّل حصّہ کے صحیح ہونے مین کسکو کلام ہے۔ امیر و داغ۔ اور جلال کے انتقال کے بعد اب حضرت ظہیر کے سوا کون[1] رہگیا ہے۔ انکے بعد پُرانی شاعری کی بہت ایک یقینی امر ہے۔ اور انکی پیشینگوئی کا دوسرا حصّہ بھی صحیح ہوتا اگر خود انکی کوششین کارگر اور نتیجہ نہ ہوتین۔ اس جدّت آفرینی پر طُرّہ یہ کہ جن بزرگون کی طرز کو وہ خود چھوڑ بیٹھے ہین۔ اور جس طرز سے خلقت کو ہٹاتے ہین ہمیشہ اُنکے کمال فن کے کلمہ گو رہے۔ اُنکے شاہد سخن کے جمال کے شیدا رہے۔ ہمیشہ اُنکو عزّت سے یاد اور فاتحہ کے ساتھ اُنکا ذکر کیا۔ آب حیات اسکی زندہ مثال ہے۔ جسکے خاتمے سے ذیل کی سطور قابل انتخاب کے جاتے ہین۔

"اے باانتسال گدائے لے شاہ نشان خاکسار و انتہای

---

[1] منشی امیر اللہ صاحب تسلیم۔ ایڈیٹر

نیک نیتی اچھے وقت نہین لائی۔ مگر افسوس کہ تمہاری شاعری نے بہت کم عمر پائی۔ قسمت نے نہین اچھے سامان اور اچھے قدردان دئے۔ جنکی بدولت جوہر طبعی اور جوش اصلی کو اپنے اور اپنے شوق کے پورا کرنے کے سامان ملے۔ اب نہ وہ سامان ہونگے نہ ویسے قدردان ہونگے۔ نہ کوئی اس شاخ کو ہرا رکھ سکیگا۔ نہ تمسے ٹوٹکر اسمین پھل پھول لگا سکیگا۔ ہان تمہاری لکیرون کے فقیر تمہارے ہی ہجر و وصل اور خط و خال کے مضمون لینگے۔ انہین لفظون کو الٹین پلٹین گے۔ اور تمہارے چبائے ہوئے نوالون کو منہ مین پھراتے رہینگے۔"

سب سے زیادہ غور کے قابل یہ امر ہے کہ جہانتک رنگ شاعری کا تعلق ہے ابتک کوئی متقدمہ موجد کے آگ بھگ بھی نہین پہونچا۔ بیان کی لطافت۔ زبان کی فصاحت۔ محاورے کی دلاویزی۔ روزمرہ کی چاشنی۔ خیالات کی بلند پروازی۔ الفاظ کی شوکت۔ اسلوب کی دلفریبی۔ مضمون کی برجستگی۔ بندش کی چستی جو آزاد کی نظم اور نثر مین موجود ہے وہ کسی اور کے کلام مین نہین پائی جاتی۔ مناظر قدرت کی تصویر کھینچنے اور جذبات و محسوسات انسانی کا چہرہ اُتارنے مین آپ کو وہ ید طولیٰ حاصل ہے کہ شاید اب تک کسی کو نصیب نہین ہوا۔ نمونے کے لئے چند شعر نوطرز مرصع مین سے نقل کئے جاتے ہین جسمین شملہ کی مرد یون کی کیفیت اسطرح بیان کی ہے ۔

جاڑے کے مارے چلتے ہوئے پانی تھم گئے
اور جو تھے ہوئے تھے وہ یخ ہو کے جم گئے
دامان کوہسار مین سورج بھی لیٹ کر
دبکا لحاف برف مین منہ کو لپیٹ کر
دیکھو جو گھر تو سب در و دیوار تھے سفید
باہر چلو تو دامن کوہسار تھے سفید
سنسان جنگل اور یہ درختو کی سایین سایین
چارون طرف پہاڑ مین ہین دوڑتی بلایین
طوفان برف سر پہ کھڑا ہے مچلا ہوا
ہے یہ درہ کہ موت کا منہ ہے کھلا ہوا

موسم بھی معتدل ہے ہوا ہے لمک گئی
خوشبو کا ہے یہ حال کہ دنیا مہک گئی
پانی کی ہین پہاڑ سے آوازین آ رہین
جو زیر و بم کے دور سے ہین سُر ملا رہین

ناگہ فلک پہ دامن شب چاک ہو گیا
بر یز لور سے طبق خاک ہو گیا
منہ رات کا جو صبح کے آنے سے فق ہوا
گلگونہ لے کے ساسمع رنگ شفق ہوا
روئے سحر پہ شان تھی نور ظہور کی
چارون طرف وہ زمزمہ خوانی طیور کی
وہ گہری سبزیون مین گل تر کی لالیان
اور اوس سے بھری ہوئی پھولون کی پیالیان
وہ صبح کی ہوا سے درختون کا جھومنا
اور جھوم جھوم کر وہ رخ گل کا چومنا
سبزی جو روے خاک پہ مخمل بچھا گئی
شبنم تھی آ کے رات کو موتی لٹا گئی
پانی وہ صاف صاف جو بل کھا کے جاتے تھے
پارے کے سانپ گھاس پہ لہرا کے جاتے تھے

مثنوی صبح اُمید کی تمہید دیکھئے لاکھ قصیدون کی بہار یہ تشبیب اسپر نثار ہین۔ سبحان اللہ کیا شان سخن ہے کیا زاکت خیال۔ ایک گنگا کا پرواہ ہے کہ روان ہے۔ مجال کیا کہ کہین جدّو جہد تصرف یا آورد کا نام بھی ہو۔ آمد آپ پر ختم تھی۔ اور روانی آپ کے بیان کا حصّہ۔ قدرت کے مناظر کے بعد روز مرّہ زندگی کے نظارے بھی آپ کی نظر کے سامنے تھے۔ الحمد للہ کہ جس کا عظیم کا بیڑا اُٹھایا تھا اُسے پورا کر دیا اور اس درجۂ کمال کو پہونچا دیا کہ متقدمین و متاخرین سب کی روحین تحسین کر رہی ہین۔ ایجاد یہ ہے اور نوآئینی اسے کہتے ہین جسمین اندام کے ساتھ تعبیر بھی ہو۔ سادگی کے ساتھ رنگ آمیزی بھی ہو۔ پُرانے ملبسہ مین ایک اینٹ بھی کام کی ہوئی تو اُٹھائی اور نئے چونے سے نئی عمارت مین چُن دی۔ ماضی کی عزّت۔ حال پر شفقت۔ مستقبل کی فکر۔ یہ طرز عمل اصلی مصلحون کا ہوتا ہے خواہ وہ سیاسیات کے ہون یا ادبیات کے۔ تمدّن کے ہون یا معاشرت کے۔ سچ پوچھو تو اُردو ادب مین یہ اختراع و اصلاح کرکے مولانا آزاد نے خیر خواہان ملک کے لئے ایک شاہراہ بنا دی۔ اگر اسی اصول پر زندگی کے اور شعبون مین بھی اصلاح کی گئی تو یقیناً حسب دلخواہ نتیجہ مرتب ہوگا۔

غرضکہ مسلسل اور نیچرل نظم کے بانی اور موجد مولانا آزاد ہی ہین۔ اب رہی نثر۔ مین حیران ہون کہ اگر آزاد نہوتے یا وہ نثر نہ لکھتے تو اُردو کے نام کے آگے نثر کی ذیل مین ہم کیا لکھتے۔ میر امن دہلوی کی باغ و بہار اور آرائش محفل آجکل کی زبان مین نہین۔ سرور لکھنوی کے فسانۂ عجائب کی طرز بھی اب مقبول و مروّج نہین ہو سکتی۔ خواجہ امان دہلوی صرف فسانے لکھے یا فارسی سے ترجمے کئے اور اصحاب نے ادھر اُدھر جو کچھ نثر مین لکھا تھا وہ سب ایک مشق یعنی افسانہ یا طلسم یا قصّہ کی صنف مین تھا۔ یا ترجمے تھے۔ نثر کی وقیع تصنیف جو بلا تخصیص اپنی ہو سکتی ہے آزاد کا نیرنگ خیال ہے۔ یہ کتاب فی الواقع اسم بامسمّے ہے۔ یہ نثر ہزار نظم کی کتابون پر فوقیت رکھتی ہے۔ رنگین بیانی کا ایک دلفریب مرقع ہے۔ اخلاقی اور تمدنی اصلاح کا ایک پختہ کار دستور العمل ہے۔ پند و نصائح کا ایک دفتر ہے۔ استعارے اور تمثیل مین وہ وہ مطلب کی باتین بتا گئے ہین کہ پڑھنے والا شستہ خیالات سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اس کتاب نے اُردو نثر کی نئی طرز قائم کی اور تمام پہلے کی نثر کی کتابون کے آگے ایک خطّ وحدانی کھینچ دیا۔

اسکے بعد آب حیات کی باری آئی۔ جو ثنا و صفت سے مستغنی ہے۔ جب تک دُنیا مین عام زبان و ادب قائم ہین اُردو خواہ زندہ رہے یا مردہ زبانون مین شامل ہوجائے آب حیات ان علوم کے بحر ذخار مین ہمیشہ موج زن رہیگی۔ یہ کتاب لکھکر نہ صرف مصنّف نے احیائے قدامت کیا ہے۔ نہ صرف اُردو نثر کو نظم کا ہمپایہ بنا دیا ہے۔ نہ صرف اُردو زبان کو تواریخی حیثیت بخشی ہے بلکہ تنقید کا ایک نیا راستہ کھولا ہے جسکے اب ہم سب پیرو ہین۔ پہلے شعرا یا نثار کے کلام پر یا تقریظین ہوتی تھین یا تعریفین۔ صحیح معنی مین تنقید مفقود تھی۔ اور پھر جس زبان مین اور جس اسلوب مین یہ کتاب لکھی ہے اُسکی تعریف کرنا امر محال ہے۔ اتنک زبان کے مالک شعرا تھے اور ہندی کی طرح اُردو مین بھی سب کا رجحان نظم کیجانب تھا۔ نثر معرض لاپروائی مین پڑی ہوئی

مالتی

انڈین پریس الٰہ آباد

تھی - اور ابتک کم وبیش یہی حال ہے -

اگر اُردو ے معلّےٰ کو ایک تصنیف نہ سمجھا جاے جو وہ ہرگز نہین ہے تو یہ امر تسلیم کرنا پڑیگا کہ حضرت آزاد ہی ایسے شاعر تھے جنھون نے اُردو نثر کے باغ مین نئے گُل بوٹے لگائے - نئی کیاریان اور نئی روشین نکالین اور اسکے بوسیدہ جسم مین نئی روح پھونکی جسکی تقلید مقبول عام ہوئی - یہ کچھ عجیب اتفاق ہے کہ شاعر ہی نثر کو کس مپرسی کی حالت مین پڑا رہنے دیتے ہین اور پھر شاعر ہی اسکو جلا دیتے اور اسمین ایجاد و اختراع کرتے ہین - چنانچہ انگریزی مین بھی ایسا ہی ہوا - کمبر لینڈ کی خوبصورت جھیلین چند عظیم شعرائے انگریزی کی بدولت آج تسنیم و کوثر پر آنکھ مارتی ہین - ورڈزورتھ سوؤی - سروالٹر اسکاٹ - کولرج اور گولڈ اسمتھ - غرضکہ جنھین لیک پوائٹس کہتے ہین وہ اور ایڈیسن - جانسن اور میکالے انگریزی نثر کے آباواجداد اسکے موجد اور مدوّن مانے جاتے ہین اور یہ سب شاعر ہی تھے - جبکہ بعض مشاہیر شعرائے انگریزی نے نثر کی ایک سطر نہین لکھی اور اگر لکھی بھی ہوگی تو اسوقت موجود نہین ہے -

میرا مطلب یہ ہے کہ شعرا ہی نثر کو کس مپرسی کی حالت مین رکھتے ہین اور وہی اسے اس پستی سے اُٹھاکر نظم کا ہم پلّہ بناتے ہین - ایڈیسن اور اسکیٹیٹر کے لکھنے والے سب شاعر تھے جنھون نے وقیع مطالب پر مضامین متفرق لکھکر سنجیدہ نثر کی بنیاد ڈالی اور اس بُنیاد پر انیک میتھیو ارنلڈ نئی منزلین طے کرتے رہے - انگریزی مین جو حیثیت طرز نوی کے ایجاد کے اعتبار سے انکی ہے وہی اردو مین مولانا آزاد کی ہے - اگر نیرنگ خیال - آب حیات اور فسانہ آزاد نہ لکھے گئے ہوتے تو یہ خیال کرتے دل دہلتا ہے کہ اب سے دُور آج اُردو کی نثر کا کیا حشر ہوتا - غرضکہ نظم کے ساتھ نثر مین بھی اختراع وایجاد کا تاج آزاد ہی کے سر پر ہے -

آزاد نے علاوہ اپنی مشہور تصانیف کے اپنے دوست اور مربّی کرنل ہالرائیڈ کی فرمایشون پر جو مدّت تک پنجاب کے سررشتۂ تعلیم کے ڈائرکٹر رہے بہت کچھ لکھا جسکی عوام کو خبر تک نہین ہے - مگر یہ کتابین عام طور پر اُنکی عالی دماغی کا مولود مانی جاتی ہین - آب حیات - نیرنگ خیال - سخندان فارس قند پارسی - نصیحت کا کرنجھول - دیوان ذوق - نظم آزاد فارسی کی پہلی اور دوسری کتاب - جامع القواعد (فارسی) قواعد اُردو - دربار اکبری - قصص ہند حصہ دوم - اُردو کا قاعدہ اور نئے سلسلۂ تعلیم المبتدی مین اُردو کی تیسری کتاب تک مجموعہ نظم آزاد اور دیوان ذوق کا نوٹ بہم نسخہ - اخبار نویسی کی شق مین بھی آپ کی خدمات گرانمایہ ہین - اس تذکرہ سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ پہلے اُردو پریس کیسے قابل ہاتھون مین تھا - اور اگر ایسا ہی رہتا تو آج نئے پریس ایکٹ کی ضرورت حکام کو لاحق نہوتی - سنہ ۵۷ کے پہلے سے گورنمنٹ ایک اخبار لاہور سے نکالتی تھی جو بہ سرپرستی دائرکٹر سررشتۂ تعلیم شایع ہوتا تھا - اسکا نام اتالیق پنجاب تھا - رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب آشوب اسکے ایڈیٹر تھے اور مولانا آزاد سب ایڈیٹر - بعد مین مولانا حالی نے بھی کچھ دنون اس اخبار کی سب ایڈیٹری کا کام انجام دیا - اخبار انجمن پنجاب اسکا قائم مقام ہوا جسکے ایڈیٹر مولانا سیف الحق ادیب دہلوی جیسے لائق آدمی ہے - افسوس کہ اس اخبار کے پرچے دستیاب نہوسکے ورنہ انمین سے مولانا آزاد کے مضامین کے حصّے نذر ناظرین کئے جاتے -

آزاد اگرچہ دہلوی اور شیخ ابراہیم ذوق کے نہایت عقیدتمند تلمیذ تھے لیکن اُنہون نے آب حیات مین یا کہین اور دہلی و لکھنؤ کے تعصب و جنبہ داری کا جھنڈا کھڑا نہین کیا - اچھا شعر دہلی والے کا ہو یا لکھنؤ والے کا اُنکا ممدوح تھا - ہندو مسلمان اُنکی نظر مین یکسان تھے - آبِ حیات مین گلزارِ نسیم اور مثنوی میر حسن پر آپکا محاکمہ اسکی مصداق ہے - ہان جس شعر مین - مزا نہو - درد نہو - جسکی زبان صاف و صحیح نہو - جسکے مضمون مین برجستگی و بیساختگی نہو وہ اُنکی بیاض سے خارج تھا - غرضکہ وہ ہر قسم کے قومی - مذہبی یا مقامی تعصّب سے مبرّا تھے - جسطرح ایک بادشاہ ملک اپنی ہر مذہب و ملّت کی رعایا کو یکسان نظر شفقت سے دیکھتا ہے - اور پڑوس کے بادشاہون سے محض پولیٹکل صورتون کے لحاظ سے مسلوک ہوتا ہے اُسیطرح اس بادشاہ ملک سخن کا دستور و سلوک رہا - آجکل کے ادیبون اور لکھنے پڑھنے والون مین یہ وصف نایاب نہین تو کمیاب ضرور ہے - ہمین آزاد کی زندگی سے سبق لینا چاہئے -

میدان سخن ایک سُبحانی فضا ہے جہین دیر و حرم گبر و مسلمان - شیخ و برہمن - سب برابر ہین - قصص ہند مین جا بجا اسکا ثبوت بہم پہونچتا ہے - جس معرفانہ گرمجوشی اور دلسوزی سے آپ نے قصص ہند مین رانی پدمنی کا باب لکھا ہے اُسکی مثال النادر کالمعدوم ہے - اس باب کو وہ اسطرح شروع کرتے ہین :-

" رانی نے جوہر کرکے خاندان کی آن پر جان فربان کی "

اور ان الفاظ پر - اس شہادت نامہ کو ختم کرتے ہین :-

" سب سے آگے رانا اور پیچھے تمام جان نثار - جنہین سپاہی اور سردار سب برابر ہو رہے تھے قلعے سے باگین اُٹھائے نکلے - اور ان گنتی کی جانون کو گٹھری کرکے لشکر شاہی کے دریا مین دے مارا - اگرچہ دیکھنے والون کے نزدیک اُنکی وہ حالت ہوئی کہ کوئی ایک مُٹھی خاک کی طوفان نوح مین پھینک دے - مگر اہل نظر جانتے ہین کہ جبتک چاند سورج باقی ہین ان مردون کے نام آسمان مردانگی پر آفتاب و مہتاب ہوکر چمکینگے "

شاہجہان کے مہتابی جشن - پرتھی راج کا جلوس - دکن کی مہم پر عالمگیر کے لشکر کی چڑھائی اور کئی باب اس کتاب مین ایسے ہین جو اُردو نثر کے مجموعۂ انتخاب مین کرسی صدارت پر جگہہ دینے کے مستحق ہین - مین پھر کہونگا کہ آزاد اصلی شاعر تھے - اُنہین اُس شعر سے محبت تھی جو واقعی شعر ہو یعنی کہ محض بحر اور قافیہ رکھتا ہو اور وہ شاعر کے عاشق نکلے خواہ وہ کسی زبان کا ہو - ایک مضمون کو وہ اسطرح ختم کرتے ہین :-

" میرے اہل وطن ! تمہاری جماعت دو فرقون سے مرکب ہے ایک ہندو - ایک مسلمان - تم جانتے ہو کہ ہندو کون ہین ؟ ہندو وہ ہین کہ آج ہم جس بات کی آرزو کرتے ہین وہ اُنکی زبان کا اصلی جوہر ہے - اگر بھاشا ہے تو وہ اصلی حالتون کے ادا کرنے مین سب پر فایق ہے - سنسکرت کی قوت نظم خود حدّ بیان سے باہر ہے ..... اے خاک ہندوستان اگر تجھ مین امرالقیس اور لبید نہین تو کوئی کالیداس ہی نکال - اے ہندوستان کے صحراو دشت ! فردوسی اور سعدی نہین تو کوئی والمیک ہی پیدا کردو ..... "

مولانا آزاد گورنمنٹ ہند کی پولیٹکل خدمات متعلق دیگر ممالک پر بھی کبھی کبھی مامور ہوتے تھے - چنانچہ اسی سلسلہ مین وہ دو دفعہ افغانستان - تاتار اور ایران گئے - ان خدمات کے صلہ مین انکو کوئی علیحدہ پنشن یا انعام نہین ملا - جو پنشن انکو ملتی تھی شعبۂ تعلیم اور گورنمنٹ کالج کی خدمات کے عوض ملتی تھی -

اُنکی صحت عرصہ سے فرسودہ ہوگئی تھی - اپنی صاحبزادی

کے انتقال کا صدمہ جسکو اُنہون نے ایسی اعلیٰ تعلیم دی تھی کہ وہ اُنکی تصانیف کی نظر ثانی کیا کرتی تھی اُنکے دل پر ایسا ہوا تھا کہ اس سے انکی طبیعت کبھی بحال نہوئی۔ اسپر ایران کے دوسرے سفر کی تکالیف ایذاد ہوئین۔ ان سب واقعات نے دماغی مضروبیت کی انتہائی کثرت کے ساتھ ملکر اُن کی دماغی صحت کو پریشان کر دیا اور اگست ۱۸۹۹ء سے جنون کے آثار پیدا ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ مرض پختہ ہو گیا اور آخر دم تک اُنکا ساتھ نہ چھوڑا۔ عالم جنون مین اُنکا مشغل الہیات تھا۔ اسی کا ذکر اذکار اُنکی زبان پر رہتا تھا۔ انہین ایام مین ایک مرتبہ آپ راے بہادر پیارے لال صاحب سے ملنے آئے۔ دو تین گھنٹے کے قریب ملاقات رہی وہ فرماتے ہین کہ بار بار یہی الفاظ اُنکی زبان سے نکلتے تھے۔

"راے صاحب آپ اس شعر کو پڑھا کیجئے۔ اسکے معنی آپ جو چاہین سمجھ لین :۔

پردہ در کعبہ سے اُٹھا دینا ہے آسان
پردہ رخسار صنم اُٹھ نہین سکتا

حالت جنون مین اگر کبھی اُنہون نے دو چار سطرین لکھدی ہین تو اُنمین کچھ اور ہی لطف ہے۔ دیوان ذوق کے چھپنے کے بعد جب ایک کاپی اُنکے سامنے رکھی گئی اور خاتمہ لکھنے کی درخواست کی گئی تو کئی دن تک انکار کرتے رہے۔ ایک دن خود ہی قلم دوات لیکر ایک صفحہ لکھدیا۔ جو دیوان ذوق کے خاتمہ پر درج ہے۔ آپ ملاحظہ فرما سکتے ہین کہ اسمین اور حالت صحت کی تحریر مین کیا فرق ہے۔ لیکن اسمین بھی تصوف اور الہیات کی بو آتی ہے :۔

اس زمانہ کی تحریرون کو مولوی ممتاز علی صاحب مالک مطبع رفاہ عام لاہور نے چھپوا دیا ہے۔ اور اس رسالہ کا نام پاک دماغ رکھا ہے۔ لالہ سری رام صاحب دہلوی مصنف خمخانۂ جاوید مین لکھتے ہین کہ "اس بگڑی ہوئی حالت مین بھی جب کبھی قلم دوات کے نصیب کھلجاتے تو عجیب عجیب گل افشانیان کرتے ہین۔ کہ اب کوئی ذی ہوش بھی ایسی گلکاریان نہین دکھا سکتا"۔ اُنکے حال پر اس شعر کا مضمون صادق آتا ہے۔

اگر مین ہوش مین ہوتا تو پھر کیا جانے کیا ہوتا
فروغ دیدۂ عالم ہین یہ مدہوشیان میری

۱۸۵۷ء سے پہلے کا کلام سب دہلی کے غدر کے طوفان مین ضائع ہو گیا۔ بعد کی نئی طرز کی نظمین ایک مجموعے مین آپ کے صاحبزادے نے اکٹھا کر کے چھپوا دی ہین۔ ان دو تین شعرون سے جو نیچے نقل کئے جاتے ہین۔ اسکا پتا لگ سکیگا کہ پہلے کا کلام کس پایہ کا ہو گا۔

سُنے گا دیکھنا رو رو کے آواز اک جہان میری
تمہارے عشق کی ہے داستان اور ہے زبان میری
سُناؤن داستان عشق سب قلقل کے پردے مین
صراحی کے دہن مین کاٹ کر رکھدو زبان میری
تقاضا ہے گریبان کا کہ مجھ کو چاک کر ڈالو
تمنا ہے یہ دامن کی اُڑا دو دھجیان میری

آخر اسی حالت ہیجو دی مین ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء مطابق ۹ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ کو حضرت آزاد اس قید ہستی سے آزاد ہو گئے۔ بسطح دمین کو بابر کی آخری آرامگاہ ہونیکا فخر حاصل ہے اسیطرح لاہور کا نکی جاے مزار ہونیکا اعزاز رہیگا۔ مولانا مرحوم کی کل تصانیف آزاد بک ڈپو۔ اکبری منڈی لاہور سے مل سکتی ہین۔

کیفی دہلوی

فلسفۂ سانکھیہ

مرحبا اے خاک پاکِ خطۂ ہندوستان
تو ہے گہر حکمت کا تو دنیا مین ہے دارالعلوم

ہندوستان کی خاک پاک ابدالاباد سے مابعد الطبیعات اور فلسفہ کا گھر رہی ہے۔ دنیا کے اور ممالک قومی جوش و خروش۔ جنگ و جدال اور مادی ترقی کے میدانون مین گو سے سبقت لیجائین ہمارا ملک ہمیشہ سے دھرم بھومی کہلاتا رہا ہے۔ یہی اسکا باعث ناز ہے اور یہی باعث فخر۔ یہان ارباب دماغ کی عقل مادی ترقی کے وسائل سوچنے مین اتنی کام مین نہین آئی جتنی روحانی ترقی کے راستے نکالنے مین۔ اہل علم اور رشی منی شہر اور آبادی کے تکلفات اور آرام کو چھوڑکر جنگلون اور بنون مین جاکر رہتے تھے۔ اور کنج عزلت مین بیٹھکر دقیق مسائل فلسفہ پر غور و تعمق کیا کرتے تھے پشتین کی پشتین اسیطرح بسر ہوتی تھین اور نسلاً بعد نسل یہی سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اسکا بدیہی نتیجہ یہ ہوتا تھا۔ کہ جیسے اس ملک مین مذاہب فلسفہ کمال کو پہونچے اور کسی ملک مین انکی نظیر کا ملنا محال ہے۔ ہر طرح کا نظام فلسفہ یہان ملتا ہے اور ایسی کامل صورت مین کہ دیکھ دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ مادیت۔ دہریت۔ آٹومیزم یا بھگیان واد۔ تثلیث جواہر۔ دویت۔ ادویت یا وحدت وجود۔ غرض عقل انسانی کا رجوع جس جس طرف ممکن ہے۔ سب سے یہان نظر دوچار ہوتی ہے۔ اسپر تماشا یہ کہ ہمارے ہان فلسفہ اور مذہب قدم بقدم چلتے ہین ایک دوسرے کی ضد نہین بلکہ جو مذہب محک استدلال و تعقل پر پورا نہین اترتا۔ اُسکی کوئی قدر نہین کرتا۔

ایولیوشن یا مسئلۂ ارتقا کا آجکل مغربی ممالک مین بہت

تیرے دم سے ہے جہانمین فلسفہ کی ضو فشان
تو نہ ہوتا تو نہ ہوتا علم کا نام و نشان

چرچا ہے۔ ہربرٹ اسپنسر بڑے شد و مد سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس مسئلے کا موجد مین ہون۔ ڈارون کے جانب دار اسکی ابتدا ڈارون سے بتاتے ہین۔ بعض جرمن فلاسفر یہ کہرا اپنے سر باندھنا چاہتے ہین۔ لیکن سچ پوچھو تو مسئلۂ ارتقا یا پیغام وید ہمارے یہان تین ہزار برس سے رائج ہے اور ایسی مکمل صورت مین کہ فرنگستانی ارتقا کو شاید ابھی پانسو برس تک بھی وہ بات نصیب نہو۔ یہ فلسفہ سانکھیہ ہے۔ اور اسکے بانی مہرشی کپل دیو ہین۔ حکیم کس زمانے مین ہندوستان مین ہوا کہان رہا۔ اسکے عادات واطوار اور شکل و صورت کیسی تھی۔ کسطرح زندگی بسر کرتا تھا اور اسکی زندگی مین کیا کیا واقعات پیش آئے سب ایسی باتین ہین کہ ہمین اب معلوم ہین نہ شائد آیندہ معلوم ہوسکینگی۔ ہان کپل دیو کی قدامت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اُپ نشدون مین اسکا ذکر آتا ہے۔ ساتھ ہی ایک شخص کا ایسا کامل العیار اور مدلل و مسلسل فلسفہ ایجاد کرنا بھی سمجھ مین نہین آتا کپل دیو سے پہلے فلسفۂ سانکھیہ کے خیالات کا ہندوستان مین کسی نہ کسی ناکمل صورت مین موجود ہونا ایک لازمی اور لابدی امر ہے۔ اور ہمین سیطرح شک نہین ہے کہ یہ خیالات ہمارے معدن فلسفہ و علوم یعنی وید ون کی رچاؤن مین پائے جاتے ہین۔ مہرشی کپل دیو وہ شخص ہین۔ جنھون نے ان متفرق خیالات کو فراہم کیا ہے۔ انکو تسلسل دیا ہے۔ اور آخر ایک ایسی عظیم الشان عمارت بناکر کھڑی

کردی ہے۔ کہ آج ہزارون برس بعد لوگ اسے دیکھتے ہین اور دیکھکر عش عش کرتے ہین۔

فلسفۂ سانکھیہ ایک عقلی مذہب فلسفہ ہے۔ یہین کوئی بات عقیدۃً نہین مانی گئی ہے۔ بلکہ عقل کی جولانی کے واسطے پورا پورا میدان مہیا کیا گیا ہے۔ جن مسائل کو یہ فلسفہ لیتا ہے اُنکی عقلی دلیل برابر پیش کرتا ہے۔ آؤ دیکھنا شروع کرین کہ کن براہین و دلائل سے یہ فلسفہ خاص خاص نتائج پر پہونچتا ہے۔ اسمین شک نہین کہ طرز استدلال پیچیدگی سے خالی نہین۔ اور بیشتر دقیق اور غور طلب ہین۔ ساتھ ہی خاص اصطلاحات فلسفہ کا استعمال بھی لازمی ہے۔ لیکن کیا کیا جاے۔ فلسفہ کوئی آسان چیز نہین۔ یہان عقل کا کام ہے۔ غور و فکر کی ضرورت ہے۔ دماغ لڑانا پڑتا ہے۔ جب انسان کسی نتیجے پر پہونچتا ہے۔ یہ وقت سانکھیہ ہی سے مخصوص نہین۔ بلکہ ہر ایک نظام فلسفہ مین روبکار ہوتی ہے۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ جس علم سے بحث کیجاتی ہے اُسی کا طرز استدلال بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص علم مناظرہ یا حرکت و سکون پر کچھ لکھیگا۔ یا علم الارض و کیمیا سے بحث کرے گا، یا علم معانی و بیان پر خیالات ظاہر کرے گا تو ہر صورت مین اُسے خاص طرز استدلال و اصطلاحات کا استعمال کرنا پڑے گا۔

عالم اسباب مین سب سے اہم سوال یہ ہے کہ مین کیا ہون اور یہ کائنات کیا ہے۔ کائنات مین جسطرف نظر ڈالکر دیکھیے علت و معلول کے سلسلے نظر سے گذرتے ہین۔ فلسفہ کا کام یہ ہے۔ کہ ان سلسلون کی جماعت بندی کرے۔ اُن جماعتون کو اور اعلےٰ جماعتون مین منقسم کرے اور اُنکو اور اعلیٰ تر جماعتون مین یہانتک کہ تمام کائنات منقسم ہوکر کم از کم جماعتون مین آجاے۔ جس فلسفے مین جتنی کم جماعتین آخر مین باقی رہجاتین اُتنا ہی اُسکا درجہ بڑا ہے کیونکہ اُسیقدر اسکی تحلیل و تجزی اعلیٰ درجے کی ہے۔ اور اس تحلیل و تجزی ہی کا دوسرا نام فلسفہ ہے۔ اگر ہم کسی مادی شے مثلاً پانی کو لین تو ارباب کیمیا ہمکو بتائینگے۔ کہ پانی دو گیسون یعنے آکسیجن اور ہائیڈروجن سے کیمیائی ترکیب پاکر بنا ہے۔ قوت برقی سے ہم پانی کو تجزی ان گیسون مین کرسکتے ہین۔ اور یہی دو گیسین لیکر اور انمین قوت برقی داخل کرکے پانی بنا سکتے ہین اب پانی کوئی شے نہین رہا۔ اسنے دو گیسون سے ترکیب پائی ہے اور اس ترکیب مین حرارت بھی کام مین آئی ہے اسطرح تمام اشیاے کائنات کی تجزی کرتے کرتے محققین علم کیمیا اس نتیجے پر پہونچے ہین۔ کہ عناصر چونسٹھ کے قریب ہین اور انہین سے ترکیب پاکر تمام اشیاے کائنات بنی ہین۔ اور انکی بنانیوالی قوتین ان عناصر سے علیحدہ چیزین ہین

کیا یہ عناصر کائنات کی علل اولیٰ ہین؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوے جدید طبیعیات ذرا تامل کرتا ہے اور اسکی وجہ صاف ظاہر ہے۔ مغربی طبیعیات کا علم باوجود عجیب و غریب ترقیون کے ابھی بہت ناقص اور غیر مکمل ہے۔ جس چیز کو آج ہم عنصر مان رہے ہین ممکن ہے کہ کل کوئی اسے مرکب چیز ثابت کردے۔ کچھ زیادہ عرصہ نہین گذرا کہ امونیا عنصر شمار ہوتا تھا۔ لیکن تحقیقات کیمیائی سے معلوم ہوا کہ وہ ایک مرکب چیز ہے آکسیجن کو آجکل عنصر مانا جاتا ہے۔ لیکن اکثر ارباب تحقیق کا خیال ہے کہ آکسیجن کسی روز مرکب شے ثابت ہو جائیگی اس حالت مین کوئی جدید طبیعیات ان چونسٹھ عناصر کو کائنات کی علت اولیٰ کب مان سکتا ہے۔ بلکہ عرصہ دراز سے یہ خیال دلون مین جاگزین ہے

کہ عناصر کوئی چیز نہین ہین۔ اگر انسانی علم کافی ترقی کر جائے تو ایک عنصر دوسری کی صورت مین آسانی سے تبدیل ہوجایا کریگا۔ اکسیر گر جو پارے کو مار کر بیش بہا دھات کی صورت مین تبدیل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہین۔ انکی تمام سعی نارسا اسی اصول پر مبنی رہی ہے۔ گو وہ کوششون مین ناکام رہے اور لوگ ہمیشہ انکی خاک اُڑاتے رہے۔ لیکن موجودہ علم کیمیا کے حیرت انگیز کرشمے انہین شخصون کی تحقیق و تدقیق کا ماحصل ہین۔ وہ پارے کو مار کر چاندی اور تانبے کی تبدیل ہیئت کرکے سونا تو نہین بنا سکے لیکن ایسے علم کی بنیاد ڈال گئے۔ جو آج کائنات کے عمل اولی کی تلاش مین بہت کارآمد ثابت ہوتا ہے۔

غرض موجودہ مغربی تحقیقات کائنات کی تجزی اور تحلیل کرکے چونسٹھ عناصر پر پہونچتی ہے۔ ہندو فلسفہ مین عناصر کا خیال اس سے بہت اعلی ہے۔ اشیاے خارجی کے علم کے وسائل ہمارے پاس ہمارے حواس خمسہ ہین۔ پس ہمین اپنے علم کی حد سے باہر قدم رکھنا تو ہمات مین پڑنا ہے۔ اشیاے کائنات کی تحلیل کیجاے تو آخر مین ہم مرکبات کی تجزی کرتے کرتے جن مفردات پر پہونچینگے وہ صرف یہی ہوسکتے ہین کہ بعض چیزین ایسی ہین جنکا علم ہمین ناک کے وسیلے سے حاصل ہوتا ہے۔ بعض کا کان سے بعض کا آنکھ سے بعض کا زبان سے بعض کا جلد سے جس شے کا علم ہمین ناک کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے اسے اصطلاح مین پرتھوی یا خاک کہتے ہین۔ جسکا زبان سے اُسے جل یا آب کہتے ہین۔ جسکا آنکھ سے اُسے اگنی یا آتش کہتے ہین۔ جسکا جلد سے اسکو وایو یا ہوا کہتے ہین۔ جسکا کان سے اسکو آکاش یا ایتھر کہتے ہین۔ اسطرح عناصر کی تعداد چونسٹھ کے بجاے صرف پانچ رہگئی۔ تمام اشیاے دنیاے خارجی انہین پانچ عناصر یعنی خاک۔ آب۔ آتش۔ باد اور آکاش سے ترکیب پاکر بنتی ہین۔

کیا یہ پانچ عناصر کائنات کی علل اولی ہین؟ مغربی محققین کیمیا کا یطرح ہندوستان کے نیاے اور ویشیشک درشن اس سوال کا جواب اثبات مین دیتے ہین۔ بلکہ حکماے مغرب تو اثباتی جواب دیتے ہوئے جھجھکتے بھی ہین۔ گوتم اور کناڈ باواز بلند کہتے ہین۔ کہ خاک۔ آب۔ آتش۔ باد اور آکاش اشیاے خارجی کی تجزی کی انتہا ہین۔ انسے آگے اور تحلیل و تجزی ممکن نہین یہی اجزاے لایتجزی یا پرمانو ہین۔ اور وجہ ظاہر ہے۔ کسی مرکب یا مخلوط شے کی تجزی کیجاے تو ہم خاص اجزا پر پہونچینگے۔ انکی بھی تجزی کیجاے تو لطیف تر اجزا حاصل ہونگے۔ انکی اور تحلیل کرو تو ان سے بھی لطیف اجزا ملینگے۔ اسطرح تجزی کرتے کرتے آخر ہم ایسے اجزا پر پہونچینگے۔ کہ تجزی کی انتہا ہین اور انکو زیادہ چھوٹے حصص مین تقسیم کرنا محال ہے۔ پس جو پانچ عناصر اوپر بیان ہوے وہی اجزاے لایتجزی یا پرمانو یا ایٹم ہین۔ انکے اور حصے نہین ہوسکتے۔ بلکہ تمام اشیاے کائنات انہین پرمانوؤن کی مختلف ترتیب اور انتظام سے بنی ہین۔ یہ خود کسی سے نہین بنے۔ جبتک انکا نظام اور ترتیب قائم ہے اشیا ہست کہلاتی ہین۔ جب وہ نظام نہ رہا وہی نیست ہوجاتی ہین۔ یعنی پرمانوؤن کی ترتیب جداگانہ سے جو اشیا ہست ہوئی تھین وہ پھر پرمانوؤن کی شکل مین مبدل ہوجاتی ہین۔ پرلے کے وقت تمام اشیا کا نظام سٹ جاتا ہے اس وجہ سے تمام کائنات پرمانو روپ رہجاتی ہے۔

پرمانوؤن کا فلسفہ دیکھنے مین خوبصورت اور سمجھنے مین آسان ہے۔ لیکن جب اسکو معیار عقل پر کسا جاتا ہے تو پورا نہین اُترتا۔ فلسفہ کا ایک بدیہی اصول یا علم متعارفہ یہ ہے کہ علت مین جو شے موجود ہے معلول مین وہی شے موجود ہونی چاہئے۔

اسمین بیشی یا کمی قیاس سے باہر ہے - مثلاً سونے کی جو چیز بنیگی وہ سونا ہی ہوگی - سونے کے علاوہ اسمین کسی چیز کا پیدا ہو جانا محض بعید القیاس ہے - سونے کے کڑے مین مٹکہ بھری یا شراب یا کسی اور چیز کا موجود ہو جانا ایسی بات ہے کہ کسی طرح عقل مین نہین آسکتی - پرمانوون کو اجزاے لایتجزّی بتایا جاتا ہے - لیکن انہین پرمانوون سے جو چیزین بنتی ہین اُنکی تجزّی ہوسکتی ہے - انکے حصّے ہوسکتے ہین - سوال یہ ہے کہ علّت مین جب اجزا موجود نہین ہین تو معلول مین کیونکر موجود ہوگئے - اگر لاکھون پرمانوون کو لیکر بھی کوئی شے بنتے تو چونکہ یہ لاکھون پرمانو لایتجزّی ہین - انسے جو شے بنے گی وہ خود بھی لایتجزّی ہونی چاہیئے - لیکن تماشا یہ ہے کہ معلولات مین حصص موجود ہین - آخر یہ حصص کہان سے آئے - بناے اور ویشیشک دونون کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ پہلے نہ تھے اب ہوگئے یعنی نیست سے ہست ہوگئے - جو سراسر لغو ہے نیستی سے ہستی ایک امر محال ہے اگر نیست سے ہست ہونیکا احتمال ممکن ہو تو گدھے کے سینگون مین سے جو ایک محض نیست چیز ہے آدمی اور جانور اور درخت سب پیدا ہو جانا چاہئین - اس بات کو معمولی سے معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ محض بے دلیل اور غیر معقول ہے -

اسطرح فلسفۂ سائنکیہ ثابت کرتا ہے - کہ پرمانوون مین نہ تو علل اولیہ ہونے کی قابلیت ہے - نہ انکی جداگانہ ترتیب و انتظام سے نئی نئی چیزین جو پہلے نیست تھین ہست ہوسکتی ہین - علّت اولی کی تلاش مین ہمین اور بلندی پر چڑھنا اور نیست سے ہست ہونے کے غلط مسئلے کے بجاے کسی اور قرین قیاس مسئلے کو ڈھونڈھنا چاہئے - ان دونون سوالون کا جواب آسان سی آسان صورت مین سائنکیہ یہ دیتا ہے کہ مادّے کی آخری صورت پرمانو نہین ہے بلکہ وہ لطیف ترین شے ہے جس سے خلا و ملا معمور ہے - اور اشیا کے نیست سے ہست ہونے کی بجاے تقاضاے عقل یہ ہے کہ یہی لطیف ترین شے خاص خاص اسباب کی موجودگی مین اسیطرح تبدیل ہیئت کرتی ہے - جیسے خاص اسباب کی موجودگی مین دودھ کا دہی بنجاتا ہے - دہی کوئی ایسی شے نہین ہے کہ پہلے نیست تھی اب ہست ہوگئی - بلکہ ایک ہست شے دودھ خاص اسباب کی موجودگی مین تبدیل ہیئت کرکے دہی ہوگیا ہے - یہ تبدیلی ہیئت اصطلاح مین پرنیام کہلاتی ہے - اسیکو عربی مین استحالہ یا التقا کہتے ہین اور انگریزی مین ایولیوشن جو آجکل یوروپ اور امریکہ تمام اہل طبیعات کا مذہب ہے -

کپل دیو کی تجزّی تحلیل کائنات ایک نہایت ہی قرین قیاس اصول پر مبنی ہے - وہ علّت و معلول کے مسئلے لیتا ہے اور کہتا ہے کہ بیشک کائنات مین جدھر نظر ڈالو علّت و معلول ہر طرف نظر آتے ہین - اس صورت مین اگر اشیاے کائنات کی تحلیل کیجاے تو ہم مندرجہ ذیل تقسیم چہارگونہ پر پہونچتے ہین - اوّل وہ شے جو فقط علت ہے - دوم وہ جو خود معلول ہے مگر اوروں کی علّت بھی ہے - سوم وہ جو محض معلول ہے - اور چہارم وہ جو نہ علّت ہے نہ معلول - اگر ہم معلول سے جو علّت ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے قطع نظر کرین - تو صرف دو چیزین باقی رہتی ہین یعنی ایک وہ جو اور چیزون کی علّت واقع ہو گی اور دوسری وہ جو نہ علّت ہوگی نہ معلول - یہی دونون سائنکیہ کے پرکرتی اور پرش ہین - اور اب ہم اُنکی توضیح کرتے ہین -

کائنات مین قدم قدم پر علّت و معلول کے سلسلے ملتے ہین -

کسی شے کو لے لیجئے - اسکی علت دوسری چیز ہیگی - اس علت کی اور علت ہیگی - اسکی اور - اور اسکی اور - اسطرح ایک لامتناہی سلسلہ پیدا ہوتا ہے - عقل چاہتی ہے کہ یہ سلسلۂ نا متناہی جاری نہ رکھا جاے - بلکہ ہم ایک جگہ ٹھہر جائین اور ایسکو ایسی علت مان لین کہ اُسکے پرے اور علت کی ضرورت نہ رہے - یہی علت اولی ہوگی - اگر یہ اعتراض کیا جاے کہ ہم کیون ٹھہر جائین جس جگہہ ٹھہرینگے تمہارے قاعدے کے بموجب وہ بھی معلول ہوگی اُسکی بھی کوئی علت بنانی چاہئے اور اُسکی اور علیٰ ہذا القیاس - تو اسکا جواب صاف ہے - کہ معلول یعنی کائنات موجود ہے اسکی علت کا ہونا بھی ایک لازمی امر ہے - سلسلۂ لامتناہی مین چونکہ کہین ٹھہراؤ ممکن نہین ہے اسلئے اگر اسکو تسلیم کر لیا گیا تو معلول یعنے کائنات بغیر علت کے رہیگی اور یہ ناممکن محض ہے - اسلئے ایک ایسی علت اولی کا مان لینا جسکے پرے اور علت کی ضرورت نہ رہے - زیادہ قرین عقل ہے بہ نسبت اسکے کہ سلسلۂ لامتناہی کو جاری رکھکر ہم کہین بھی نہ پہونچ سکین - اور جہان تھے وہین رہین - اس دلیل سے عقل متقاضی ہے کہ ایک بنیادی علت یعنی علت اولی طوعاً و کرہاً تسلیم کیجاے بغیر اسکے کوئی چارہ نہین ہے اور چونکہ کائنات مادّی ہے اس علت اولی یا بنیادی علت کا بھی مادّی ہونا ایک امر لازمی ہے - معلول مادّی کی علت بھی مادّی ہونی ضروری ہے -

جس علت اولی پر کل اسطرح پہونچتا ہے اُسکا نام وہ مول پرکرتی - پردھان یا اوّلیت رکھتا ہے - پرکرتی کے معنی ہین پیدا کرنے والی چیز - پس مول پرکرتی کے معنی بنیادی علت ہوئے - پردھان اعلیٰ کو کہتے ہین - چونکہ اسکے پرے کوئی اور علت نہین ہے اسلئے یہی سب سے اعلیٰ ہے - اوّلیت بطور کہتے ہین - چونکہ ابتک اسمین معلولات کے ظہور شروع نہین ہوے اور اپنی ذاتی ہیئت پر قائم ہے اسواسطے اسکا نام اوّلیت یعنے یہ بنیادی علت اصل مادّہ ہے - اسی مین سے تمام مادّی ظہورات خاص خاص اسباب کے توسل سے تبدیل ہیئت کر کے مستخرج ہوتے ہین - یہ سب کی علت ہے - مگر اسکے پرے اور کوئی علت نہین ہے - اس سے خلاء ملا معمور ہے - یہ مادّے کی لطیف سی لطیف شکل ہے جس سے زیادہ اور لطیف شکل کا امکان احاطۂ امکان سے خارج ہے - تمام کائنات اسی کی پر نیائی صورت سے قائم ہے اور پرے کے وقت پرتی لوم پر نیام یعنی ارتقاے معکوس سے تمام چیزین اسی مین غائب ہو جاتی ہین - جب پھر نظام کائنات کی تخلیق ہوتی ہے - تو اسی مین سے پھر ارتقا پاکر صورتین نکلتی ہین اور دُنیائین بنجاتی ہین - اور یہ سلسلہ ازل سے ابد تک جاری رہتا ہے - نہ اسکی ابتدا ہے نہ انتہا - نہ کبھی یہ شروع ہوا ہے نہ ختم ہوگا - بلکہ جسطرح دریا برابر بہا چلا جاتا ہے اور ایک قطرۂ آب کی جگہہ دوسرا قطرۂ آب تواتر و توالی آتا رہتا ہے - بعینہٖ یہی حال کائنات کا ہے -

غرض تمام مادّی ظہورات کی اصل یہ بنیادی علت ہے - مادّی ظہورات کو نظر تعمق سے دیکھا جاے تو انکی تین بڑی بڑی جماعتین ملتی ہین - اول تو یہی جمادات - نباتات اور اجسام حیوانات جسمین تمام کائنات شامل ہے - انہین کثیف صورتون کو تمام زمانہ مادّہ مانتا ہے - اسلئے انپر زیادہ خامہ فرسائی کی حاجت نہین - مادّے کی دوسری صورت قواے مادّی ہین - مثلاً حرارت - روشنی - برق - کشش وغیرہ وغیرہ - مغربی سائنس کے عالم ان قوتون مین بہت ٹکرین مار رہے ہین - لیکن ابتک کسی خاص نتیجے پر نہین پہونچے - بعض انکو مادّے ہی کی صورتین

پرتھی راج کا دربار

انڈین پریس الہ آباد

بناتے ہین اور بعض انمین غیر مادّی چیزین مانتے ہین - ہان اس بارے مین سب متفق الرائے ہین - کہ قوت اصل مین ایک ہے - نہ اسمین بیشی ہوسکتی ہے نہ کمی - اور روشنی برق وغیرہ وغیرہ اُسی ایک قوت کے مختلف ظہورات ہین - نتیجۂ آخرالذکر صحیح ہے - قوت اصل مین ایک ہی ہے - جسے ہندو فلسفہ مین پران کہتے ہین - یہی پران مختلف صورتون مین ظہور پکڑتا ہے - آجکل کی طبیعی ایجادون سے یہ بات آسانی کے ساتھ ثابت ہوگئی ہے کہ ایک قسم کی قوت یا پران کو ہم دوسری طرح کی شکل مین تبدیل کرسکتے ہین - رہا یہ سوال کہ قوتین مادّی ہین یا غیر مادّی جسمین یورپ کا سائنس ہنوز ٹکرین مار رہا ہے - ہمارے یہان تین ہزار برس پہلے طے ہوچکا ہے - جسے قوت کہتے ہین حقیقت مین وہ مادّے ہی کی لطیف صورت ہے - کیونکہ قوتین تبدیلی پذیر ہین اور جہان جہان تبدیلی ہے وہ سب مادّہ ہے -

مادّے کی تیسری صورت کیفیات نفس یعنی من کی ہستیان یا (Mental faculties) ہین - کیونکہ کیفیات نفس بھی وہم بدلتی رہتی ہین - ابھی ادراک کام کررہا ہے ابھی حافظہ - ابھی تصوّر - ابھی تعقّل - کبھی رنج وراحت کی کیفیات نفس مین ہین کبھی غصّہ وندامت کی - صاف ظاہر ہے کہ یہ کیفیات ہمیشہ بدلتی رہتی ہین - پس یہ تبدیلی پذیر چیزین بھی مادّی ہین کیونکہ تبدیلی مادّے ہی مین ممکن ہے - غیر مادّی شے تبدل نہین ہوسکتی - حکماے فرنگ کیا متقدمین اور کیا متاخرین اس بارے مین سخت دھوکا کھاتے رہے ہین - یہ اصحاب کیفیات نفس کو غیر مادّی مانتے ہین اور اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ اُنکے یہان روح اور مائنڈ کا فرق کوئی شاذ ہی سمجھتا ہے - یہ لوگ اپنے ذہن مین من کو آتما یا پرش سمجھے ہوئے ہین - حالانکہ آتما غیر مادّی شے ہے من اور مادّی چیزون کی طرح مادّی ہے - اسوجہ سے اسکی کیفیات مثلاً صوراد راک - تصوّر وتعقّل وغیرہ تمام مادّی ہین انکو غیر مادّی سمجھنا سخت غلطی ہے -

دیکھئے کیسا حیرت کا مقام ہے کہ جو مسائل فلسفہ ہمارے یہان ہزارون برس سے اسطرح رائج ہین کہ آجکل بدیہی امور سمجھے جاتے ہین اور کیسوا اُنکے ثبوت پیش کرنے کا خیال تک بھی نہین آتا - مغربی فلسفہ آج تک انمین حیران اور سرگردان ہے - مگر ہم ہین کہ گھر کے لازوال علمی خزانون کو چھوڑ کر غیرون کی تقلید پر مٹے جاتے ہین - ہم نے دیو بانی کا پڑھنا نہین چھوڑا ہم نے اپنے شاستروں کا مطالعہ نہین ترک کیا - بلکہ میراث آبائی چھوڑ بیٹھے ہین - اور اپاہج محتاجون کی طرح در در دریوزہ گری کرتے پھرتے ہین - کہان وہ پہلی تحصیل کمال اور علم وفضل کا شوق - کہان آجکل کی تقلید اور دریوزہ گری کی عادت -

بہ بین تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا - اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ ظہورات مادّی کائنات مین تین صورتون مین ملتے ہین لطیف صورتون مین جنہین جڑ کہنا چاہئے - قواے قدرت کی صورتون مین - اور کیفیات نفسانی کی صورتون مین - چونکہ مول پرکرتی - پردھان یا اویکت مادّے کی اصل اصول ہے - اسمین ان تین وصفون کا ہونا ضروریات سے ہے - اگر علت اولےٰ مین یہ اوصاف نہ ہون تو معلولات آخری مین انکا امکان نہین ہوسکتا یہی وجہ ہے - کہ کپل پردھان کو تین صفتون سے متصف مانتا ہے - جو ستوگن - رجوگن اور تموگن ہین - ستو کا خاصہ پرکاش اور آنند ہے یعنی یہ پرکرتی کا ودگن ہے جس سے وہ کیفیات نفسانی کی صورت اختیار کرتی ہے - رج کا خاصہ حرکت اور کام

کرتا ہے۔ یہ پرکرتی کا وہ گن ہے۔ جس سے وہ قوائے قدرت اور حواس عملی کی صورت اختیار کرتی ہے تم کا خاصۂ غفلت اور خواب ہے۔ یہ پرکرتی کا وہ گن ہے۔ جس سے وہ صور اشیائے مادی یعنی کثیف صورتین اختیار کرتی ہے۔

پرکرتی کے یہ تینون اوصاف ہر وقت اور ہر حالت مین موجود رہتے ہین۔ ہان انمین سے بعض وقت ایک گن باقی دونون سے زیادہ ہو جاتا ہے اور بعض وقت دوسرا۔ پردھان مین یہ تینون گن موجود تو ہین لیکن کوئی ایک کسی دوسرے پر فوق نہین رکھتا۔ تینون تلے ہوئے حالت سکون مین رہتے ہین۔ اسے تینون کی سامیہ اوستھا کہتے ہین جبتک یہ سامیہ اوستھا قائم ہے۔ اُسوقت تک پرکرتی مین کوئی ظہور نہین ہونے پاتا۔ لیکن خاص اسباب سے جہان اس سکون مین فرق آیا یعنی ایک گن نے بڑھکر دو باقی گنون کو دبایا۔ اُسیوقت ظہورات طبعی اپنا جلوہ دکھانے لگتے ہین۔ پردھان مین یہ تینون گن موجود تو ہین لیکن بالقوے۔ جسطرح پیپل کے چھوٹے سے بیج مین پیپل کے درخت کی جڑ۔ تنا۔ شاخین۔ پتے وغیرہ بالقوے موجود رہتے ہین اور خاص اسباب کے جمع ہونے سے وقت پر اپنا ظہور دکھاتے ہین بعینہٖ یہی حال پردھان کا ہے۔ یا پردھان کو یون سمجھو کہ آدمی کے خواب غفلت کی حالت ہے۔ لیکن اسی حالت غفلت مین خواب اور بیداری کے تمام ظہورات موجود ہین اور اسباب کے فراہم ہونے پر وہ ظہورات صورت پذیر ہو جاتے ہین۔

یہان غور طلب امر یہ ہے کہ سانکھیہ کی علت اولیٰ مین کام کرنے کی قابلیت بھی موجود ہے اور کیفیات نفس کی صورت اختیار کرنے کی بھی۔ اسوجہ سے اس فلسفہ مین نہ اس بات کی ضرورت ہے کہ مغربی طبیعات کیطرح مادے سے جُدا کسی قوت کی تلاش کرتے پھرین۔ نہ نیائے ویشیشک اور بیدانت کے مغربی و مشرقی نظامہائے فلسفہ کیطرح اس بات کی کہ آغاز آفرینش اور قیام کائنات کے واسطے کسی ماورائے کائنات خدا یا ایشور کو مانین۔ یہ شاستر نرایشور ہے۔ یوگ شاستر جو سانکھیہ پر مبنی ہے۔ خدا کی ہستی تسلیم کرتا ہے۔ اور اسیواسطے منیشور یعنی فلسفۂ باخدا کہلاتا ہے لیکن یوگ مین ایشور کا کام صرف دھیان کے وسائل کی بحث مین پڑتا ہے۔ باقی تمام مراحل جون کے تون سانکھیہ سے لئے گئے ہین۔ اسوجہ سے بہت سے اہل الرائے اس بات پر متفق ہین کہ ماورائے کائنات خدا کا دخل یوگ درشن مین محض آورد ہے۔ جسکو فلسفۂ یوگ کی نزاکت برداشت نہین کر سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ یوگ کا فلسفہ بالکل سانکھیہ سے مستعار لیا گیا ہے اور اُسکو علمی اور اخلاقی جامہ پہناکر ایک نیا نظام فلسفہ بنالیا گیا ہے۔ یوگ در اصل کوئی نیا فلسفہ نہین ہے۔ بالکل سانکھیہ ہی ہے۔

اب ناظرین کی سمجھ مین آگیا ہوگا۔ کہ فلسفۂ سانکھیہ مین علت اولیٰ کیا ہے اور جن تین صفات سے وہ متصف ہے اُنکی کیا ماہیت ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس ترگنا تمک پردھان سے کیا ظہورات ہوتے ہین۔ کس ترتیب سے ہوتے ہین کسطرح ہوتے ہین۔ ان بحثون کو مین دوسرے مضمون مین اُٹھاؤنگا یہان مجملاً پرش کا کچھ بیان لکھنا ہون۔

فلسفۂ سانکھیہ مین چونکہ پرکرتی مین کام کرنے کی طاقت مانی گئی ہے۔ اسلئے فاعل پرکرتی ہے۔ وہی کائناتین بناتی ہے۔ اسمین کائناتین قائم رہتی ہین اور آخر مین اسی مین غائب ہو جاتی ہین لیکن یہ بات کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ پرکرتی مادی چیز یعنی جڑ ہے

چیتن یعنی کانشنس یا صاحب علم شخصیت نہیں ہے - اگر یہ کائنات محض پرکرتی کی بنائی ہوئی ہوتی تو اسمیں انتظام و ترتیب جو ہمیں پیچھے پر نظر آتی ہے ہرگز نہ دکھائی دیتی - اندھی قوتیں چار سمت محشر بپا رکھتیں - اندھا مادہ چار دانگ میں چھایا ہوتا - اندھی کیفیات ذہنی ادھر اُدھر ماری ماری پھرتیں غرض جو نظام عالم اسوقت موجود ہے خواب و خیال میں بھی اُسکا امکان نہ ہوتا - اس نظام میں چیتن دستو کی ضرورت ہے بغیر اسکے چارہ نہیں - یہ پرش یا ارواح ہیں - جو چیتن - گیان سروپ - نوری یا کانشنس شخصیتیں ہیں - انکی چیتن شکتی کی مدد سے پرکرتی خود چیتن کیطرح کام کرتی ہے -

پرش کا سروپ کیول گیان ہے - اسوجہ سے وہ محسوس کرنے والا بیشک ہے - لیکن کرتا یا فاعل نہیں ہے - فاعلیت صرف پرکرتی میں ہے اور اس فاعلیت کو وہ پرش کے بھوگ اور موکش کے لئے کام میں لاتی ہے - پرش نہوتا - تو پرکرتی کچھ نہ کرسکتی - پرش کو یوں سمجھو کہ لنگڑا آدمی ہے جو چل پھر کر کچھ نہیں کرسکتا - پرکرتی کو یوں سمجھو کہ ایک اندھا آدمی ہے - کہ چل پھر کر سکتا تو بہت کچھ ہے - لیکن کام کرنیکا راستہ اُسکو نہیں سوجھتا - لنگڑے نے اندھے سے کہا کہ بھائی مجھے اپنے کندھے پر بٹھالے - میں راستہ بتاتا جاؤنگا - باغ میں درخت آم سے لدے کھڑے ہوئے ہیں - چل تو بھی پیٹ بھر کر کھا میں بھی کھاؤں - چنانچہ ایسا کرنے پر دونوں کا مطلب حاصل ہوگیا - تقریباً یہی حال پرش اور پرکرتی کا ہے - پرش صرف بھوگتا ہے کرتا نہیں - ہاں پرکرتی کرتا ہے اور جو کچھ کرتی ہے وہی کرتی ہے - لیکن جڑ ہونے کیوجہ سے اسکو پرش کی امداد درکار ہے بغیر اسکے کچھ نہیں کرسکتی -

پرش چونکہ گیان سروپ ہے - اسوجہ سے ہمیشہ سچدانند سے مکت یعنی ناجی ہے - لیکن بندھن میں یوں گرفتار ہے کہ پرکرتی کے بجائے اپنے تئیں کرتا یعنی فاعل سمجھتا ہے - کرنے کرانے والی چیز ہمیشہ پرکرتی ہے - لیکن مغالطے یا بھرم سے پرش یہ سمجھ رہا ہے کہ میں کرتا ہوں میں نے گناہ صغیرہ و کبیرہ کئے ہیں - انکی سزا مجھے ملیگی - مجھ سے جرائم ظہور میں آئے ہیں - انکا کفارہ دینا مجھے لازم ہے - مجھے دکھ سے بچنا چاہیے - سُکھ کے حصول کی تدابیر نکالنی چاہئیں - وغیرہ وغیرہ - ان مغالطوں میں پڑا ہوا پرش پرکرتی کے تماشے اپنی ذات میں آروپن کرتا ہے اور رنج و راحت محسوس کرتا ہے - پرکرتی اسکے سامنے طرح طرح کے روپ بھرتی ہے - یہ پرش کا بھوگ ہے - جب سچے شاستر یعنی سانکھیہ کے پڑھنے سے پرش پر یہ سرخفی کھلتا ہے کہ روپ بھرنے والی دراصل پرکرتی ہے - میں محض تماشائی ہوں اور ان تماشوں میں میرا ہاتھ مطلق نہیں ہے - بلکہ میں شدھ اور گیان سروپ ہوں - وہ مکت ہوجاتا ہے - اسطرح بندھ اور موکش کا کارخانہ ہے - مکت پرش کیواسطے پرکرتی کا تماشا ختم ہوجاتا ہے اور وہ اپنے ذاتی سرور لامحصور میں قیام کرتا ہے - بہتیرے پرش مکت ہیں بہتیرے بندھ میں گرفتار ہیں - اسلئے پرش لاتعداد ہیں -

یہاں دو نتیجہ خیز سوال پیدا ہوتے ہیں کیا حقیقت میں پرش یعنی ارواح لاتعداد ہیں یا صرف ایک ذات واحد پرش ہے جسے ویدانت سچدانند پرمہم بتاتا ہے اور پرکرتی اور پرش کا علاقہ و افتی کچھ چیز ہے - یا پرکرتی محض دھوکے کی ٹٹی ہے جسے ویدانت میں مایا کہتے ہیں دونوں سوال نہایت دلچسپ ہیں لیکن اس مضمون میں زیادہ گنجایش نہیں ہے - ویدانت اور سانکھیہ کا جب مقابلہ کیا جائے گا - اُسوقت ان پر بحث کیجائیگی -

سورج نرائن مہر

قدیم عربون کا فن تحریر

عربون مین سنہ عیسوی شروع ہونے سے صدیون قبل تحریر کا رواج تھا، لیکن یہ بتانا مشکل امر ہے کہ ان مین اسکی ابتدا کس زمانے سے ہوئی ہے۔

۱۸۷۵ء مین فرانس اور انگلستان کے بعض سیاحون نے یمن کے پرانے بیت الحکومت مارب اور صنعا کے کھنڈون مین چند کتبے دریافت کیے جو شروع مین عقدۂ لاینحل سمجھے گئے مگر مدت دراز کے بعد علماء کی کثیر جماعت نے حبشی اسطرنجیلی فینیسیقی۔ عبرانی خطوط سے مقابلہ کرکے پڑھ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ تحریرین حمیر بن سبا کے وقت کی ہین[۵۱] جسکا زمانہ حضرت مسیح سے ۲۱۲۶ سال پہلے کا ہے[۵۲]۔

یہ تحریرین لوہے کی کیلون سے کھود لگئی ہین اور انمین سطربندی اور جملون کی ترتیب کا بھی لحاظ ہے جسکی بنا پر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ عربون کو حضرت مسیح سے دو ہزار سال قبل خط و کتابت مین کمال حاصل تھا۔ اب ہر شخص اسکی قدامت کا اندازہ کرسکتا ہے۔

عربون مین مختلف دور مین مختلف اقسام کے خطوط کا رواج رہا ہے۔ حمیری خط، نبطی خط، عبرانی خط، کوفی خط، عربی خط۔ ان مین حمیری خط سب سے قدیم ہے، اسکے حروف جنہین مسند کہتے ہین، لوہے کی کیلون سے بہت مشابہت رکھتے تھے اور تحریر کیوقت علیحدہ علیحدہ لکھے جاتے تھے، ولیسٹیڈ، کرٹین ڈین اور ہالوے نے جو پرانے کتبے سرزمین یمن مین پائے ہین وہ اسی خط کے نمونے ہین[۵۳]۔

مسند حروف پہلے پہل یمن مین رائج ہوئے پھر عرب کے اکثر مقامات مین پھیل گئے۔ بنو حمیر سے حیرہ والون نے حاصل کیا اور اہل حیرہ سے قریش اور اہل طائف نے سیکھے[۵۴]۔

نبطی خط کو عربون نے ان نبطیون[۵۵] سے اخذ کیا تھا جو پہلی اور دوسری مسیحی صدیون مین رومیون کے ظلم و ستم سے

---

۵۱ ان تحریرات کی نسبت مزید حالات کے لئے دیکھو سیاحت العارف مطبوعہ بیروت صفحہ (۱۰۵)

۵۲ سپٹواجنٹ Septuagint سے پایا جاتا ہے کہ تاریخ حضرت مسیح سے ۲۱۲۶ برس پیشتر گذرا ہے تارح اور حمیر بن سبا کا سلسلہ نسب چونکہ مساوی ہے۔ اسلئے طبیعی تحقیقات کی رو سے دونون ہم زمانہ قرار پاتے ہین۔

سلسلہ نسب یہ ہے نوح سام ارفخشد شالخ عابر

یقطان یعرب یشجب سبا حضرموت

فالج عوص مرخ یاسر سبا ابراہیم

۵۳ *Sedileots Histore Generale Des Arabes* Vol. I, pp. 34.

۵۴ صناجۃ الطرب طبع بیروت صفحہ (۳۲۰) ۵۵ نبطی قوم حضرت اسمٰعیلؑ کے بیٹے نبیط נבית سے نکلی ہے۔ یہ لوگ بلاد بطرا Petra مین رہتے تھے جو فلسطین اور سینا کے مابین ایک مشہور مقام ہے (اعمال ۱۱) پہلی صدی عیسوی مین رومیون نے انکے شہرون کو فتح کرلیا تو عرب شان مین آکر آباد ہوگئے۔

دق ہوکر ملک عرب مین بھاگ آئے تھے[۵۱]

کوفی خط زمانۂ جاہلیت مین ایجاد ہوا ہے۔ اسکی نسبت گمان ہوتا ہے کہ وہ اسطرانجیلی خط سے نکلا ہے جسے عراق کے سریانی اور کلدانی اقوام اپنی تحریر مین استعمال کیا کرتے تھے[۵۲] اُس زمانے مین اسکا کوئی خاص نام نہین تھا بعد نام اسلامی عہد مین تجویز ہوا ہے کیونکہ کوفہ ان شہرون مین ایک مشہور شہر ہے جسکو مسلمانون نے آباد کیا[۵۳]۔ کوفی خط انبار مین ایجاد ہوا اور اہل انبار کے ذریعہ سے اہل حجاز تک پہونچا۔ دومۃ الجندل کے حکمران کیدر بن عبد الملک کا بھائی بشیر بن عبد الملک یہ خط جانتا تھا جب اُسنے مکہ مین جاکر صفیان بن امیہ کی بہن صہبا سے نکاح کیا تو اہل مکہ کو یہ خط سکھلایا[۵۴]

عربون نے عبرانی خط کو یہودیون سے اقتباس کیا ہے اسکے حروف بلا کسی تغیر و تبدل کے انمین رائج تھے۔ ایک قدیم روایت کے بموجب جس شخص نے عبرانی خط مین عربی عبارت کو لکھا وہ حضرت نبی اکرم کی بیوی حضرت خدیجہ کا مامون زاد بھائی ورقہ بن نوفل تھا[۵۵]۔ عربی حروف کی نسبت طبری نے لکھا ہے کہ ضمیج بن ارام[۵۶] کی اولاد نے ایجاد کیا تھا مگر محققین نے اس روایت کو محض قصہ سمجھا ہے۔ عام خیال ہے کہ یہ حروف ظہور اسلام سے کچھ عرصہ قبل ایجاد ہوئے ہین[۵۷]۔

اہل اسلام کی ابتدائی تحریرات مسند حروف مین ہوا کرتی تھین پھر اسکو اُنہون نے ترک کر دیا اور کوفی و عربی خط مین لکھنے لگے[۵۸]۔ ۳۱ھ مین حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حکم سے قرآن شریف کا جو نسخہ مرتب کیا گیا تھا وہ کوفی خط مین تھا۔ خلافت بنی امیہ (۴۱ھ تا ۱۳۲ھ) کے اخیر ایام مین کوفی خط متروک ہوگیا۔ اور خط عربی استعمال ہونے لگا۔ ابتدائے خلافت عباسیہ (۱۳۲ھ تا ۶۵۶ھ) مین عربی خط کے کثرت سے خوش نویس ہوئے اور ہر ایک نے اسکے لکھنے کا نیا طریقہ ایجاد کیا۔ مامون رشید (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) کے عہد تک یہ طریقے ایک درجن سے بھی زیادہ ایجاد ہوگئے جنکے نام یہ ہین۔ قلم الجلیل۔ قلم الجلالت۔ قلم الدیباج۔ قلم اسطو بالکبیر قلم الثلاثین۔ قلم الزنبور۔ قلم المفتح۔ قلم الحرم۔ قلم المدامۃ۔ قلم العہود۔ قلم القصص۔ قلم المحرفاج۔ قلم المرصع۔ قلم النساخ۔ قلم الریاسی قلم الرقاع۔ قلم غبار العایہ[۵۹]

ابتدا مین عربی خط کے حروف علیحدہ علیحدہ لکھے جاتے تھے اور ان پر نقطے بھی نہین تھے کہ جس سے متشابہ حروف مثلاً ب ت ج خ ر ز س ش مین تمیز ہوسکے۔ خلیفہ عبد الملک بن مروان (۶۵ھ تا ۸۶ھ) کے زمانہ مین حجاج بن یوسف ثقفی کی فرمایش سے نصر بن عاصم نے نقطے ایجاد کئے۔ کسی پر ایک نقطہ لگایا کسی پر دو کسی پر تین کسی کے اوپر کسی کے نیچے[۶۰]

خلیفہ مقتدر باللہ عباسی (۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ) کے وزیر ابو علی محمد بن حسین بن مقلہ نے جسکی وفات ۳۲۸ھ مین ہوئی تھی

---

۵۱ تاریخ التمدن الاسلامی طبع مصر جلد اول صفحہ ۲۵۹

۵۲ ۔ التمدن الاسلامی جلد اول صفحہ ۲۵۹

۵۳ ۔ کوفہ کو ۱۷ھ مین حضرت عمرؓ کے حکم سے سعد وقاص نے آباد کیا معجم البلدان ۵۴ ۔ صناعۃ الطرب صفحہ ۳۲۱

۵۴ ۔ المزہر للسیوطی جلد ۳ صفحہ ۱۷۷

۵۵ ۔ التمدن الاسلامی جلد اول صفحہ ۲۵۹

۵۶ یہ قوم جو اقوام عرب العاربہ کی حامی تھی قصبہ طائف مین بستی تھی۔ مدت ہوئی کہ تباہ و برباد ہوگئی۔

۵۷ ۔ التمدن الاسلامی جلد اوّل صفحہ ۲۵۹

۵۸ ۔ صناعۃ الطرب صفحہ ۳۲۱

۵۹ ۔ کشف الظنون جلد اوّل صفحہ ۴۶۶

۶۰ ۔ تاریخ ابن خلکان جلد اوّل صفحہ ۱۲۵

اس خط کو صورت حال مین بدلا یعنے حروف کو وصل کرکے لکھنے کا طرز ایجاد کیا اور اس جدید خط کے لئے خوشنویسی کے کئی اقسام وضع کئے جنمین سے چھ بہت مشہور ہین۔ ثلث۔ تعلیق۔ توقیع۔ نسخ۔ ریحان۔ محقق[۵۱]

عربون مین قدیم زمانہ مین پتھر کی سلون اور مٹی کی تختیون پر لکھنے کا رواج تھا، قرون وسطی مین جو اشیا رائج تھین وہ یہ ہین۔

عسب	کھجور کے پتے
لخاف	سفید رنگ کے پتھر کی تختیان
ادیم	چمڑا
اکتاف	شانہ کی ہڈیان
اضلاع	پہلو کی ہڈیان
اقتاب	پالان خرد
لوح	لکڑی کی تختی
قرطاس	یونانی لفظ خرتیس Chartes

کا معرب ہے۔ ایک قسم کا کاغذ جو اطالیہ اور یونان مین بنایا جاتا تھا

رق۔ پوست آہو۔ فیروزآبادی کے بیان کے موافق ہر قسم کا دباغت کردہ چمڑا جو تحریر کے کام آسکے۔

صحاق۔ زبان فارسی کے لفظ مہرہ کردہ کا معرب ہے اسکو کپڑے پر نشانہ لگاکر بنایا کرتے تھے۔

قباطی۔ ایک قسم کا سفید و باریک کپڑا جو مصر مین بنایا جاتا تھا۔

بردی۔ قبطی زبان کا لفظ ہے اسکو یونانی مین پاپیرس کہتے ہین۔ ایک درخت کی چھال سے بنایا جاتا تھا جو مصری زبان مین مسار اور فارسی مین لخ کہلاتا ہے۔ یہ درخت پانی مین اگتا ہے اسکی پیدایش مشرقی افریقہ سے مخصوص ہے قدیم زمانے مین مصر مین بہت پیدا ہوتا تھا مگر اب وہان معدوم ہوگیا ہے۔ لیکن ابیسینیا اور نوبہ مین آج بھی پایا جاتا ہے۔ حبشی اسکی شاخون سے بہت عمدہ بوریا بناتے ہین۔

یہ تمام اشیا زمانہ جاہلیت اور نیز اوائل اسلام مین تحریر کے کام آتی تھین۔ اسلام سے پہلے شیعہ معلقہ قباطی پر لکھے گئے تھے[۵۲] حضرت نبی اکرم نے جو عہدنامہ یہود خیبر سے کیا تھا وہ چمڑے پر لکھا گیا تھا، زمانہ سعادت مین قرآن پاک کے آیات عسب۔ لخاف۔ ادیم۔ اکتاف۔ اضلاع وغیرہ پر لکھے جاتے تھے[۵۳] قرآن شریف کا جو نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد مین بصورت مصحف مرتب ہوا تھا اُسکی کتابت قرطاس پر ہوئی تھی[۵۴]

خلافت بنی اُمیہ کے خاتمہ تک لوگ انہین چیزون پر لکھا کرتے تھے، قرطاس۔ قباطی۔ بردی۔ مصر مین تیار ہوتے اور یہین سے تمام دُنیا مین جایا کرتے تھے، قرطاس کی پیشانی پر باسم الاب والابن والروح القدس، لکھا ہوتا تھا۔ جو عیسائیون کا کلمہ تثلیث ہے۔ جب اس امر کی اطلاع عبدالملک بن مروان ۶۵ھ ۔ ۶۸۵ء) کو ہوئی تو یہ امر سخت ناگوار گذرا اور اُسنے مصر کے عامل کو حکم دیا کہ آیندہ سے کلمہ تثلیث کے بجائے کلمہ توحید "شہد اللہ انہ لاالہ الا ھو" لکھا جاے۔ اسی بنا پر قیصر روم اور عبدالملک کے درمیان ایک سخت لڑائی ہوئی تھی[۵۵]

خلفاے عباسیہ کے عہد سے کاغذ کا استعمال شروع ہوا ہے مسلمانون نے ۷۵ھ مین جب سمرقند کو فتح کیا تو وہان کے لوگون سے کاغذ بنانا سیکھا[۵۶] لیکن

۵۱۔ کشف الظنون جلد اوّل صفحہ ۴۶۷ ۵۳۔ صحیح بخاری باب فضائل القرآن ۵۵۔ تاریخ ابن اثیر واقعات ۸۶ھ

۵۲۔ التمدن الاسلامی جلد اوّل صفحہ ۲۶۹ ۵۴۔ کنز العمال جلد اوّل صفحہ ۲۵۷ ۵۶۔ کتاب الہند ابوریحان البیرونی

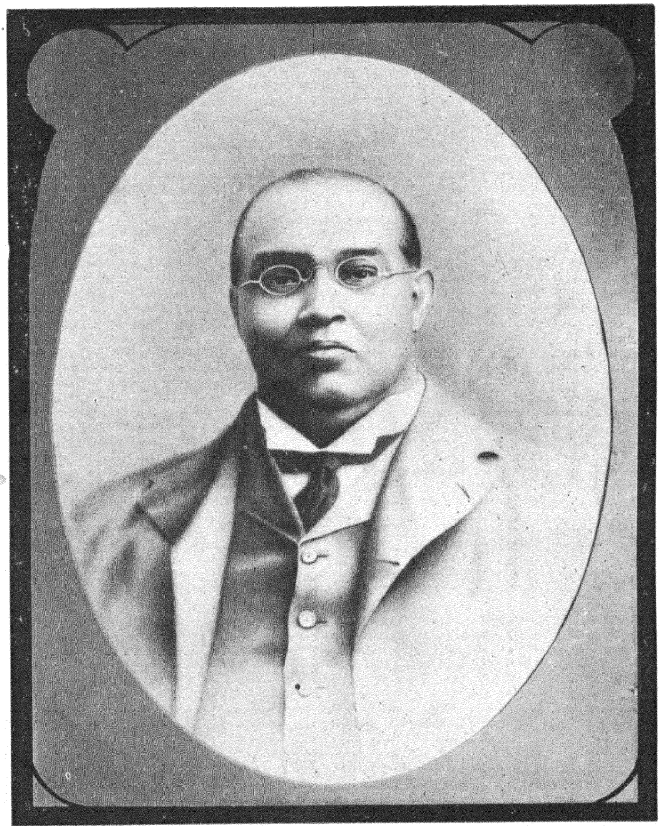

مسٹر رمیش چندر دت -سی- آئی ای

انڈین پریس الہ آباد

خلیفہ ہرون رشید (۱۷۰ھ - ۱۹۳ھ) کے زمانہ مین فضل بن یحیٰی برمکی کے حکم سے تیار ہونے لگا - اور دوسری صدی ہجری تک تمام بلاد اسلام مین رائج ہوگیا اور چمڑے کپڑے وغیرہ پر لکھنا چھوڑ دیا گیا[۱] لیکن بعض لوگ اُسوقت بھی کپڑے کو بہ نسبت کاغذ کے زیادہ پسند کرتے تھے - چنانچہ حکیم ابو نصر فارابی (۳۳۹ھ) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی جسقدر کتابین پائی گئین وہ سب کپڑے پر تھین[۲]

اسی زمانہ مین بڑے بڑے شہرون مین کاغذ سازی کے کارخانے قائم ہو گئے، ابن بطوطہ کے زمانہ مین دمشق مین بیس سے زیادہ کارخانے تھے - یہان کے لوگون نے اس صنعت مین یہانتک ترقی کی تھی کہ کاغذ کا نام بھی یورپ مین کئی صدیون تک کارٹا ڈا ماسکیز Charta Damadcese تھا -

عربون کی تحریرات جو کاغذ پر لکھی ہوئی اسوقت محفوظ ہین انمین سب سے قدیم کتاب غریب الحدیث کا نسخہ ہے جو ۲۵۸ھ کا لکھا ہوا ہے اور لیڈن کے مکتبہ جامعہ مین موجود ہے ایک اور کتاب دیوان الادب برطانیہ کے عجایب خانہ مین ہے جسکی نسبت گمان کیا جاتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے آغاز مین لکھی گئی ہے -

اہل یورپ نے اندلس کے عربون سے کاغذ بنانا سیکھا ہے - شاطبہ - بلنسیہ - طلیطلہ وغیرہ مقامات مین کاغذ سازی کے بڑے بڑے کارخانے موجود تھے جب ان شہرون پر افرنجیون کا قبضہ ہوگیا تو اُنہون نے ان کارخانون کو قائم رکھا اور یہان سے یہ صنعت رفتہ رفتہ تمام ممالک یورپ مین پھیل گئی -

حکیم سید شمس اللہ قادری

رمیش چندر دت

یادگار زمانہ ہین یہ لوگ
یادرکھو فسانہ ہین یہ لوگ

لارڈ میکالے نے کہین لکھا ہے کہ "جو لوگ اپنے اسلاف کے کارنامون کو فخر کے ساتھ یاد نہین کرتے اور اُنکو اپنا مایۂ ناز نہین سمجھتے وہ خود کبھی کوئی ایسا کام نہ کرینگے جو اُنکے بعد یاد رکھے جانے کے قابل ہو" دوسرے ممالک اور دوسری اقوام نے اس امر کے متعلق کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہین کہ ہندوستان کے باشندون پر چاہے وہ ہندو ہون یا مسلمان اپنے بزرگون کی احسان فراموشی کا الزام نہین لگایا جا سکتا - بلکہ برخلاف اسکے ہمارا طرز معاشرت اور ہمارا مذہب اس قسم کا ہے کہ اگر ہم ضرورت سے زیادہ اسلاف پرستی کے ملزم ٹھہرائے جائین تو شاید زیادہ صحیح ہوگا -

اُنیسوین صدی مین جو یا کچھ حیرت انگیز تغیر ہمارے ملک مین ہوا ہے وہ محتاج بیان نہین اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی مانا جاتا ہے کہ اس تغیر نے ہندوستانیون کی زندگی کے

---

[۱] - فہرست ابن ندیم صفحہ ۴۰

[۲] - تاریخ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۵۰

ہر صیغہ مین ایک نئی روح پھونک دی ہے اور ایک حد تک ہمکو دنیا کی بڑھی چڑھی قومون کے قدم بقدم چلنے کے قابل بنادیا ہے۔ ملکی معاملات ہون یا مذہبی۔ سوشل اصلاح کا صیغہ ہو یا سیاست مدن کا۔ ہر طرف ہمکو نئی روشنی اور جدید کوششون کے آثار نظر آرہے ہین۔ اسمین شک نہین کہ اس تغیر کے پیدا کرنے مین بہت بڑا حصہ ان مجموعی قوتون کا ہے جنکو مشرقی حکما "زمانہ" کے نام سے موسوم کرتے ہین اور جو اہل فرنگ کے یہان Spirit of the Age کہلاتی ہین۔ لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی ماننا پڑیگا کہ زمانہ کو اُن مقتدر بزرگون سے بھی بہت بڑی مدد ملی جنکو زمانہ ہی نے پیدا کیا اور اپنی قوت اور سعی کے اظہار کا آلہ بنایا اور اسی وجہ سے بقول حضرت آبر

سُننے کے قابل آج بھی اُنکا فسانہ ہے

ہم ہندوستان کے انہین سعادتمند بیٹون مین سے ایک کے حالات آج ہدیۂ ناظرین کرتے ہین۔

مسٹر رمیش چندر دت ۱۳۔ اگست ۱۸۴۸ء کو کلکتہ مین پیدا ہوئے۔ اُنکا خاندان بنگال کے نامور خاندانون مین شمار ہوتا تھا۔ اُنکے پردادا کلکتہ کے سربرآوردہ رؤسا مین سے تھے۔ انکے والد کے چچا رسمئے دت کلکتہ کے سنسکرت کالج کی پرنسپلی اور عدالت خفیفہ کی ججی کے اعلیٰ عہدون پر ممتاز تھے۔ بنگال کی مشہور و معروف شاعرہ مس تورو دت جنکے انگریزی کلام نے انگلستان کے اہل سخن کو حیرت مین ڈالدیا تھا اور جنکی تعریف مین مسٹر اڈمنڈ گاس کا سا نامور نقاد سخن رطب اللسان ہے آپکی چچیری بہن تھین اسکو اتفاق زمانہ کہئے یا مشیت ایزدی کہ پیدا ہونے کے چند ہی سال بعد والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور رمیش دت ایسے دُرشا ہوا کو بچپن ہی سے گردقیمی مین مبتلا ہونا پڑا۔ اسکول اور کالج کی تعلیم چچا کے زیر نگرانی ہوئی اور گو انٹرنس اور ایف۔ اے۔ کے امتحان نہایت کامیابی کے ساتھ پاس کرلئے۔ لیکن۔ بی۔ اے مین مایوسی کا تلخ مگر سبق آموز تجربہ اُٹھانا پڑا۔ تاہم ہم تو اس ناکامیابی کو کامرانی سے تعبیر کرتے ہین کیونکہ۔ بی۔ اے۔ مین فیل ہوتے ہی مسٹر دت نے انگلستان جانیکی ٹھان لی۔

۳۔ مارچ ۱۸۶۸ء کا دن ہندوستان جدید کی تاریخ مین یادگار رہے گا کیونکہ اس دن کلکتہ سے تین بنگالی لڑکے پہلے پہل انگلستان کیطرف تعلیم کی غرض سے روانہ ہوے اور انمین سے تینون نے اپنے اپنے صیغے مین ایسے ایسے کارنمایان کئے کہ جنکی داستان شاہراہ ترقی پر آیندہ نسلون کی رہنمائی کریگی۔ یہ تین لڑکے کون تھے اول مسٹر سرندرو ناتھ بنرجی جنکے نام سے آج ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے اور جنکی آتش بیانی کا سکہ ہندوستان سے لیکر انگلستان تک بیٹھا ہوا ہے۔

اللہ رے صفائے بیانِ حدیث دوست
دم بند ہے فصاحت اہل فرنگ کا

دوسرے مسٹر بہاری لال گپتا جنہون نے بنگال کی سول سروس مین بورڈ آف ریوینیو کی ممبری کا مرتبہ حاصل کیا اور جنکو لفٹنٹ گورنری محض ہندوستانی ہونیکی وجہ سے نہین ملی۔ یہ شاید ادیب کے ناظرین مین سے کم کو معلوم ہوگا کہ البرٹ بل آپ ہی کی ذات سے وجود مین آیا تھا۔ آجکل آپ انڈیا کونسل کے ممبر ہین اور ان اصلاحات کی تجویز و تدوین مین جنکی کامیابی کے ساتھ ہندوستان کی پولیٹیکل اُمیدین

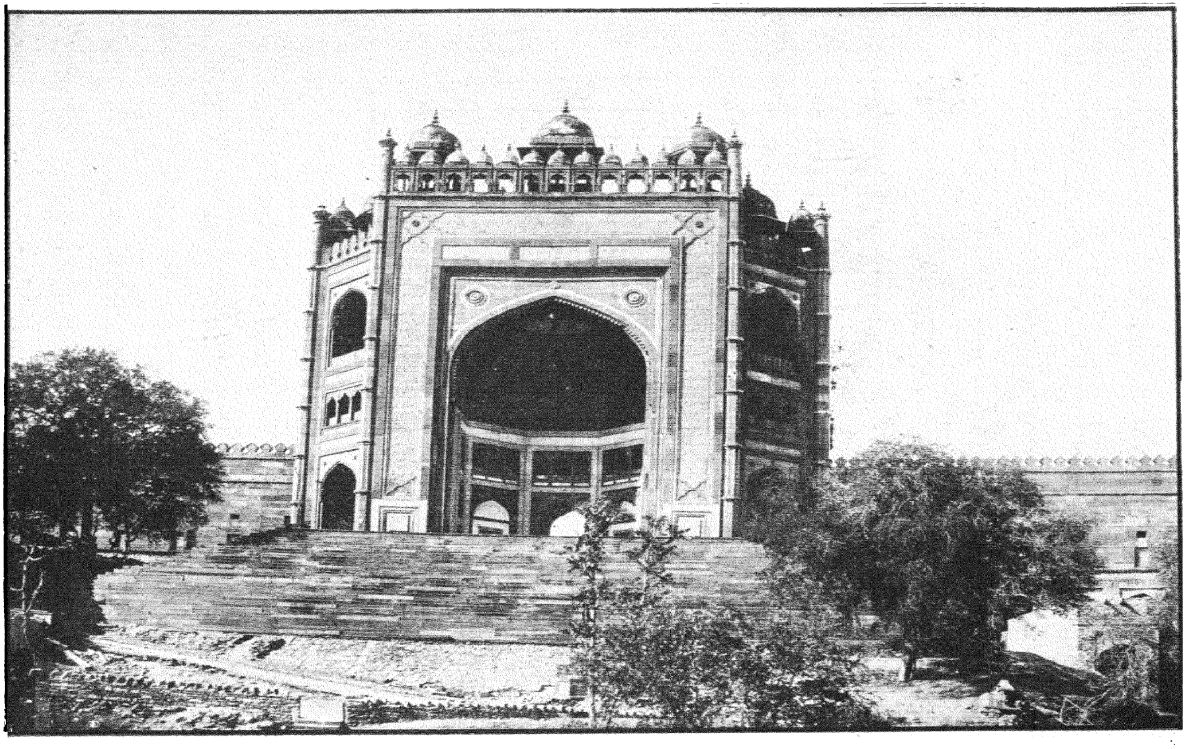

بلند دروازہ - فتحپور سیکری

وابستہ ہین آپ کے راے اور آپ کے مشورہ کو بہت کچھ دخل رہا ہے
تیسرے مسٹر دت جنکی زندگی کے مفصّل حالات اس مضمون مین
بیان کئے جائینگے۔

اُس زمانہ مین ہندوستانی طلبار کے لئے انگلستان کا
جانا ہفتخوان رستم کے طے کرنے سے کم نہ تھا اور آج ہم اُن دقتون
کا خیال بھی نہین کرسکتے جو چالیس برس اُدھر انگلستان جانیوالون
کی سدّراہ ہوتی تھین۔ سرندرو ناتھ بنرجی کو تو اُنکے والد نے
ولایت جانے کی اجازت دیدی تھی لیکن مسٹر گپتا اور مسٹر دت
بلا اجازت والدین چپکے سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے تھے
اور سُنا ہے کہ اسیوجہ سے جہاز مین جو کمرے کرایہ پر لئے گئے
تھے اُنمین اُن دونون صاحبون کا نام ظاہر نہین کیا گیا تھا۔
بلکہ "سرندرو ناتھ بنرجی اور اُنکے دو دوستون" کے نام
سے لئے تھے۔ انگلستان پہونچکر تینون صاحبون نے
سول سروس کے لئے پڑھنا شروع کیا اور ۱۸۶۹ء کے امتحان
مین شریک ہوکر کامیابی حاصل کی۔ اس امتحان مین ایکسو
کے قریب انگریز شریک تھے مگر باوجود اسکے مسٹر دت کا
نمبر کامیاب اُمیدوارون مین تیسرا تھا۔ سنسکرت مین آپ
اوّل تھے اور انگریزی لٹریچر کے مضمون مین دویم۔

۱۸۷۱ء سے ۱۸۸۲ء تک مسٹر دت بنگال کے مختلف
اضلاع مین کام کرتے رہے۔ ۱۸۷۶ء مین بنگال کے جنوبی
اور شرقی حصّے مین بڑے غضب کا طوفان گیا۔ اندازہ کیا گیا
ہے کہ اس طوفان کیوجہ سے ایک لاکھ جانین تلف ہوئین
اور ان اضلاع مین ہر طرف ایک نہلکہ مچ گیا۔ ان مقامات مین
سے جنکو طوفان نے تباہ کیا تھا ایک جزیرہ شہباز پور نامے
دریاے گنگ کے دہانہ پر ہے طوفان کے خانمہ پر اسکی دستی
اور انصرام مسٹر دت کے سپرد ہوا۔ کہتے ہین کہ جزیرہ کی وہ حالت
تھی جو کسی بڑی گھمسان لڑائی کے بعد میدان جنگ کی ہوتی ہے
ہر طرف لاشین ہی لاشین نظر آتی تھین۔ ہر جانب بدامنی پھیلی
ہوئی تھی۔ جو لوگ مرگئے تھے اُنکا مال و اسباب بدمعاش
لوٹا کرتے تھے طوفان کے بعد ہیضہ نے سمندر نا زیبا
کا کام کیا تھا۔ سمندر کی طغیانی نے فصل کا ستیاناس کردیا تھا
اور طوفان و ہیضہ کے علاوہ قحط کی مصیبت لوگون کو ستا رہی تھی۔
لیکن مسٹر دت نے ان تمام دقتون کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور
انکے حُسن انتظام سے شہباز پور والون کی مصیبتین بہت جلد
دور ہوگئین۔ گیارہ برس بعد مسٹر دت کلکٹری کے عہدے
پر متعین کئے گئے۔ اُسوقت تک کسی ہندوستانی کو یہ عہدہ
نہین ملا تھا اور انگریزی حکام کا عموماً یہ خیال تھا کہ ہندوستانی
اس عہدے کی ذمہ داریون کا بار نہین اُٹھا سکتے جب مسٹر دت
کا نمبر آیا تو اُمیدو بیم کی حالت تھی۔ بعض کا خیال تھا کہ ہندوستانی
کو کلکٹری کبھی نہین ملیگی۔ بعض کہتے تھے کہ نہین کم ازکم ایک
ہندوستانی کو کلکٹر مقرر کرکے آزمانا تو چاہیے۔ آخر کار آخرالذکر
راے کو غلبہ رہا اور ہماری خوش قسمتی سے مسٹر دت امتحان مین
پورے اُترے۔

بنگال کے صوبہ مین برلیسال کا ضلع جسکو باقرگنج بھی
کہتے ہین اور جسکا نام آجکل کی شورش مین اکثر سُننے مین آتا
ہے سب سے زیادہ شریر اور سرکش سمجھا جاتا ہے مسٹر دت
۱۸۸۳ء سے ۱۸۸۵ء تک اس ضلع کے کلکٹر رہے۔ یہ وہ
زمانہ تھا کہ جب بنگال مین البرٹ بل کا ہنگامہ برپا تھا لیکن
مسٹر دت نے اپنی لیاقت اور کوشش سے نہ صرف اپنے تمام
انگریز ماتحتون کو راضی رکھا بلکہ اُنکے دوران حکومت مین اُن

جھگڑے بکھیڑوں کی تعداد بھی بہت کم رہی جنکے واسطے باقر گنج بدنام ہے۔ چنانچہ جب لارڈ رپن جو اس زمانہ مین وایسرائے تھے ہندوستان سے چلنے لگے تو اُنھون نے مسٹر دت کو بُلوا کر اُنکی اس کامیابی پر مبارکباد دی اور کہا کہ تمہاری کارگذاری کا حال انگلستان والوں کو معلوم ہونا چاہیے تاکہ پھر کبھی کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہندوستانی اس مشکل کام کو سرانجام نہین کرسکتے۔ شک ہے کہ ۱۸۸۵ء کے بعد سے معرضین کی زبانین بند ہوگئین اور پھر کسی نے کمزوری اور بد لیاقتی کا بہتان ہندوستانی سویلینون پر عائد نہین کیا۔

یہ بالکل سچ ہے کہ غیرون کی مخالفت کرنیکے بہ نسبت اپنون کی مخالفت کرنا زیادہ مشکل ہے۔ پنشن لینے کے بعد جب مُرخاموشی لوٹی تو مسٹر دت نے کانگرس مین شریک ہوکر اکثر سرکاری تجاویز کی مخالفت کی لیکن ساتھ ہی اسکے یہ امر قابل غور ہے کہ اُنھون نے جب کبھی اپنے ملک والون کو غلطی مین پڑا ہوا دیکھا تو اُنکی مخالفت کرنے سے بھی دریغ نہین کیا۔ چنانچہ بنگال کے اوائل زمانۂ ملازمت مین اُنکی توجہ اس صوبہ کے کاشتکارون کی خراب حالت کی طرف منعطف ہوئی تھی۔ بنگال مین یون تو بندوبست استمراری جاری تھا اور زمیندار مگر اس سے فائدہ محض بڑے بڑے زمیندار اُٹھاتے تھے۔ جو کچھ وہ سرکار کو دیتے تھے اُسمین بیشی نہین ہوسکتی تھی لیکن اپنے یہان کاشتکارون پر وہ بلا روک ٹوک اضافہ کرسکتے تھے اور غریب کاشتکارون کے لئے اس زبردستی سے بچنے کی کوئی تدبیر نہ تھی اور نہ کوئی قانون اُنکا محافظ تھا۔ مسٹر دت یہ کہتے تھے کہ جسطرح سے مالگذاری کو استقلال ہے سیطرح لگان کو بھی کچھ استقلال ہونا چاہیے اور اسکی کمی وبیشی محض زمیندار کی مرضی پر منحصر نہ ہونی چاہیے۔ بلکہ اسکے لئے ضوابط مقرر ہونا چاہئین۔ مسٹر دت نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی جسپر اسوقت تو کچھ زیادہ توجہ نہین ہوئی مگر آخر کار لارڈ ڈفرن کے زمانہ مین گورنمنٹ کو ۱۸۸۵ء کا قانون کاشتکاران بنگالہ (Bengal Tenancy Act) پاس کرنا پڑا۔ اس قانون کے پاس ہونے کے بعد ۱۸۸۶ء مین مسٹر رمیش چندر رخصت لیکر مع اپنی بیوی بچون کے ولایت تشریف لیگئے۔ رخصت سے واپسی پر اُنکی تعیناتی بردوان مین ہوئی بعد ازان وہ دیناج پور اور مدنا پور مین کلکٹری کرتے رہے اور ۱۸۹۲ء مین آپ کے حسن خدمات کے عوض مین سرکار کے طرف سے سی۔ آئی۔ ای۔ کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۸۹۳ء مین اُنکی کمشنری کی باری آئی اور کلکٹری کے معاملہ مین جو اُمید وبیم کی حالت تھی اُسکا اب پھر اعادہ ہوا۔ مسٹر دت بائیس برس نہایت لیاقت اور نیک نامی کے ساتھ سول سروس مین ملازمت کرچکے تھے اور اُنکی عالی دماغی اور کارگذاری کی گورنمنٹ قدر کرتی تھی۔ تاہم چونکہ ابھی تک کوئی ہندوستانی اس جلیل القدر عہدے پر ممتاز نہین ہوا تھا اسوجہ سے لوگون کو خوف تھا کہ مسٹر دت کو کمشنری سے محروم رکھا جائیگا۔ سُنا جاتا ہے کہ یہ معاملہ لندن مین انڈیا کونسل کے سامنے پیش ہوا اور وہان سے یہ طے ہوا کہ جب مسٹر دت کی باری آئے تو وہ کمشنر مقرر کئے جائین۔ چنانچہ ۱۸۹۴ء مین مسٹر دت کو بردوان کی کمشنری عطا کیگئی اور وہ صوبہ بنگال کی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی مقرر کئے گئے۔ بردوان سے اُنکا تبادلہ اُڑیسہ کو ہوا اور ۱۸۹۶ء مین اُڑیسہ کی کمشنری سے مسٹر دت نے پنشن لی۔

مسٹر دت نے جس قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی

کوادا کیا وہ محتاج بیان نہین۔ ظاہر ہے کہ بلا غیر معمولی لیاقت اور محنت کے اُسوقت کسی ہندوستانی کے لئے کشمری کا جلیل القدر عہدہ حاصل کرنا غیر ممکن تھا۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ لارڈ رپن نے مسٹر دت کو طلب کر کے باقر گنج کے حُسن انتظام کی اُنسے تعریف کی تھی۔ قانون کاشتکاران بنگال کا مسودہ تیار کرنے مین سر اسٹنی میکڈانل کو جو اس زمانہ مین گورنمنٹ بنگال کے مشیر مال تھے اور جنکے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی مسٹر دت سے بڑی مدد ملی جسکا اعتراف اُنکی طرف سے گورنمنٹ گزٹ مین کیا گیا۔ لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کے فرائض مسٹر دت نے جس لیاقت سے ادا کئے اُسکی ثنا وصفت بنگال کے لفٹنٹ گورنر سر چارلس الیٹ نے کئی مرتبہ بکشادہ پیشانی کی۔ لیکن ان باتون کا مجھکو تعجب نہین کیونکہ وہ سویلین تھے اور ان فرائض کو ادا کرنا اُنکی روزانہ زندگی کا ایک حصہ تھا۔ ہان یہ امر البتہ قابل غور ہے کہ اسی زمانہ ملازمت مین اُنہون نے مطالعہ اور تصنیف کا سلسلہ نہایت سرگرمی کے ساتھہ جاری رکھا کاشتکاران بنگال کے متعلق جو کتاب اُنہون نے اپنے اوائل زمانہ ملازمت مین لکھی تھی اُسکا ذکر ہم کر چکے ہین۔ اسی زمانے مین اُنہون نے یوروپ کا ایک سفر نامہ بھی لکھا تھا مگر یہ دونون کتابین انگریزی مین تھین۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بنگالی علم ادب کے میدان مین بنکم چندر چٹرجی کا دور دورہ تھا اور یہ نامور مصنف اپنے جادو نگار قلم سے بنگالی زبان مین ایک تازہ روح پھونک رہا تھا۔ مسٹر دت سے اُنسے دوستی تھی۔ ایک روز کلکتہ مین ان دونون صاحبون سے ملاقات ہوئی۔ بنکم چندر نے اپنے نوجوان دوست سے کہا کہ تم بنگالی زبان مین کیون نہین لکھتے۔ مسٹر دت نے جواب دیا کہ بنگالی مین مین کیونکر لکھون مجھکو زبان پر عبور نہین ہے۔ بنکم چندر نے جواب دیا کہ زبان کی فکر نہ کرو تم ایسے تعلیم یافتہ شخص کے قلم سے جو نکلے گا وہی زبان ہے۔ مسٹر دت نے اس مشورہ پر عمل کیا اور ۱۸۷۴ء اور ۱۸۸۶ء کے درمیان مین چار تاریخی ناول لکھے جنکا شمار بنگالی علم ادب کے اعلیٰ تصانیف مین ہے۔ ان مین سے ایک یعنے

(The Slave Girl of Agra)

کا ترجمہ حال مین انگریزی مین ہوا ہے اسکے علاوہ مسٹر دت کے ایک اور شاہکار ناول (The Lake of Palms) کا بھی انگریزی ترجمہ ہوگیا ہے اور جو لوگ بنگالی نہین جانتے ہین وہ بھی اُنکو پڑھکر لطف اُٹھا سکتے ہین۔

لیکن مسٹر دت نے فسانہ نویسی ہی پر اکتفا نہین کی۔ بنگالی زبان مین شاید اُنکا سب سے اہم کام وید کا ترجمہ ہے۔ چودہ برس نوکری کرنے کے بعد ۱۸۸۵ء مین اُنہون نے دو برس کی رخصت لیکر چند فاضل پنڈتون کی مدد سے رگ وید کے منتون کا ترجمہ شروع کیا۔ جب یہ خبر عام طور سے مشہور ہوئی تو مسٹر دت کی سخت مخالفت کیگئی کیونکہ بنگال کے تاریک خیال لوگ اس بات کو برداشت نہین کر سکتے تھے کہ وید ایسی مقدس کتاب کا ترجمہ عوام کی زبان مین ہو۔ اور وہ بھی ایک غیر برہمن کے ہاتھون۔ بنگالی اخبارون مین بیہودہ مضمون اسکے متعلق چھپے اور جاننے والے کہتے ہین کہ مسٹر دت کی اس تجویز کی مخالفت دقیانوسی گروہ کیطرف سے اُسی زور شور سے کیگئی جیسی ایشور چندر ودیا ساگر کی مسئلہ ازدواج بیوگان پر کیگئی تھی۔ لیکن مسٹر دت باوجود اس طوفان بے تمیزی کے اپنا کام خاموشی اور استقلال سے

کرتے رہے اور ۱۸۷۷ء مین ولایت کی روانگی کے قبل اس کام کو ختم کر دیا۔ چنانچہ اسوقت بنگالی زبان مین یہی ترجمہ مستند اور مکمل مانا جاتا ہے۔ رگ وید کا ترجمہ کرتے ہوئے مسٹر دت کو ہندوستان قدیم کی تاریخ لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ رخصت سے واپس آکر جب وہ ہمین سنگھ کی کلکٹری پر متعین کئے گئے تو اُنھون نے اس کام کو شروع کیا۔ ہمین سنگھ کا ضلع کام کی زیادتی کے لئے مشہور ہے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مسٹر دت کو سرکاری کام سے ایک منٹ کی فرصت نہ ملتی تھی۔ تاہم اس تاریخ کی تصنیف کا اُنہین اسقدر شوق تھا کہ دن بھر کی محنت شاقہ کے بعد آدھی رات تک اسمین منہمک رہتے تھے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا تھا کہ تاریخ کا کام کرتے کرتے ساری رات گذر جاتی تھی اور انکو اُسوقت خبر ہوتی تھی جب صبح صادق کی روشنی کمرے مین داخل ہوکر چراغ کی روشنی کو ماند کرنے لگتی تھی۔ جغرافیہ دان جانتے ہین کہ مشرقی بنگال مین دریاؤن کا جال پھیلا ہوا ہے اور اکثر دیہات مین جانے کے لئے دریائی سفر کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ جب مسٹر دت برسات مین دورہ پر جاتے تھے تو اُنکی ساری کشتی قلمی نسخون، کتابون اور پروف کے اوراق سے پُر ہوتی تھی۔ آخر کئی برس کی سخت محنت کے بعد یہ کتاب تین جلدون مین تیار ہوئی اور اسکا نام تمدن ہندوستان قدیم

(Civilization in Ancient India)

رکھا گیا۔ مسٹر دت کی تصنیف نہایت مقبول ہوئی جسکا ثبوت یہ ہے کہ انگلستان اور ہندوستان مین بار بار چھپتی ہے اور بک جاتی ہے یہ سچ ہے کہ اسکے بعض آرا سے مستشرقین کو اتفاق نہین ہے اور اسمین زمانۂ حال کی تاریخی تحقیقات کے مسائل شامل نہین ہین۔ تاہم عوام کی دلچسپی کے لئے جو باتین ہونی چاہئین وہ سب اسمین موجود ہین۔ اور طلبا کے لئے یہ کتاب خصوصاً مفید ہے۔ مسٹر دت کی علمی خدمات مین دو اور کتابون کا ذکر کر دینا ضروری ہے۔ پنشن لینے کے بعد مسٹر دت انگلستان جاکر کئی سال تک رہے اور قیام انگلستان کے زمانہ مین اُنھون نے مہابھارت اور رامائن کا انگریزی نظم مین ترجمہ کیا۔ مسٹر دت کے مہابھارت کے ترجمہ کے ساتھ یوروپ کے نہایت مشہور مستشرق پروفیسر ہیکس مولر کا ایک چھوٹا سا دیباچہ شامل ہے۔ کسی غیر زبان کی نظم کی تصنیف کی دقتین اہل خرد سے مخفی نہین تاہم انگریزی کے سخن شناس جانتے ہین کہ مسٹر دت نے اس صنف مین بھی جو کچھ کیا اچھا کیا اور مغرب مین اُنکی ان تصانیف کی خاطر خواہ قدر دانی ہوئی اور اُنکی یہ غرض کہ یوروپ والون کے سامنے ہندوستان کی رزمیہ شاعری کے نمونے پیش کئے جائین بخوبی حاصل ہوگئی۔ اس موقع پر اس امر کا اظہار کر دینا خالی از دلچسپی نہوگا کہ زمانۂ قیام انگلستان مین لندن یونیورسٹی نے مسٹر دت کو اپنے یہان تاریخ ہندوستان کا لکچرر مقرر کیا اور آپ کئی برس تک اُس یونیورسٹی کے طلبا اور انڈین سول سروس کے اُمیدوارون کو تاریخ ہند پڑھاتے رہے۔

مسٹر دت نے ۲۶ برس نوکری کرکے پچاس برس کی عمر مین پنشن لیلی۔ اگر وہ چاہتے تو اور کئی برس تک نوکری کر سکتے تھے۔ مگر انکو یہ دُھن تھی کہ سرکاری ملازمت کی قید سے آزاد ہوکر ملک کی علمی اور پولٹیکل خدمات کیجاے۔ چنانچہ ہم اُنکی علمی خدمات کا مفصل ذکر اوپر کر چکے ہین۔ ۱۸۹۶ء سے لیکر ۱۹۰۴ء تک مسٹر دت کا قیام زیادہ تر لندن مین رہا اس زمانہ مین علاوہ

راماین اور مہابھارت کے انگریزی تراجم اور لندن یونیورسٹی کی پروفیسری کے مسٹر دت۔ مسٹر دادابھائی نوروجی اور مسٹر ڈبلو سی بنرجی کے ساتھ اُنکے کام مین شریک رہے اور اُس زمانے کی پولیٹکل سعی وکوشش مین ان محبان وطن کا برابر ہاتھ بٹاتے رہے۔ مسٹر دت کی تقریرین ہندوستان اور انگلستان دونون جگہہ شوق سے سُنی اور پڑھی جاتی تھین اور اُنکی قدر خاصکر اسوجہ سے ہوتی تھی کہ بجاے محض فصاحت وبلاغت کے اُنمین واقعات اور سرکاری ملازمت کے تجربہ کی مدد سے دلائل اخذ کئے جاتے تھے۔ ۱۸۹۹ء مین مسٹر دت لکھنؤ کانگرس کے پریسیڈنٹ مقرر ہوئے اور جس خوبی سے اُنہون نے اس مہتم بالشان منصب کے اہم فرائض کو ادا کیا اُسکو سب کانگرس والے جانتے ہین۔ مسٹر دت کی اسپیچ کانگرس کی اسپیچون مین یادگار ہے۔ اس اسپیچ مین مسٹر دت نے مالگذاری کے مسئلہ پر نہایت قابلیت کے ساتھ بحث کی تھی۔ کانگرس کا اجلاس ختم ہونے کے بعد مسٹر دت کلکتہ تشریف لے گئے اور لارڈ کرزن سے ملکر اپنے اغراض کو دوسرے کے سامنے پیش کیا۔ پہلی غرض یہ تھی کہ مالگذاری کی ایک واجبی حد مقرر کردیجاوے اور دوسری یہ کہ ملازمت سرکاری مین ہندوستانیون کو زیادہ حصہ دیا جاوے۔ اس زمانہ مین مسٹر دت کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ سیاست مدن اور اقتصادی مسائل کے متعلق ہندوستان کی تاریخین قریب قریب خاموش ہین اور جو لوگ ان مسائل پر معلومات حاصل کرکے غور وخوض کرنا چاہتے ہین اُنکو مطالعہ کیلئے مناسب کتابین نہین ملتین۔ چنانچہ اُنہون نے بہت کچھ مسالہ جمع کرکے دو جلدون مین ہندوستان کی ایک اقتصادی تاریخ (Economic History) انگریزی مین لکھی جسمین ۱۷۵۷ء سے لیکر ۱۹۰۰ء تک کے حالات بیان کئے گئے ہین اور ہندوستان کی حالت پر سیاست مدن کے مختلف پہلوؤن سے بحث کیگئی ہے۔ مسٹر دت کی یہ تصنیف تعلیم یافتہ طبقہ مین نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اور اصل یہ ہے کہ ہر لکھے پڑھے آدمی کے لئے جسکو ملکی معاملات سے کچھ بھی دلچسپی ہو اس کتاب کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔

۱۹۰۴ء مین مسٹر دت انگلستان سے ہندوستان واپس آئے اور اُنکی واپسی کے چند ہی روز بعد مہاراجہ گیکواڑ نے اُنکو ریاست بڑودہ کا قلمدان وزارت سپرد کیا۔ ظاہر ہے کہ جس ریاست مین مہاراجہ سیاجی راؤ ایسا ہمدرد اور عالیدماغ حکمران اور مسٹر رومیش چندر دت کا سا لایق اور تجربہ کار دیوان ہوگا اُسکی ترقی کا کیا کہنا۔ اگر اسکا مفصل حال پڑھنا ہو تو مسٹر دت کی واضح اور مدلل سالانہ رپورٹین دیکھئے۔ مین مجملاً اسقدر عرض کرسکتا ہون کہ (۱) مسٹر دت کے دور وزارت مین قریب تیس لاکھ کے بقایا مالگذاری معاف کردیگئی اور محصول موقوف کردئے گئے۔ پرمٹ اور جنگل کے اکثر ٹیکس منسوخ کئے گئے اور اُنکے عوض خوش حال لوگون پر انکم ٹیکس لگایا گیا (۲) وہ حکام جو عاملانہ (Executive) فرایض ادا کرتے ہین عدالت کے کام سے بالکل سبکدوش کردئے گئے اور اسوقت بڑودہ مین جو حاکم دیوانی اور فوجداری کے مقدمات کا تصفیہ کرتے ہین اُنکو پولیس یا دیگر انتظامی سرشتون سے مطلق تعلق نہین ہے۔ (۳) ہر گاؤن مین اُسکے انتظام کے لئے پنچایت قائم کیگئی ہے۔ ہر تحصیل یا تعلقہ مین کئی کئی حلقے قائم کئے گئے ہین اور ان حلقون مین جسقدر گاؤن ہین اُنکو

تحصیلی بورڈ مین ممبر انتخاب کرنیکا حق عطا کیا گیا ہے۔ تعلقے یا تحصیل کے بورڈ کے ممبر ضلع کے بورڈ کے ممبرون کا انتخاب کرتے ہین۔ ان مختلف کمیٹیون کیلئے خاص خاص محاصل کی آمدنی وقف کردیگئی ہے اور اس آمدنی کو خرچ کرنے کا انکو اختیار حاصل ہے۔ کُل ریاست کا انتظام ایک انتظامی (Executive) کونسل کے سپرد ہے اور اسکے علاوہ قانون بنانے کے لئے لیجسلیٹو کونسل علیحدہ ہے۔

بڑودھ مین تین برس تک کام کرکے مسٹر دت کو رخصت لینا پڑی کیونکہ سکریٹری آف اسٹیٹ نے انکو ڈی سینٹرالی زیشن کمیشن (Decentralization Commission) کا ممبر مقرر کردیا۔ اس کمیشن کا منشا یہ تھا کہ ہندوستان بھر مین گھوم کر اس امر کی تحقیقات کرے کہ آیا یہ مناسب ہے کہ حکام ضلع اور مختلف سرشتون کے افسرون کے اختیارات اور وسیع کئے جائین اور میونیسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈون کو مزید اختیارات عطا کئے جائین۔ مسٹر دت قریب دو برس تک اس کمیشن کی ممبری کا کام کرکے مارچ ۱۹۰۹ء مین بڑودھ واپس آئے اور وہان کی رعایا کو یہ پوری اُمید تھی کہ وہ اپنے حسن انتظام سے اُسکو ابھی بہت کچھ نفع پہونچائینگے۔ لیکن مشیت یزدی کی کسی کو خبر نہ تھی مسٹر دت کو بڑودھ واپس آئے صرف چند ہی روز ہوئے تھے کہ یکایک بیمار ہوئے اور صرف چند روز علیل رہکر ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۹ء کو اس سرائے فانی سے رحلت کرگئے۔

یون تو مسٹر رمیش چندر دت کی اعلیٰ قابلیت آزادخیالی اور حُب الوطنی ہر طرح قابل ستایش ہے اور اُنکی زندگی کے کارنامے ہر طرح ہمارے لئے شمع ہدایت کا کام دیتے ہین لیکن ایک خاص امر جسکی طرف ہم ناظرین کو توجہ دلانا چاہتے ہین۔ وہ انکا علمی شوق ہے۔ جس روز سے وہ سول سروس مین داخل ہوئے اور جس دن تک وہ مرے مطالعہ اور تصنیف کا کام برابر جاری رہا۔ میرے دوستو! اس لحاظ سے اس عالیدماغ مدبر اور حبیب وطن کی زندگی غایت درجہ قابل رشک و تقلید ہے۔ ساری عمر ملازمت مین گذری اور ملازمت بھی کیسی بنگال کی سول سروس اور بڑودھ کی دیوانی۔ لیکن پڑھنے لکھنے کا شوق ہمیشہ قائم رہا۔ اور کلکٹری کمشنری اور وزرات کے تفکرات کے باوجود اور اُن سخت ذمہ داری کے مناصب کے فرائض شاقہ کی انجام دہی کے بعد انگریزی اور بنگالی دونون زبانون مین اعلیٰ درجہ کی تصانیف اپنی یادگار چھوڑ گئے۔ تاریخ۔ سیاست۔ مدن۔ فسانہ نویسی۔ تراجم۔ پالیٹکس۔ ہر صنف مین کچھ نہ کچھ لکھا اور جو کچھ لکھا خوب لکھا۔ خداوند کریم ہملوگون کو بھی ایسی ہی توفیق عطا فرمائے۔

وامدیو شاستری

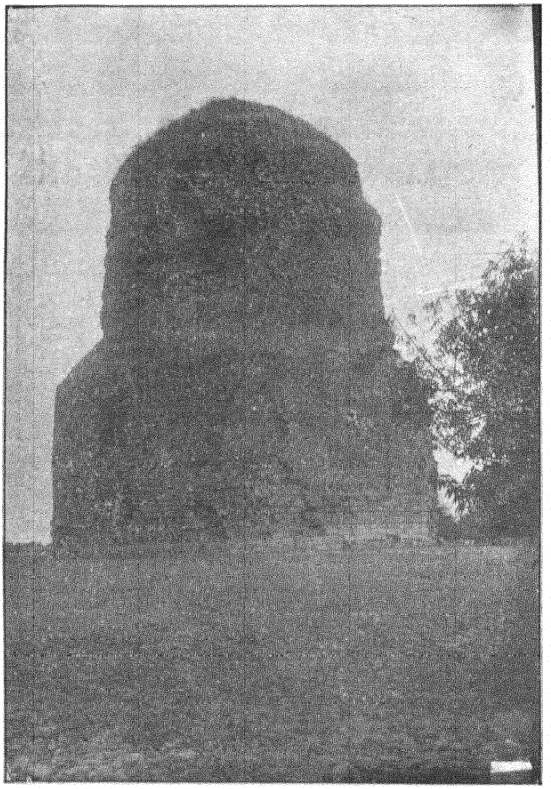

دھامک - واقع سر ناتھ متصل بنارس

انڈین پریس الہ آباد

کلامِ اکبر

گر جاتے ہین ہم خود اپنی نظر سے تم یہ ہے
بدلجاتے تو کچھ رہتے سہتے جاتے ہین غم یہ ہے

طریق نو کو تو سمجھا ہے کیا منزل ترقی کی
نگاہ پیش بین میں جادۂ راہِ عدم یہ ہے

تحمل نالہ و فریاد کا اُن سے کہان ممکن
تموّج بحر ہم مری افسردگی پر منقسم یہ ہے

نہ ہیجری کا شکوہ ہے نہ ہے سوزِ غمِ فرقت
تغافل آپ سے کیون ہو گیا رنج والم یہ ہے

نشان اپنے مٹے جاتے ہین دنیا سے نامون مین
تماشا دیکھو صلیت تو وہ ہے اور بھرم یہ ہے

کہان تک رشکِ اکبر ساقی بزم حریفان پر
سبغالو دلکو قم پینے تمہارا جام جم یہ ہے

غریب و ناتوان ہون کیون مدد کرنے لگا کوئی
مگر یہان مقتضائے ہمتِ اہل کرم یہ ہے

ہجوم کرمک شب تاب سے کیا نفع ہے ہمکو
کوئی کہدے کہ قسمے دعا یہ ہے کہ خود چمکو

غزل

(از مولینا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم - پروفیسر عربی نظام کالج)

بہان نکہتِ گل ساتھ ہم صبا کے چلے
ہے آشنا وہ جو کہنے پہ آشنا کے چلے

فضائے دیر مین ہم مثل برق آکے چلے
تڑپ کے کاٹ دیا وقت سکرا کے چلے

رواروی مین ہین ہم سن لو قافلے والو
کہ جسکو ساتھ ہو دنیا قدم اُٹھا کے چلے

نمود عشق سپیری ہوا اجل آئی
چراغ صبح تھے گویا کہ جھلملا کے چلے

نثار ہو جیئے اُس دل پہ ہو جو صاحب درد
وہ پانون چومے جو اسے جاوے یہ جو فا کے چلے

سنا ہے برق کو اک لاگ ہے بلندی سے
بشر حد سے زیادہ بھی سر اُٹھا کے چلے

خدا کیواسطے اے صبر و تاب و ہوش و خرد
کہان چلے کہ مجھے بیڑیان بنا کے چلے

ہم اب تو میکدہ سے اُٹھ کے جا نہین سکتے
چلے جو چار قدم بھی تو لڑکھڑا کے چلے

جب اپنی آنکھ ہوئی بند سب کی آنکھ کھلی
جو گہری نیند مین تھے انکو ہم جگا کے چلے

کلامِ رشید

"سلام"

قلزم رحمت سے دُرِ مدعا ملجائے گا
مِلگئے تجھکو علیؑ بس اب خدا ملجائے گا

سچ بتادے ہم بھی تجھ مین دفن ہونگے یا نہین
کوئی گوشہ ہمکو بھی اے کربلا ملجائے گا

جھکتو تکیہ ہے خدا پر ظن ہون مین فقیر
جانتا ہون در بدر پھرنے سے کیا ملجائے گا

ہوگی یہ پہچان اے اہلِ عزا روزِ جزا
نمکو اک اک ذرہ خاکِ شفا ملجائے گا

پار ہو دریائے عصیان سے ہلاو ہاتھ یارون
کوئی بیڑا مغفرت کا آشنا ملجائے گا

پستہ ہمت عبد ہین معبود کی ہمت بلند
ہم ہوا نگین مگر کین اُس سے سوا ملجائے گا

فائدہ کیا ہے تجھے معذور سے پوچھے کوئی
یہ تو سمجھے کبر سے کیا کبریا ملجائے گا

مرثیہ پڑھتے ہوئے پہونچینگے باغ خلد مین
حشر کے مجمع مین ہمکو راستا ملجائے گا

تا حسینؑ ابن علیؑ پہونچین گے الفت ہے اگر
اپنے دل سے پوچھ لینگے ہم پتا ملجائے گا

جو گنہگار آئیگا محشر مین کہدینگے رسول
آگے جا یہ الوداع دوسرا ملجائے گا

مانگتے ہین جب در رزاق پر کل کے لئے
صاف کانون مین صدا آتی ہے جا ملجائے گا

ہم بھلا تکلیف اُٹھائینگے عدم کی راہ مین
کربلا مین جو لٹا وہ قافلہ ملجائے گا

حُر نے جب روکا تو شہ چپ ہو رہے یہ سوچکر
آج اُدھر ہے جسے کل یہ بارتا ملجائے گا

جب کہان مین نیزہ جو ابرا ہے نے بولے شاہ
قتل سے اس بیزبان بچے کے کیا ملجائے گا

ڈھونڈھتے تھے جا بجا گر کے اکبر کو حسین
جانتے تھے یون وہ پیری کا عصا ملجائے گا

سرفرازی کیلئے اتنا جھکو نگا اے رشید
پانون سے سر سے گریبان قضا ملجائے گا

رباعی مرزا دبیر مرحوم

ادنی سے سر جُھکائے اعلیٰ وہ ہے
جو خلق سے بہرہ ور ہے دریا وہ ہے

کیا خوب دلیل ہے یہ خوبی کی دبیر
سمجھے جو بُرا آپ کو اچھا وہ ہے

پریاگ کا سنگم

جب صانعِ ازل نے صورت تری بنائی — ہونٹوں کو جان رہی دی۔ آنکھوں کو جانفزائی — آنکھوں کو ہے یہ حسرت۔ اُن سے ہو تری آنکھیں
خاکہ بنا کے کھینچا یوں نقش ناز تیرا — بول اُٹھی "چھین لونگی دل" شان دلربائی — لو ٹپن تری بہاریں۔ دیکھیں تری فضائیں
بخشی تری زبان کو۔ لعلِ شکر فشاں کو — کچھ شہد کی حلاوت۔ کچھ قند کی مٹھائی — ساحل پہ آہ! تیرے میں محبوبتی دی ہوں — اور لے ہی ہوں تیری موجیں مری بلائیں
نقشہ بنا کے تیرا صناعِ دو جہاں نے — تصویر تیری چرمی۔ اور آنکھوں سے لگائی — گردوں پہ روشنی ہو تاروں کی ہلکی ہلکی — شمعیں سحر کو جیسے محفل میں جھلملائیں
خلوت سے جنکے دامن نکلی حیا جو تیری — آبِ رواں کی چادر۔ ہلکی سی اک اُڑھائی — کرنیں گرا رہا ہو یوں چاند اُجلی اُجلی — پانی میں جیسے شب کو پریاں نہاتے آئیں
جلوے نے تیرے مجھکو جیسے کیا کیا ایسا — حیرت تجھے دکھانے آئینہ لیکے آئی — لب پہ تھو پسیئے کے شورِ پی کہاں کا — مرغانِ خوشنوا کی خاموش ہوں صدائیں
حُسنِ ازل نے جسکو پایا نہ تیرے قابل — حصے میں مہ وشوں کے آئی وہ خود نمائی — عالم سکوتِ شب کا چھایا ہوا ہو سر سو — اور چل رہی ہوں بھینی بھینی خنک ہوائیں
گنگا بڑھی اُدھر سے۔ جمنا بڑھی اِدھر سے — اجزائے حُسن نے یوں ترکیب مل کے پائی — حُلۂ بریں سے لیکر پھولوں کا آہ زیور — دُلہن تجھے بنا نیکو آئیں۔ اپسرائیں
والبستہ ہو گئے دو دامانِ دلفریبی — آواز ہو سُریلی۔ اور انکھڑیاں نشیلی — دھیمے سروں میں تیری غلمت کے گیت گائیں
دونی نہ آہ! کیونکہ ہو شانِ دلفریبی — میں کاش! چاندنی میں دیکھوں بہار تیری
دلکش عجب ادا ہے۔ اے رودبار تیری

دلکش عجیب سنگم ہے اتصال تیرا — سینے میں موجزن ہے شوقِ وصال تیرا — ہے دلفریب سنگم تیرا عجیب منظر — دو بہنیں رو رہی ہیں رو خوشی کا ملکر
آنکھوں میں پھر رہی ہے تصویرِ حسن تیری — بیچین کر رہا ہے دل کو خیال تیرا — جمنا کے میں گلے میں گنگا کی آہ! ہا میں — گنگا سے رو رہی ہے جمنا لپٹ لپٹ کر
صورت ہے آہ! تیری تمثالِ دلفریبی — اور نقش دلنشیں ہے نقشِ جمال تیرا — یہ کہنا اُس سے۔ وہ اس سے ہم نہل ہے — دونوں نثار کرتی ہیں آنسوؤں کے گوہر
تیری تجلیاں ہیں آئینہ دار تمکیں — جلوہ فروش حیرت غنج و دلال تیرا — بچھڑی ہوئی تھیں کب کی کیا جانے دو بہنیں — آنسو نہیں جو تجھ سے ہیں جوشِ غم سے دم بھر
اک اک ادائے دلکش ہے بے عدیل تیری — ایک ایک ناز دلبر ہے بے مثال تیرا — رہنے دے انکو گویا۔ دونوں ہیں بہنیں بہنیں — انکو جدا نہ کرنا۔ اے برخ تفرقہ گر
الفت تری دلوں میں سودا ترا سروں میں — ہے آہ! اک زمانہ شوریدہ حال تیرا — انکے ملاپ میں ہے اک اتحاد دلکش — اور اتحاد میں اک شانِ وفا ہے مضمر
موجوں میں آہ! تیری ہے شان کھلاہی — بل بے! غرور تیرا۔ اُف رے! جلال تیرا — شانِ وفا میں ہے اک انداز دلفریبی — دامان حُسن ہیں وہ پھیلے ہوئے زمین پر
پانی میں آہ! تیرے ہے زیست کی حلاوت — شیریں ہے انگبیں سے آبِ زلال تیرا — ہمدوش ہو رہے ہیں جیسے یہ دونوں دریا — یارب ہو وصل تیرا یوں ہی مجھے میسّر
امرت برس رہا ہے یعنی تری زبان سے — پردا دوئی کا یعنی اُٹھ جائے درمیان سے
موتی ٹپک رہے ہیں لعلِ گہر فشاں سے — تیرے لئے جنوں میں بیگانہ اک جہان سے

سرور جہان آبادی

شاہدِ غیبؔ

حجابِ شرم میں اخفا تا ہے عینِ دانائی
وگرنہ تاب لائی کسطرح یہ چشمِ تماشائی

بشوقِ بے محل کچھ یاد ہے موسیٰ پہ کیا گذری
معاذاللہ جمالِ حسن کی ہنگامہ آرائی

آلِ جذبۂ بے پردگی کا مصرشاہد ہے
پیمبرزادے کو لایا سرِ بازار رسوائی

زلیخا کی وہ چالاکیِ تیاں بے پردہ و محمل
کہیں چاک دامن کی صدا اللہ تک آئی

ذرا دیکھیں قدائی روشنی ملکِ مغرب کے
مسیحا نے محجابِ چرخِ چارم میں جگہ پائی

فلک پر مہر نے نہ پھیر کر نظارہ بازوں سے
دکھایا عالمِ امکاں کو حسنِ عالم آرائی

غمِ نظارہ سے خونناب نذرِ چشم کرتا ہے
نہاں رہتا ہے سینے میں مگر قلبِ تماشائی

قفیسہ طے ہوا سراج کا پردے ہی پردے میں
وہ آنا پیک کا اور وہ سوادِ لیل و تنہائی

وہ فصلِ دوکماں کا ہالکا ساطرفین میں پردہ
وہ دلکش لہجہ مانوس کے پردے میں گویائی

حقیقت میں اگر پردہ خلافِ وضعِ فطرت تھا
میاں پردۂ دل روح نے کیونکر جگہ پائی

دخیلِ پردہ ہائے چشم اگر ہو گرد بیبا کی
طلسمِ حسن میں بیکار ہے اعجازِ بینائی

سرِ کتب وہ شورشِ لیلیٰ و مجنوں کی بے پردہ
زمانے بھر کی بیچارے کو جینے خاک جھنوائی

چھپانا شوق کے جذبات کو کیں میں قدرتی تھا
اگر پیدا نہ تو پردہ قلب تمنائی

حجیم دجنت الرضوان و عرش و چشمۂ کوثر
نہاں نظروں سے ہیں اے صاحبِ ادراک و دانائی

قریب آئے نہ طوفانِ ہوا اے بالِ پروانہ
اسی سے شمعِ محفل پردۂ فانوس میں آئی

دعاے عاشقاں بھی پردۂ شب میں نکلتی ہے
وہ عالم خواب راحت کا وہ سناٹا وہ تنہائی

دمِ اظہارِ مطلب پردۂ خاموشیِ جاناں
ہے اک طومارِ شرحِ دفترِ شوقِ تمنائی

میاں پردہ میں اچھی اُم الخبائث تک
مگر ہو جلوہ دوشیزگاں سے بزم آرائی

یہ سطحِ چرخ پردہ ہے نگارستانِ غیبی کا
جسے حدِ نظر سمجھے ہوئے ہے تیری بینائی

چھپائی جائے میت بھی میاں پردۂ مدفن
مخالفِ زمزموں کے پردے ہم ہوں ہے وہ دانائی

تکلف پردۂ غفلت کا وقتِ خواب کیا کہنے
خدا معلوم دیکھا کی کسے چشمِ زلیخائی

کیا اور یس نے جسوقت پردہ اہلِ دنیا سے
میاں باغِ جنت زندگی ہی میں جگہ پائی

پڑا تھا پردۂ شفقت خلیلؑ اللہ کی آنکھوں پر
کہ جب تھی ذبح اسمٰعیلؑ کی ہنگامہ آرائی

پسِ یونسؑ اگر پردہ نہ ہوتا بطنِ ماہی کا
قیامت کر چکا تھا آفتابِ داغِ رسوائی

نہ ہوتا غرق میں پردہ اگر امواجِ طوفان کا
غمِ فرزند چشمِ نوحؑ سے کیا تا بینائی

یہ بزمِ دید کیوں یوسفؑ کرے پردہ بلایا تھا
زنانِ مصر نے اپنے کئے کی خود تماشائی

کتاب اللہ زبان دیکھیں یہ موجد ہے حجابوں کے
نہاں ہیں پردۂ معنی میں کیا کیا رمز دانائی

مگر مٹتا ہے پردے میں صدف کے آبِ پیمانی
وہی فیضان زمیں پر صورتِ ذراتِ صحرائی

اگر پردہ نہ ہوتا پرورش کو بطنِ مادر کا
نہ ہوتی مضغۂ بیجان میں تاثیرِ ہیولائی

نگارستانِ عالم پردۂ اسرارِ قدرت ہے
نہ ہو اس کارگہ میں ہے جو پردے کا تبرائی

نہ جانا پردۂ ملکِ عدم میں بعد مرنے کے
وگرنہ ہو گی اس دنیا کے ہمچشموں میں رسوائی

خدا کیوں حشر میں چھپتا رسولؐ اللہ کی بیٹی سے
جو ہوتی رسمِ پردے کی خلافِ عقل و دانائی

مبارک اُنکو چاکِ پردۂ عصمت ہوا یمیں
معینِ دوستِ شکلِ خدا ہے جنکی بینائی

اُٹھا دیں وقتِ وجد و حال وہ نیچر کے پردوں کو
بھری محفل میں جو وصلِ خدا کے ہیں تمنائی

حریفِ بزم ہمکو شوق سے اہماہی رہنے دیں
اگر ہے پردگی ہے باعثِ انوارِ بینائی

ہمارے اہل کو محبوسیِ زنداں ہی بہتر ہے
مبارک ہو انہیں آزادیِ دشت و نگاہ آرائی

مبارک گلشنِ بے پردگی کی ہو ہوا خوری
مبارک بزمِ آزادی میں دورِ ماہ و پیمائی

مبارک اُنکو ہو اخرد پر گرم جولانی
مبارک خلعتِ یوسف ہو انہارِ بینائی

جلو میں عام مجمعِ شاعرانِ پاکبا طن کا
مبارک پیکرِ نازک کو ہو اظہارِ رعنائی

یہ مانا صورتِ اعمال بد ہے اسود المنظر
چھپاتا ہے خدا خود اسے زہے اطلاقِ کیتائی

زرا کھول آنکھیں سیرِ خلوتِ للہیت کر غافل
کہ پردے ہی میں پنہاں ہے جمالِ شانِ کیتائی

جمال ایسا سوادِ عالمِ دل ہوش ہے جسسے
جو صوفی کی نظر کو باعثِ شورِ تحی بینائی

شمیمِ گل کا احوال زبوں بھی وجہ عبرت ہے
ہوئی حاصل گلستاں سے نکلکر دشت پیمائی

امورِ مصلحت مضمر اگر ہوتے نہ پردے میں
پسند آتا نہ الیاسؑ و خضر کو گنج تنہائی

محشر

ع اس نظم کو باعتبارِ خوبیِ نظم دیکھنا چاہئے نہ موجودہ مسئلہ پردہ کی نظر سے ۱۲ - ایڈیٹر

پروازِ وقت

اگلے وقتوں کے کمان دہ لوگ ہیں اے آسماں — جنکی قبروں کا بھی اب ملتا نہیں نام و نشاں
تھے ہماری مرح وہ بھی تبلائے کاروبار — وہ بھی تھے دُنیا کے دعووں میں پریشان روزگار
رونقِ بزمِ زمانہ تھے جو ہم سے پیشتر — رہتے ستے چل دیے کوئی بتائے وہ کدھر
شورِ مطرب آہ! اُنکی انجمن میں اب نہیں — تار بھی باقی کوئی اُنکے کفن میں اب نہیں
غیرتِ خُلدِ بریں تھی جنکے قدموں سے زمیں — اب وہ دہقان آہ! ہیں شہرِ خموشاں مکیں
جھونپڑوں میں رہنے والے اب کہاں ہیں وہ غریب — سو گئے کیوں گوشۂ مرقد میں وہ حرماں نصیب

اب وہ واعظ خواب آسائش میں ہیں بیمار — جو بتاتے ہستیٔ فانی کو تھے ناپائدار

کُنجِ تاریکِ لحد میں اب بسیرا اُنکا ہے — نقشِ عبرت خاک پر اب آہ! پُتلا اُنکا ہے
تھے کبھی جو صفحۂ ہستی پہ نقشِ دلنشیں — اب وہ اقلیمِ فراموشی میں ہیں غلطاں گزیں
کوئی اب کرتا نہیں دُنیا میں اُنکو یاد بھی — اُنسے غافل آہ! اب اُنکی ہے خود اولاد بھی
اُنکی صنعت کے ہیں وہ زندہ نمونے اب کہاں — آہ! اب زیرِ زمیں ہیں زنگِ نسیاں میں نہاں

ہیں اُنہیں کے جانشیں ہم جو ہوا ہے اُنکا حشر — ہو نیو الا ہے یہی اک دن ہمارا حشر و نشر

موجِ سیلِ فانیِ عمرِ گذشتہ ہے گواہ — ایک قطرہ قلزمِ تاریخِ عالم میں ہے آہ!
بادِ صرصر تو نے ہوتے تارے کی یہ ہے روشنی — یا یہ ہے ڈھلتی ہوئی پچھلے پہر کی چاندنی
یہ وہ سایہ ہے جو ہے سرگرمِ پروازِ فنا — سازِ ہستی یہ وہ ہے جسمیں ہے آوازِ فنا
یہ وہ گُل ہے چار دن تک باغِ بقا جسکا نہیں — سازِ گلزار اس باغِ عالم کی ہوا اسکو نہیں
یہ وہ خوابِ مرگ کی حسرت بھری ہے داستاں — جلد مٹ جاتا ہے جسکا حافظہ سے بھی نشاں

یہ ہے وہ روزِ سیہ اے گردشِ ایامِ غم — ہو نے والا ہے مُسلّط جلد جسپر شامِ غم

ختم ہو جائینگے دن ہفتے مہینے اور سال — زندگی کے آہ! مٹ جائینگے سب عیش و ملال
خاک پر ہوگا ہمارا آہ! بستر ایک دن — ٹھوکریں کھاتا پھریگا کاسۂ سر ایک دن

سبزۂ تر اُگ رہا ہوگا ہماری قبر پر — سوتے ہونگے بالشِ سنگِ لحد پر رکھکے سر
کچھ دلوں تک تو رہینگے نوحہ گر غم میں عزیز — ہمکو روئینگے ہماری بزمِ ماتم میں عزیز
رفتہ رفتہ پھر ہماری یاد ہو جائیگی محو — اور دلوں سے شورشِ فریاد ہو جائیگی محو
آسیائے گور چھوڑیگی نہ باقی استخواں — صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا پھر نام و نشاں

اور اُٹھ جائیگا دُنیا سے ہمارا تذکرہ — سوتے ہونگے کُنجِ گمنامی میں کیسا تذکرہ

یہ خیالِ دلنشیں بھی ہے مؤثر کس قدر — لمحہ لمحہ کر کے جائیگی صدی پوری گزر
اور رہیگی آہ! رولتی بزمِ ہستی کی یہی — جلوہ آرائی رہیگی اوج پستی کی یہی
آج - کل ہی پر نہیں موقوف کچھ اے بیخبر — لمحہ لمحہ کر کے جائینگے ہزاروں دن گزر
موسموں میں آہ! اکتنا ہوگا واقع انقلاب — آئیگی پیری - گزر جائینگے ایامِ شباب
سال کتنے آہ! کر جائینگے دُنیا سے سفر — اور تو فاک صدی کا یوں ہی جائیگا گزر
چھوٹے چھوٹے یہ جو قصے وقت کے ہیں اے فتن — انکے اثر سے بھرا جائیگا وہ قعرِ عمیق

ہے عمق سے آہ! عاجز جسکے امکانِ نظر — شان بتی جسکی ہے بیرونِ امکانِ نظر

آنیوالا الغرض وہ وقت ہے اے ہم نشیں — خاک میں جب ہونگی کتنی پشتیں جا گزیں
آج رعنائی سے جو چلتے ہیں ٹھسکر مار کر — سوتے ہونگے آہ! وہ کُنجِ عدم میں خاک پر
اور مان کا دُودھ جو پیتا ہے وہ طفلِ حسیں — ہوگا آغوشِ لحد میں ایک دن زیرِ زمیں
حافظہ میں اپنے پوتوں کے گرائے نگسار — چھوڑ جائے گی اک ہمدرد سی شاید یادگار
چلتے پھرتے آج جو یہ لوگ آتے ہیں نظر — اک صدی کا جب زمانہ ان پہ جائیگا گزر
بعد مرنے کے نہ لیگا کوئی اُنکا نام تک — انکی قبروں کے نشاں مٹ جائینگے زیرِ فلک

انکے تابوتوں کے تختے بے نشاں ہو جائینگے — گور کے مُنہ کا نوالا استخواں ہو جائینگے

کیا یہی ہے ہستیٔ فانی میں انجامِ بشر؟ — قبر ہے کیا؟ ہے یہ منزل گاہِ آرامِ بشر؟

کیا یہی ہے اہلِ دنیا کا مآلِ زندگی؟ کیا فقط دھوکا ہے تصویرِ خیالِ زندگی؟
قبر کے اُس پار ہونگے کیا نہ وہ سامان بہم کر سکینگے دُور جو دل سے خیالِ دردوغم؟
کیا ابد تک آہ! ہم سوتے رہینگے خاک مین؟
کیا نہ آئیگا تغیر گردشِ افلاک مین؟

شاکر

قطعہ

اجل کر گئی نہ ہنگامِ نزع پاس ترا بقا نہین ہے تجھے۔ ہے غلط قیاس ترا
پسن کے جامۂ ہستی نہ دل مین تو اترا
کہ مستعار ہے یہ عارضی لباس ترا

شاکر

تلقینِ صبر

دُنیا مین ہر بشر ہدفِ تیرِ غم ہوا ہر شخص مبتلائے الم بیش و کم ہوا
کوئی تمام عمر شکارِ الم ہوا صد حیف کسی کو ایک گھڑی بھی نہ دم ہوا
وہ کون ہے کہ رنج نہ پھٹکا ہو جسکے پاس
وہ کون ہے کہ جو نہ ہوا ہو کبھی اُداس

تیغِ مفارقت کرے یعقوب کو ہلاک اور زکریا کا ارہ غم سے ہو سینہ چاک
یوسفؑ کے ستانے مین کیڑے کرین نہ پاک مچھلی کا ایک لقمہ ہو یونسؑ سا صاحبِ پاک
زہرِ الم سے حضرتِ شبیرؑ کی جان جائے
است ہی خود حسینؑ کو افسوس یون ستائے

مخناک کے ستم سے ہو جمشید خستہ حال افراسیاب کو کرے کیخسرو پائمال
دارا کو خود اسیری اُسکے کرین حلال رستم کو وقتِ قتل نہ بیٹھے گا ہوش خیال
یہ سب کرامتین اسی دُنیائے دون کی ہین
یہ سب عنایتین اسی دُنیائے دون کی ہین

ٹوٹا نہین نجمی یہ دلا! آہ سمانِ غم پہونچا ہے سب کو تھوڑا بہت ارمغانِ غم
تسکین کچھ ہوئی تری سُنکر بیانِ غم بیفائدہ ہے گر تو کرے اب فغانِ غم
سچ پوچھئے تو صبر سے بہتر نہین علاج
یہ وہ دوا ہے جس سے کہ بڑھکر نہین علاج

کرتا ہے صبر اُسکے کرم مین زیادتی کفران کی ہو رہی ہے مگر ہم مین زیادتی
رونے سے اور ہوتی ہے غم مین زیادتی کرتے ہین اپنے آپ الم مین زیادتی
اتنا نہین سمجھتے کہ وہ ربِّ عالمین
ہے اسقدر شفیق کہ ماں باپ بھی نہین

ممکن نہین کہ ہمکو وہ تکلیف دے ذرا ایذا اگرچہ ہمکو دکھائی دے ظاہرا
بیمار کو طبیب اگر تلخ دے دوا تو وہ مریض کے لئے ہے باعثِ شفا
تکلیف مین ضرور ہے مضمر بھلائی کچھ
ہم سے وگرنہ اُسکو نہین ہے بُرائی کچھ

اوّل تو کیا خبر ہمین ایذا ہے یا نہین "تکلیف جسکو سمجھے ہوئے ہم ہین یا یقین"
اسواسطے کہ فرض کرو اک زمین حسین ہے بیوگی کے حال مین بے انتہا حزین
ظاہر مین گرچہ اُسکی مصیبت یہ کم نہین
پر اُسکے واسطے کوئی وجہِ الم نہین

خاوند اُسکا زندہ اگر رہتا کیا عجب ایسا مریض ہوتا پریشان رہتے سب
بیوی کو یہ ستاتا بلا وجہ، بے سبب سوکن کرا کے دیتا اُسے رنج اور تعب
ایسی بہت سی باتین ہین جنسے کہ بیوہ پر
شوہر کی موت سے بھی الم ہو زیادہ تر

ترنجیح ہوگی کو وہ دیگی سہاگ پر راضی مزور ہوگی اسی اپنے بھاگ پر
دیگی نہ جان اُسکے لگاؤ کی لاگ پر رکھیگی اپنے جسم کو ہرگز نہ آگ پر
معلوم ہو اُسے اگر آگے کا حال کچھ
پھر ہوگی نہ اُسکے لئے ہو وبال کچھ

در اصل رنج بھی کوئی پہونچے ہمین تو کیا دیتا نہین شفیق پدر بیٹے کو سزا
تنبیہ کی غرض سے جو عادل ہے بادشا تکلیف دے عزیز رعیت کو بر ملا
فریاد کرتا ہے نہ شکایت کوئی مگر
اللہ دے الم تو گلہ کرتے ہین بشر

مانا کہ ہمکو رنج پہونچتا ہے صبح و شام مانا کہ ہم پہ زن والم کا ہے ازدحام
مانا کہ آب و خور بھی ہے مطلق ہمین حرام مانا کہ اپنا کام بھی اب ہوگیا تمام
پر اُسنے جان لی تو شکایت کا حق کیا
اُسنے ہی ہمکو جان بھی دی تھی بھلا ہوا

کرتے ہین محو دل سے پر انعام بے شمار ہم جلد بھول جاتے ہین احسان کردگار
اپنی تو زندگی کا ہے اس اصل پر مدار انسان ناسپاس پہ لعنت ہزار بار
افسوس ہے کہ خالقِ مطلق کی ذات پر
الزام ظلم رکھتے ہین ہم بلت بات پر

خلقِ بشر خدا کو نہ منظور ہو اگر کیا اپنے آپ آدمی ہو جائے جلوہ گر
با اختیار زندگی بھی کر سکے بسر؟ اور اختیار جسمد کسی کا نہ ہو بشر؟
ایسا خیال کفر بھی ہے اور غلط صریح
ناممکن الوقوع بھی ہو سکتا ہے صحیح؟

حاکم ہو یا امیر ہو کوئی کہ ہو غریب بیمار تندرست ہو یا کوئی ہو طبیب
کوئی رذیل آدمی ہو یا کوئی نجیب اللہ کا خلیل ہو یا حق کا ہو حبیب
چاہین اگر خلافِ مشیت تو کیا مجال
پتے کا بھی ہلانا ہے سب کیلئے محال

نفع و ضرر خدا کی طرف سے ہے سب یہان انسان خود، ہے عاجز و مجبور و ناتوان
جب دستِ اختیار مین ہے اُسکے بگمان کیون کھولتا ہے ہر شکایت پہ پھر زبان
افعال بد سے آتا ہے اللہ کا غضب
کہتا ہے مین پھنسا ہون مصیبت مین سب کے سب

حاصل ہین فائدے بھی مصیبت سے بیشمار پیدا یہ کرتی ہے صفتِ عجز و انکسار
آتے ہی اسکے صبر تو ہو جاتا ہے فرار اور دل مین ایک رہتی ہے بس یاد کردگار
رحمت سے یہ نہین ہے مصیبت کسیطرح
کرتا ہے بندہ یا خدا کو اسیطرح

پر اُسکی یاد سے یہ نہین سیر امدعا کھولو زبانِ شکوہ ہو اُس سے تم خفا
ہان یہ مراد ہے کہ بس اللہ کی رضا بہتر سمجھ کے تم کرو یون شکریہ ادا
"جو کچھ ہوا ہے حکم سے تیرے بجا ہوا
ہونا بھی چاہئے یہی جو اے خدا ہوا

بے شبہ و شک یہ درجہ صبر جمیل ہے حاصل اسے ضرور کرے جو عقیل ہے
جسکی رسائی ہوگئی یا نک جلیل ہے پر جسکا اعتقاد ضعیف و ذلیل ہے
اُسکے لئے یہ کام تو دشوار ہے ضرور
ہمت کرے ملیگا اُسے درجہ صبور

کہنے کو یون تو کہتے ہین بالاتفاق سب دُنیا خیال و خواب ہے لیکن یہ ہے عجب
جب زندگی بسر ہو کبھی باغ و تعب جسوقت کوئی آکے مصیبت پڑے تو تب
کھلتا ہے ہمپہ حال حقیقت کہ یہ زبان
در اصل اپنے دل کی نہین بولتا ترجمان

رہتے ہین اس جہان مین پریشان سر بسر ہر وقت یہ ہی فکر کرو جمع مال و زر
پڑتی ہے ہم پہ آکے مصیبت کوئی اگر روتے ہین اپنے حال پہ ہم دیکھ کر ستمگر
فانی خیال کرتے اگر اپنے آپ کو

کچھ ہوتا ہم سمجھتے "بلا سے جو ہو سو ہو"

ہوتی ہے منفعت جو مصیبت سے یاں حصول کچھ غور گر کرے تو وہ انسان ہو ملول
سب جانتے ہین خوب جو ہین صاحبِ عقول نادان بھی کیا عجب ہے کرے گر اسے قبول
پڑتی ہے آدمی پہ مصیبت تو ہے یہ بات
آیندہ ہو گذشتہ سے بہتر وہ نیک ذات

یعنی اگر تھا سست تو چالاک ہو گیا بُزدل ہوا مزور جو سُرت وہ پہلے تھا
خواہان عیش تھا تو جفاکش وہ بنگیا آوارہ تھا تو نیک چلن پھر وہی ہوا
جسپر پڑی نہین ہے مصیبت وہ آدمی
بے عقل و بے شعور و کج اخلاق ہے بھی

واقع ہوا ہے آدمی کا کچھ عجب مزاج بتلائیے کہ اسکا کرے کوئی کیا علاج
یہ وہ نہین نہین کہ اُسے ایک ہی ڈھنگ کل کو مزور جاسے بدل جو ہے حال آج
اُکتائے ورنہ اسکی طبیعت بُری طرح
زندہ نہ رہنا چاہے وہ ہرگز کسی طرح

ظاہر ہے یہ کہ حضرت موسیٰ تھے جب نبی کھاتے تھے من و سلویٰ جو اُمت کے آدمی
اُکتائے ایسے پھر کہ نہ خواہش ذرا رہی لہسن، پیاز پر لگے للچائے اُنکے جی
المختصر یہ حضرتِ انسان کا ہے مزاج
کل اور کچھ تھا چاہیے ہو جائے اور آج

گر کوئی بتلائے مصیبت ہے واقعی تدبیر اُسکے واسطے بہتر ہے بس یہی
حالت بغور دیکھے ذرا دوسرون کی بھی مثلاً کسی کو دیتی ہے رنج اُسکی بیوگی
پائیگی وہ کہ اُس سے بھی بدتر ہزارہین
یعنی کہ رنج اُنکے دلون پہ ہزار ہین

شوہر کو دیکھنے بھی نہ پائی کوئی دلہن اور بیوہ ہو گئی تو یہ کچھ کم نہین محن
اک بیوہ ہے کہ رنڈی کا بھی کچھ تعین اک بیوہ ہے کہ اندھی یا اپاہج ہے مطلقاً
اک بیوہ ہے کہ گھر کہین اُسکا نہ در کہین
پھرتی ہے دربدر یہ ٹھکانا کہین نہین

اندا کسیکو کھجلی کی ہے تو وہ دیکھیگا اپنے ہی جیسے آدمی کو کوڑھ مین پھنسا
اور جسکی آنکھ مین کوئی ہو جائے ناخنا دیکھیگا ایک کانا ہے اور اندھا دوسرا
دُنیا مین ایک ایک سے بدتر ہین آدمی
اور پھر بھی ایک ایک سے بہتر ہین آدمی

بہتر ہے گر کوئی تو کرے کس لئے غرور بدتر ہے گر کوئی تو نہو دل مین ناصبور
اُس سے ہزار بہتر و اعلیٰ ہین بالفرور اس سے ہزار بدتر و ادنیٰ ہُوے شعور
قدرت خدا کی یہ بھی ہے مرضی ہُوا کی گر
بدتر ہو خوبتر تو ہو بہتر قبیح تر

کیا خوب اک حکیم کا ہے قول واقعی کہتا ہے وہ جہان مین سب خوش ہین آدمی
اسواسطے کہ یہ نہین خواہش کسیکی بھی حالت کو اپنی دوسرے سے بدلے باخوشی
تسلیم کیا عجب نکرے کوئی ایسی بات
پر آزمائیے تو یہ ہے فی البدیہیات

بندہ آدمی کسی نے کہے ایسے منتخب جو اُس سے ظاہر تھے بہت اچھے سب کے سب
پر ایک کو تو بیٹا نہونے کا تھا تعب اور دوسرے کو غم یہ کہ بیٹا تھا بے ادب
تھا ذی مربہ اور کوئی بیمار دائمی
خالی غرض نہ رنج سے پایا کسیکو بھی

یہ جانتا تھا اپنے سے بہتر نہین مگر نکلے وہ مبتلائے غم و رنج بیشتر
گو اُنکے پاس اس سے زیادہ تھا مال زر پھر دل ہی دل مین کُڑھتے تھے وہ شام اور سحر
اسکو جو رنج تھا تو غریبی کا تھا ذرا
ورنہ ہر اک الم سے وہ آزاد ہی سا تھا

دل مین کہا تب اُسنے کہ ہے شکر کی یہ جا مجھکو ان آفتون مین سے حصہ نہین ملا
ہر شخص اک نہ ایک بلا مین ہے مبتلا مین اپنے حال ہی مین بہت خوش ہون آجکل

آیندہ اب کروں گا نہ حالت پر اپنی غم
مجھکو ملا ہے رنج بلاشبہ اسسے کم

پس مبتلائے رنج ہوا ہے کوئی اگر ہمت سے کام لے وہ مصیبت کے تئیں پر

کلام چکبست

درد دل پاس وفا جذبۂ ایمان ہونا آدمیت ہے یہی اور یہی انسان ہونا
زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشان ہونا
دل اہیری میں بھی آزاد ہے آزادوں کا ولولوں کے لئے ممکن نہیں زندان ہونا
دفتر حسن پہ مہر ید قدرت سمجھو پھول کا خاک کے تودہ سے نمایاں ہونا
گل کو یا مال نہ کر لعل و گہر کے مالک ہے اسے طرۂ دستار غریباں ہونا
ہے مراقبط جنوں جوش جنوں سے برتر تنگ ہے میرے لئے چاک گریباں ہونا

ہم اسیروں کی دعا ہے کہ چمن سے اک دن
دیکھتے خانۂ صیاد کا ویراں ہونا

رنج و راحت کا سبب دنیا میں کچھ پاتا نہیں حشر میں ہم صاف کہدینگے خدا کے سامنے
گل نہیں تو بوے گل ہی سے معطر ہو دماغ کوئی رکھدیتا قفس میں ماجرا کے سامنے

آب و دانہ سے قفس کے کچھ ہمیں الفت نہیں
بے پر و بالی سے اپنی عاشق صیاد ہیں

ہمارے اور زاہدوں کے مذہب میں فرق اگچہ تو اسقدر ہے
کہینگے ہم جسکو پاس انسان وہ اسکو خوف خدا کہینگے

تھوڑے ہی دن کے بعد رہیگا نہ کچھ اثر سب بھول جائیگا وہ یہ صدمات زور تر
کیسا ہی رنج سخت ہو اور جانگداز ہو
زائل اثر ہو آپ جو عرصہ دراز ہو

محمد یحییٰ تنہا

کلام جلیل

ہے کیدکا رے رنگیں مکس الگن پھول میں پھول گلشن میں کھلا ہے اور گلشن پھول میں
تو ہی تو آیا نظر اے رشک گلشن پھول میں تیری رنگت تیری خوشبو تیرا جوبن پھول میں
رشک آتا ہے جو کہتی ہے چمن میں بے گل مین وہ بلبل ہوں کہ ہے میرا نشیمن پھول میں
ساغر مے دے رہا ہے دست ساقی میں بہار عکس چہرے کا ہے یا پھولا ہے گلشن پھول میں
آج کوئی پھول گلشن میں نظر آتا نہیں ہائے وہ دن جب نظر آتا تھا گلشن پھول میں
کیا معطر ہے پسینا اُس گل رخسار کا عطر ایسا کچھ نہیں سکتا کسی من پھول میں
باغ میں جبتک رہے چھنتے ہو دامن میں پھول بیکدے میں آکے ہم رنگتے ہیں دامن پھول میں
زندگی گو سکی ہے جسکو موت ہو ایسی نصیب جان بلبل کی پڑی ہے وقت مرگ پھول میں
گل خون سے ملتے جلنے کا نہیں کچھ اعتبار رنگ و بو کا دو گھڑی رہتا ہے سکن پھول میں
کون کہتا ہے چمن رنگ جنوں سے پاک ہے پرزے پرزے ہیں سبھی چھنتے ہیں دامن پھول میں
جب سے چمکی ہے چمن میں ایکی برق جمال دیکھتا ہوں جلوہ وادی ایمن پھول میں
قمر ہے رخسار نازک سے لپٹنا زلف کا دیکھو دیکھو گھر کئے لیتی ہے ناگن پھول میں
دل جلانیکا عوض لیتی ہے یوں اے ہمنشیں آگ بلبل نے لگا دی کر کے شیون پھول میں
پھپ نہیں سکتے چمن میں تم نگاہ شوق سے مل نہیں سکتا تمہارا روئے روشن پھول میں
باغ میں جب آگئے ہیں لیکے وہ تیر و کمان چھید کر بلبل کا دل ڈالے ہیں روزن پھول میں

رنگ وحدت چھا گیا ساے چمن میں اے جلیل
سونگھتے ہیں ایک سی بو دوست دشمن پھول میں

ایڈیٹوریل

اس ماہ کے قابل الذکر واقعات مین ڈاکٹر نٹی کانت راے چٹوپادھیا کا انتقال نہایت افسوسناک ہے۔ مرحوم ایک نہایت نامور فاضل اور عالم متبحر تھے۔ آپ کئی مشرقی و مغربی زبانون مین اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے اور سرکار نظام کیطرف سے اکثر ترجمے کا کام آپ کے سپرد ہوتا رہتا تھا۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ آپ نے بحکم سرکار عالی "ابن رشد" کا ترجمہ فرنچ سے انگریزی مین کیا تھا اور اسکے دو مضمون الآباد کے مشہور انگریزی رسالہ ہندوستان ریویو مین شائع کرائے تھے۔ اسکے بعد ڈاکٹر صاحب مرحوم نے پروفیسر ڈوزی کی تاریخ "مسلمانان اسپین" کا انگریزی ترجمہ شروع کیا تھا جسے مولوی محمد عبدالحق صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن اردو کا لباس پہنا رہے ہین۔ غالباً مولوی صاحب ابن رشد کے اردو ترجمے کیطرف بھی توجہ فرمائینگے۔ مرحوم اردو زبان کے پرجوش حامی تھے اور گذشتہ ایام مین اردو پر ایک زبردست لکچر دیا تھا جو نہایت مدلل اور مبسوط تھا۔ ہم مرحوم کیلئے دعاے مغفرت کرتے ہین۔

بعض معزز معاصرین نے "ادیب" کے نام کی فرسودگی پر خاص توجہ فرمائی ہے جسکے ہم شکر گزار ہین لیکن اس رسالے کے مقاصد کی توضیح کے لئے اس سے بہتر نام مفتاح مشکل تھا جسپر قبل از اشاعت کافی غور کیا گیا تھا اسلئے ہم یہ نام ابتدا قائم اختیار کرنے کیلئے معافی خواہ ہین۔

تصریح تصاویر

۱۔ اس نمبر کی رنگین تصویر ہندوستانی مصوری کی ایک نہایت قدیم یادگار ہے جسمین شاہان خلجیہ کے سب سے زیادہ فیاض اور اولوالعزم بادشاہ ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہان کی خانگی زندگی کا مرقع پیش کیا گیا ہے۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ کس مصور کی صناعی کا نمونہ ہے کیونکہ مصور نے تصویر مین اپنا نام نہین لکھا ہے۔ تاہم خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عہد شاہجہانی ہی کی یادگار ہے جسے اڑھائی سو برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ یہ قلمی تصویر خاص کوشش سے ادیب کیلئے دستیاب کیگئی ہے اور اس قسم کی کئی قلمی تصویرین اور بھی حاصل کی گئی ہین جو آیندہ نمبرون مین ناظرین ادیب کی خاص دلچسپی کا باعث ہونگی۔ اس تصویر مین مصور نے وہ منظر پیش کیا ہے جب بادشاہ اپنے محل مین جلوہ افروز ہے۔ سامنے اسکی پیاری بیگم ارجمند بانو عرف ممتاز محل بیٹھی ہوئی ہے جو آصف خان کی بیٹی اور نور جہان کی بھتیجی تھی۔ بادشاہ کے پہلو مین شاہزادہ دارا شکوہ مودب طریقے سے بیٹھا ہوا ہے اور اور پر ایک جھروکے مین شاہزادی جہان آرا کھڑی ہوئی ہے۔ ساری تصویر پر مجموعی نظر ڈالنے سے یہ آسانی ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی بادشاہون کی خانگی زندگی بھی شاہانہ تکلفات سے خالی نہوتی تھی اور حرم محل مین بادشاہ روزہ آتا اور رہتا تھا۔ جہان آرا کا اس سین کو حیرت خیز نگاہون سے دیکھنا اور خدام محل کا غیر معمولی طریقے سے اپنے اپنے کام مین مصروف ہونا جو اس تصویر سے واضح ہے۔ اس خیال کی پوری تائید کرتا ہے۔

۲۔ روضۂ تاج آگرہ دنیا کی بےنظیر عمارتون مین ممتاز ہے۔ ایسی خوشنما اور انسانی صناعی سے معمور عمارت کا ہندوستان کی سرزمین پر ہونا اس ملک کی تمدنی عظمت کی ایک زندہ مثال ہے۔ اسکی متعدد تصویرین دنیا کے ہر گوشے مین موجود ہین اور عام طور پر ملتی ہین لیکن ادیب کے ساتھ جو تصویر شائع کیجاتی ہے وہ خاص طور پر دستیاب کیگئی ہے۔ اس تصویر مین تاج محل کا وہ رخ دکھایا گیا ہے جو دریاے جمنا کیطرف واقع ہے اور ایک دلچسپ نظارہ پیش کرتا ہے۔

۳۔ شمس العلما حضرت آزاد مرحوم کی تصویر اُنکے خلف اکبر آغا محمد ابراہیم صاحب منصف کاعلیہ ہے جو منظور کی سب سے آخری شبیہ ہے۔ یہ تصویر آغا صاحب نے اکتوبر ۱۹۱۰ء مین خود ہی کھینچی تھی جنہین فوٹوگرافی مین ید طولیٰ حاصل ہے۔ ہماری درخواست پر آغا صاحب نے بجاے فوٹو کے تصویر کا بلاک ارسال فرمایا جو انہون نے ولایت سے تیار کرایا تھا اور حضرت مغفور کے سوانحی حالات کی بھی

تصدیق فرمادی ہے جو اس تصویر کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہین۔ آغا صاحب اپنے نوازشنامے مین تحریر فرماتے ہین کہ "یہ فوٹوپری فوکل سے لیا گیا ہے۔ مرحوم کیمرے راضی نہین ہوتے تھے" جنون اور خود فراموشی کے عالم مین بھی اسقدر انکسار باقی تھا یہ سچ مچھے اپنا ایک پرانا شعر یاد آگیا۔

اہل جنون مین واقف رمز جنون تھے ہم
سودائے عقل سوز سہی داغ شعور تھا

آغا صاحب کی خائبانہ عنایات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم حضرت کیفی کے بھی خاص طور پر ممنون ہین جنھون نے نہایت عجلت مین ایسے زندۂ جاوید ادیب اور فلسفی زبان کے ادبی کارنامون کو واضح کرنے مین قابل تعریف زور قلم دکھایا ہے۔

۴۔ سالتی کی تصویر۔ مسٹر راوی ورما کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ پدماوتی کے راجہ کے وزیر کی بیٹی تھی اور حسن و جمال مین اپنا نظیر نہین رکھتی تھی۔ ایک ساحر نے اسے کرالا دیوی پر قربانی کے لئے زور سحر اُٹھا منگایا تھا۔ اور اُسوقت جبکہ ساحر اسے ذبح کرنا چاہتا تھا اسکا شوہر بھی دیوی کے سامنے فریاد کو گیا اور وہان اپنی بیوی کو مبتلائے عذاب دیکھکر ساحر کو قتل کر ڈالا۔ اسطرح مالتی کی جان بچی۔

۵۔ یہ تھی راج کا دربار ایک خیالی تصویر ہے جسمین سات سو برس پیشتر کے ہندوستانی درباروں کی شان دکھائی گئی ہے۔ خصوصاً جنگی سردارون کی صفین نہایت باعظمت ہین۔ ہندو شاہنشاہون کا یہ آخری دربار تھا۔

۶۔ یہ مسٹر مینی چندر دت۔ سی۔ آئی۔ ای۔ مرحوم کی تصویر اور حالات زندگی کی اشاعت مین کسیقدر دیر ہوگئی ہے لیکن بجقدر دیر ہوئی ہے اُسیقدر یہ حالات زیادہ مفصل۔ مبسوط اور مکمل ہین جو اس تعوین کا کافی قم البدل خیال کئے جائینگے۔ بنگالی قوم کو اپنے جن فاضل اور گرانمایہ علماء پر ناز ہے اُنمین مسٹر دت مرحوم کا پایہ عالی بہت ارفع ہے۔ ادیب کے فاضل مضمون نگار نے مرحوم کی زندگی کے ہر شعبے پر غائر نظر ڈالی ہے جس سے اُنکے علو مرتبت کا کافی اندازہ ہوتا ہے۔

۷۔ بلند دروازہ شہنشاہ اکبر کی یادگار رہے جو اُسکے جلوس کے چھیالیسوین سال تعمیر ہوا تھا۔ یہ فتحپور سیکری کا شمالی دروازہ ہے جو ایک سو قہین فٹ بلند ہے اور اپنی ساخت مین بے نظیر سمجھا جاتا ہے۔

۸۔ دھاک کی تصویر ہندوستان کی نہایت قدیم عمارتون کا نمونہ ہے۔ اس مقدس عمارت کا پانچوین صدی عیسوی سے پتہ لگتا ہے جب مشہور چینی سیاح فاہیان اسکی زیارت کو آیا تھا۔ اُسکے بیان سے ثابت ہے کہ یہ بودھ اعظم کا یادگاری مندر ہے جو اس مقام پر بنایا گیا تھا جہان گوتم بودھ نے پہلے پہل مذہب بودھ پر وعظ کہا تھا۔ لیکن صدیون کے بعد اسکا نام و نشان تک مٹ گیا تھا حتی کہ ۱۸۳۵ء مین میجر جنرل کنگھم نے اسکے کھنڈر کھود کر بودھ زمانے کی نہایت عمدہ اور نادر الوجود صناعیون کے نمونے دستیاب کئے جو ایشیاٹک سوسائٹی کے عجائب خانہ مین بھیجدئے گئے۔

۹۔ کنتلا کی تصویر۔ مسٹر راوی ورما مرحوم کی مایۂ ناز صناعیون مین خیال کیجاتی ہے۔ حُسن و جمال کی اس عدیم النظیر دیوی کی داستان مہابھارت کے ابتدائی واقعات سے تعلق رکھتی ہے جسے زندۂ جاوید کالیداس کی شاعری کی بدولت شہرت دوام حاصل ہے۔ مہابھارت کے بیان کے مطابق اسی حور وش نازنین کے بطن سے وہ شیر دل راجہ بھرت پیدا ہوا تھا جسکے نام پر ہندوستان آج تک "بھارت ورش" کہلاتا ہے۔ معجز نگار مصور نے اس تصویر مین وہ منظر پیش کیا ہے جب سکنتلا راجہ دشینت کے تغافل سے تنگ آکر اُسے شکایت نامہ لکھنے پر آمادہ ہوئی ہے۔ کنول کا پتا جو اُسوقت کے بہترین لٹریچر کا حکم رکھتا تھا سامنے رکھا ہوا ہے اور وہ قلم کو پتے پر رکھے ہوئے خط کا مضمون سوچ رہی ہے۔ اُسکی ہمراز سہیلیان اُسے مشورہ دینے کے انداز سے اردگرد بیٹھی ہوئی ہین اور بنگال کا تمام نظارہ پیش نظر ہے۔ اس شعر کی اس سے بہتر تصویر خیال مین بھی نہین آسکتی۔

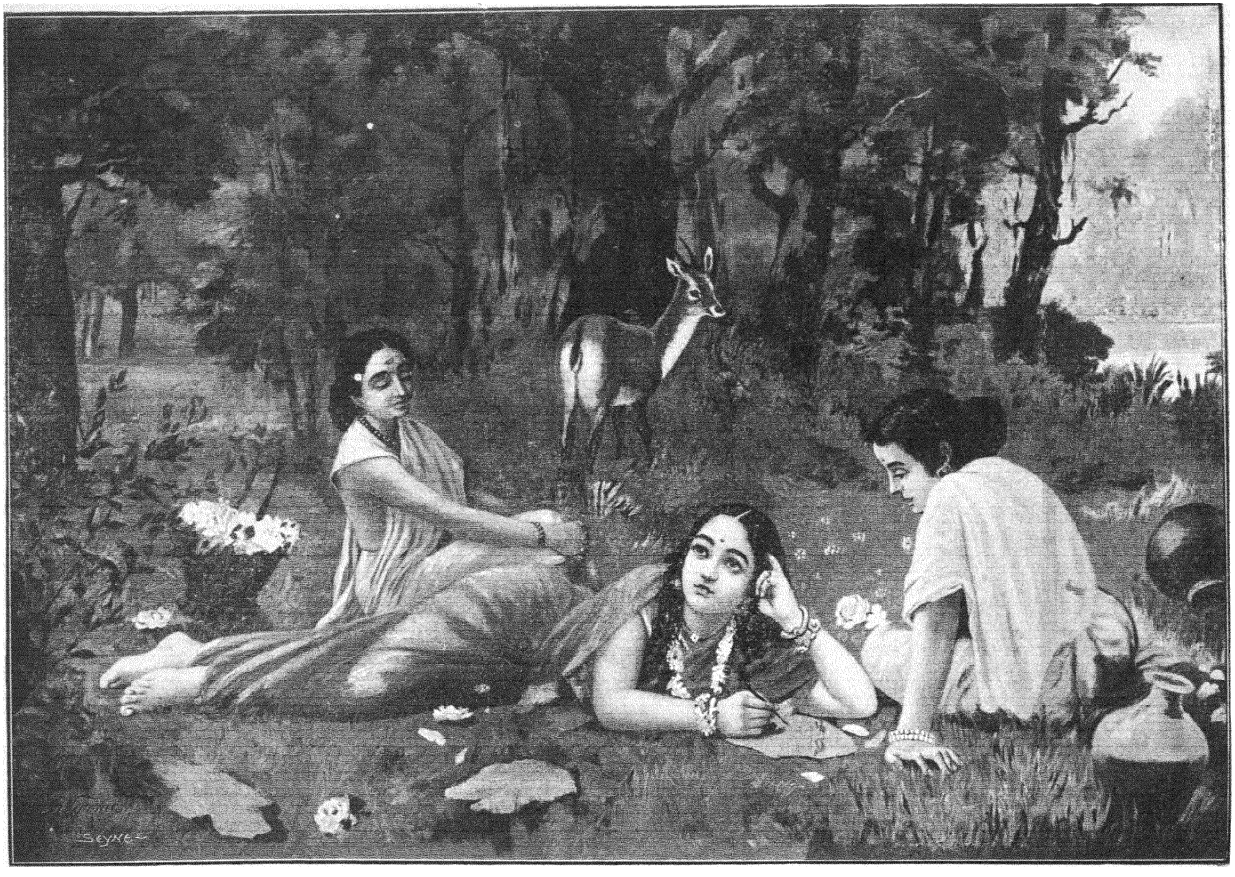

عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

گزشتہ نمبر مین "ادیب کا خیر مقدم" کے عنوان سے معزز معاصرین کے ریویو درج ہو چکے ہین۔ اُنکے بعد بن مقتدر معاصرین نے ادیب پر توجہ فرمائی ہے اُنکے ریویو کے اقتباسات دلی شکریہ کے ساتھ درج ذیل ہین بن معاصرین نے ابتک ادیب پر توجہ نہین فرمائی ہے اُنسے ہتد عا ہے کہ اظہار رائے سے تسکر گذ اری کا موقع دین۔ منیجر۔

اودھ اخبار لکھنؤ - ادیب۔ یہ رسالہ انڈین پریس الہ آباد سے منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی کی ایڈیٹری مین نکلنا شروع ہوا ہے اول نمبر مین مختلف قسم کے مضامین مشہور انشا پردازون کے قلم سے لکھے گئے ہین نثر و نظم دونون دلکش۔ تصاویر ایسی اعلیٰ صنعت مصوری سے بنائی گئی ہین جنکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے اور کیون نہو کہ یہ ہین جرمنی فوٹوگرافون کی صناعی کا نمونہ ہین کاغذ نہایت نگینہ و نفیس چھپائی بھی پاکیزہ با اینہمہ قیمت صرف چار روپیہ سالانہ امید ہے کہ یہ رسالہ ملک مین بہت قدر کی نگاہون سے دیکھا جائیگا۔

ہندوستان لاہور۔ ایک قابل دید رسالہ۔ اُردو زبان کے ماہوار رسالون مین رسالہ ادیب کے اجرا سے ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہے جو الہ آباد سے لالہ نوبت رائے صاحب نظر کی زیر ایڈیٹری نکلنا شروع ہوا ہے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ ایسا اعلیٰ درجہ کا ہے کہ دیکھکر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ علاوہ اعلیٰ درجہ کے مضامین نثر و نظم کے۔ چھ نہایت نفیس تصویرین رسالہ کو زینت دے رہی ہین .....

انڈین کرسچین مسینجر لکھنؤ۔ ایک ماہوار رسالہ اُردو مین الہ آباد سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جسکا نام ادیب ہے۔ اور کریمن علی۔ اخلاقی اور ادب کے متعلق مضامین قابل علما کے قلم سے ہوا کرتے ہین رسالہ باتصویر بنوشتہ اور عمدہ کاغذ پر ہے۔ قیمت للمبر ہے۔

پیسہ اخبار لاہور۔ ادیب۔ یہ اُردو علم ادب کا باتصویر ماہوار رسالہ زیر ایڈیٹری منشی نوبت رائے صاحب نظر الہ آباد سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ پہلا نمبر جو ہمارے پیش نظر ہے ہر طرح سے قابل قدر اور ہر پہلو سے وقعت رکھتا ہے۔ حجم علاوہ دیباچہ کے ۵۶ صفحہ تقطیع کلان۔ لکھائی چھپائی۔ کاغذ بہت اعلیٰ۔ مضامین نظم و نثر اچھے لکھنے والون کے ہین بالخصوص مضامین فلسفہ اور اسکی مراد معاشرتی مذہبی اور تنقید بہت اچھے ہین۔ اس نمبر مین چھ بانٹ تصاویر ہین متعین سے ایک رنگین ہے۔ ان تمام خوبیون پر قیمت چار روپیہ سالانہ یا فی پرچہ ہر بہت کم ہے بلحاظ شکل و صورت تصاویر اور لکھائی چھپائی کے اُردو زبان مین یہ سب سے عمدہ رسالہ ہے امید ہے کہ رسالہ خاطر خواہ ترقی کریگا۔ ملک کو ایسے اچھے رسالون کی ضرورت ہے .....

مخبر عالم مراد آباد۔ ادیب۔ اس ہونہار رسالہ نے جنوری ۱۹۱۰ء سے جاری ہو کر سرمایۂ اُردو مین اور ایک قیمتی اضافہ کیا ہے گو ہندوستان مین اسوقت چند رسالہ قابل تعریف شائع ہو رہے ہین مگر یہ رسالہ اپنی طرز و خصوصیت مین آپ اپنا نظیر ہے جو ۱۸ × ۲۲ کتابی ڈبل تقطیع اور ۴۸ صفحہ کی ضخامت پر شائع ہوتا ہے۔ ہر صفحہ مین دو کالم ہین جو عمدہ تقطیع کے سو صفحے سے ہرگز کم نہین۔ ہمین تصاویر دلکش مشہور عمارات کے نقشے قابل دید دیئے جاتے ہین

اور بعض تصاویر کے ساتھ اسکے حالات بھی نہایت دلکش پیرایہ
مین لکھے جاتے ہین نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی کی ایڈیٹری
کے علاوہ اس رسالہ مین ہندوستان کے مشہور مشہور انشا پرداز
اپنا زور قلم دکھا رہے ہین۔ لکھائی چھپائی اعلیٰ قسم کی۔ کاغذ
نہایت عمدہ و نفیس۔ غرض ہر طرح یہ رسالہ قابل دید
ہے .....

مخزن مسیحی الہ آباد۔ انڈین پریس الہ آباد سے ایک ماہوار اردو تصویری رسالہ
"ادیب" کے نام سے جاری ہوا ہے۔ یہ پرچہ ہر طرح چیر انگریزی
ڈھنگ کا ہے۔ جیسے اعلیٰ اسکے مضامین ہین، ویسی ہی
نفیس اسکی لکھائی چھپائی ہے۔ ابتک جو اردو میگزین
نکلتے رہے ہین، ادیب کو اُن سب پر ترجیح حاصل ہے۔
قیمت سالانہ للعہ ہے جو اسکی خوبیون کے مقابلہ مین کم ہے

سول اینڈ ملیٹری گزٹ لودیانہ۔ ادیب۔ یہ اُردو علم ادب کا ماہوار رسالہ بابو نوبت رائے
صاحب نظر لکھنوی کی ایڈیٹری مین سنہ رواں سے انڈین پریس
الہ آباد سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسمین نظم و نثر کے اعلےٰ
درجہ کے مضامین مشہور اہل قلم کی جودت طبع کا نتیجہ
ہوتے ہین۔ اس رسالہ کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ
اسکے ہر نمبر مین پانچ چھ تصاویر بھی ہوتی ہین جس سے
اس رسالہ کی دلچسپی الضاعف ہو گئی ہے۔ لکھائی چھپائی
بہت نفیس۔ کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز باوجود ان سب
خوبیون کے قیمت سالانہ صرف للعہ ہے۔ اگر یہی حال
انتظام طبع کا رہا تو امید ہے کہ یہ رسالہ ہندوستان کے
چوٹی کے پرچون مین شمار ہونے لگیگا۔ رسالہ واقعی
قابل دید اور لائق خرید ہے۔

فسانہ گو رکھپور۔ ادیب۔ فنی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی کو سب جانتے
ہین جنکے اہتمام سے عرصہ تک نظم و نثر کا رسالہ "اب" انہین
کی ایڈیٹری مین "ادیب" الہ آباد سے نکلا ہے۔ اسکا پہلا نمبر
جنوری کا ہمین ملا۔

جس آب و تاب اور رنگ و روغن اور دلکش مضامین
کو لیکر یہ فرخ نکلا ہے اس سے امید ہے کہ ہر نمبر بڑھکر ہوگا۔
جناب نظر کو اس فن مین بہت بڑی قابلیت حاصل ہے اس
نمبر مین نو مضامین نثر کے اور ایک حصہ نظم کا ہے۔
نظم و نثر کے لکھنے والے قابل اور تعلیم یافتہ اصحاب ہین۔
اس نمبر مین چھ رنگا رنگ تصویر مین بھی دیگئی ہین۔
جو صناعی اور فن مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہین۔
کاغذ بہت بڑھیا لگایا گیا ہے۔
جن لوگون نے الہ آباد کے سالہ سرسوتی کو دیکھا
ہے وہ بہت جلد سمجھ جائینگے کہ یہ نمبر کیسا ہوگا اسلئے کہ
اُسی پریس مین خاص اہتمام سے یہ رسالہ چھاپا گیا ہے۔
..... دو چار مسلمانون کے سوا جتنے لکھنے والے
ہین سب تعلیم یافتہ اور قابل ہندو ہین ..... ہم
بہت خوش ہین کہ ہمارے صوبے سے ایک عمدہ رسالہ
نکلا ہے۔ جناب ایڈیٹر صاحب سے یہ استدعا بے محل نہین
ہے کہ صوبے کی زبان کا پورا لحاظ رکھا جائیگا اسے کہ ہمارے
صوبے کے ہندو لکھنے والے کسی طرح مسلمان لکھنے والون
سے کم نہین ہین۔

جلد ۱ — اپریل ۱۹۱۰ء — نمبر ۴

ادیب

ادبِ اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ — ایڈیٹر نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) سری دیاس جی (رنگین) (۲) خواجہ حافظ شیرازی (۳) دُمدار ستارہ (۴) عجائب خانہ سارناتھ
(۵) ساوتری اور ستیوان (۶) مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر (۷) تاج محل کا وسطی دروازہ (۸) اداے شرم

فہرست مضامین

۱ — آزادی - از مولوی سید احمد صاحب دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ ..... صفحہ ۱۵۳
۲ — حافظِ شیراز - از مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری ۱۵۵
۳ — دُمدار ستارہ - از سید راحت حسین صاحب - بی - اے ۱۶۵
۴ — ایک یادگار مشاعرہ - از پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی ۱۷۲
۵ — فنِ کتاب نویسی - از منشی [illegible] صاحب تنہا ۱۷۷
۶ — مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر - از حکیم برہم صاحب ایڈیٹر "مشرق" ۱۸۴
۷ — اخلاقی دلیری - از مسٹر - پی - ایل - بشاکر ۱۹۷
۸ — مشرقی ادب کی تاثیر (نظم) از مولانا سید احمد علیہ صاحب اشہری ۲۰۱
۹ — کلامِ آہر - از پنڈت بشن نرائن صاحب دربیرسٹرایٹ لا لکھنؤ ۲۰۲
۱۰ — ماہیتِ فلسفہ - از مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی ..... "
۱۱ — کلامِ اکبر - از خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر جج پنشنر الہ آباد ۲۰۳
۱۲ — جوانِ بیوہ - از مرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی ..... "
۱۳ — اداے شرم - از منشی درگا سہاے صاحب سرور جہان آبادی ۲۰۵
۱۴ — دلِ ناکام - از مولوی رشید احمد صاحب تھانوی ..... "
۱۵ — بے ثباتیِ عالم - از سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین ۲۰۶
۱۶ — ایڈیٹوریل ۲۰۷

قیمت سالانہ چار روپیہ — فی پرچہ چھ آنہ

پنچکوڑی متراپرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا

(قیمت سالانہ للبعہ ر)

ادیب

(فی پرچہ ۶ر)

کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقید تاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم۔ مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشا پرداز اسے وقیع۔ دلچسپ۔ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کے لئے دلچسپ ہو۔ کوشش کی گئی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہون خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کے لئے بھی اسیقدر دلچسپ، مفید اور خوشگوار ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی ضخامت ۸۰ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونیکی وجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے ایکسو صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم از کم ایک رنگین اور چار عکسی تصاویر دیجاتی ہین جنمین مشہور مصنفون کی صناعیون کے نمونے۔ مشاہیر حضرات کے فوٹو۔ تاریخی عمارت کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین۔ بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی نظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویر کی دلکشی کو دوبالا کردیتی ہین۔ قدردانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہیگا۔

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کے ساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علٰحدہ ہوتی ہین۔ بہر نوع قدردانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کے ساتھ کوئی پرچہ نہین مل سکتا بلکہ اس ارزانی کے ساتھ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم از کم ساٹھ ہوتی ہے) کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ نظر بریں معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ جمعہ آنہ وصول ہونے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف و خوشخط لکھا جاے تاکہ پرچہ پہونچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہیے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصے کے لئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجاے۔

اس رسالہ مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہین چھاپا جائیگا۔ تمام مضامین بھی نہین لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اسکا مضمون نگار حضرات خود بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصویر ساتھ ساتھ نہ آئینگی تو مضمون شائع نہوگا۔ خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جاے ورنہ تعمیل ارشاد نہوسکے گی۔ تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہیے۔

منیجر "ادیب" انڈین پریس الہ آباد

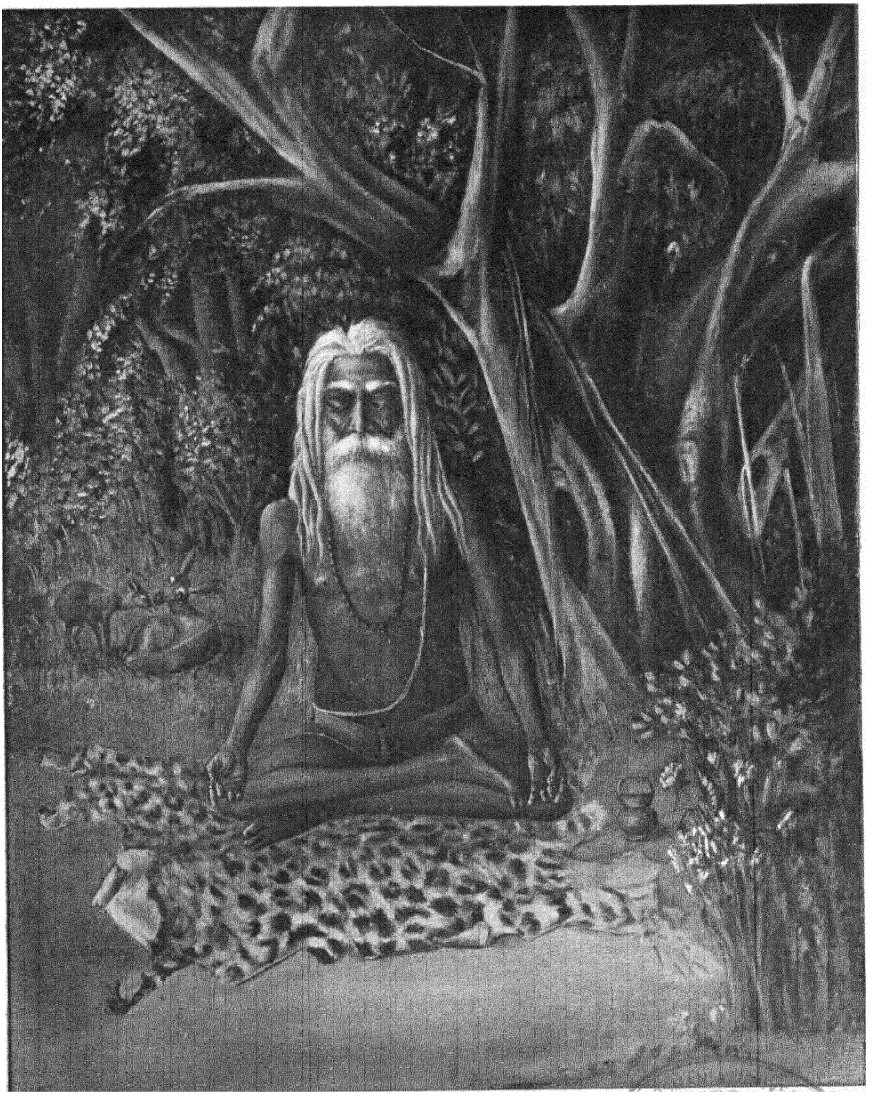

سري وياس جي مصنف مهابهارت

انڈين پريس الهآباد

اپریل سنہ ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ——— نمبر ۴

آزادی

یہ کنا غلط ہے کہ دُنیا مین کسی نفس کو بھی آزادی حاصل ہے۔ آیمین رسول ہو۔ پیغمبر ہو۔ حکیم ہو۔ بادشاہ ہو۔ امیر ہو۔ غریب ہو۔ حاکم ہو محکوم ہو آزاد نہین خیال کیا جا سکتا۔ جو مطلق العنان بادشاہ کہلاتے ہین۔ ہم سے پوچھو تو وہ بھی آزاد نہین۔ ہم لوگ آزادی کے معنی سمجھتے ہین اپنی نیند سونا اپنی نیند اُٹھنا۔ جو چاہنا سو کر بیٹھنا اور اُسکے خمیازے سے اپنی حکمت عملی یا ترکیب سے بچا رہنا۔ اگر غور سے دیکھا جاے تو نہ یہ آزادی ہے کہ ہم رواجِ ملک یا رسومِ قوم سے آزاد ہو گئے۔ نہ یہ آزادی ہے کہ قانونِ حکومت سے بری ہو گئے۔ نہ یہ آزادی ہے کہ احکامِ مذہبی سے فارغ ہو گئے۔ نہ یہ آزادی ہے کہ شرم و حیا کو بالاے طاق رکھدیا۔ نہ یہ آزادی ہے کہ مرنے مارنے سے نڈر ہو گئے۔ آزادی چیز ہی اور ہے جو خداے لایزال کے سوا کسی کو حاصل نہین۔ جب تک انسان جسمانی حالت مین ہے مطلق آزاد نہین ہو سکتا۔ وہ بات بات کا پابند اور ہزارون گرفتاریون مین گرفتار ہے۔ اگر ایک بات سے اپنے آپ کو آزاد کریگا۔ دوسری مین گرفتار ہو جائیگا مثلاً پیغمبر آزاد ہے خطاؤن سے یعنی گناہون سے بری اور معصوم ہے۔ مگر خدا کے خوف سے آزاد نہین۔ اور اگر خدا کا خوف نہ مانے تو اپنے رب کا بندۂ فرمانبردار اور قاصدِ رسالت نہین۔ جب فرمانبرداری سے نکلا تو پیغمبر نہ رہا۔ علیٰ ہذا حکیم آزاد ہے نافہمیون اور ناتجربہ کاریون سے۔ دانا ہے جاہلون اور بعض صورت مین بیماریون سے۔ لیکن بشریت اُسے آزاد نہین رہنے دیتی۔ بعض تحقیقات مین دھوکا کھا جانا۔ مرض الموت مین گرفتار ہو جانا اُسکی آزادی پر حرف لاتا ہے۔ کوئی حکیم ایسا نہین سُننے مین آیا جسے موت سے آزادی حاصل ہوئی ہو۔ یا خوراک انسانی سے ہمیشہ کے واسطے مُجتنب رہا ہو۔ اور اُسکے جسم کی پرورش اور طاقت موجودہ مین فرق نہ آیا ہو۔ جو لوگ حبسِ دم کے مشاق ہین۔ وہ بھی خوراک سے آزاد ہو کر طاقت کے محتاج اور ایک عضو معطل ہو جاتے ہین۔ بادشاہ کو

آزاد کہنے کہا۔ یہ بات داخلِ آزادی نہین کہ اُسکے حکم کی تعمیل ہوگئی۔ گناہ و بے گناہ جسے چار ہاتھ کی رسّی مین لٹکوا دیا۔ ملک بخش دیا۔ عارضی جان بخشی کردی۔ جو عمرِ مستعار سے آگے نہین بڑھ سکتی۔ رات دن کسی ملکی خیالات سے وہ آزاد نہین۔ غنیم و دشمن سے وہ بے پروا نہین۔ اپنی دوامی صحت پر وہ قادر نہین۔ ملک کے قدرتی خصائص کو وہ نہین بدل سکتا۔ انسانی فطرتی خواہشون سے وہ نہین نکل سکتا۔ پھر آزاد کیونکر ہوسکتا ہے۔ اسیطرح باقی افراد پر قیاس کرلینا چاہیئے۔ آزاد وہ ہے کہ اُسے موت ہے نہ غم ہے۔ نہ اُسکا کوئی حاکم ہے نہ وہ کسی کا محکوم۔ جسطرح وہ آپ برّا اور آزاد ہے۔ اُسیطرح اُسنے جو چیز بنائی اُسے آزاد کردیا۔ یعنی اُسکی حالت کو عارضی تغیر و تبدّل سے تا میعادِ مقرر محفوظ رکھا۔ کسی چیز کو اپنی ذات کے سوا دوامی بقا کا درجہ عطا نہین فرمایا۔ آپ سب چیزون کا محرّک بنا۔ لیکن اپنے آپ کو دوسرے کی تحریک کا محتاج نہ رکھا۔ جب خود ہی محرّک ہے اور اُسکی ذات کے سوا دوسرا نہین۔ تو اور کون اُسکی ذات کا محرّک ہوسکتا ہے۔

ہم حیران ہین کہ جو لوگ آزادی آزادی پکار کر حکومت سے فرنٹ ہو رہے ہین وہ کونسی آزادی کے خواہان اور طالب ہین۔ اگر حکومت سے آزاد ہونا چاہتے ہین۔ تو انتظام ملک و امن و امان کا کونسا رستہ نکالتے ہین۔ اگر قانون سے آزاد ہونا چاہتے ہین تو بے آئینی سے کون کونسا فائدہ اُٹھا سکتے ہین۔ مذہب و ملّت سے آزاد ہونا چاہتے ہین۔ تو کونسے رستہ سے خدا کو پہچان سکتے ہین۔ رسم و رواجِ ملک سے آزاد ہونا چاہتے ہین تو کس ملک مین جاکر رہنا پسند کرتے ہین۔ قومون۔ فرقون۔ گروہون۔ پنتھون سے آزاد بننا چاہتے ہین تو کن لوگون مین مِل جُلکر بسر کرنا مناسب سمجھتے ہین۔ ہمنے تو آزاد فقیرون کو بھی خانوادے اور مُرشد کا پابند پایا۔ اور موحدون کو بھی جو خدا کی ذات کے سوا کسی کو نہین مانتے۔ اور نہین تو

خداہی کے ماننے والون مین حساب لگاکے پابند توحید دیکھا ؎

کہ کرد قطع تعلق کدام سرو آزاد
بُریدۂ زہمہ یا خود اگر فتادہ است

ہمارے نزدیک جب تک انسان کے دم مین دم ہے وہ ایک نہ ایک بات کا ضرور پابند ہے۔

پابندی تسلیم و رضا سکھاتی ہے۔ سرکشی اور تمردی سے بچاتی ہے۔ تکبّر و غرور سے محفوظ رکھتی ہے۔ ہمدردی سکھاتی ہے۔ رحم کی عادت ڈالتی ہے۔ فرمانبرداری کا خُوگر بناتی ہے جتنی عمدہ صفتین اور اخلاقی صورتین ہین وہ سب پابندی سے ظہور پکڑتی ہین۔ پس ہمین مناسب ہے کہ اگر ہم اپنے آپ کو بندۂ فرمانبردار خالق ارض و سما کا مطیع بے عذر و فرمان پذیر نیک کردار سمجھتے ہین تو انکسار کو اپنا رہبر بنائین۔ سرِ تسلیم جھکائین۔ جو کچھ پیش آئے اُسے خدا کیطرف سے قضائے مُبرم سمجھین اور بلا حجّت بجالائین۔ کیونکہ وہ ہر ایک شخص کو اُسکے حوصلہ اُسکی لیاقت۔ اُسکے مادّے کے موافق ہر ایک چیز عطا کرتا ہے۔ حاکم منصف کو بناتا ہے۔ دولتمند صاحب ظرف کو کرتا ہے۔ عقلمند معاملہ فہم و ذہن رسا کو بناتا ہے۔ بیوقوف اور کودن و سہل الحس کو ٹھہراتا ہے۔ ظالم بدبختِ ازلی کو پیدا کرتا اور اُس سے وہ کام لیتا ہے جو فہر خدا سے منسوب ہین۔ غرض اُسکا کوئی کام اور کوئی فعل حکمت و فطرت سے خالی نہین۔

پس اے خدا کے ماننے والو! اُسے برحق سمجھنے والو! دُنیا مین وہ بات پیدا کرو۔ جس سے پولس کی ضرورت رہے نہ جج کی حاجت۔ مرغ و مرجان کی حکومت قائم ہوجائے۔ مال کی رکھوالی کو چوکیدار نہ ڈھونڈھنا پڑے۔ کسی کی جان کسی کے ہاتھ سے تلف ہونے پائے کوئی کسی کو بدنگاہ سے نہ دیکھے۔ ایک کو دوسرے سے حسد یا عداوت نہ ہو۔ نفسانیت کا جھگڑا مٹ جائے۔ تمام مخلوق "بنی آدم اعضائے یکدیگرند"

لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی

انڈین پریس الٰہ آباد

کے مسئلے پر عمل پیرا ہو جائے - نہ مذہبی تعصب رہے نہ ہٹ دھرمی - اور نہ ضد کا ڈنکا بجے - اگرچہ یہ باتیں بظاہر نہایت دشوار اور دُور از خیال معلوم ہوتی ہیں - مگر نہیں وہ زمانہ قریب آتا جاتا ہے - ایسے لوگ پیدا ہونے لگے ہیں جس یورپ کا ستارہ اسوقت اوج پر ہے اُسی میں ایسے لوگوں کی بنیاد پڑ گئی ہے -

سیّد احمد دہلوی

حافظِ شیراز

شاعری - اور اصل شاعری - یعنے انسان کے لطیف جذبات کو وجد میں لانے والا کلام اگرچہ ہر ملک اور ہر قوم میں کچھ نہ کچھ ہے لیکن فارس کو فطرت نے کچھ زیادہ فیاضی کے ساتھ اسمیں سے حصہ عطا کیا ہے - وہاں کا معتدل موسم - خوشنما پھولوں سے لدی ہوئی بہار - سرسبز پہاڑ لہلہاتے ہوئے مرغزار چہکتی ہوئی بلبلیں مہکتے ہوئے خودرو پھولوں کے تختے اور صاف و شفاف چشمے یہ سب قدرتی ساز و سامان اس نازک شاعرانہ احساس کے لئے جسکو حسن پسندی یا مستی سے بالاجمال تعبیر کر سکتے ہیں کافی مہیا تھے - اور یہی وجوہ ہیں جنکے سبب سے فارس کی شاعری اس درجہ پر پہونچی کہ دُنیا کے کسی دوسرے ملک کی شاعری کیساتھ اُسکا موازنہ نہیں کیا جا سکتا -

فارس کی شاعری کی بھی کئی قسمیں ہیں مثلاً قصیدہ مثنوی غزل وغیرہ - قصیدے میں کسی خاص شخص کی مدح ہوتی ہے - مثنوی واقعات اور داستانوں کے بیان کرنے کے لئے مخصوص ہے - غزل ایک ایسی چیز ہے جسمیں شاعر اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتا ہے یہی چیز فارسی شاعری کی خصوصیات میں سے ہے - اور اسی کی بدولت تمام دُنیا کے علم ادب میں فارسی لٹریچر ممتاز ہے -

فارسی شعراء میں غزل گویوں کی تعداد حدِ شمار سے باہر ہے لیکن اسکے خاص ارکان جنکے کلام میں کوئی نیا رنگ ہے چند ہیں مثلاً سعدی - حافظ - فغانی - صائب وغیرہ اور بالاتفاق ان سب میں خواجہ حافظ کا رتبہ بے انتہا بلند ہے - اسکو نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ کے اہل ادب بھی مانتے ہیں - کہ خواجہ حافظ کے برابر ذہین اور طباع دُنیا کے کسی ملک میں کوئی شاعر نہیں پیدا ہوا - مولانا جامی نے جو خود فارسی شاعری کے ایک بہت بڑے رکن ہیں خواجہ کو لسان الغیب اور ترجمان الاسرار کا لقب دیا ہے - کیونکہ انکی زبان سے حقیقی عرفان کے راز اور صوفیانہ اسرار اسطرح صفائی اور بیتکلفی کے ساتھ نکلتے ہیں کہ گویا غیب سے القا ہو رہے ہیں -

کس چو حافظ نکشود از رخ اندیشہ نقاب
تا سرِ زلفِ عروسانِ سخن شانہ نزدند

خواجہ کا نام محمدؐ لقب شمس الدین اور تخلص حافظ ہے - انکے اباء و اجداد مقام سرکان کے باشندے تھے جو نہاوند کے قریب ایک گاؤں ہے اُنکے دادا شیراز میں آ گئے اور وہیں سکونت اختیار کی آبائی پیشہ تجارت تھا اور دولت و زیر علم کے لحاظ سے انکا خاندان شیراز میں بہت معزز خیال کیا جاتا تھا -

خواجہ کی پیدایش تخمیناً ۷۱۷ھ میں شیراز ہی میں ہوئی - پہلے قرآن شریف حفظ کیا بعد ازاں اُس زمانہ کے علوم متداولہ

کی تحصیل کی۔ فقہ یعنی اسلامی قانون اور قرآنی علوم سے اُنکو خاص ذوق تھا۔

مولانا شمس الدین محمد عبداللہ شیرازی اُنکے اُستاد انکی ذہانت پر اسقدر فریفتہ تھے کہ اپنی اولاد سے بھی انکو زیادہ چاہتے تھے یہانتک کہ اُنھوں نے اپنا لقب شمس الدین انکو عطا کر دیا۔

جب انکی علمی لیاقت کا شہرہ ہوا تو خواجہ قوام الدین طغچی نے جو شاہ ابو اسحاق والیِ شیراز کے وزیر خزانہ تھے خاص انھیں کیلئے ایک مدرسہ قائم کیا کہ امین یہ طلبا کو فقہ اور تفسیر کی تعلیم دیں۔

اسی زمانہ مین وہان ایک مشہور شاعر خواجو رہا کرتا تھا جو صوفی منش آدمی تھا۔ خواجہ سے اس سے کچھ راہ و رسم ملاقات کی پیدا ہوگئی اور انکو شاعری کا چسکا پڑ گیا۔

اس زمانے مین فارس مین شیخ سعدیؒ (جنکو مرے ہوئے ابھی نصف صدی بھی نہین گذری تھی) کی شاعری کا رنگ جما ہوا تھا یعنی اُنھون نے یہ روش نکالی تھی کہ غزل گوئی کو جو کہ محض ہوس پرستی اور عشق مجازی پر محدود تھی صوفیانہ خیالات سے بھی آشنا کرکے مجاز اور حقیقت کو باہم منطبق کر دیا تھا۔ یہ روش جسقدر دلکش اور مقبول عام تھی اُسیقدر مشکل بھی تھی اور ہر شخص کا دل گردہ نہ تھا کہ اسپر چل سکے۔ سعدیؒ نے خود فخریہ کہا تھا ؎

درکفِ جامِ شریعت درکفِ سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

خواجہ حافظ چونکہ تصوف مین شیخ سعدی سے بھی بلند رتبہ رکھتے تھے اسلئے سعدی کے لگائے ہوئے چمن کو اُنھون نے ایسا آراستہ و پیراستہ کیا کہ وہ باغِ جنت بن گیا۔ اور جو بیوے شیخ نے نصب کئے تھے اُنکی شاخون کو آسمان تک پہونچا دیا۔

اب اُنکی شہرت ایران سے باہر دُور دراز ملکون مین پھیلی قافلون کے ساتھ ساتھ اُنکی غزلین جانے لگین۔ بڑے بڑے بادشاہون کے دعوت نامے اُنکے پاس پہونچنے لگے لیکن وہ درویشی اور قناعت کے بادشاہ تھے کہین نہین گئے۔

سلطان احمد والیِ بغداد انکی ملاقات کا بڑا شائق تھا بارہا اُسنے بُلا بھیجا مگر یہ کہکر ٹالا۔ ؎

گرچہ دوریم بیاد تو قدح مینوشیم
بُعدِ منزل نبود در سفرِ روحانی

ترجمہ اگرچہ ہم دُور ہین لیکن تیری یاد مین شراب پیتے ہین
روحانی سفر مین فاصلہ کوئی چیز نہین ہے

اصفہان والون نے بہت طلب کیا مگر یہ عذر کیا۔ ؎

نمی دہند اجازت مرا بسیر و سفر
نسیم کشت مصلّےٰ و آب رکناباد

ترجمہ مجھ کو کہین آنے جانے نہین دیتے + مصلّےٰ کے
چمن کی ہوا اور رکناباد کے چشمے کا پانی +

جنوبی ہند سے سلطان محمود شاہ بہمنی نے کچھ اشرفیان نذر بھیجا مین اور خواہش کی کہ دکن مین تشریف لائین۔ چونکہ میر فضل اللہ انجو جو بڑے عالم اور خواجہ کے دوست تھے۔ سلطان کے وزیر تھے۔ اُنکے بار بار لکھنے سے خواجہ آمادۂ سفر ہوئے۔ بندرگاہ ہرمز پر دکن کا ایک جہاز خواجہ کو لینے کیلئے گیا تھا۔ جب اُسپر سوار ہوئے تو اتفاق سے نہایت سخت طوفانی ہوا چلی۔ گھبرا گئے آخر کشتی کنارے لگائی گئی۔ اُترے۔ ہندوستان آنیکا ارادہ فسخ کر دیا۔ اور ایک غزل لکھکر میر فضل اللہ کے پاس بھیجدی۔ اسمین سے ایک شعر یہ ہے۔ ؎

بس آسان می نمود اول غمِ دریا بسوے سو
غلط گفتم کہ ہر موجش بصد گوہر نمی ارزد

ترجمہ دریا کی تکلیف نفع کے خیال میں پہلے بہت آسان معلوم ہوئی لیکن یہ میری غلطی تھی سو موتی دریا کی ایک موج کی تکلیف کی قیمت نہیں رکھتے

میر خسرو اللہ نے سلطان کو یہ غزل سنائی اور قصہ بیان کیا سلطان نے افسوس کیا اور کہا کہ ہماری بدقسمتی نے خواجہ کو ہم تک نہیں پہونچنے دیا۔ مناسب یہ ہے کہ ہم اپنے انعام سے انکو محروم نکریں چنانچہ ایک ہزار اشرفیاں ملا قاسم مشہدی کے ہاتھ خواجہ کی خدمت میں بھجوادیں۔

سلطان غیاث الدین والی بنگالہ نے بھی اپنے خادم یاقوت کو خواجہ کے بلانے کے لئے شیراز بھیجا مگر خواجہ نہیں آئے ایک غزل لکھکر بھیجی جسمیں کا ایک شعر یہ ہے ؎

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند
زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

ہندوستان کے تمام طوطی اس فارسی شکر سے جسمیں بنگالہ میں بھیجتا ہوں اپنا منہ میٹھا کرینگے۔

ترجمہ

خواجہ حافظ مثل دیگر شعرائے فارس کے لالچی اور حریص نہ تھے بلکہ وہ ایک درویش کامل اور قانع تھے۔ انکی زندگی فقیرانہ تھی۔ اپنی تمام آمدنی آشنا اور بیگانہ سب کے لئے وقف رکھتے تھے۔ شادی بھی کی تھی۔ دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک تو نوعمری کی حالت میں قضا کر گیا۔ دوسرے کا نام شاہ نعمان تھا وہ ہندوستان میں آئے اور یہیں برہان پور میں وفات پائی۔ انکی قبر میں قلعۂ آسیر کے قریب ہے۔

۷۹۱ھ میں خواجہ نے ۷۶ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ کشت مصلے اور شیراز رکناباد آپ کو بہت محبوب تھا چنانچہ اسکی تعریف میں کہتے ہیں۔

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رکناباد و گلگشت مصلے را

اے ساقی جو کچھ شراب ہے ہو وہ بھی پلا دے کیونکہ جنت میں یہ رکناباد کا کنارہ اور مصلے کا چمن کہاں مل سکتا ہے۔

ترجمہ

مرنے کے بعد لوگوں نے کہا کہ انکو اسی مصلے کے مرغزار میں دفن کرنا چاہئے۔ ع

"قبر بلبل کی بنے گلزار میں"

چنانچہ اسی میں دفن کئے گئے جس حصہ میں انکی قبر ہے وہ حصہ حافظیہ کہلاتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ "خاک مصلے" ہی سے انکی تاریخ وفات نکل آئی اسی زمانہ کے کسی شاعر نے اسکو نظم کرکے اسطرح قطعۂ تاریخ بنا دیا۔

چو چراغ اہل معنی خواجہ حافظ
کہ شمع بود از نور تجلی
چو در خاک مصلے ساخت منزل
بجو تاریخش از خاک مصلے ۷۹۱

۸۵۵ھ میں مولانا سمعانی نے جو سلطان ابوالقاسم بابر بہادر کے وزیر تھے خواجہ کی قبر پر ایک خوشنما گنبد بنوا دیا جو اب تک ہے۔ کریم خان زند نے اپنے عہد حکومت میں باغ مصلے کو درست کرایا۔ درویشوں کے رہنے کے لئے وہاں ایک خانقاہ بھی بنوادی اور ایک خوبصورت سنگ مرمر کے تختہ پر نہایت خوشنما شکستعلیق خط میں یہ غزل جسکا مطلع ذیل میں درج ہے کندہ کراکے تربت پر لگوادی۔

مژدہ وصل تو کو کز سر جان برخیزم
طائر قدسم از جان جہان برخیزم

خواجہ کا کلام شروع سے آخر تک تصوف کے مختلف اور گہرے اسرار کا مرقع ہے۔ ؎

شعر حافظ ہمہ بیت الغزلِ معرفت ست
آفرین بر نفسِ دلکش و لطفِ سخنش

لیکن چونکہ تصوف اُن کیفیات اور واردات کا نام ہے جو انسان کے دل پر ریاضت اور مجاہدہ سے طاری ہوتے ہین اور ان کیفیتون کے بیان کرنیکے لئے دُنیا کی کسی زبان مین الفاظ موجود نہین اسلئے ان واردات کو عشق مجازی۔ مے و مستی اور بُلبل و گل کے افسانون مین ادا کرنا پڑا۔

نادان ظاہر بین انکے کلام سے انکو میخوار۔ شاہد باز۔ رند و مست۔ اور بیدین اور بیعقل سمجھتا ہے۔ لیکن اسے کیا خبر کہ حقیقی مستی کی شراب طہور مجرد بادۂ انگور کے اور کسی شکل مین ظاہر بینون کو نہین دکھائی جاسکتی۔ خواجہ حافظ خود اس دشواری کے متعلق ارشاد فرماتے ہین ؎

چون این گرہ کشایم۔ وین راز دل نمایم
در دے و سخت دردے کارے و سخت کارے

ترجمہ مین کیونکر دل کی گرہ کھول کے اپنے اندرونی راز کو دکھلاؤں یہ تو نہایت ہی مشکل اور دشوار امر ہے۔

بعض احمقون نے جنکو یہ معلوم نہین ہے کہ خواجہ کی مستی کونسی مستی تھی یہ کہہ بھی دیا ہے کہ خواجہ حافظ شراب خوار تھے حالانکہ خواجہ خود کہتے ہین۔ ؎

مستی عشق نیست در سرِ تو
رَو کہ تو مستِ آبِ انگوری

ترجمہ عشق کی مستی تمہارے اندر نہین ہے تمہارا ایمان کیا کام ہے۔ چلے جاؤ کیونکہ تم تو شراب انگور سے مست ہو۔

شراب کی مستی صبح تک رہ سکتی ہے لیکن ایک عارف۔ زندہ دل حق شناس کی مستی صبح قیامت تک نہین جاسکتی۔

تصوف کیا چیز ہے؟

اسکا جواب نہایت سادہ یہ ہے کہ انسان نے جب موجودات عالم کی حقیقت دریافت کرنے کی طرف توجہ کی تو اسکے دو مسلک قرار پائے۔ ایک تو یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی اصلیت دریافت کیجاے۔ اسکا نام فلسفہ ارسطو رکھا گیا۔ کیونکہ ارسطو نے اسی اصول پر موجودات عالم کی حقیقت دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور فلسفہ مدوّن کیا ہے۔

دوسرا یہ کہ انسان کو کسی چیز کی حقیقت دریافت کرنے کی ضرورت نہین ہے صرف اپنی ہی معرفت حاصل کرے جب دل کا آئینہ صاف ہوجائیگا تو اسمین خود بخود ہر چیز کا عکس جلوہ فگن ہوجائیگا۔ اسکا نام فلسفہ افلاطون یا فلسفہ اشراق یا تصوف کہا جاتا ہے اگرچہ ظاہر مین دوسرا مسلک عقل کے مطابق نہین معلوم ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر کچھ بھی یقینی علم انسان کو حاصل ہوسکتا ہے تو صرف اسی ذریعہ سے۔

فلسفی پیش ازین نیست کہ یہ دریافت کریگا کہ پانی مین یا ہوا مین اتنے اجزا ہین اور ان ان چیزون سے مرکب ہوکر بنی ہے۔ لیکن اگر پھر اُس سے ان اجزا کی حقیقت دریافت کیجئے تو اُسکے سامنے وہی گرہ باقی رہجاتی ہے جو اُسکے فلسفہ کے ناخن سے نہین کھُل سکتی۔ چنانچہ بڑے بڑے فلسفیون نے آخر مین مجبور ہوکر یہی کہا کہ۔ ع

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد

دُنیا کے اکثر بڑے بڑے لوگ اسی تصوف کی شاہراہ پر چلے ہین۔ اُنھون نے یقین کیا ہے کہ انسان کے اندر ایک باطنی شعبہ ایسا موجود ہے کہ اُسکو ریاضت کے ذریعہ سے ترقی دیکر وہ معرفت کے اصلی خزانہ تک پہونچ سکتا ہے۔ خواجہ کہتے ہین ؎

ہرکہ شد محرمِ دل درحرمِ یار بماند
وانکہ این کار ندانست - در انکار بماند

ترجمہ جو شخص اپنے دل کا رازدان ہوگیا ہے، وہی یار کے کوچہ میں پہونچتا ہے
اور جو اس سے واقف نہوا وہ انکار ہی کرتا رہ جاتا ہے۔

ایک دوسرے شعر مین فرماتے ہین ؎

زسرِ غیب کس آگاہ نیست قصہ مخوان
گدائے محرمِ دل رہ درین حرم دارد

ترجمہ غیب کے راز سے کوئی واقف نہین ہے - یا تین نہ بناؤ
صرف وہ درویش جو اپنے دل کا راز دان ہے اس کوچہ کو جانتا ہے

اگر ایک شخص ماؤنٹ ایورسٹ پر کھڑا ہو کر عالم کو مخاطب کرے - بلند آسمانون سے - چمکتے ہوئے ستارون سے - اونچے ہمالہ سے - لمبی چوڑی زمین سے - گہرے اور وسیع سمندر سے دریافت کرے کہ تم کیا ہو؟ تمہاری ہستی کیا ہے؟ تو اُسے کوئی جواب نہین ملیگا - لیکن اگر وہ آنکھین بند کرکے خود اپنے دل مین غور کرے تو اسی مین کچھ چشمے - کچھ سوتے ایسے بند ملینگے کہ جنسے علم حقیقی کا آبِ حیات حاصل ہوسکتا ہے - اور کچھ گرہین ایسی پائیگا جنکے کھولنے سے اصلیت کا کچھ سراغ لگ سکتا ہے -

بس صوفی کا کام یہ ہے کہ ان سوتون کو نکالے - اور انھین دل کی بندھی ہوئی گرہون کو کھولے - خواجہ فرماتے ہین ؎

گرہ ز دل بکشا - وز سپہر یاد مکن
کہ فکرِ ہیچ مہندس چنین گرہ نکشاد

ترجمہ اپنے دل کی گرہ کھولو اور آسمان کا ذکر نہ چھیڑو -
کیونکہ کسی ہندسی کی فکر ایسی گرہ نہین کھول سکی ہے -

اور یہ دل کی گرہین کسطرح پھر کھل سکتی ہین؟ عشق کے ناخن سے - خواجہ کہتے ہین - ؎

دلم خزانۂ اسرار بود - دستِ قضا
درش بہ بست و کلیدش بدلستانی داد

ترجمہ میرا دل اسرار کا خزانہ ہے لیکن خدا نے اُسکے دروازے پر
قفل لگاکر اُسکی کنجی ایک معشوق کے حوالے کردی ہے

اس معشوق کا ملنا کچھ ناممکن نہین ہے - اگر انسان ہمت کرے اور توفیق اسکی رہبر ہو تو اسکا جلوہ نظر آجاتا ہے - خواجہ کہتے ہین - ؎

جمالِ یار ندارد نقاب و پردہ ولے
غبارِ رہ بنشان تا نظر توانی کرد

ترجمہ حُسن یار بالکل بے نقاب اور بے پردہ ہے اگر تم اُسکو
دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے راستہ سے غبار ہٹا دو تو نظر آئیگا

ایک دوسری غزل مین کہتے ہین - ؎

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجابِ خودی حافظ از میان برخیز

ترجمہ عاشق اور معشوق مین کوئی شے حائل نہین ہے -
اے حافظ تو اپنا پردہ آپ بنا ہوا ہے درمیان سے اُٹھ جا

یہان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ غبار راہ سے کیا مراد ہے یعنی "خودی" اگر انسان خودی کو ترک کردے تو جمالِ یار بے حجاب اُسکو نظر آنے لگے -

خودی کیا ہے؟ اسکے سمجھنے کیلئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے - موجوداتِ عالم مین انسان اپنے آپ کو سب سے اشرف سمجھتا ہے - اور ہے بھی درحقیقت -

مگر اسکے اشرف ہونیکی عام طور پر یہ وجہ خیال کیجاتی ہے کہ جمادات - نباتات اور حیوانات مین انسان کی طرح نہ عقل ایجاد ہے نہ تمدن ہے - نہ علم ہے - اسلئے انسان سب سے برتر ہے

اور تمام عالم کا بادشاہ ہے۔

لیکن اہل دل کے نزدیک انسان کے اشرف المخلوقات ہونیکے وجوہ یہ نہین ہین - کیونکہ یہ سب چیزین یعنی عقل ایجاد - تمدن اور علم انسان کے اُنھین جذبات کے حد منگذار ہین جو جمادات یا نباتاتی یا حیوانی ہین - فرض کرو کہ بادشاہ نے ایک عالیشان محل بنایا ہر قسم کے آرایشی آلات اور زرین فرش وفروش سے آراستہ کیا - طرح طرح کے نقش و نگار اور بیل بوٹے بنائے - قسم قسم کے پھول لگائے - بجلی کے چراغ جلائے - اور شان وشوکت کے ساتھ اُسمین جلوس کیا - اور فقیر آسمان کی چھت کے نیچے ویران بیابان مین فرش خاک پر بیٹھا - تو اس سے بادشاہ کی انسانیت مین کیا اضافہ ہوا اور فقیر کی انسانیت مین کیا کمی آئی - کچھ بھی نہین - بلکہ بادشاہ کے حیوانی جذبات عیش پسندی خودبینی اور غرور و ناز مین اور زیادتی ہوگئی - اب اگر اس سے یہ اضافی کروفر اور ساز و سامان چھین لیا جاے تو اُسکی روح کو قلق ہوگا - وہ غریب تو اور کانٹون مین اُلجھ گیا اور فقیر کبھی آزاد رہا -

اس سے معلوم ہوا کہ انسانیت کا درجہ ان چیزون سے بلند ہے - اسکی ابتدا عشق حقیقی سے شروع ہوتی ہے - خواجہ فرماتے ہین - ؎

بر درمیخانۂ عشق - اے ملک تسبیح گوے
کاندر انجا طینتِ آدم مخمر میکنند

ترجمہ عشق کے میخانہ کے دروازے پر جبکہ اے فرشتے تسبیح پڑھ کیونکہ یہی وہ مقدس جگہ ہے جہان آدم کا خمیر تیار کیا جاتا ہے

ہر قسم کے طبعی جذبات اور تمام مادّی کثافتین جو دُنیا کی کسی چیز مین ممکن ہین سب انسان کے اندر موجود ہین - اور علم عقل فلسفہ سوسائٹی کا اثر گورنمنٹ کا قانون - کوئی چیز بھی ان کثافتون سے انسان کو پاک نہین کرسکتی - ہان اگر کوئی چیز اسے پاک کرنیکے لئے ہے تو صرف عشق ہے - یہی وہ بھٹی ہے جسمین جلکر انسان خالص کُندن ہوجاتا ہے - اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ جمادات - نباتات اور حیوانات کو تو کیا فرشتون کو بھی حاصل نہین ہے - خواجہ فرماتے ہین - ؎

جلوہ کرد فرمش - دید ملک عشق نداشت
عین آتش شد ازین غیرت و بر آدم زد

ترجمہ اُسنے چہرے نے جلوہ دکھلایا - دیکھا کہ فرشتے مین عشق نہین ہے اس غیرت سے آگ کا شعلہ بن کر آدم مین لگ گیا -

لیکن عشق کی منزل بہت کڑی منزل ہے - اسمین وہ تمام جذبات اور خواہشات جو انسان مین اس حیثیت سے کہ وہ مجموعہ ہے تمام کائنات کا موجود ہین قربان کردینی پڑتی ہین - اور مادّی ہستی کے چمن کو آگ لگادینا پڑتا ہے - تب انسان اصلی انسان ہوتا ہے - خواجہ کہتے ہین - ؎

جناب عشق را درگہ بسے بالاتر از عقل است
کسے آن آستان بوسد کہ جان در آستین دارد

ترجمہ عشق کے سرکار کی درگاہ عقل سے بہت زیادہ بلندی پر ہے وہی شخص اُسکی آستان بوسی کرسکتا ہے جو جان ہتھیلی پر رکھ لے

اسی مادّی ہستی کا نام ہے "خودی" جبتک انسان اس دائرہ سے قدم نہ نکالیگا اُسوقت تک وہ معرفت سے بے بہرہ رہیگا - خواجہ کہتے ہین -

تو کز سرائے طبیعت نمیروی بیرون
کجا بکوے حقیقت گذر توان کرد

ترجمہ تو اپنے طبعی جذبات کے دائرہ سے تو باہر نکلتا ہی نہین پھر بھلا حقیقت کے کوچہ مین تیرا گذر کیونکر ہو

خواجہ کے اشعار مین جابجا اس بات کی تحریک پائی جاتی ہے کہ لوگ دُنیا مین کیون گرفتار ہین۔ عشق کیطرف کیون نہین آتے۔ کہتے ہین۔ ؎

غمِ دُنیائے دون چند خوری باده بخور
حیف باشد دلِ دانا کہ شوش باشد

ترجمہ دُنیائے دون کا غم کب تک کھاتے رہوگے۔ شراب پیو۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ عقلمند کا دل پریشان رہے۔

ایک دوسرا شعر ہے۔ ؎

بال بکشا و صفیر از شجرِ طوبے زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیرِ قفسی

ترجمہ پر کھول اور طوبےٰ کے درخت پر جاکر چہچہا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تجھ جیسی چڑیا پنجرے مین قید رہے۔

خواجہ کا تمام دیوان شروع سے آخر تک اسی قسم کے روحانی لطائف اور حقیقی اسرار سے لبریز ہے۔ جو لوگ تصوف کے کوچہ سے باخبر اور معرفت کے راز سے واقف ہین وہی کچھ ان لطائف کا حظ اُٹھا سکتے ہین۔ یہ وہ چیز نہین ہین جو الفاظ اور عبارت سے ذہن نشین کرائی جاسکین۔

عارفانہ کلام کے دامن مین معانی کا بہت بڑا انبار ہوا کرتا ہے۔ اور اسکی تاویل کے مختلف پہلو نکل سکتے ہین۔ چنانچہ خواجہ کے اشعار سے بھی اپنے اپنے خیال کے مطابق مختلف لوگ مختلف معانی سمجھتے ہین۔ یورپ کے ظاہر پرست مصنفون نے عمر خیام کی رباعیون کیطرح انکے کلام کو بھی فاسقانہ ظاہری کے سانچے مین ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اور چونکہ وہ لوگ روحانیت سے بالکل ذوق آشنا نہین ہین کسی نے اسکو اپیکیورین فلسفہ کہا ہے۔ کسی نے اسٹائک۔ حالانکہ اس زہر ہلاہل سے خواجہ حافظ کا جام بالکل پاک ہے۔

دنیا مین اگر سب سے بہتر کوئی چیز ہے تو محبت ہے۔ یہ ایک ایسی تلوار ہے جس سے اُن تمام بُرائیون کی جو انسان مین موجود ہین گردن کاٹی جاسکتی ہے۔ اگر کسی شخص کے اندر محبت کا مادہ فطرۃً موجود ہے تو اُسکے تمام اخلاق یقیناً پسندیدہ ہونگے۔ تمام بڑے بڑے بزرگون کی اخلاقی خوبیون کا دارومدار اسی اکسیر پر رہا ہے۔

خواجہ کے کلام سے بھی محبت کا شیرہ چھن چھن کے ٹپکتا ہے۔ وہ کہتے ہین کہ دنیا مین کسی شخص سے بےنیاز ہونا اسیکا نام کفر ہے۔ ؎

قفا خوریم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقتِ ما کافریست رنجیدن

ترجمہ ہم دھکے کھاتے ہین ملامت سہتے ہین اور خوش رہتے ہین۔ کیونکہ ہمارے مذہب مین کسی سے رنج کرنا کفر ہے۔

یہ وہی صوفیانہ اور مقدس تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ اگر کوئی دائین گال پر طمانچہ مارے تو بایان بھی سامنے کردو۔ جاڑا چھینے تو کُرتہ بھی اُتار کے دیدو۔ افسوس ہے کہ تمام دنیا صوفی اور فلسفی نہین ہے ورنہ یہ وہ تعلیم ہے کہ اسکی بدولت چین دُنیا سے باہمی عداوت کی تیغ و توپ اُٹھا کے پھینکی جاسکتی ہے۔ کس جوش کے ساتھ کہا ہے۔ ؎

چنان بزی کہ اگر خاک رہ شوی کس را
غبار خاطرے از رہ گذار ما نرسد

ترجمہ دُنیا مین اسطرح زندگی بسر کرو کہ اگر تم کسیکے راستہ کی خاک بھی بنو تو اُسکے غبار سے کسیکا دل مکدر نہ ہو۔

ایک دوسرے شعر مین کہتے ہین۔ ؎

مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن کہ در شریعتِ ما غیر ازین گناہے نیست

دوستی کی ترغیب دلاتے ہین - ؎

درختِ دوستی بنشان کہ کامِ دل ببار آرد
نہالِ دشمنی برکن - کہ رنج بے شمار آرد

ترجمہ دوستی کا درخت لگاؤ کہ دل کی مراد کا پھل دے - اور دشمنی کا پودا اکھاڑ ڈالو کیونکہ اس سے بیشمار تکلیفین پہونچتی ہین

صلح اور نرمی سے دونون جہان کے مقاصد حاصل ہوتے ہین ؎

آسایشِ دو گیتی تفسیرِ این دو حرفست
با دوستان تلطف - با دشمنان مدارا

ترجمہ دُنیا کی نعمت و دولت سب فانی ہین - یہ اس قابل نہین کہ اسکے واسطے انسان لڑے جھگڑے اور انسانی شرافت کو نقصان پہنچائے

نزاع بر سرِ دُنیا مے دون بنا بد کرد
باشتی ببرائے نور دیدہ گوے فلاح

ترجمہ ذلیل دُنیا کے پیچھے جھگڑنا نہین چاہیے - جانِ من ! صلح کرو اسی سے کامیابی کی بازی جیت سکو گے -

ایک دوسرا شعر فرماتے ہین - ؎

یک حرف صوفیانہ بگویم اجازتست
اے نورِ دیدہ صلح بہ از جنگ آوری

ترجمہ اگر اجازت ہو تو ایک صوفیانہ بات عرض کروں - اے آنکھون کے نور ! صلح لڑائی سے بہتر ہے -

عیب گیری ایک ایسا عیب ہے کہ اس سے انسان کے صاف دل کے آئینہ پر بہت جلد زنگ بیٹھ جاتا ہے - اور یہ عیب خود بینی - خود رائی - تحقیر - غرض بہت سے عیبون کا تخم انسان کے اندر بو دیتا ہے اور محبت کو کھو دیتا ہے - خواجہ کہتے ہین ؎

عیب درویش و توانگر بہ کم و بیش بدست
کار بد مصلحت آنست کہ مطلق نکنیم

ترجمہ امیر - غریب کیکی عیب گیری کم ہو یا زیادہ بُری ہے اور مصلحت یہ ہے کہ بُرا کام ہم مطلق نہ کرین -

کہان تک لکھون - اس مختصر مضمون مین اسقدر گنجایش نہین اسی طرح کے صوفیانہ اخلاق کی نہایت اعلیٰ اور مکمل تعلیم خواجہ کے اشعار مین ہے - اور یہ وہ تعلیم ہے کہ جو کسی قوم کسی فرقہ کسی مذہب اور کسی ملک کے ساتھہ مخصوص نہین ہے -

اخلاقی تعلیم کی دُنیا مین کمی نہین ہے - ہر شخص بجاے خود اخلاق کا ایک معلم ہے - لیکن فرق جو ہوتا ہے وہ کیفیتِ ادا اور طرزِ بیان مین ہوتا ہے - ایک شخص اسی بات کو بتاتا ہے کچھ اثر نہین ہوتا دوسرا اس کینڈے سے کہتا ہے کہ روح اُسکو شہد کی طرح چاٹنے لگتی ہے - احسان اور نیکی کو سب اچھا کہتے ہین مگر خواجہ اسی عام مضمون کو اسطرح ادا کرتے ہین - ؎

بریں رواقِ زبرجد نوشتہ اند بزر
کہ جز نکوئیِ اہلِ کرم نخواہد ماند

ترجمہ آسمان کے اس سبز ایوان پر سُنہرے حرفون مین لکھا ہے - کہ سوائے اہل کرم کی نیکیون کے اور کوئی چیز باقی نہین رہیگی

ادبی لحاظ سے خواجہ کا کلام اگر معجزہ نہین تو سحر ضرور ہے - اسکے اندر وہ تمام خوبیان جو کسی شاعر کے کلام مین ہونی چاہئین بدرجۂ کمال موجود ہین - اور یہی وجہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ تک چھوٹے سے بڑے تک جاہل سے عالم تک - رند سے پرہیزگار تک جسکو دیکھو ہر ایک اُنکے کلام پر فدا ہے - عالمون کی مجلسون مین ادیبون کی محفلون مین - رندون کے جمگھٹون مین - شرابخانون مین - خانقاہون مین وہ یکسان مقبول ہے - واعظون کے وعظ مین - حال قال کے جلسون مین - قوالون کی زبانون پر - سارنگی کے تارون پر ہر جگہہ اسکے لئے دلکش اور خوشگوار ہے -

اور بلا امتیاز قوم و ملک خواجہ کی غزلین جس ذوق و شوق کے ساتھ جنوبی ہند مین گائی جاتی ہین - اُسی جوش و خروش کے ساتھ ترکستان کے میدانون مین اُنکا راگ گونجتا ہے - اور جسطرح گنگا کے سواحل پر اسکے نغمے اُٹھتے ہین - اُسیطرح ڈنیوب کی موجون سے اسکے راگ ٹکراتے ہین -

اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے تمام شاعرانہ جذبات فطرتی ہین - انکا سارا کلام انکے واردات باطنی کی تصویر ہے - وہ خود فرماتے ہین ؎

اوّل ز حرفِ لوحِ وجودم خبر نبود
در مکتبِ غم تو چنین نکتہ دان شدم

پہلے تو مجھے اپنے وجود کی تختی کے حرفون کی بھی واقفیت نہ تھی
یہ تو تیرے عشق کے مکتب مین آکر مین ایسا نکتہ دان ہوگیا

ترجمہ

اور یہی شاعری کا اصل الاصول ہے - جبتک جذبات حقیقی نہ ہونگے کلام مین کوئی دلکشی پیدا ہی نہ ہوگی - خواجہ فرماتے ہین ؎

بُلبل از فیضِ گل آموخت سخن ورنہ نبود
این ہمہ قول و غزل تعبیہ در منقارش

بُلبل نے پھول کے عشق مین یہ چہچہانا سیکھا ہے ورنہ کیا
یہ چہچہے اور ترمزمہ سنجیان اسکی چونچ مین رکھی ہوئی تھین؟

خود اپنے متعلق کہتے ہین - ؎

آنکہ در طرزِ غزل نکتہ بحافظ آموخت
یا بشیرین سخنِ نادر گفتار منست

اس شعر کے متعلق بہت سی روایتین مشہور ہین جنکی تفصیل کی اس مختصر مضمون مین گنجایش کہان - مگر حقیقت یہی ہے کہ جبتک شاعر کے دل مین کچھ کھٹک نہ ہو اُسکے کلام مین بھی نہین ہوسکتی - خواجہ محبت اور عشق کی سرمستی کا جذبہ استعداد غالب ہے کہ وہ جھومنے لگتے ہین - وجد مین آکر ناچنے لگتے ہین - ہاتھ جھٹکنے لگتے ہین - انکے مستانہ اشعار سنیئے - ؎

بیا جانان طریقِ کن زرویت مجلسِ مارا
کہ در پیشت غزل خوانیم و در پایت سرافشانیم
چو در دست است رودے خوش بزن مطرب سرودے خوش
کہ دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سرافشانیم

ایک دوسرا شعر ہے - ؎

رقص بر شعرِ تر و نالۂ نے خوش باشد
خاصہ رقصے کہ در و دستِ نگارے گیرند

خواجہ فطرتاً شگفتہ مزاج ہین - اور اسلئے اُنکے کلام مین شگفتگی اور شوخی بے انتہا ہے - تسبیح ہاتھ مین لی ہے - خدا پرست بنتے ہین - لیکن دیکھیے اسکو کہان لیجا کر توڑا ہے - ؎

رشتۂ تسبیح اگر بگسست معذورم بدار
دستم اندر ساعدِ ساقیِ سیمین ساق بود

بیان کی جدّت اور جذبہ کی لطافت دیکھیے کہتے ہین ؎

دوائے درد خود دارد دل از ان مفرح جوے
کہ در صراحیِ چینی و شیشۂ حلبی راست

نام نہین لیتے کہ وہ کیا چیز ہے - صرف انگلی سے اشارہ کرکے بتاتے ہین کہ درد دل کی نہایت مفرح دوا اس حلبی شیشہ اور چینی کی صراحی مین رکھی ہوئی ہے - یعنی شراب - معشوق کی تمکنت اور اپنی خاکساری کا مقابلہ کرکے کیا دلچسپ سوال کرتے ہین ؎

سرمست در قبائے زرافشان چو بگذری
یک بوسہ نذر حافظِ شیرینہ پوش کن

یہ مثل مشہور ہے کہ "نیکی کر اور پانی مین ڈال" خواجہ نے اپنے حسب حال اسکے عجیب معنی پیدا کئے - کہتے ہین - ؎

مرا بمشتی باده در افگن اے ساقی
کہ گفتہ اند "نکوئی کن و بآب انداز"

یعنی اے ساقی تو مجھے شراب کی کشتی مین ڈال دے

ترجمہ

کیونکہ یہ تو بزرگون کا کہا ہوا ہے کہ "نیکی کر اور پانی مین ڈال"۔

یہ اشعار جب کسی موزون موقع پر استعمال ہو جاتے ہین تو جادو سے کم اثر نہین کرتے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آگیا۔ کئی سال کا عرصہ ہوا جس محلہ مین ہم رہا کرتے تھے وہان ایک افغان مولوی صاحب بھی رہتے تھے۔ ساٹھ ستر سال کا سن لیکن بلا کے زندہ دل اور محبت کے پتلے۔ شاعری کا نہایت صحیح مذاق رکھتے تھے۔ ہم چند بے فکرے نوجوان کبھی کبھی اُنکے پاس پہونچ جاتے تھے۔ کشمیری سبز چاے بڑے تکلف سے بنایا کرتے تھے۔ اور زبردستی پلاتے تھے۔ جو تعریف کرو تو بہت ہی خوش ہو جاتے تھے۔ اُنکو ہم سے کچھ ایسی دلچسپی ہو گئی کہ تقاضا کر کر کے بُلواتے تھے اور چاے پلاتے تھے معمول تھا کہ جمعہ کی صبح کو ہم سب اُنکے پاس ضرور پہونچتے اُس دن وہ فرطِ شوق سے بڑے سویرے سے چاے کی تیاری مین مصروف رہتے تھے۔ اور ہمارا انتظار کرتے تھے۔ ایک بار جمعہ کو صبح کی نماز کے بعد مین لیٹ گیا۔ طبیعت کچھ کسلمند سی تھی۔ حسب معمول یا ان طریقت پہونچنے لگے چلو۔ مین نے کہا کہ یہ روز روز کی پابندی تو اچھی نہین معلوم ہوتی۔ آج تو نہ جائینگے انکو کہلا بھیجتے ہین۔ آدمی کی زبانی کہلا بھیجا کہ صاحب آج تو نہین حاضر ہونگے اور اب تو گرمیان آگئین چاے پینے کو جی بھی نہین چاہتا۔ ہلوگ باتین ہی کرتے تھے کہ اتنے مین آدمی آگیا۔ کہنے لگا کہ صاحب کہہ تو آیا لیکن بڑے میان خفا ہو گئے۔ سماوار پٹک کے کہا (مولوی صاحب کے آدمی کا نام تھا) کو بُلایا کہ یہ سب اُٹھا لیجا۔ اور غصّہ ہو کر کہنے لگے کہ ہم تو اُن لوگون کی اتنی خاطر کریں اور انکو یہانتک آنے مین بھی عذر ہے ارے۔ مین نے کہا بڈھا خفا ہو گیا یہ تو بڑی خسارا بی ہوئی۔ اب کیا کرنا چاہیے اس محبت کے فرشتہ کو بھی کسیطرح منانا اور راضی کرنا ضرور ہی ہے۔ کوئی تدبیر سمجھ مین نہین آئی۔ آخر مین نے ایک پرچہ پر موٹے حرفون مین خواجہ کا یہ شعر لکھا۔ ؎

پیر مغان ز توبہ ما گر ملول شد
گو یا دہ صاف کن کہ بعذر ایستادہ ایم

آدمی کے ہاتھ بھیجا اور کہدیا کہ کہدینا ابھی آتے ہین۔ ڈرتے ڈرتے پہونچے۔ دل مین ندامتون کا انبار تھا۔ مگر وہان خواجہ کی تیز شراب اپنا اثر کر چکی تھی۔ بڈھا چاے بنانے مین سرگرم تھا۔ ہمکو دیکھتے ہی مسکرایا۔ شکوہ کرتا تھا لیکن بار بار یہی شعر پڑھتا تھا۔ فقط

اسلم

حیاتِ حافظ۔ اُردو زبان مین خواجہ حافظ شیرازی کے متعلق ابتک کوئی ایسی جامع و مانع کتاب موجود نہ تھی جو تشنگان علم ادب کی پیاس بجھانیکے لئے کافی ہوتی اور دُنیا کے اس متفنن شاعر کے کمالات و کمالات پر محنت و وضاحت کے ساتھ روشنی ڈال سکتی مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے نہایت محنت و عرق ریزی سے اس کمی کو پورا کیا ہے خواجہ حافظ کے کمالات شعری اور معجز بیانی کے اہل ایشیا ایک مدت سے معترف ہین اور فضلاے عرب و عجم کے علاوہ اہل ہند نے بھی اُنکے کلام پر تقاریظ کی رشک کی ہے لیکن اُنکی شاعری پر تنقید و تبصرہ کا بیمثل کام یورپ سے شروع ہوا۔ چنانچہ اسوقت تک دو درجن سے زیادہ دُیبار یورپ و امریکہ نے حافظ کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ مولانا محمد اسلم صاحب نے ان سب مصنفین کی تصنیفات کا مطالعہ کر کے اور ایشیائی تذکرہ نویسون کے قابل اعتماد بیانات سے اپنے دماغ کو معمور کر کے ایک ایسی کتاب تیار کر دی ہے جو بہر طور مکمل ہے۔ حافظ کے سوانحی حالات کے علاوہ اس کتاب مین اُنکے کلام پر محاکمہ، مغربی مصنفون کی رائین، اور اُن فاضلون کا تذکرہ جو اہم معاملات کے موقعون پر دیوانِ حافظ سے دیکھی گئین نہایت تحقیق سے درج ہین۔ فارسی اشعار کے ساتھ اُردو ترجمہ بھی لکھا گیا ہے جو اس کتاب کی ایک خاص خصوصیت ہے۔ کاغذ چھپائی اور کاغذ مین بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے جس سے کتاب کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔ مصنف موصوف مقیم علیگڈھ کالج سے بقیمت ایک روپیہ دستیاب ہو سکتی ہے۔

دُمدار ستارہ

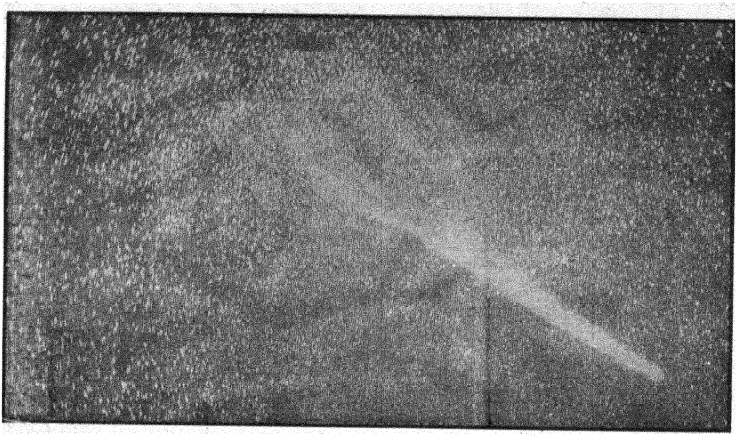

دُمدار ستارہ

اگر تم نے خیال کیا ہے تو دیکھا ہوگا کہ ہر شب کے ۴۵ منٹ پر شام کو افق مغربی مین جہان آفتاب غروب ہوتا ہے ایک دُمدار ستارہ طالع ہوتا ہے جسکے نور کی دمک اتنی ماند ہے کہ اُسکی دم اُجلے اُجلے بادلون کے ٹکڑے کی سی نظر آتی ہے۔ تارے کا رُخ تو آفتاب کی جانب ہے لیکن اُسکی دُم جو اوپر کو پھیلتی ہوئی زہرہ تک پہونچتی ہے جنوب کیطرف جھکی ہوئی ہے۔ یہ تارا۔ ۲۱ جنوری ۱۹۱۰ء کو دنیا کے مختلف مقامات پر بلا اعانت دوربین کے خالی آنکھ سے یکایک نظر آیا اور اُسنے ساری دُنیا کے عام لوگون کو ایک دھوکھے مین ڈالدیا جو کئی ماہ قبل سے ایک دوسرے دُمدار ستارے کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ تارا جسکو تم شام کو دیکھتے ہو نظرون سے جلد غائب ہوجانے والا ہے۔ جس تارے کی حالت مین اس مضمون مین لکھنے والا ہون وہ دوسرا دُمدار ستارہ ہے جو ایک بہت بڑے ہیت دان پہلے کے نام سے مشہور ہے یہ دُمدار ایک ہولناک عظیم جسم ہے جو سیکڑون ہزار میل کی وسعت مین جلتے ہوئے سُرخ انگارے کی طرح دہک رہا ہے اور تیرہ وتار فضائے آسمانی مین پُرخروش آبشار کیطرح ایک مہیب آواز سے غُرّاتا ہوا فی گھنٹہ لاکھ میل کی قیامت خیز رفتار سے زمین کیجانب بڑھتا چلا آتا ہے۔ ہمارے منجم اس تارے کے طالع ہونیکی خبر قبل سے دے رہے ہین اور ہمکو معلوم ہے کہ آئندہ ماہ دُمدار ستارہ اپریل یا مئی کے مہینے مین نظر آئیگا۔

ہیت دانون نے ذکی الحس آلات علم مساحت فلکی سے اسکے طول وعرض کی پیمایش کی اور تاریخ ۷ ستمبر سے ۱۴ نومبر ۱۹۰۹ء تک جو اُسکے قطر کی ناپ درجے اور دقیقون مین دریافت ہوئی اُسکو میل مین تبدیل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوسط درجہ اس تارے کے قطر کا طول ۱۲۸۰۰ میل ہے ۲۴۔ اگست کو مقام ہلوان مین آنے والے

دُمدار ستارے کا عکس اُتارا گیا جس سے اُسکی انوکھی تصویر وضاحت کے ساتھ نظر آتی ہے۔ ہمارے ہیئت دان جن لوگون نے اس تارے کا مرقع اوّل مرتبہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے وہ ہر طرح ہمارے دلی تشکریہ کے مستحق ہین۔

حال مین کرومیلن صاحب نے اپنی علم ہیات کی جنتری مین ایک نقشہ شائع کیا ہے جو اس جگہ درج کیا جاتا ہے۔

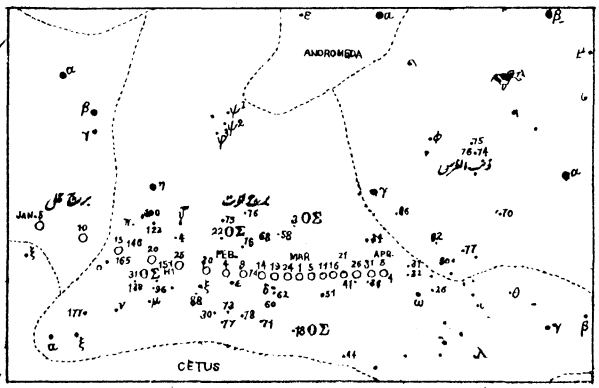

نقشہ گذرگاہ دُمدار ستارہ من ابتداے ۵ جنوری لغایت ۵ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء

اسکو دیکھنے سے آنیوالے دُمدار ستارے کی ظاہری چال کا پتہ چلتا ہے جو بہ قید تاریخ درج ہے۔ ۵ جنوری کو یہ تارا برج حمل کے پرے نظر آتا تھا لیکن پورے پانچ روز بھی نہ گذرے ہونگے کہ وہ اس برج کی مسافت کو طے کرکے باہر نکل آیا اور قطع منازل کرتا ہوا تاریخ ۱۴ فروری کو برج حوت کے مقابلے مین پہونچ گیا اس برج کی منزل کو تمام کرنے مین پندرہ روز کی مدت گذری اور تاریخ پہلی مارچ کو برج حوت سے باہر نکل آیا غرض اس خاکے کو دیکھکر جسمین ۵۔ اپریل تک آنیوالے دُمدار تارے کی رفتار دکھائی گئی ہے تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ کس بلا کی سرعت سے زمین کی جانب چلا آتا ہے۔

ہیئت دانون نے حساب سے دریافت کیا ہے کہ تاریخ ۱۸ مئی کو دس بجے صبح کے وقت یہ تارا اپنے دائرۂ حرکت کے نقطۂ تقاطع سے ہوکر جسکو اصطلاح علم ہیات مین ذنب کہتے ہین گذرے گا اور جس ساعت مین یہ تارا اس نقطے کو طے کریگا اُسکے ٹھیک اٹھارہ گھنٹے بعد زمین اُسی نقطے سے ہوکر گذریگی اور اس وجہ سے یہ احتمال غالب ہے کہ تارے کی لمبی دم جو کُرے کی سی فضاے آسمانی مین دُور تک پھیلی ہوئی ہے زمین کو چھو جائے لیکن اسکے لئے اُسکی دُم کا طول ۲۷۳۲۷۷ میل ہونا چاہئے زمین کو اس تارے کے مقابلہ سے کیا کیا جو کچھ ہین اسکو کسی دوسرے مضمون مین بیان کرونگا۔

تم چاہو تو آنیوالے تارے کو قوی دُوربین کے ذریعہ سے دیکھ سکتے ہو۔ وہ اسوقت برج حوت کے پاس ہے۔ جہان ہماری خالی نگاہ کام نہین کرتی ہے۔ دُنیا کے نامور ہیئت دان اس تارے کا پتہ لگانے مین سال بھر قبل سے سرگرم رہے ہین۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء کے پہلے آنیوالا دُمدار ستارہ دُوربین سے بھی دکھائی نہین دیتا تھا اور ہیئت دانون کو یہ فکر تھی کہ کسطرح اسکو دیکھ لین۔ چنانچہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۹ء کو صبح کے وقت فوٹوگرافی نے یکایک اس تارے کی آمد کی خبر دی اور تصویر کی تختی پر اُس کا نقشہ کھنچ گیا جس کے کل سامان کو ہیئت دانون نے برج جوزا کے سامنے جدھر سے یہ تارا آنیوالا تھا قبل سے لگا رکھا تھا۔ بخون نے اس تارے کے عکس کو دیکھکر جو اک بادل کے ٹکڑے کی طرح نظر آیا۔ آنیوالے دُمدار ستارے کی آمد کو بھانپ لیا

اور اسطرح نوٹو گرافی بڑی سی بڑی دُوربین کی قوت پر سبقت لے گئی اور مجتہدین کے قول کی تصدیق کردی۔ اب کچھ دن باقی ہین کہ آنیوالا دُمدار تارہ ہمکو بلا اعانت کسی آلے کے خالی آنکھ سے دکھائی دیگا اور اُسکی نورانی شکل کو دیکھکر ہم اُسکا خیر مقدم کرینگے۔

علم ہیات کے ابتدائی اصول کو اگر تم نے پڑھا ہے تو معلوم ہوگا کہ آفتاب مرکز ہے اور اُسکے گرد سات سیارے گردش کرتے ہین اور تحقیقات جدید کو لو تو سات سے زیادہ سیارے ہین جو ہمارے آفتاب کے گرد گھوم رہے ہین۔ ان سات سیاروں مین سے زمین بھی ایک سیارہ ہے جو ایک سال کی مدت مین آفتاب کے گرد لڑھکتی ہوئی اپنا دورہ تمام کرتی ہے۔ چاند کو خادم سیارہ کہتے ہین جو آفتاب کے گرد گھومنے والے سیارون کے چارون طرف گردش کرتا ہے۔ غرض یہ سب مل ملا کر جنکے آپس کا تعلق اور سلسلہ آفتاب کی زبردست قوت جاذبہ سے قائم ہے ایک عالم ہے جسکو اصطلاح مین نظام شمسی کہتے ہین۔ قدرت نے اسطرح کے بیشمار نظام اور عالم کو پیدا کیا ہے جنکی تعداد کو عقل انسانی ہرگز قیاس نہین کرسکتی ہے ہر ایک عالم کا مرکز ایک آفتاب ہے جو ہمارے سورج سے ہزارون گنا بڑا ہے۔

اب دُمدار ستارون کے تعلق کو خیال کرو کہ وہ کیونکر ہو اور انکو کسی عالم کے نظام سے کسطرح کا علاقہ و سروکار ہے ہیئت دانون نے اسطرح کے تارون کی دو قسمین قائم کی ہین۔ ایک تو وہ کہ جو کسی عالم کے نظم مین داخل ہوچکا ہے اور ایک معین وقت پر دورہ کرتا ہے۔ تمہارا آنے والا دُمدار ستارہ اسی قسم اوّل مین شمار کیا جاتا ہے جو اوسط درجہ پر ۷۶ برس کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ اور ہمارے آفتاب کی قوت جاذبہ سے مغلوب ہوکر اُسکے گرد چکر لگاتا ہے۔ دوسری قسم دُمدار تارون کی وہ ہے جو کسی عالم کے نظم مین داخل نہین ہے۔ اسطرح کے تارے فضاے آسمانی کے وحشی سیلح ہین جو ایک عالم سے دوسرے عالم مین آزادانہ سیر کرتے پھرتے ہین۔ یہ تارے یکایک نمایان ہوتے ہین۔ ان کے طلوع ہونیکی خبر کوئی منجم نہین دے سکتا ہے۔ تاریخ ہمکو بتاتی ہے کہ ہمارے نظام شمسی مین آج تک بارہ سو سے زائد وحشی دُمدار ستارے آچکے ہین جو اب پھر نہین آئینگے۔ تمکو سُنکر حیرت ہوگی کہ ہمارے آفتاب نے اپنی زبردست قوت جاذبہ سے تیس یا چالیس وحشی دُمدار تارون کو جو سیر کرتے ہوئے اس نظام مین نکل آئے تھے روک لیا ہے اور وہ اب باقاعدہ گردش کرتے ہین۔ تم پوچھ سکتے ہو کہ اور تارون کو ہمارے آفتاب نے کیون نہین روکا؟ اسکی وجہ کھلی ہوئی ہے کہ اُنپر اُسکا قابو نہ چلا۔ وہ تارے بذات خود ایسے زوردار تھے کہ آفتاب کی قوت مقناطیسی اُنکو مغلوب نہ کرسکی اور وہ اس نظام مین آکر چلتے پھرتے نظر آئے۔ لیکن بیطرح ہمارے سورج نے کئی وحشی دُمدار تارون کو روک لیا ہے اُسیطرح ممکن ہے کہ دوسرے نظام کے آفتاب جو ہمارے آفتاب سے بزرگ ہین ان تارون کو قید کرلین اور وہ مغلوب ہوکر اُسی آفتاب کے گرد چرخ کھانا شروع کرین۔ خلاصہ یہ کہ آنیوالا دُمدار ستارہ جسکو ہمارے سورج نے کسی زمانے مین اسیر کرلیا تھا تازہ وارد نہین ہے۔ مدت ہوئی کہ شدہ شدہ اُسکی ذاتی تُندی زائل ہوگئی اور اب وہ نظام شمسی سے اچھی طرح مانوس ہوچکا ہے اور برابر دورہ کرتا ہے۔

واقعات عالم کے نامہ نگار اس بات کی خبر دیتے ہین کہ عہد تاریخی مین ۴۴ء قبل مسیح سے آجتک آنے والے دُمدار ستارے نے کئی پھیرے کئے ہین اور جب کبھی جس زمانے مین یہ تارا طلوع ہوا ہے دُنیا مین اسنے ہل چل ڈالدی ہے اور بنی نوع انسان کو

اپنی پُرآشوب نحوست اور خوفناک شکل سے ڈراتا رہا ہے۔ پُرانے لوگون نے اسکے طالع ہونے کو انسان کے بدترین مصائب کا باعث خیال کیا تھا۔ یون تم اسکو محض توہمات سمجھو لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یہ تارہ جس صدی مین جس سال نمایان ہوا ہے دنیا مین کوئی نہ کوئی آفت ضرور برپا ہوئی ہے۔ زمین پر زلزلہ آیا ہے۔ خون ریزیان ہوئی ہین۔ ہولناک حادثے اور عظیم واقعات گذرے ہین۔ قحط اور طاعون نے قوم کی قوم کو خاک مین ملادیا ہے۔ ان باتون پر لحاظ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پُرانے لوگون کا توہم بلاوجہ نہین تھا۔ یہان مین تاریخی واقعات کو بیان کرتا ہون۔ لو سنو۔

تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۴۰ سنہ ۱۶۳ سنہ ۸۶ سنہ ۱۲ سنہ قبل مسیح مین یہ دُمدار ستارہ طالع ہوا تھا چنانچہ ہر مرتبہ ممالک روم شام اور برمن مین سخت خون ریزیان ہوئین۔ ایک قوم نے دوسری قوم کو تاراج اور برباد کردیا۔ سنہ ۶۶ء مین جب طالع ہوا تو اسکے دوسرے سال بیت المقدس برباد ہوگیا۔ اس مرتبہ اس ستارے کی شکل تلوار کی سی نمایان ہوئی اور بہت زیادہ روشن تھا۔ سنہ ۳۷۳ء مین قوم ہنس مملکت روم پر حملہ آور ہوئی۔ سنہ ۴۵۲ء مین جب یہ تارا ساتوین مرتبہ نظر آیا تو اٹلی اور گول کی سلطنت مغلوب ہوئی اور جنگ مین ہزارون بندگان خدا کا خون ہوا۔ سنہ ۵۳۱ء مین ملک ایران پر طاعون کی آفت نازل ہوئی اور بازار موت ایسا گرم ہوا کہ کوئی لاش اُٹھانے والا نہ تھا۔ سنہ ۶۱۰ء مین اسی ستارے کا طالع ہونا دُنیا کے ایک عظیم واقعے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ وہ سال تھا جب ہمارے پیغمبر جناب رسول خدا مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ مکہ مین کافرون کو ہدایت کرنی شروع کی اور ایک قوم کو جو کفر اور جہالت کی تاریکی مین ڈوبی ہوئی تھی نور ایمان عطا فرمایا۔ سنہ ۱۰۶۶ء مین ولیم فاتح نے جزیرۂ برطانیہ پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ اس ستارے کی شکل کچھ ایسی ڈراونی تھی کہ دیکھکر دل کو ہول آتا تھا۔ سنہ ۱۴۳۲ء مین دوسری جنگ مقدس کی ابتدا ہوئی اور سنہ ۱۲۳۳ء مین جینظر آیا تو ایران اور خراسان مغلوب و تاراج ہوگئے۔ سنہ ۱۴۵۶ء مین ترکون نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ یہ تارا اب کے بار پھر ایسا روشن تھا کہ دیکھکر آنکھون مین چکا چوند پیدا ہوتی تھی۔ اسکی شکل نہایت ڈراونی تھی یہ معلوم ہوا تھا گویا ایک انتقام لینے والی کٹار ہے جو ہوا مین سرون پر لہرا رہی ہے۔ عیسائیون کے دل پر ایسا خوف طاری تھا کہ وہ نمازون مین اسکی نحوست سے پناہ مانگتے تھے۔ سنہ ۱۵۳۱ء مین اس ستارے کا نمایان ہونا دُنیا کے ایک پُرورد اور عبرت خیز حادثے کا باعث خیال کیا جاتا ہے۔ ہولینڈ مین اس بلا کا طوفان اور سیلاب آیا کہ ..... ۴۰ بندگان خدا غرق ہوکر مرگئے اور شہر لسبن مین ایسا ہولناک زلزلہ آیا کہ ..... ۳۰ آدمی زندہ خاک مین گڑ گئے اور سارا شہر غارت اور برباد ہوگیا۔ سنہ ۱۶۰۰ء ۱۶۸۲ء ۱۷۵۵ء مین عبرت ناک خونریزیان ہوئین اور آخر مرتبہ جب یہ تارا سنہ ۱۸۳۵ء مین طالع ہوا تو چلی کی ساری آبادی بھوپچال کی نذر ہوگئی۔

جس تارے کے طالع ہونے پر دُنیا مین اسقدر عظیم واقعات اور حادثے گذرے ہین جنکو اوپر سُن چکے ہو وہی تارا سنہ ۱۹۱۰ء مین پھر نمایان ہونیوالا ہے تو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اسکی نحوست سے دُنیا مین کوئی نہ کوئی آفت ضرور آئیگی ہرگز نہین۔ دنیا نے پلٹا کھایا ہے اور ہمارے خیالات بدل گئے پُرانے توہمات کو جدید تحقیقات نے باطل کردیا اور اب ہماری عقل اسقسم کی لغو باتون پر خندہ زن ہوتی ہے اور اسکو کسی طرح تسلیم نہین کرسکتی۔ آنے والے تارے کو ہم ابھی طرح جان چکے ہین کہ وہ کیا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ اسکا نظام شمسی کے اندر آنا

نیا کے لیے ایک بڑی جو کھم ہے - لیکن ۱۶۸۰ء مین جب ہیلی نامی
ب منجم نے جسکے نام سے یہ تارا مشہور ہے اس بات کو ثابت کر دیا
اُنے والا دمدار ستارہ اجرام فلکی مین داخل ہے اُسوقت سے ہم
نے یہ سمجھ لیا کہ جسطرح اور ستارون کو ہماری حیات اور ممات پر کوئی
قدرت نہین ہے اسیطرح یہ دُمدار ستارہ جسکے طالع ہونے کو ہم
خواہ مخواہ دُنیا کے دردانگیز حادثات کی وجہ قرار دیتے ہین ہمارے
مصائب اور ہماری آفتون کا باعث نہین ہوسکتا ہے قحط طاعون
بھونچال یا خونریزیون کے وقوع مین آنے کی وجہ کو جسکے لئے
دوسرے اسباب ہوتے ہین کسی ستارے کے طالع ہونے سے
جوڑ ملانا ایسی باتین ہین جسطرح کسی کسان نے جسکے گھر مین صبح کو سورج
دکھائی دیتے وقت آگ لگ گئی اور اُسنے طلوع آفتاب کو
اُسکی وجہ قرار دیا تھا -

جو کچھ اوپر لکھا گیا اُس سے میری مراد یہ نہین ہے کہ
دُمدار ستارون سے دُنیا کو کوئی خطرہ نہین ہے مین یہ کہنا چاہتا
ہون کہ جسطرح اگلے لوگون نے ان تارون کے نمایان ہونے کو
انسان کے بدترین آلام و مصائب کا باعث خیال کیا تھا اُسطرح
نہین بلکہ جن خطرون کا ہمکو اندیشہ ہوتا ہے اُنکی صورتین جداگانہ
ہین - آنے والا دُمدار ستارہ اگر اپنا رُخ زمین کی جانب کرے
اور قریب آجاے تو زمین ایک چشم زدن مین جلکر خاک سیاہ
ہوجاے - درخت مکانات اور بڑے بڑے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے
ہوا مین اُڑتے نظر آئین - سمندرون کا پانی بڑھکر بادل سے
مل جاے اور ایک ایسا ہولناک طوفان آئے کہ زمین کی ساری
چیزین برباد اور فنا ہوجائین - زمین کی بربادیون کی جداگانہ
صورتون کو مین کسی دوسرے وقت بیان کرون گا لیکن پہلے
تم یہ جان لو کہ دُمدار ستارے کیا چیز ہین - انکا وجود کیونکر ہوتا ہے

وہ کہان سے آتے ہین اور کہان کو جاتے ہین -

دُمدار تارون کو اگر تم نے دیکھا ہے تو یاد ہوگا کہ انکی روشنی
کی دمک سے آسمان ایک بقعۂ نور دکھائی دیتا ہے - اُنکے رُخ پر تو
ایک روشن تارا ہوتا ہے اور پیچھے خطوط شعاعی کی پھلجھڑی چھٹی
نظر آتی ہے جسکی شکل مورچھل کی سی ہوتی ہے - سامنے والے
تارے کو سر کہتے ہین اور پیچھے جو شعاع نور کے لمبے لمبے گیسو نظر
آتے ہین وہ اُسکی دُم ہے - یا یون کہو کہ تارے کے رُخ تابان سے
نور کی کاکل سر کی ہوئی دکھائی دیتی ہے - اس تشبیہ کے لحاظ
سے ان تارون کو زبان فرنگ مین کومٹ اور عربی مین ذوذوابہ
کہتے ہین - لیکن ہمارے بیان کی بول چال مین وہ تشبیہ دوسری
ہے اور ہم اسطرح کے ستارون کو جھاڑو تارا یا دُمدار ستارہ کہتے
ہین - غرض ہر زبان مین اسطرح کے تارون کے جو نام ہین اُنکی
ترکیب مین کوئی نہ کوئی تشبیہ ضرور داخل ہے چاہے تم اُنکو کسی نام سے
پکارو لیکن وہ ایک بالکل دوسری چیز ہے جسکو مین یہان بیان
کرتا ہون -

تاریخ تکوین عالم ہمکو بتاتی ہے کہ قدرت نے سورج چاند اور
ستارون کو اُنھین چیزون سے خلق کیا ہے جو ہماری زمین پر موجود
ہین - آجتک اسطرح کی ۶۴ چیزین مثلاً دھوان - آکسیجن - نائٹروجن -
لوہا - تانبا - سوڈیم - گندھک وغیرہ دریافت ہوچکی ہین - جو بذات خود
بسیط ہین - انھین چیزونکی حیرت خیز آمیزش سے جسکو اہل علم
مین ترکیب کیمیادی کہتے ہین کل چیزین پیدا ہوئی ہین جن کو ہم
محسوس کرسکتے ہین - دریافت سے معلوم ہوا ہے کہ آفتاب کی
ترکیب مین آکسیجن لوہا سوڈیم وغیرہ داخل ہین جو عالم بخارات
مین اس شدت سے جل رہے ہین کہ ہم لوگ کروڑ میل کی دُوری
پر اُسکی آنچ کی تاب نہین لاسکتے - تم نے دیکھا ہوگا کہ رات کو تارے

ٹوٹتے ہین - یہ تارے اکثر زمین پر گر پڑے ہین اور جب انکی بناوٹ کی جانچ کی گئی ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اُنکی ساخت مین سوائے لوہا تانبا گندھک کاربون وغیرہ کے اور کچھ نہین ہوتا - خلاصہ یہ کہ دُمدار ستارون کی بناوٹ مین وہی اجزا داخل ہین جو زمین پر موجود ہین اور جنسے قدرت نے اور ستارون کو بنایا ہے -

اب یہ خیال کرو کہ دُمدار ستارے کیونکر وجود مین آتے ہین اور اُسکے کیا کیا اسباب ہین - تم دیکھتے ہو کہ قبۂ آسمانی مین ہزارون نور کے فقمے جگمگاتے نظر آتے ہین جنکو تم ستارے کہتے ہو - یہ ستارے قدرتی کنول ہین جو اندھیرے اگھ آکاس مین جل رہے ہین - ہم انکی خاموش بزم کو دیکھکر یہ خیال کرتے ہین کہ یہ ننھی ننھی شمعین روز ازل سے اسیطرح چپین سے جل رہی ہین اور انکو قدرت نے ایسا سکون عطا فرمایا ہے جسکو ہمیشہ بقا ہے اور انکی چُپ ہستی زمانہ کے شور شغب سے محفوظ ہے - لیکن ایسا نہین ہے ہر ایک چھوٹا تارا جو چمکتا ہوا اپنی جگہ پر قائم نظر آتا ہے ایک عالم کا آفتاب ہے جو اپنی عظمت اور جلال مین ہمارے سورج سے کئی گنا زیادہ ہے - ان ستارون مین دن رات بڑے بڑے انقلاب ہوتے ہین اور حادثات عظیم وقوع مین آتے ہین جنکی ہمکو مطلق خبر نہین ہوتی تم نے دیکھا ہوگا کہ جسوقت مہتاب چھوٹتی ہے تو اُس سے پھول جھڑتے ہین - اسیطرح ان ستارون سے جو شدت حرارت سے جل رہے ہین آگ کے شرارے اُڑتے ہین جو آسمانی فضا مین بگولون کی طرح چکراتے پھرتے ہین - ان شرارون مین سے جب کوئی شرارہ زمین کے کرۂ ہوا مین ہوکر گذرتا ہے - تو تمکو رات کو تارا ٹوٹتا نظر آتا ہے - ٹوٹنے والے تارون کی سرعت رفتار توپ کے گولون سے پندرہ سو گنا زیادہ حساب کی گئی ہے - غرض جب اسطرح کے تارون کے آنے والے اور جانے والے پرون مین بھاولون کی بوچھار کیطرح جوق جوق جست کرتے جاتے ہین راہ مین مُڈبھیڑ ہو جاتی ہے تو توپ کے گولون کی طرح ایک تارا دوسرے تارے سے اس زور مین ٹکر کھاتا ہے کہ دُھوان اُڑ جاتا ہے حرارت کی یہ شدت ہوتی ہے کہ شعلے پیدا ہوتے ہین اور آکاس مین بخارات مشتعل کی ایک گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے جو چرخ کھاتی ہوئی کسی جانب کو روانہ ہوتی ہے - یہ شعلہ فشان بادل نوخیز ننھا دُمدار ستارہ ہے جو آکاس مین پرورش پاکر کئی جگون مین پروان چڑھتا ہے -

اب ان تارون کی جسامت کا حال سنو - آنے والا دُمدار ستارہ جب ۱۸۳۵ء مین طالع ہوا تھا تو اُسکی دم ۹۶۱۰۰۰۰۰ میل لمبی حساب کیگئی تھی اُسکے مرکا قطر ۳۵۷۰۰۰ میل تھا - لیکن یہ طول او عرض جسکا تصور مشکل سے ہوسکتا ہے - کوئی حیرت کی بات نہین ہے - نظام شمسی مین اس سے بڑے تارے آئے ہین ۱۸۴۳ء مین ایک کومٹ نظر آیا تھا جسکی دُم کا طول کئی کرور میل تھا - دوسرا تارا ۱۸۸۲ء مین طالع ہوا جسکی دُم کا قطر ۴۰۰۰۰۰۰ میل حساب کیا گیا تھا - کل کی بات ہے کہ ایک دُمدار ستارہ ۱۹۰۶ء مین طالع ہوا جو صبح کو خالی آنکھ سے نظر آتا تھا - اس تارے کے ساتھ دُمین لگی تھین جنمین سے ہر ایک کی لمبائی ستر لاکھ میل حساب کی گئی تھی اُسکے مرکز کا تارا اتنا بڑا تھا کہ زمین اور چاند کے درمیان جو خلا ہے اُسمین ہوکر مشکل سے گذر سکتا تھا - اس جگہ تم پوچھ سکتے ہو کہ اتنے بڑے تارون کا جنکی جسامت عظیم کو سُنکر عقل انسانی گھبرا جاتی ہے نظام شمسی کے اندر آکر پھر سلامتی سے چلا جانا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے ؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ ان تارون کی دُم کی بناوٹ بادل یا کہرے کی سی سُبک ہوتی ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک دُمدار ستارہ سارے نظام شمسی کو درہم وبرہم کر دیتا اور ہمارے

آفتاب کی شمع کو گُل کرتا ہوا اپنی جھولی مین رکھکر دوسرے عالم کی راہ لیتا۔

تم اوپر سُن چکے ہو کہ آنے والا دُمدار تارا فی گھنٹہ لاکھ میل کی رفتار سے زمین کی جانب چلا آتا ہے۔ اب اگر تم اسکی سرعت رفتار کو سمجھنا چاہو تو تمہاری عقل مشکل سے اسکا قیاس کر سکتی ہے یہ وہ بلا کی چال ہے کہ اگر اس تیزی سے جہاز روانہ ہو تو وہ دس ساعت مین بحر اطلانٹک سے گذر کر ساحل پر پہونچانے اور پانی کی مزاحمت سے سارا جہاز آہنی جل اُٹھے۔ تمہاری ہوا گاڑی اس چال سے محض ڈیڑھ منٹ مین زمین کے چاردن طرف دوڑ آئیگی اور اپنی منزل پر پہونچکر جلتی ہوگی۔ خیال کرنیکی بات ہے کہ آنے والا تارا جسکی قیامت خیز چال کا ہم تصوّر نہین کر سکتے ۱۸۳۲ء سے آجتک کتنی بڑی مسافت طے کرکے پھر ہمارے پاس آرہا ہے۔ وہ فضاے آسمانی مین ڈوبتا ہوا کہان نکل گیا اور پھر کہان سے لوٹ کر آتا ہے۔ یہ ایسی باتین ہین جنکو خیال کرنے سے عقل انسانی چکر مین آتی ہے اور خدا کی عظمت اور جلالت اُسکے دل مین جگہ کر لیتی ہے۔

اس جگہ اگر تم قیاس سے کام لو اور فرض کرلو کہ تمہاری زمین شدت حرارت سے یکایک دہکتی ہوئی ایک دوزخ کا انگارہ بنجائے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ دُمدار تارہ کیا چیز ہے۔ زمین کے جل اُٹھنے سے بڑے بڑے بحر ذخار سنسناکر سطح ہوا مین اُڑجائینگے جسطرح پانی کی چھینٹین گرم تنور سے اُڑجاتی ہین پہاڑ دُھوان ہوکر ہوا مین چرخ کھاتے نظر آئینگے اور ساری زمین شدت حرارت سے راکھ کیطرح پگھل جائیگی تمہاری ہری بھری زمین پر اس قیامت کی آگ بھڑکی ہوگی کہ اُسکے ہولناک شعلون کی لپٹ چاند تک جائیگی اور دُھوین کے شعلہ فشان مرغولے آگ کے شرارے اور جلتی ہوئی خاک جنکو زمین عالم ہیجان مین اوپر کو پھینکتی ہوگی اُٹھ اُٹھکر آکاس مین پھیل جائینگے اور زمین اپنی اس ڈراونی شکل مین ایک دُمدار تارا بنجائیگی۔ زہرہ اور مشتری کے متجمون کو آسمان مین ایک مورچھل تارا نظر آئیگا۔ زمین کا دہکتا ہوا کرہ تو ایک تارے کی صورت مین طالع ہوگا اور مشتعل بخارات اور جلتے ہوئے شرارے جو زمین سے نکلکر پچاسون ہزار میل تک آسمان مین بھرے ہونگے وہ دُم طاؤس یا کاکل کی صورت مین دکھائی دینگے۔ آنے والا کومٹ اسیطرح کا ایک خوفناک تارا ہے جو ہماری جانب بڑھتا چلا آتا ہے۔ اور ہم اُسکو اب بہت جلد دیکھین گے۔

سیّد راحت حسین

یادِ رفتگان۔ یہ کتاب شیخ محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر کشمیری میگزین لاہور کی ایک دلچسپ تصنیف ہے مین لاہور کے متقدمے ہندو و اسلام کے تاریخی حالات تحقیق و تجسّس کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہین۔ شروع کتاب مین ایک مقدمہ مین مسئلۂ سماع پر نہایت وضاحت سے بحث کیگئی ہے اور شہر لاہور کے تاریخی حالات بھی قابل تعریف ہین۔ ملنے کا پتہ "کاخانۂ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات۔

کلامِ فوق۔ یہ کتاب بھی منشی صاحب موصوف ہی کی تصنیف ہے جسمین عاشقانہ غزلین اور قومی وطنی نظمین درج کیگئی ہین۔ دیباچہ مین مصنّف نے اپنی ہیچمدانی کا حد درجہ سے زیادہ اعتراف کیا ہے۔ ترتیب کلام کے ساتھ بعض غزلیات بطون کو زائد تصنیف بھی درج کیا گیا ہے جسکی نسبت مصنّف صاحب کا خیال ہے کہ یہ بالکل نئی بات ہے لیکن دیوان حالی مین یہ خصوصیات پیشتر سے موجود ہین۔ کتاب کے ساتھ مصنّف کی پانچ ٹون تصویر بھی دیگئی ہے اور ۴۰ صفحات پر قیمت صرف چھ آنہ رکھی گئی ہے۔ منیجر کشمیر میگزین لاہور سے طلب کیجائے۔

ایک یادگار مشاعرہ

تیرہ چودہ سال کا عرصہ ہوا کہ لکھنؤ مین پنڈت للتا پرشاد صاحب وثیقہ دار کے یہان ایک معرکہ آرا مشاعرہ ہوا تھا مصرع طرح یہ تھا۔ ع اُگتی ہے جاے سبزہ کنگلی میرے چمن مین

لکھنؤ کے قریب قریب تمام اساتذہ جمع تھے۔ لیکن جلال مرحوم نہین تشریف لائے تھے۔ قریب ۴ بجے شام کے مشاعرہ شروع ہوا اور تقریباً دو بجے شب کو ختم ہوا۔ تمام اساتذہ نے اپنے اپنے رنگ مین پُرزور غزلین کہین تھین اور پُرزور غزلین کسطرح نہون۔ اس زمین مین آتش کی یادگار غزل کا نغمہ سب کے کانون مین سمایا ہوا تھا۔ سبحان اللہ کیا کیا شعر فرماے ہین معلوم ہوتا ہے بزم خیال مین نور خداداد کی شمعین روشن ہین۔ میرے دوستو ذیل کے اشعار پر نظر ڈالو اور فصیح لکھنؤ کی روح پر درود پڑھو۔

شیرین زبان ہوتی ہے فرہاد کے دہن مین
لیلیٰ پکارتی ہے مجنون کے پیرہن مین
دو روز ہے یہ لطف عیش و نشاط دنیا
بوے شباب عروسی مہمان ہے پیرہن مین
بازار مصر مین چل یوسف کا سا سا کر
کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن مین
اک تختہ ہفت کشور دلی کا ہے ہماری
تو آسمان ہین اپنے اکبر کے نورتن مین
آیا تھا بلبلون کی تدبیر مین گلون نے
ہمن ہنس کے مار ڈالا صیاد کو چمن مین
یاد فقیر آگے اس بت کے بھولتا ہے
ایکی گرہ مین دو نکا زنار برہمن مین
صحرا کو بھی نہ پایا بغض و حسد سے خالی
کیا کیا جلا ہے ساکھو پھولا جو ڈھاک بن مین

آخری شعر تو ایسا ہے کہ اسکا جواب اُردو شاعری مین ملنا مشکل ہے۔ آتش کے بعد اساتذہ قدیم مین اسیر مرحوم نے دو اک شعر اس زمین مین خوب کہے ہین۔ فرماتے ہین۔

تم رنگ ہو سخن مین تم پھول ہو چمن مین
تم روح ہو بدن مین تم شمع انجمن مین
گھر کر سحاب آیا نہرون مین آب آیا
دور شراب آیا مستو چلو چمن مین
آفت مین جان خستہ پائے امید بستہ
دل کشتی شکستہ دریاے موجزن مین

آسیر و داغ کی بھی غزلین اسی طرح مین موجود ہین اور دونون نے ایک ایک شعر خوب کہا ہے۔

داغ
کیا کیا کدورتین ہین اس داغدار دل کی
آتی ہے خاک لیکے آندھی اسی چمن مین

آسیر
کیا جانے کہ پھوڑا پھولون نے کیا شگوفہ
بلبل پکارتا ہے صیاد کو چمن مین

قدر بلگرامی کا بھی ایک شعر یاد آگیا۔ ؎
لب پر ہنسی جو آئی دندان کھلے دہن مین
چمکی یمن مین بجلی جا کر گری عدن مین

خیر۔ کجا بو و مرکب کجا تا ختم۔ کہان حال کا مشاعرہ کہان آتش و آسیر۔ لیکن زمین ایک ہی ہے گو کہ گلکاریان مختلف ہین پس نگاہ شوق کا ایک تختے کی سیر کرتے ہوئے دوسرے تختے کی جانب بھٹک جانا قابل معافی ہے۔ افسوس ہے کہ میرے پاس اسوقت مشاعرہ مذکور کی تمام غزلین موجود نہین جو کچھ قلیل سرمایہ اشعار کا حافظہ کی امانت مین موجود ہے اُسے قلم و کاغذ کے سپرد کرتا ہون۔ آرزومند دل لطف اُٹھائین اور داد دین۔

میر رضا حسین سُہا لکھنو کے ایک پُرانے شاعر تھے۔ میر وزیر علی صبا کے داماد بھی تھے اور شاگرد بھی۔ اُنکو فخر تھا کہ آتش کے رنگ مین کہنے والا اُنکے سوائے کوئی نہ تھا۔ آدمی کم استعداد تھے مگر قدیم اساتذہ کے فیضان صحبت سے زبان کو صاف اور طبیعت کو برق کر دیا تھا۔ اُنھون نے اس مشاعرہ مین جو غزل پڑھی تھی اسکے چند شعر لکھتا ہون۔

فصلِ خزان کے آتے کیسی ہوا چلی یہ
شمع مرادِ بلبلِ گل ہو گئی چمن مین
پہونچی یہان تلک ہے اب لاغری ہماری
بنتی ہین دو قبائین مجنون کے پیرہن مین
آتش کی یہ زمین ہے جل جائینگی زبانین
آہو نہ چر سکین گے اس شیر ترکے بن مین

آغا مظہر صاحب مظہر ایک آزاد اور رنگین مزاج بزرگ تھے۔ ہر وقت چہرہ پر مسکراہٹ رہتی تھی اور زبان ظرافت کے چٹخارے سے کامیاب تھے۔ اُنکی استعداد علمی معقول تھی اور مضمون آفرینی کیطرف طبیعت خاص طور سے مائل تھی۔ غالب کے بڑے مداح تھے اور جدت کے عاشق تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ جو شعر کہتا ہون اُسے اپنا کر لیتا ہون۔ اس زمین مین بھی اچھے اچھے شعر کہے تھے۔ دو تین شعر یاد رہ گئے ہین۔

کیون حسن بے ادب ہے یون عشق سے چمن مین
منقار بلبلون کی غنچون کے ہے دہن مین
اشکون نے عطر کھینچا گلہاے داغ دل کا
تسخیر شمس شبنم کرتی ہے اس چمن مین
نازونیاز دیکھین بلبل کے اور گل کے
ہم بھی چلین چمن مین تم بھی چلو چمن مین

سید غضنفر علی خانصاحب حکیم منشی اسیر کے بڑے صاحبزادے لکھنو کے گرانمایہ شاعرون مین تصور کیے جاتے تھے۔ عربی و فارسی کی استعداد کمال تک پہونچی ہوئی تھی اور علم عروض کے زبردست ماہر تھے۔ مضمون آفرینی اور جدت پسندی کا یہ عالم تھا کہ اپنے نامور باپ اسیر مرحوم کی مشکل پسندی کے رنگ کو بھی دو آتشہ کر دیا تھا۔ غزل مین بھرتی کا ایک شعر پڑھنا اُنکے لیے کسرشان تھا۔ اپنے نزدیک وہ ہر ایک شعر مین کوئی نہ کوئی جدت اور اُستادی کا پہلو رکھتے تھے۔ اب یہ کہ اس کوشش مین کامیابی کہانتک ہوتی تھی اسکا انصاف قدردانون پر تھا۔ عموماً اُنکے اشعار سادگی کے جوہر سے معرا ہوتے تھے اور اکثر مغلق ہوتے تھے لیکن اُنکا کلام دیکھکر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک اُستاد مجید کا کلام ہے جو شعر صاف نکل جاتا تھا وہ قیامت کرتا تھا۔ مشاعرون کے طریق پر وہ غزل بہت کم کہتے تھے کیونکہ شاعری کا منصب مقدمہ بازی نے بہت کم کر دیا تھا لیکن اس مشاعرہ کے لئے اُنھون نے بھی غزل کہی تھی اور خوب کہی تھی۔ چند اشعار جو اسوقت یاد ہین ہدیۂ ناظرین ہین:۔

پھر عبرغیر ہی ہے گو ہے اُس انجمن مین
بیگانگی سبزہ جاتی نہین چمن مین

چھڑکا نمک اُسی جامو سے سفید نے بھی
زخم غم جوانی جس جس جگہ تھے تن مین
تنہا گئے لحد کو کب صاحبان دولت
دزد کفن کی نیت لپٹی رہی کفن مین
فصل بہار کتنی باقی کرین گی تم سے
ہے یاد کی گرہ وہ غنچہ ہے جو چمن مین
بلبل نے سر جو کھلا پا گل نے دکھائین آنکھین
کس سرکشی پہ سبزہ دب کر رہا چمن مین
نالون سے بلبلون کے گل تنگ آکے بولے
یا یہ رہین چمن مین یا ہم رہین چمن مین

نواب یوسف حسین خانصاحب یوسف شرفا لکھنؤ مین سے تھے اور قدیم تہذیب کے جوہر اور اوصاف ہونا چاہئین وہ اُنمین سب موجود تھے۔ اُنکی زیارت کرنے سے روح کو بالیدگی حاصل ہوتی تھی۔ شاعری مین منشی اسیر کے شاگرد تھے اور اپنے اُستاد کو ہمیشہ محبت سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ لیکن انکی شاعری کے رنگ اور اسیر کے رنگ سخن مین اندھیرے اُجالے کا فرق نظر آتا تھا۔ زبان آب کوثر مین دھوئی ہوئی۔ بندشین نورانی اور پاکیزہ شعر کیا ہوتا تھا گویا نور کا دریا بہتا نظر آتا تھا۔ پڑھنے کا یہ عالم تھا کہ جس مضمون کا شعر پڑھتے تھے اُسکی تصویر محض آواز کے اُتار چڑھاؤ اور آنکھ کی گردش سے کھینچ دیتے تھے۔ معمولی سا شعر بھی اُنکی زبان سے بھلا معلوم ہوتا تھا۔ میرے خیال مین انکی زبان خاص لکھنؤ کی ٹکسالی زبان تھی اور شاعری کے رنگ مین ڈوبی ہوئی تھی۔ فصاحت اُنکے لئے پیدا ہوئی تھی اور وہ فصاحت کیلئے۔ ؎

اللہ رے صفائے بیان حدیث دوست
دم بند ہے فصاحت اہل حجاز کا

انھون نے جو غزل مشاعرہ کے لئے فرمائی تھی اُس کا رنگ تمام غزلون سے جداگانہ تھا اور خاص اُنکے مذاق سخن کا نشان دیتی تھی۔ چند اشعار لکھتا ہون۔

بوتل کے کاگ اُڑا کر نکلی ہے مے چمن مین
ٹوپی اُچھل رہی ہے مستون کی انجمن مین
ساغر بھرے دھرے ہین ساقی کی انجمن مین
لہرا رہا ہے کوثر فردوس کے چمن مین
صہبا دکا ہے دھڑکا پھولون کی انجمن مین
ہاتھون اُچھل رہا ہے بلبل کا دل چمن مین
کس نے کہا کہ بیٹھو پھولون کی انجمن مین
حسرت بھری نگاہین نرگس کی ہین چمن مین
پتون سے نخل گلشن دستک جو دے رہے ہین
چوری گیا ہے شاید بلبل کا دل چمن مین
وہ کونسا حسین ہے تم پر نہین جو مرتا
بھرتا ہے حسن یوسف پانی بدن مین
مرنے کے بعد ایسے کچھ ہم ہوئے تبرک
بوسیدگی نے چرما ہر استخوان کفن مین
ہر رنگ کے گلون نے ڈالا جو عکس یوسف
طاؤس بنگئی ہے باد صبا چمن مین

مجھکو اچھی طرح یاد ہے کہ جب یوسف حسین خانصاحب نے یہ شعر پڑھا کہ ؎ مرنے کے بعد ایسے الخ تو حکیم صاحب نے بہت تعریف کی۔ وجہ یہ تھی کہ یہ شعر خاص انکے رنگ کا تھا مگر باوجود اسکے حضرت یوسف کی زبان کی جلا اسمین بھی موجود ہے۔

پنڈت برشن نرائن صاحب دَر کی ابتدائی شاعری کا یہ رنگ تھا انکا بھی ایک شعر یاد رہ گیا۔ ؎

گل کے جو کان اُڑائے بک بک کے بلبلوں نے
بولی کلی چٹک کر کیا شور ہے چمن میں

ایک پرانے وضع کے بزرگ موجود تھے اور غالباً منشی امیر مرحوم کے شاگرد تھے انھوں نے ایک رنگ قدیم کا شعر کہا تھا۔

دریائے خون عاشق لہریں جو لے رہا ہے
بیتاب مچھلیاں ہیں بازوئے تیغ زن میں

مگر جو شعر حاصل مشاعرہ ثابت ہوا اور جسکی دھوم دوسرے روز تمام شہر میں ہوگئی وہ شعر حضرت بدر کا تھا۔ حضرت بدر کا نام مجھے اسوقت یاد نہیں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جناب حکیم کے شاگرد تھے اور لکھنؤ کے پرانے نوابزادوں میں تھے اور دولت کثیر رکھتے تھے۔ شعر بھی تفنّن طبع کی طور پر کہہ لیا کرتے تھے۔ اس مشاعرہ میں انھوں نے یہ شعر پڑھکر قیامت کردی ؎

دامن کو چاک کرکے رسوا ہوئی ہے کیا کیا
تھی عصمت زلیخا یوسف کے پیرہن میں

اس شعر کے علاوہ تمام غزل پھیکی ہے۔ اور اس شعر کا مضمون بھی آتش کے ایک شعر سے لڑتا نظر آتا ہے۔ ؎

نہ پھاڑنا تھا زلیخا کو دامن یوسف
یہ اسکا پردۂ عصمت دریدہ ہونا تھا

لیکن حق یہ ہے کہ بدر کا شعر صفائی بندش کے لحاظ سے آتش کے شعر پر فوقیت رکھتا ہے اور یہی اسکے مقبول ہونیکا باعث ہوا۔

نواب بادیلی خان یکتا ایک آزاد منش بزرگ ہیں۔ غزل کم کہتے ہیں لیکن تخمیس کے بادشاہ ہیں۔ اور اس رنگ میں اسکا جواب لکھنؤ میں نہیں ہے۔ غالباً اسی وجہ سے تخلص یکتا رکھا ہے۔ اس مشاعرہ میں آتش کی غزل پر انھوں نے مصرع لگائے تھے۔ جو کچھ یاد ہے لکھتا ہوں

"تو من شدی" کا محل ہے ہر سو ہر ایک بن میں
"من تو شدم" رچا ہے فریاد کوہکن میں

یہ اتفاق باہم کمتر ہے مرد و زن میں
شیریں زبان ہوئی ہے فرہاد کے دہن میں

لیلیٰ پکارتی ہے مجنوں کے پیرہن میں
سامان ظاہری ہے یہ اختلاط دُنیا

کس پھیر میں پڑا ہے چھوڑ ارتباط دُنیا
جب ایک دن فنا ہے پھر کیا لباط دنیا

دو روز ہے یہ لطف عیش و نشاط دُنیا
بوئے شب عروسی مہماں ہے پیرہن میں

مشاعرہ کے بعد حضرت یکتا ایک روز ملے اور حضرت بدر کے شعر پر جو مصرع لگائے تھے وہ سنائے۔ وہ بھی لکھتا ہوں

عاشق ہوئی ہے کیا کیا شیدا ہوئی ہے کیا کیا
بیدل ہوئی ہے کیا کیا جویا ہوئی ہے کیا کیا

در پردہ یہ قیامت برپا ہوئی ہے کیا کیا
دامن کو چاک کرکے رسوا ہوئی ہے کیا کیا

تھی عصمتِ زلیخا یوسف کے پیرہن میں

علاوہ ان حضرات کے جنکے اشعار میں نے لکھے ہیں اور بہت سے شعرا جمع تھے اور غزلیں بھی پڑھیں تھیں مگر مجھے اسیقدر اشعار یاد رہ گئے۔ اب تک میرے نگاہوں کے سامنے اس مشاعرہ کی تصویر ہے کم سے کم ڈیڑھ سو حضرات نے غزلیں پڑھی تھیں جسمیں اساتذہ بھی تھے شاعر بھی تھے خوشگو بھی تھے اور محض تخلص کے گرہنگار بھی تھے۔ اور سامعین کی تعداد دو سو تین سو سے کم نہ تھی۔ جب اچھا شعر پڑھا جاتا تھا تو قدردانوں کی تعریف اور واہ وا کے نعروں سے یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ چھت

اُٹھ جائیگی - ایک طرف مظہر مرحوم کے مچلکے روتے کو ہنساتے تھے دوسری جانب جناب حکیم مرحوم کی مولویانہ اور ادب آمیز ظرافت اپنے رنگ مین مزہ دیجاتی تھی - نواب یوسف حسین خان کی نورانی صورت سے تمام محفل نورانی ہو رہی تھی - ہادیعلی خانصاحب یکتا کا انداز تعریف قیامت تک نہ بھولیگا - افسوس ہے تو یہ ہے کہ اب یہ رنگ دیکھنا نہ نصیب ہوگا - پانچ چھہ سال کا عرصہ ہوا جناب حکیم نے داعی اجل کو لبیک کہا - حضرت مظہر کے مرنے سے بزم احباب سونی ہوگئی - نواب یتیے صاحب مشاق بھی اس مشاعرہ مین موجود تھے مگر غزل طرح پر نہین پڑھی تھی - موت نے جوان ہی کے عالم مین انکا بھی خاتمہ کردیا - ایک نواب یوسف حسین خان باقی رہے تھے افسوس ہے کہ پارسال طاعون کی ہوا سے وہ چراغ بھی گُل ہوگیا - جناب جلال کا زخم ابھی تازہ ہے - ؎

اُٹھ گئی ہین سامنے سے کیسی کیسی صورتین
روئیے کس کس کو اور کس کس کا ماتم کیجئے

اب مشاعرے ہون تو کیونکر ہون - خیر خداعزیز و محشر کو سلامت رکھے کہ انھون نے مشاعرون سے علمی مذاق کا سلسلہ قائم کیا ہے ورنہ زمانہ حال کے نوجوانون کی طبیعتین تمام سنجیدہ مشاغل سے پھری ہوئی ہین اسی مین شعر و سخن کے مذاق کا خون بھی شامل ہے - رسّا کھینچنا - ہاکی یعنی ولایتی گُلّی ڈنڈا کھیلنا ٹینس کے دام مین اسیر رہنا اب تہذیب شباب کی معراج خیال کیا جاتا ہے - لیکن عقیدتمند دل مشاعرہ کے ہدلے مشاعرہ کی یاد ہی سے طبیعت کو تازہ کر لیتے ہین ورنہ یہ چمن اب کہان - ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

برج نرائن چکبست

رسوم دہلی - مولوی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ کی اس جدید تصنیف مین مسلمانان دہلی کے قدیم رسوم کا نہایت وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے - انمین سے بعض رسمین ہندو مسلمانون مین مشترک ہین جنکی نسبت مولویصاحب فرماتے ہین - "مثلاً رسم تیجا ہندؤن مین - فاتحہ سوم یا پھول مسلمانون مین - اگرچہ پھول کا لفظ بیان بھی مشترک ہے - کیونکہ ہندؤن مین پھول مردے کی جلی ہوئی ہڈیون کو کہتے ہین جو تیسرے روز مرگھٹ سے چُنکر گنگا جی مین لیجاتے ہین اسواسطے جمع کرتے ہین عام مسلمانون نے اسی رعایت کی غرض سے اُس روز مردے کی قبر پر اگر بچا اور پھولون کی چادر کا بھیجنا ایک لازمی امر سمجھکر فاتحہ سوم کا نام پھول رکھ لیا....." اسیطرح تمام رسوم کی شرح کیفیت عنایت دلاویز پیرائے مین لکھی گئی ہے - ہندو مسلمانون کی مشترک رسوم اُنکے قدیم اتحاد کی نہایت صاف شہادت دیتے ہین جو افسوس ہے کہ اب خواب و خیال ہوتا جاتا ہے - اور غالباً اسی نظر سے مولانا موصوف نے اُنھین ایک کتاب مین قلمبند کر دیا ہے کہ آیندہ نسلین حیرت کے ساتھ پڑھین اور تاریخی دلچسپی حاصل کرین - فاتح و مفتوح قوم کے اتحاد کا سب سے بڑا راز اُنکی مشترکہ معاشرت ہے جسکے بغیر یگانگت کی تکمیل نہین ہوسکتی - مخزن پریس دہلی یا مصنف موصوف سے بہ قیمت ۱۲ر دستیاب ہوسکتی ہے -

---

نوٹ - چونکہ تمام اشعار محض حافظہ کی مدد سے لکھے گئے ہین اسلئے اگر کسی مصرع یا شعر مین تغیر و تبدل ہوگیا ہو تو اہل تنقید معاف فرمائین - چکبست

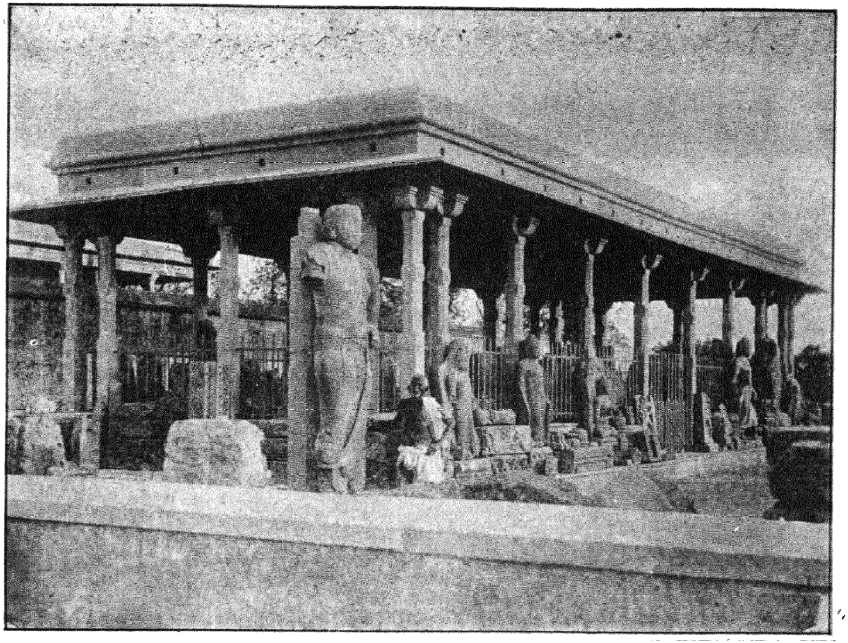

هجائب خانه سارناتهه متصل بنارس

انڈین پریس الہ آباد

فنِ کتاب نویسی

برٹرنڈ کہتا ہے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ "مرنے کے مضامین کا ترجمہ اُنکے کفن گھسوٹ لینے سے زیادہ مذموم فعل ہے" تو بہت سے مصنفین کا کیا حال ہوگا؟

مجھے کتابوں کی افراط پر اکثر تعجب ہوا کرتا تھا اور مین دل مین کہا کرتا تھا کہ وہ اشخاص جنکو خدائے تعالیٰ نے کتاب لکھنے کیلئے پیدا نہین کیا تھا کسطرح مجلّد اور ضخیم کتابون کے مصنّف بنجاتے ہین؟ مگر جسقدر آدمی سفرِ زندگی طے کرتا جاتا ہے اُسیقدر تعجب خیز اشیاء کا وجود اُسکی نظرون مین کم ہوتا جاتا ہے اور اُسے رفتہ رفتہ معلوم ہوجاتا ہے کہ نہایت تعجب خیز امر کی بہت سیدھی سادی وجہ ہوا کرتی ہے - مجھے اس بڑے شہر مین (لندن) جبکہ مین ادھر اُدھر سیر کرتا ہوا پھر رہا تھا ایسا ہی اتفاق ہوا، مین غلطی سے ایک مقام پر جا پہونچا جہان فنِ کتاب نویسی کے کچھ راز مجھ پر منکشف ہوگئے اور فوراً میری حیرت کا خاتمہ ہوگیا۔

مین ایکدن موسم گرما مین برٹش میوزیم (British Museum) کے بڑے کمرون مین اُس خاموشی کے ساتھ جس سے ایک شخص گرمی کے دن مین ایک میوزیم کے گرد ادھر اُدھر پھر سکتا ہے ٹہل رہا تھا - بعض اوقات اُن معدنیات کو جو شیشے کی الماریون کے اندر بند تھین جھک کر دیکھنے لگتا تھا، بعض اوقات قدیم مصری خط جو می پر کندہ تھا پڑھنے لگتا تھا، اور بعض اوقات تقریباً اسی کامیابی کے ساتھ فرضی نتیجہ خیز تصاویر کو جو بلند چھتون پر منقش تھین سمجھنے کی کوشش کرنے لگتا تھا - جبکہ اس بے پروائی کے ساتھ ادھر اُدھر تک رہا تھا میری توجہ ایک دُور کے دروازے کیطرف منعطف ہوگئی جو کمرون کی قطار کے اُس سرے پر واقع تھا - یہ دروازہ بند تھا لیکن کبھی کبھی کھلتا تھا اور کوئی نہ کوئی اجنبی مگر دلچسپ شخص، عموماً سیاہ لباس مین ملبوس، کمرون مین ہوتا ہوا، بغیر اردگرد کی چیزون پر نظر ڈالے ہوئے، آہستگی کے ساتھ داخل ہوجاتا تھا - اس کیفیت مین کچھ رازِ سربستہ کی شان پائی جاتی تھی جسنے میری دُور مین نظر کو اپنی طرف کھینچ لیا - چنانچہ مین نے دل مین ٹھان لیا کہ مین ضرور اس آبنائے مین داخل ہوکر اُن نامعلوم ممالک کا جو اُسطرف واقع ہین پتہ لگاؤنگا

دروازہ ہاتھ لگاتے ہی اُس آسانی کے ساتھ کھل گیا جس آسانی سے مسحور (طلسمی) قلعون کے دروازے ہامت اور بہادر شہزادون کے لئے افسانون مین کھل جایا کرتے ہین - مین نے اپنے آپ کو ایک وسیع کمرے مین پایا جسکے چارون طرف پرانی کتابون کی الماریان رکھی ہوئی تھین - الماریون کے اوپر اور ٹھیک کالس کے نیچے قدیم مصنفون کی بہت سی سیاہ رنگ کی تصویرین سجی ہوئی تھین - بیچ مین لمبی لمبی میزین پڑی ہوئی تھین اور لکھنے پڑھنے کے لئے علیحدہ میزین بچھی ہوئی تھین جنکے چارون طرف کتب بین اشخاص جنکے چہرے کثرتِ مطالعہ سے زرد پڑگئے تھے بیٹھے ہوئے تھے اور گرد سے اٹی ہوئی کتابون کو غور سے جھک جھک کر دیکھتے جاتے تھے اور خاک آلودہ قلمی کتابون کو تلاش کر رہے تھے اور اُنکے مضامین سے بیشمار نوٹ لے رہے تھے - اس پُراسرار کمرے مین چارون طرف خاموشی ہی خاموشی

چھائی ہوئی تھی بجز اسکے کہ کاغذ کے تختون پر قلمون کی تیز رفتاری کی آواز سنائی دیتی تھی یا کبھی کبھی ان بزرگون مین سے کسی کی گہری سانس سے جب وہ اپنی نشست کو کسی پرانی کتاب کے اوراق گردانی کے لئے بدلتے تھے آواز پیدا ہو جاتی تھی۔ ایسی گہری سانس علمی تحقیقات کے وقت بلاشبہ خلوے معدہ کیوجہ سے پیدا ہو جایا کرتی ہے۔

کبھی کبھی ان بزرگون مین سے ایک بزرگ کاغذ کے پرزے پر کچھ لکھ دیتا تھا اور گھنٹی بجاتا تھا۔ جسکی آواز پر ایک چپراسی حاضر ہوتا تھا اور کاغذ کو نہایت خاموشی کے ساتھ اُٹھا کر آہستگی سے غائب ہو جاتا تھا اور فوراً ضخیم جلدون سے لدا ہوا واپس آتا تھا۔ بنیز دیگر صاحبان بھی بچواس ہو کر اسطرح گرتے تھے جسطرح دو تین روز کا فاقہ کش کھانے پر گرتا ہے مجھے اپنے اس خیال مین ذرا بھی شک نہین تھا کہ مین ساحرون کے مجمع مین آپھنسا ہون جو محض علوم کی تحصیل مین مشغول ہین۔ اس نظارے نے مجھے الف لیلا کے اُس پرانے قصے کو یاد دلادیا جسمین ایک حکیم پہاڑ کے بیچ مین اپنے طلسمی کتب خانے مین رہا کرتا تھا اور جسکا دروازہ سال مین صرف ایک مرتبہ کھلتا تھا، وہان وہ جنون کے ذریعہ سے ہر قسم کے مخفی علوم کی کتابین منگاتا تھا اور جب سال کے آخر مین ایکمرتبہ دروازہ کھلتا تھا تو وہ پوشیدہ علوم مین اسقدر ماہر ہو کر نکلتا تھا کہ انسان اُسکے اسرار سمجھنے سے قاصر رہتے تھے۔ اور اُسکے حکم سے تمام مخلوقات مین سے ایک شے بھی سرتابی نہین کر سکتی تھی۔

چونکہ اب میری حیرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ مین نے اُن ملاہون مین سے ایک کے کان مین کچھ کہا اور اُس سے دریافت کیا کہ اس موجودہ نظارے کی حقیقت کیا ہے۔ اُسکے چند الفاظ سے مجھپر تمام واقعہ کا انکشاف ہو گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ پُراسرار شخص جنکو مین غلطی سے ساحر سمجھا مشہور مصنفین مین سے ہین اور کتابین تیار کرنے کے کام مین مشغول ہین اور مین دراصل بڑے برٹش کتب خانے کے پڑھنے کے کمرے مین بیٹھا ہوا ہون۔ جہان بے انتہا کتابین ہر زمانے اور ہر زبان کی موجود ہین جنمین سے اکثر کا تو کوئی نام بھی نہین جانتا اور اکثر شاذ و نادر پڑھی جاتی ہین قدیم علم ادب کے علحدہ اور پوشیدہ سرچشمون مین سے یہ بھی ایک بھی ایک منبع ہے جہان موجودہ مصنف جاتے ہین اور اُنمین سے قدیم زبان کے ڈول کھینچتے ہین یا بالفاظِ دیگر ٹھیٹھ انگریزی (جو خلوط نہین ہے) حاصل کرتے ہین اور اپنے خیالات کے کم آب نالون کو اُسنے اسقدر لبریز کرتے ہین کہ وہ کناروں سے بھی اُبل پڑتے ہین۔

چونکہ اب مجھپر رازِ سربستہ کا انکشاف ہو گیا تھا اسلئے مین ایک کونے مین جا بیٹھا اور کتابین تصنیف کرنیکی کارروائی کو غور سے دیکھنے لگا۔ میری نظر ایک لاغر اور زردی مائل شخص پر جا پڑی جو سوائے نہایت کرم خوردہ اور موٹے حرفونکی کتابون کے اور کسی کتاب کی تلاش ہی نہین کرتا تھا۔ وہ بظاہر کسی نہایت عالمانہ کتاب کی تیاری مین مصروف معلوم ہوتا تھا جسکو ہر شخص جو اس بات کی خواہش رکھتا ہو کہ دوسرے لوگ اُسے قابل سمجھین ضرور خریدیگا اور جو اُسکے کتب خانے مین رکھی رہیگی یا اُسکی میز پر کھلی رہیگی لیکن کبھی پڑھی نہین جائیگی۔ مین نے دیکھا کہ وہ کبھی کبھی ایک بسکٹ اپنی جیب مین سے نکال لیتا تھا اور اُسکو کھانے لگتا تھا۔ معلوم نہین کہ یہ اُسکا دوپہر کا کھانا تھا یا وہ اس طریق سے جوع البقر کی تکلیف کو کم کرنیکی کوشش کر رہا تھا جو نئے کتابون

کے دیکھنے سے پیدا ہوگئی تھی - مین اس امر کی تحقیق اپنے سے زیادہ متبحر طالبعلمون کے لئے چھوڑتا ہون -

اُن لوگون مین ایک چست و چالاک اور کوتہ قامت آدمی بھی نظر پڑا جو بھڑکیلے کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھا اور جسکے چہرے سے متر شح ہوتا تھا کہ وہ گپ شپ اور ادھر اُدھر کی باتین کرنیکا زیادہ شوقین ہے - اُسمین تمام باتین ایک ایسے مصنف کی پائی جاتی تھین جو کتب فروشون کی فرمایش پر کتابین لکھا کرتے ہین اور اپنی جگر کاوی کو اونے پونے فروخت کر دیا کرتے ہین - اُسکو غور سے دیکھنے کے بعد مین نے یہ راے قائم کی کہ وہ محنت سے کام کرنا ہے اور مختلف کتابین لکھ چکا ہے جو تجارت کے اصول کے لحاظ سے تیار کی گئی تھین اور ہاتھون ہاتھ فروخت ہوگئی تھین - چنانچہ میری دلی تمنا تھی کہ مین اس بات کا پتہ لگاؤن کہ یہ شخص کسطرح کتابین تصنیف کرتا ہے - وہ دوسرون کی نسبت زیادہ کام کرنے والا معلوم ہوتا تھا اور اُسمین اوروں سے زیادہ تحقیق پائی جاتی تھی - مختلف کتابون کو پڑھتا تھا - قلمی کتابون کے اوراق اُلٹنا پلٹتا تھا - ایک لقمہ اس کتاب سے، دوسرا لقمہ دوسری کتاب سے لیتا تھا - سطر بہ سطر، ضرب المثل بہ ضرب المثل، تھوڑا یہان سے تھوڑا وہان سے نقل کرتا جاتا تھا - اُسکی کتاب کے مضامین اسقدر مختلف تھے جتنے میکبتھ[1] (Macbeth) مین اُن جادوگرنیون کی دیگ مین مختلف جانورون کے اجزاے بدنی تھے - کسی کا ہنگوٹھا کسی کی انگلی، ہیڈوک کے پیر کی انگلی، ایک کیڑے کا ڈنک، جسمین اپنی گپ شپ بھی ملی ہوئی تھی جیسے انگور کے خون سے وہ تمام مرکب غذا ذائقہ دار بنائی جاتی تھی -

بہرحال مین نے خیال کیا کہ ممکن ہے کہ اس سرقہ کی عادت سے جو مصنفون مین پائی جاتی ہے بارآور نتایج مرتب ہوتے ہون، ممکن ہے اس طریقے کو قادر مطلق نے کتابون کے ناگزیر تنزل کے باوجود ایک زمانے سے دوسرے زمانے تک علم و حکمت کے بیجون کو قائم رکھنے کا ذریعہ قرار دیا ہو - ہم دیکھتے ہین کہ قدرت نے عقلمندی کے ساتھ گو کسیقدر بے پروائی سے ایک ملک سے دوسرے ملک تک بیجون کے پہونچنے کا انتظام بعض پرندون کی شکم پروری کے ذریعے سے کیا ہے - کیونکہ وہ جانور یا پرند جو درحقیقت مضغۂ گوشت سے کچھ زیادہ نہین ہین اور اظہار باغون یا غلّہ کے کھیتون کے تاجانہ لُٹیرے معلوم ہوتے ہین دراصل فطرت کے حمّال ہین تاکہ اُسکی رحمتون کو پھیلائین اور اُنکو دیرپا بنائین - اسیطرح متقدمین کے نازک خیالات اور اُنکی خوبیان یہ بڑے مصنف اپنی تصنیفات کے بازوؤن مین لے اُڑتے ہین اور وقت کے نہایت دُور خطے مین اُنکو گرا دیتے ہین تاکہ وہ بڑھین اور پھولین اور بارآور ہون - اُنکی بہت سی کتابین آوا گون کے پھیر مین آجاتی ہین اور نئی شکل اختیار کر لیتی ہین جو پہلے ایک مستند تاریخ تھی وہ ایک فسانے کی شکل مین ظاہر ہوتی ہے - ایک پرانا قصہ حال کے ناٹک کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور ایک خشک اور متین فلسفہ کا رسالہ عمدہ اور دلچسپ مضامین

[1] شیکسپیر انگلستان کا مشہور ڈراما نویس گذرا ہے جسنے میکبتھ لکھا ہے - اس ڈراما کا نام اُسکے ہیرو کے نام پر ہے - میکبتھ اسکاٹلینڈ کا ایک امیر تھا جسکو کاہنون نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ وہ اسکاٹلینڈ کا بادشاہ ہوگا - اُسکی بیوی اُسے ترغیب دیتی تھی کہ وہ اسکاٹلینڈ کے بادشاہ کو قتل کر دے اور خود تخت پر بیٹھ جاے - وہ پہلے ہچکچاتا تھا لیکن آخرکار اُسنے بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور خود تخت نشین ہوگیا - بادشاہ ہونیکے بعد وہ جادوگرنیون کے پاس گیا ہے اور وہان اُسنے جاکر دیکھا ہے کہ دو تین جادوگرنیان کچھ پڑھتی جاتی ہین اور ایک کڑھاؤ مین یا دیگ مین کچھ کے رہی ہین - لومڑی کی دُم اور اور مختلف جانورون کے اجزاے بدنی، جنمین پھینکتی جاتی ہین - یہان وہ ٹنگٹن اور ہنگ کی مراد صرف مضامین سے ہے - مترجم -

کے سلسلے کا ذخیرہ بنجاتا ہے۔ امریکہ کے جنگلون کے صنائی کیوقت بھی اسی بات کا ثبوت ملا ہے کہ جب شاندار صنوبر کے درختون کا جنگل خاکستر کردیا جاتا ہے تو اُنکی جگہ بہت سے چھوٹے چھوٹے شاہ بلوط کے درخت پیدا ہوجاتے ہین اور ہم نے کبھی نہین دیکھا کہ ایک درخت کی بُریدہ شاخ جو زمین پر پڑی ہوئی ہے مٹی مین ملکر مٹی ہوگئی ہے بلکہ اُس سے بے انتہا سانپ کی چھتریان پیدا ہوجاتی ہین۔

پس ہمکو متقدمین کے زوال اور اُنکی یکقلم فراموشی پر افسوس نہین کرنا چاہیئے وہ اُس زبردست قانونِ قدرت کی متابعت کرتے ہین جو صاف الفاظ مین یہ ہے کہ تمام مادّہ کی دُنیاوی شکلین ایک زمانۂ خاص تک قائم رہینگی لیکن وہ اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ اُنکے عناصر کبھی فنا نہونگے۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل حیوانی ہویا نباتی گزرتی جاتی ہے مگر یہ مضبوط اصول آیندہ نسلون کو پہونچتا رہتا ہے کہ اُنکی نسلین پھلین اور پھولینگی۔ پس اسیطرح مصنّف کے بعد مصنّف پیدا ہوتا رہیگا اور جب اُسپر بڑھاپا آجائے گا اور بہت سی اولاد پیدا کرچکے گا تو وہ قبر مین جاکر اپنے بزرگون کے ساتھ سو رہیگا یعنی اُن مصنّفون کے ساتھ جو اُس سے پیشتر گزر چکے ہین۔ اور جنکے خیالات کا سرقہ اُسنے کیا تھا۔

جبکہ میرا دماغ ان پریشان خیالات سے چکرا رہا تھا مین نے اپنے سر کو پرانی کتابون سے کر لگاکر آرام پہونچایا۔ مین نہین کہسکتا کہ ان کتابون کے خواب اور اثر کیوجہ سے یا کمرے کی خاموشی کیوجہ سے یا اُس تکان سے جو بہت پھرنیکی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے یا اُس خراب عادت کے سبب سے یعنی بالالحاظ موقع و وقت سونیکی عادت کے باعث جس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے میری آنکھ جھپک گئی۔ تاہم قوتِ متخیلہ برابر کام کرتی رہی اور بالکل وہی منظر پھر دماغ کی آنکھون کے سامنے آموجود ہوا۔ البتہ کہین کہین تھوڑی سی تبدیلی واقع ہوگئی۔ مین نے خواب مین دیکھا کہ وہ بڑا کمرہ قدیم مصنّفون کی تصویرون سے ویسا ہی آراستہ تھا لیکن تعداد مین کچھ زیادتی ہوگئی تھی۔ لمبی میزون کا نشان تک نہین تھا اور عقلمند ساحرون کے بجائے مجھے ذلیل اشخاص پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوئے دکھائی دیے۔ جیسے گذری مین اُترے ہوئے کپڑون کے دُکاندار کے پاس پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوئے لوگون کی صورت مین خریدار نظر آیا کرتے ہین۔ جس کتاب کو وہ ہاتھ مین لیتے تھے مجھے معلوم ہوتا تھا (جیساکہ اکثر خواب مین ناممکن باتین بھی عمل مین آجاتی ہین) کہ وہ کتاب غیر ملکی یا قدیم فیشن کے لباس مین بدلتی جاتی ہے اور اُس سے وہ اپنے آپ کو ملبوس کرتے جاتے ہین۔ مین نے یہ بھی دیکھا کہ ایک شخص ایک خاص جوڑے کو نہین پہنتا تھا بلکہ ایک کی آستین دوسرے کی ٹوپی تیسرے کے دامن۔ الغرض اسیطرح اپنے آپ کو مختلف کپڑون سے مزین کررہے تھے اور اُنکے پھٹے پُرانے چیتھڑے بھی اس عمدہ اور مستعار لباس مین سے دکھائی دیتے تھے۔

ان اشخاص مین ایک شاندار، سُرخ سپید، اور موٹا تازہ پادری بھی تھا جسکو مین نے دیکھا کہ وہ ترچھی نظر سے بعض گرد آلود مناظرہ کرنے والون کی تصویرین عینک سے دیکھ رہا تھا۔ اُسنے جلد پُرانے مقدّس پادریون مین سے ایک کی بہت سی پوشاک کو قبضہ مین کرلینے کی ترکیب کی اور دوسرے پادری کی بھوری داڑھی چُرا کر اپنے آپ کو نہایت عقلمند معلوم کرانیکی کوشش کی مگر اُسکے چہرے پر جو معمولی بناوٹ کی مُسکراہٹ نمایان تھی اُسنے تمام اُسکی عقلمندی کے فریب کو ظاہر کردیا۔ ایک پژمردہ شکل کا آدمی

کلا بتون سے جو ملکۂ ایلزبتھ کے زمانے کے خلعتون سے نکال کر رنگ کیا تھا ایک بہت پھٹے پرانے کپڑے پر کارچوبی کام بنا رہا تھا۔ دوسرے صاحب نے اپنے آپ کو ایک مطلا قلمی کتاب سے تزک و احتشام کے ساتھ آراستہ کیا تھا اور اپنے سینے پر ایک پھول لگایا تھا جسکو اُنھون نے ڈینٹی ڈیوس (Daintie Devices) کی بہشت سے اُڑا لیا تھا اور بانکپن کے ساتھ سر فلپ[۵۱] سڈنی (Sir Philip Sidney) کی ٹوپی کو سر پر ایک طرف رکھے ہوئے اور ایک شاندار صورت بنائے ہوئے جسپر کچھ شرافت اور کچھ گنولہ پن برستا تھا اکڑتے ہوئے پھر رہے تھے۔ تیسرے صاحب جو کوتہ قامت تھے فلسفہ کی پھٹی پرانی کتابون سے جو دقائق اور غوامض سے پُر تھین بڑی جرأت کے ساتھ تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ جس سے اُسکی روکار شاندار بنگئی تھی لیکن عقب پر نہایت بوسیدہ لباس تھا۔ مین نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُسنے اپنے چھوٹے سے کپڑون مین کسی لاطینی مصنف کے پیوند لگا رکھے تھے۔

یہ سچ ہے کہ اُنمین بعض شرفا اچھا لباس بھی پہنے ہوئے تھے جنھون نے صرف جواہرات مستعار لے رکھے تھے اور اگرچہ یہ اُنکے زیورات مین خوب چمکتے دمکتے تھے۔ لیکن اُنکے زیور کی اصلی چمک کو ماند نہین کرتے تھے۔ بعض صرف پرانے مصنفین کے لباس کو اس خیال سے پیش نظر رکھے ہوئے تھے کہ اُنکے مذاق کے اصول کی نقل اُڑائین اور اُنکی وضع کی روح اُنمین آجائے۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کثرت سے وہ لوگ تھے جو از سرتاپا دوسرون کے لباس کو اُس طریقہ سے پہنے ہوئے تھے جسکو مین بیان کر چکا ہون۔ تاہم مین ایک طباع شخص کے حالات بیان کرنے مین تامل نکرونگا جو خاکستری بُرس اور گیٹس مین تھا اور محراب دار ٹوپ لگائے ہوئے تھا جسکی طبیعت کا میلان گاؤن کے قدرتی سین کیطرف معلوم ہوتا تھا مگر سکی پیروتفریح پرم روزہل[۵۲] (Primrose Hill) تک محدود تھی اور ریجنٹس پارک[۵۳] (Regent's Park) کی تنہائی اور خاموشی تک اُسکی رسائی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اُن ہارون اور رنگین فیتون سے (جنکو اُسنے اُن تمام پرانے شاعرون سے جنھون نے گاؤن کی سینری لکھنے سے حاصل کیا تھا) آراستہ کئے ہوئے تھا اور اپنے سر کو ایک طرف جھکائے ہوئے، اپنے خیال مین محو، شاید کچھ سبزہ کشت زارون کا خیال کر رہا تھا۔ مگر وہ بڑا شخص جسنے میری توجہ کو سب سے زیادہ اپنی طرف مبذول کیا ایک بڈھا کاروباری اور دنیادار آدمی تھا جو پادریون کی پوشاک پہنے ہوئے تھا اور جسکا سر بہت بڑا اور گول تھا لیکن بال نداردتھے۔ وہ کمرے مین زور زور سے سانس لیتا ہوا اور سگرٹ کا دھوان اُڑاتا ہوا اُس مجمع کو جیتا پھاڑتا، اپنی مدد آپ کرنیوالی نظر کے ساتھ ایک موٹی یونانی کتاب کو ہاتھ مین لیکر سر کے ایک طرف جسپر ایک خوفناک مصنوعی بالون کی پیچدار ٹوپی رکھی ہوئی تھی بجاتا ہوا شان کے ساتھ نکل گیا۔

اس ادبی کمرے مین چور، چور کی آواز ہر طرف سے کانون مین آنے لگی۔ مین نے دیکھا کہ وہ تصاویر جو چاروں طرف دیوار و سقف

۵۱۔ سر فلپ سڈنی ملکۂ ایلزبتھ کے درباریون مین سے تھا۔ وہ نہایت وجیہ اور باذاق تھا۔ شاعری سے اُسکو خاص دلچسپی تھی چنانچہ اُسکی نظمون سے اُسکا کمال ٹپکا پڑتا ہے۔

۵۲۔ پرم روزہل کے معنی بنفشی گلاب کی پہاڑی کے ہین لیکن یہ پہاڑی لندن کے شمال و مغرب مین واقع ہے اور سیر و تفریح کے لئے نہایت عمدہ مقام ہے۔

۵۳۔ یہ بھی لندن کے شمال و مغرب گوشہ مین واقع ہے۔ اسمین باغ حیوانات بھی ہے۔

لٹک رہی تھیں زندہ ہو گئیں - قدیم مصنفوں نے تصویر کے پڑے سے پہلے سر نکالا اور پھر بازو، اور کچھ دیر تک تعجب کی نظروں سے اپنے نیچے کے مختلف رنگوں کے کپڑے پہنے ہوئے آدمیوں کو دیکھا اور پھر غیظ و غضب کے ساتھ اپنی محنت سے کمائی ہوئی ملکیت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے نیچے اُتر پڑے - شور و غل اور پکڑ دھکڑ کی کیفیت جو اسکے بعد پیش آئی احاطۂ بیان سے باہر ہے بدقسمت تجرموں نے مال غنیمت کے ساتھ فرار ہونیکی کوشش کی - ایک طرف آدھے درجن پرانے فقرا ایک موجودہ پروفیسر کے کپڑے اُتار رہے تھے - دوسری طرف موجودہ ڈراما نویسوں کی قطار مین عجب تباہی اور لوٹ مار کے آثار ہویدا تھے بومنٹ[1] اور فلیچر پہلو بہ پہلو کیسٹر[2] اور پالکس کیطرح میدان مین حملہ کرتے ہوئے پھر رہے تھے اور مضبوط و قوی بین جانسن[3] نے فلانڈرس[4] (Flanders) کی فوج کے ایک رضا کار سے زیادہ گل کھلائے وہ چست و چالاک اور کوتہ قامت شخص جسنے اپنے آپ کو دلیل مرقع سے آراستہ کر رکھا تھا اور جسکا ذکر پہلے کہین ہو چکا ہے کہ وہ مختلف چیزون کو جمع کرتا پھرتا تھا اُسکے چارون طرف استقدر دعویدار جمع تھے جسقدر کہ پیٹر و کلس[5] کی لاش کے گرد جمع ہو گئے - مین نے افسوس کے ساتھ بہت سے ایسے لوگون کیحالت کو دیکھا جنکی عزت مین دل سے کرتا تھا اور جنکی قابلیت کا سکہ مجھپر بیٹھا ہوا تھا کہ ذرا سا کپڑا اُچرانے کے لئے مجبور ہو گئے تاکہ اپنے برہنہ جسم کو ڈھانپ لین - اتفاق سے اُسیوقت میری نظر اُس کاروباری بڈھے آدمی پر جا پڑی جو یونانی اُون کی ٹوپی پہنے ہوئے تھا اور تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے حالت مین بھاگ رہا تھا اور نصف کوڑی مصنف اُسکے پیچھے چلاتے ہوئے جا رہے تھے - وہ اُسکے قریب جا پہونچے اور ذرا سی دیر مین اُسکی اُون کی ٹوپی غائب ہو گئی - ہر منٹ مین اُسکے کپڑون کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا اُس سے چھین لیا جاتا تھا - یہانتک کہ چند لمحون مین وہ اپنی شان و شوکت کے درجے سے گر کر وہی چھوٹا سا گنجا آدمی رہگیا اور کچھ چیتھڑے جو لوٹ کھسوٹ سے بچ رہے تھے اُنھین لیکر غائب ہو گیا -

اس علامۂ تھیبان[6] (Theban) کی افسوسناک حالت مین مسخرپن کا ایسا عنصر تھا جسنے مجھے غیر معمولی طور پر قہقہہ لگانیکے لئے مجبور کیا - یہ ارسطو تھا جسنے مجھے غیر معمولی طور پر قہقہہ لگانیکے لئے مجبور کیا - یہ ارسطو تھا کہ اس تمام خیالی سین کا خاتمہ ہو گیا شور و غل اور جھگڑے کا پتہ نہ رہا - کمرے مین پھر وہی خاموشی پھیلی ہوئی نظر آئی - قدیم مصنف پھر تصویرون کے چوکٹون مین واپس چلے گئے جو تاریکی مین متانت کے ساتھ دیوارون کے گرد لٹکے ہوئے تھے - قصہ مختصر مین نے اپنے آپ کو ایک کونے مین بالکل جاگتا ہوا پایا اور دیکھا کہ کتاب کے کیڑون کی تمام جماعت تعجب کے ساتھ مجھے دیکھ رہی ہے - میرے خواب مین سے

---

[1] - بومنٹ اور فلیچر (Beaumont & Fletcher) نے ملکہ ایلزبتھ کے عہد مین ملکر ڈراما لکھے ہین جو ابتک مشہور ہین -

[2] - کیسٹر اور پالکس (Castor & Pollux) دونون توام بھائی تھے شہسواری اور شہسواری کے لئے مشہور ہین -

[3] - بین جانسن (Ben Jonson) ملکہ ایلزبتھ کے زمانے کا مشہور ڈراما نویس ہے -

[4] - فلانڈرس موجودہ بلجیم اور کچھ حصہ فرانس کا قدیم نام ہے - یہان مذہبی لڑائیان بہت ہوئی ہین -

[5] - پیٹر و کلس یونان کا ایک بہادر سپاہی تھا جسنے نہایت جانبازی سے لڑا - ہکٹر کا بہت بڑا دوست تھا جسنے اُسکے قاتل ہیکٹر سے اُسکے خون کا بدلا لیا - اُسکی لاش کی نسبت بہت جھگڑا ہوا تھا -

[6] - تھیبان کا حال الف لیلہ مین درج ہے - وہ ایک مشہور حکیم تسلیم کیا جاتا ہے - بہت قابل شخص تھا -

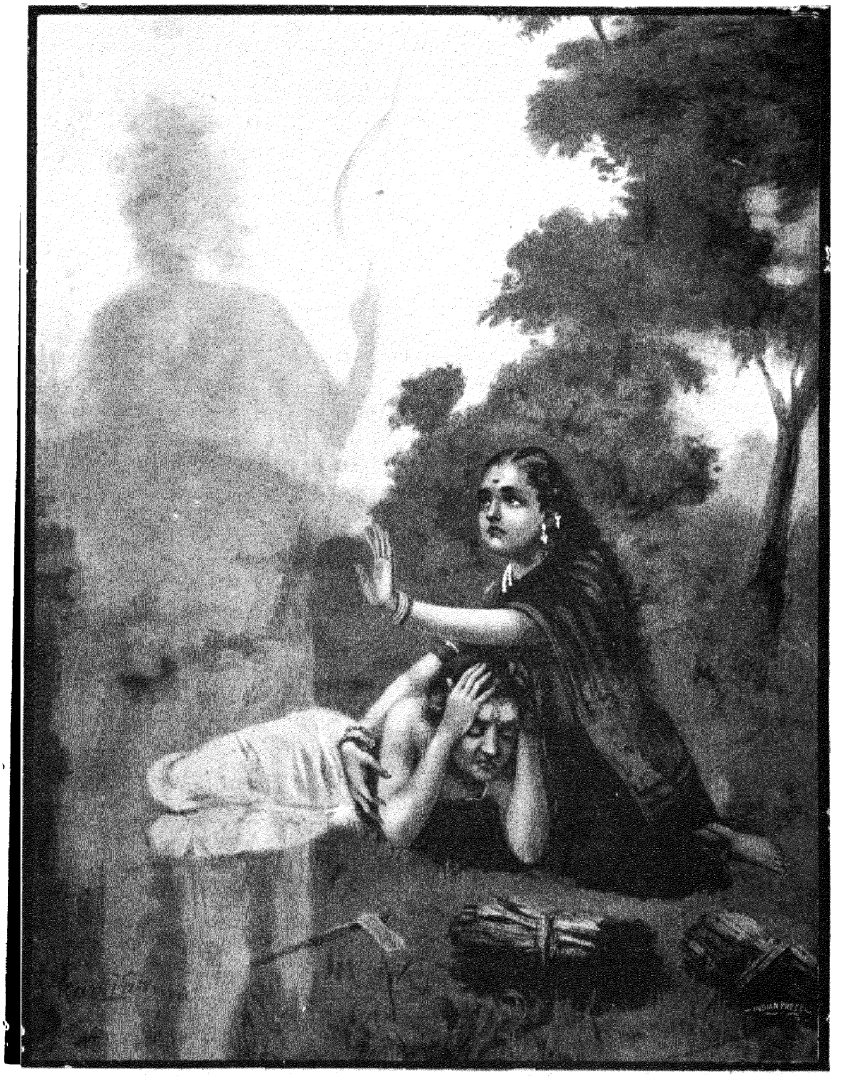

ساوتری اور موت

انڈین پریس الٰہ آباد

کسی واقعہ کی اصلیت کا پتہ نہیں چلتا تھا البتہ میری ہنسی دراصل وقوع میں آئی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اُس متبرک اور قابلِ احترام جگہ میں اس سے پہلے ایسی آواز کبھی نہیں سُنی گئی ہوگی۔ بہرحال میری ہنسی اُن عقلمندوں کے کانوں میں اسقدر ناگوار گزری کہ سب کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

لہٰذا لائبریرین (Librarian) صاحب میری طرف بڑھے اور مجھے داخلہ کا کارڈ طلب کیا پہلے تو میں اُن کا مطلب نہ سمجھا مگر فوراً مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ کتب خانہ ایک قسم کا محفوظ ادبی مقام ہے۔ جیسے انگلستان میں شکار کے میدان ہوتے ہیں جنمیں کوئی شخص بغیر مالک کی اجازت کے شکار نہیں کھیل سکتا۔ الغرض میں ایک چور کیطرح مجرم کھڑا تھا۔ اور یہ سوچ رہا تھا کہ کیطرح جلد یہاں سے نکلوں کیونکہ مجھے خوف تھا کہ تمام مصنف کہیں بھیڑیوں کے غول کیطرح مجھپر حملہ نہ کر بیٹھیں۔

ترجمہ

محمد یحییٰ تنہا

ساوتری - ایک عظیم الشان راجہ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اسکی داستان شوہر پرستی کی ایک عجیب وغریب مثال ہے۔ راجہ نے اپنی کوششوں میں ناکامیاب ہوکر ساوتری کو اپنا شوہر خود تلاش کرنیکی اجازت دی تھی اور اُسنے بعد تلاش بسیار ایک صحرانشین شخص کو اپنی شوہری کیلئے منتخب کیا تھا جو اپنے نابینا والدین کی نہایت تندہی سے خدمت کرتا تھا۔ اس شخص کا باپ بھی کسی زمانے میں ایک زبردست راجہ تھا مگر بدقسمتی سے سلطنت دشمنوں کے قبضے میں چھوڑ کر جنگل کو بھاگ آیا تھا۔ جب ساوتری کی شادی کا موقع آیا تو ایک رشی نے پیشینگوئی کی کہ ساوتری کا شوہر اپنی شادی کے برسویں روز مرجائیگا۔ مگر ساوتری پر اس پیشینگوئی کا کوئی اثر نہوا اور وہ اپنے ارادے پر مستقل رہی۔ حتی کہ شادی ہوگئی اور ساوتری جنگل میں جاکر فقیرانہ لباس میں اپنے ساس سسر کی خدمت کرنے لگی لیکن رشی کی پیشینگوئی اُسکے دل میں کانٹے کیطرح کھٹک رہی تھی اور وہ سال کا ایک ایک دن گنتی جاتی تھی۔ جب تین روز باقی رہ گئے تو ساوتری نے یہ تین دن برت اور ریاضت شاقہ میں بسر کئے۔ تین دن تک نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا اور خدائے مطلق سے اپنے شوہر کی سلامتی کے لئے دعا مانگتی رہی۔ آخر کار سال کا آخری روز آپہونچا۔ سسر پہ کو اُسکا شوہر حسب دستور جنگل میں لکڑیاں کاٹنے چلا۔ آج ساوتری خلاف معمول اُسکے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئی اور اگرچہ اُسکے شوہر نے منع کیا تاہم وہ ساتھ گئی۔ لکڑیاں کاٹتے کاٹتے اُسکے شوہر نے کہا کہ میری حالت اچھی نہیں ہے۔ شدت سے درد سر ہو رہا ہے اور دل بیٹھا جاتا ہے۔ ساوتری سمجھ گئی کہ موت کی گھڑی آپہونچی لیکن اُسنے اس راز سے اُسکو آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہنے لگی آؤ میرے زانو پر سر رکھ کے لیٹ جاؤ۔ میں سر دباؤنگی تو درد جاتا رہیگا۔ اُسکا شوہر لیٹ گیا۔ اتنے میں دُور سے ایک کالی بلا نمودار ہوئی اور رفتہ رفتہ قریب آپہونچی۔ اب ساوتری کا ضبط ٹوٹ گیا اور اُسنے نہایت لجاجت سے رحم کی درخواست کی۔ لیکن بیرحم موت کو ترس نہ آیا اور اُسنے اُسکے شوہر کی روح قبض کرلی۔ یہ دیکھکر ساوتری موت کے پیچھے پیچھے چلی۔ موت نے کہا تو میرے ساتھ نہیں جاسکتی۔ میں جہاں جاؤنگا وہاں کسی زندہ آدمی کا گذر نہیں۔ بہتر ہے کہ تو واپس جاوے اور اپنے شوہر کی تجہیز وتکفین کرے لیکن ساوتری نے نہایت استقلال سے کہا کہ جہاں میرا شوہر جائیگا وہاں میں بھی جاؤنگی۔ سچی محبت کی زنجیر کو موت کے زبردست ہاتھ بھی نہیں توڑ سکتے۔ موت نے کہا کہ میں تیری پارسائی اور شوہر پرستی سے بہت خوش ہوا۔ اپنے شوہر کی روح کے سوا جو مانگ وہ میں دینے کو تیار ہوں۔ ساوتری نے کہا میرے نابینا ساس سسر بینا ہوجائیں اور اُنکا راج پاٹ اُنھیں ملجائے۔ موت نے کہا اچھا ایسا ہی ہو۔ اب واپس جا۔ لیکن ساوتری نے ساتھ نہ چھوڑا۔ آخر موت نے کہا کہ اور جو کچھ مانگنا ہو مانگ لے میں تیری وفاداری سے بہت خوش ہوں۔ ساوتری بولی کہ میرے بہت سی اولادیں ہوں۔ موت نے پھر کہا کہ جا ایسا ہی ہوگا۔ مگر ساوتری نے اب بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ اسپر موت نے کہا کہ اب کیوں ساتھ آتی ہے؟ ساوتری بولی کہ میں تمہارے اس قول کی تصدیق چاہتی ہوں۔ ہندو عورتیں دوسری شادی نہیں کرتیں پھر میرے اولاد کیونکر ہوگی۔ آخر موت کو کچھ نہ بن پڑا اور اُسنے کہا کہ ساوتری تو پرستش کے قابل ہے۔ لے اپنے شوہر کی روح کو لیجا اور ہندوستان کی عورتوں کیلئے محبت اور وفاداری کا نمونہ بن۔ اسطرح ساوتری اپنے شوہر کی دوبارہ زندگی کا باعث ہوئی اور تمام عمر عیش وعشرت سے بسر کی۔

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر

مولانا اس عہد کے اُن نامور لوگون مین ہین جنھون نے زبان اُردو پر اپنا ایسا سکہ بٹھا دیا ہے کہ ابدالآباد تک قائم رہیگا۔ مولانا کی لایف اگرچہ اکثر لکھی گئی مگر اسوقت تک صحیح حالات زندگی اور اُنکی تعلیم و تربیت کے ہو بہو حالات کسی کو نہین معلوم ہو سکے۔ ہمنے خاص ادیب کی ضرورت سے مولانا کی زندگی کے مفصل حالات کو مولانا کے عزیزون۔ دوستون۔ ہم عصرون اور خود اُنسے دریافت کرکے یکجا جمع کیا ہے جو امید ہے کہ ناظرین ادیب کیلئے نہایت ہی دلچسپ ہونگے۔ مگر اُنکے حالات زندگی شروع کرنے سے پہلے اتنا کہدینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شرر کی زندگی اس قسم کے باکمالون کی زندگی کا ایک مکمل نمونہ ہے جو اپنی ذاتی کوشش سے خود ہی بنتے اور خود ہی شہرت حاصل کرتے ہین جسپر انگریزی کے الفاظ "سیلف میڈ" پوری طرح صادق آسکتے ہین۔

مولانا نسباً شیخ ہاشمی و عباسی ہین اور سلسلہ امین الرشید سے ملتا ہے۔ انکا خاندان دولت عباسیہ کے عہد مین عرب سے آکے عراق مین آباد ہوا۔ پھر ارض عراق کو چھوڑ کے ہرات مین آیا۔ اسکے بعد سلطان محمد تغلق کے عہد مین ہندوستان آیا۔ اور سلطنت مغلیہ کے دور مین جب نئے نئے ایرانی اُمرا کا دربار شاہی مین رسوخ ہوا تو یہ خاندان وادی گنگا مین آکے سکونت پذیر ہوگیا۔ اُن دنون یہ لوگ مشایخ اور علما کی شان سے اضلاع جونپور و اعظم گڈھ مین اقامت گزین تھے۔ جہان انکو ایک باوقعت جاگیر بھی ملی تھی۔ مولانا کے پردادا مولوی نظام الدین صاحب نے قصبہ کُرسی کے خطیب صاحب کی بیٹی سے عقد کرکے کُرسی کی سکونت اختیار کرلی۔ اور چونکہ خطیب صاحب کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اسلئے وہی خدمت خطابت کے وارث ہوے۔

مگر چند ہی روز بعد مسٹر مارٹن بنکے نام کو لکھنؤ مین ارکین کی کوٹھی یاد دلا رہی ہے مولوی نظام الدین کے شاگرد ہوگئے۔ اور اُنسے عربی و فارسی شروع کی۔ مارٹن صاحب اُنکا نہایت ہی ادب کرتے تھے۔ اور اُنکے ساتھ اُنکا ایسا اچھا برتاؤ تھا کہ مولوی نظام الدین صاحب مع اہل و عیال کے لکھنؤ مین آکے سکونت پذیر ہوگئے۔ چنانچہ مولانا کے والد حکیم تفضل حسین صاحب مارکین کی کوٹھی ہی مین پیدا ہوئے۔

مولوی نظام الدین صاحب سے اور مشہور شاعر ملک الشعرا مرزا رفیع سودا سے بہت کچھ ربط و ضبط تھا چنانچہ ایک دن سودا ایک خیمہ مین بیٹھے ہوئے تھے ایک چھوٹے سے سوراخ سے شعاع آفتاب نکل کے فرش پر پڑ رہی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ گویا دری پر کوئی موتی پڑا ہوا ہے۔ مولوی صاحب نے سودا سے کہا "اسوقت کوئی البدیہہ شعر سُنایئے" مرزا رفیع نے وھوپ کی چتی پر نظر ڈال کے ذرا فکر کی اور یہ شعر سُنایا:۔

عرصۂ دُنیا مین اپنا تنگ کیا کاشانہ ہے
پرتو خورشید یان موتی کا جیسے دانہ ہے

مولانا شرر کے والد حکیم تفضل حسین صاحب کا عقد اپنے ایک قریبی رشتہ کے مامون منشی قمرالدین صاحب کی صاحبزادی سے ہوگیا جو رؤسا و شرفاے قصبۂ کُرسی مین سے تھے۔ لیکن امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے عہد مین ایک بڑی معزز خدمت پر امور تھے اور

مولوی محمد عبدالحلیم شرر

انڈین پریس الہ آباد

دربار شاہی مین بہت اثر رکھتے تھے۔

۱۸۵۶ء مین جب انتزاع سلطنت اودھ ہوا اور سلطان عالم واجد علی شاہ بادشاہ اودھ بہ ارادۂ انگلستان کلکتہ روانہ ہوئے تو مولانا شرر کے نانا منشی قمرالدین صاحب بھی اپنے تعلقات کے باعث بادشاہ کے ہمراہ رکاب کلکتہ گئے۔ اور وہان سے جناب عالیہ مرزا سکندر حشمت جنرل صاحب، اور مرزا ولیعہد بہادر کے ہمراہ سر دفتر کی حیثیت سے انگلستان تشریف لے گئے۔ ان اکین خاندان شاہی کا وہ سفر دور دراز جب ناکامی کے ساتھ ختم ہوا۔ اور مرزا ولی عہد بہادر اپنی والدہ اور اپنے چچا کو خاک فرانس مین دفن کرکے واپس آئے تو منشی قمرالدین صاحب بھی شرف بج حاصل کرتے ہوئے کلکتہ مین آئے۔ اور اپنے بے تاج و سریر آقا کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ مولانا کے والد حکیم فضل حسین صاحب بڑے قابل اور فاضل لوگون مین تھے۔ عربی کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی تھی۔ فارسی مین یگانۂ عصر تھے۔ اور طبیہ مشہور طبیب لکھنؤ حکیم محمد ابراہیم صاحب سے پڑھی تھی۔ غدر کے پانچ چھ برس بعد اپنے خسر منشی قمرالدین صاحب کے تعلقات کی وجہ سے وہ بھی کلکتہ پہونچے۔ اور سلطان عالم واجد علی شاہ کی ملازمت اختیار کرلی۔

مولانا شرر غدر ۱۸۵۷ء کے تین سال بعد ۱۸۶۰ء مین شہر لکھنؤ محلہ کھنوائی ٹولہ مین تکیہ پیر غیب کے متصل اپنے خاندانی مکان مین پیدا ہوئے۔ اور پانچ برس کی عمر مین اپنے نانا کے بھائی مولوی محمد حفیظ الدین صاحب سے جو کرہ بزن بیگ خان مین رہتے تھے اور فارسی و عربی کے مسلم الثبوت اساتذہ مین شمار کئے جاتے تھے۔ الف۔ بے۔ شروع کی۔ لیکن مکتب مین بیٹھے تین سال کے قریب زمانہ گزر گیا اور پارۂ عم سے زیادہ ترقی نہ کرسکے۔ تعلیم کی اس سست رفتاری نے سات ہی آٹھ برس کی عمر مین انھین وطن سے نکال کے کلکتہ پہونچایا۔ جہان انھین والدہ کے کنار عافیت سے دور رہ کے طالب علمی کی تکلیفین اور غربت کی مصیبت کم سنی ہی مین برداشت کرنا پڑی۔

والد بزرگوار نے جب دیکھا کہ لکھنؤ مین تعلیم کی پوری نگرانی نہین ہوسکتی تو ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء مین انھین اپنے پاس کلکتہ مین بلالیا۔ وہان مٹیا برج مین انکا قیام منشی السلطان بہادر کے مکان پر تھا جو دربار شاہی کے ایک بڑے بارسوخ رکن تھے۔ وہین مولانا شرر کو بھی قیام کرنا پڑا۔ حافظ الٰہی بخش صاحب وہان ایک بزرگ تھے ان سے قرآن ختم کیا اور والد بزرگوار سے ابتدائی کتابین پڑھتے رہے۔ یہانتک کہ دو سال مین شرح مائۃ عامل اور گلستان بوستان ختم کین۔ اور شاہزادہ مرزا جہان قدر بہادر کے استاد ملا باقر سے کتب ہدایۃ النحو۔ کافیہ۔ اور شرح ملا جامی کو ختم کیا۔ اور منشی عبداللطیف صاحب مرحوم سے جو بڑے صاحب علم خوشنویس تھے شرح وقایہ اور خطاطی کی تعلیم پائی۔ ان دونون مٹیا برج مین مولوی سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی (جو فی الحال حیدرآباد مین نظام کالج کے پروفیسر ہین) بعض شاہزادون کی تعلیم پر مامور تھے۔ مولانا نے معقولات کی ابتدائی درسی کتابین قطبی و میبذی تک انھین سے پڑھین۔ اور اسی زمانہ مین مولوی محمد مجید صاحب سے (جو فی الحال امام باڑہ مٹیا برج کے متولی ہین) انگریزی شروع کی۔ اور ادب عربی کی بھی دو ایک کتابین پڑھین۔ اسی کے قریب زمانہ مین حکیم محمد مسیح صاحب مرحوم سے طب کی دو ایک کتابین حاصل کین اور چند روز مطب کیا۔ ان دنون معمول تھا کہ ہمیشہ سال دو سال بعد لکھنؤ مین آکے پانچ چھ مہینہ رہ جاتے تھے۔ یہان کے قیام مین بھی اکثر اساتذہ سے پڑھا۔ چنانچہ پہلے مولوی محمد یحییٰ صاحب سے پڑھا۔ پھر مولوی عبدالباری صاحب سے جو مولوی محمد عبدالحی صاحب مرحوم کے

ارشد تلامذہ مین تھے درمیانی درجہ کے کتب معقول پڑھے۔ مگر زیادہ تیاں میٹابرج ہی مین۔ ہاکر تاجس مقام سے اُنھین ایک اُنس ہوگیا تھا۔

اب مولانا کی عمر تیرہ چودہ برس سے زیادہ نہوگی اور صحبت زیادہ تر واجد علی شاہ مرحوم کے شاہزادون حاصۃً مرزا محمد علی مرزا بہادر۔ مرزا کام بخش بہادر اور مرزا محمد جلال بہادر سے تھی۔ جنسے اسقدر تعلقات بڑھ گئے تھے کہ اُن شاہزادون کو بغیر مولانا کے چین نہ پڑتا تھا۔ اور نہ مولانا شرر کا دل سوا اُنکی صحبت کے اور کسی جگہہ نہ لگتا تھا۔ تعلیم کے سوا جو کچھ وقت ملتا اُنھین کی صحبت مین صرف ہوتا بعض شہزادون سے تعلقات اسقدر گہرے ہوگئے تھے کہ زنانخانے تک مین اُنکی آمدورفت تھی۔ اور درحقیقت مولانا کیلئے زباندانی کا پہلا مدرسہ یہی صحبت تھی۔ کیونکہ اُس زمانے کا لکھنؤ وہ لکھنؤ نہین رہا تھا جسمین زبان اُردو کا نشوونما ہوسکتا۔ بلکہ اب اسکا قائم مقام میٹابرج اور میٹابرج مین بھی خاص محلات شاہی تھے۔

آخر منشی قمرالدین صاحب نے ترک ملازمت کرکے لکھنؤ کی سکونت اختیار کرلی اور تقریباً ۱۸۷۵ء مین جبکہ مولانا شرر کی عمر پندرہ سال کی تھی اپنے نانا کی خدمت پر مامور ہوکے ملازمین شاہی مین شامل ہوگئے۔ اور یہی اُنکی پہلی ملازمت ہے۔ مگر وہان کی ملازمت مین چونکہ کسی قسم کی پابندیان نہ تھین۔ لہذا مولانا ویسے ہی طالبعلم بنے رہے اور تعلیم کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اب ابتدائی کتابین ختم ہوچکی تھین اسلئے مولانا نے قاضۃ الدین مرزا محمد علی صاحب مجتہد العصر کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا۔ اور اُنسے ملاحسن۔ قاضی مبارک اور حمد اللہ پڑھا۔ اسی زمانہ مین ایک بڑے متبحر عجمی عالم میرزا ہدایت اللہ شیرازی میٹابرج مین خاص مُنشی السلطان بہادر کے مکان پر مقیم تھے۔ اُنکو مولانا کی غیر معمولی ذکاوت وذہانت دیکھ کے اتنے بیحد اُنس ہوگیا تھا۔ اور خود اُنھون نے اپنے شوق سے مولانا کو ملا صدرا کی شرح ہدایت الحکمۃ پڑھائی۔

لیکن باوجود اس اعلیٰ تعلیم کے شاہزادون کی صحبت مین حد سے زیادہ منہمک ہوجانا اور اُنکے رنگ۔ اُنکی وضع قطع اور اُنکے مذاق کو پوری طرح اختیار کرلینا ایسی باتین تھین کہ ہر طرف سے انھین بدوضعی کے الزام دئے جانے لگے۔ اور ہر شخص کا یہ خیال قائم ہوگیا کہ مولانا کی اخلاقی حالت اسقدر خراب ہوچکی ہے کہ اب اصلاح کی کوئی اُمید نہین۔ یہ حالت دیکھکے مولانا کے پدر بزرگوار حکیم فضل حسین صاحب بہت پریشان ہوئے چنانچہ بغیر اسکے کہ مولانا کو خبر بھی ہونے پائے اندر ہی اندر انتظام کرکے مولانا کو ۱۸۷۷ء مین لکھنؤ بھیجدیا۔ اور اسطرح اچانک بھیجا کہ انھین اپنے دلی دوستون اور خاصۃً شاہزادون سے رخصت ہونیکا بھی موقع نہ ملا۔ اور کچھ ایسی گھڑی مین وہ لکھنؤ بھیجے گئے تھے کہ پھر کلکتہ جانا نصیب نہ ہوا۔ اور مدتون اُنھین اپنے کلکتہ کے دوستون سے دوبارہ ملنے کی حسرت رہی۔

لکھنؤ مین اس سے پیشتر جبکہ مولانا چھ سات مہینہ کیلئے وطن آئے تھے مولوی محمد نعیم مرحوم کے صاحبزادے مولوی محمد اکرم مرحوم سے ہدایہ اور دو ایک اور کتابین پڑھی تھین اب آتے ہی ابوالمکارم مولوی عبدالحئی صاحب مرحوم کے تلامذہ مین شریک ہوگئے۔ اور تمام کتب درسیہ اُنھین کے حلقۂ درس مین ختم کیے بلکہ بعض کتابین جو مولوی محمد علی صاحب مرحوم سے پڑھ چکے تھے مکرر پڑھین۔

اسی زمانے مین مولوی عبدالحئی صاحب کا ایک رقعہ کے مفتی میر عباس صاحب مرحوم کی خدمت مین بھی حاضر ہوئے اور اُنسے دیوان حماسہ اور مقامات حریری کو ایسے ذوق وشوق سے پڑھا کہ مفتی صاحب کو اُنسے ایک خاص محبت ہوگئی تھی۔ اور اکثر یہ ہوتا کہ

جو قصائد رات کو کہتے صبح اُنکو سُناتے اور اُنسے لکھوالیا کرتے تھے۔

اثنائے تعلیم ہی مین ۱۸۷۶ء مین مولانا کی شادی اُنکے حقیقی ماموں حکیم سعد الدین احمد صاحب مرحوم کی صاحبزادی کے ساتھ ہوگئی۔ مگر اس شادی سے اُنکی طالب علمانہ زندگی مین کوئی فرق نہین آیا۔ کیونکہ اب اُنمین سچا ذوق علم تھا اور تاریخی جستجو کا فطری شوق۔ جسکا اظہار اس واقعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ اُن دنون مولوی حامد حسین صاحب مرحوم کا معمول تھا کہ تاریخ و سیر اور حدیث اہل سُنّت کی کتابون کا مطالعہ کرتے اور اُنمین جو عبارتین اپنے اغراض مناظرہ کے لئے مفید نظر آتین اُنپر نشان بنا دیتے۔ کئی کاتب مقرر تھے جو اُن عبارتون کو کتاب اور صفحات کے حوالے سے الگ الگ کاغذون پر نقل کرتے رہتے۔ متعدد طلبہ بھی اس خدمت پر نوکر رکھے جاتے کہ اُن عبارتون کا اصل کتاب سے مقابلہ کرکے صحیح کردیا کرین۔ بعد تصحیح وہ سب مضامین اور سبحثون کی ترتیب سے جُدا جُدا جلدون مین مرتب کر دئے جاتے۔ اور یہی ذخیرہ ہے جو آج اُنکے جانشینون کے کام آرہا ہے۔

مولانا شرر اگرچہ مذہب اہل سُنّت کے پابند تھے اور یقینی بات ہے کہ مولوی حامد حسین صاحب مرحوم کی اس کوشش کو دل سے نہ پسند کرتے ہونگے۔ مگر شوق علم اُنھین لے ہی گیا۔ اور محض نایاب و بے نظیر کتب حدیث کے مطالعہ کے شوق مین جاکے مولوی حامد حسین صاحب کی نوکری کی۔ اور تقریباً ڈیڑھ دو سال تک اُن عبارتون کی تصحیح کرتے رہے۔

مولانا محمد عبدالحی صاحب کے شاگردون مین ایک طالبعلم تھے مولوی نور محمد صاحب ملتانی۔ یہان اُنسے صحبت زیادہ ہوئی تو علم حدیث کا شوق ہوا۔ اور اُنسے شرح نخبہ پڑھ کے صحیح ترمذی شروع کی اور چند ہی روز مین حدیث کی تعلیم کا ایسا شوق ہوا کہ بجز اسکے کہ گھر مین کسی کو خبر کرین ۱۸۷۹ء مین یک بیک دہلی جا پہونچے۔

اس زمانے مین سرسید کا شہرہ ہو رہا تھا۔ اگرچہ مرحوم پر ہر طرف سے گالیان پڑ رہی تھین اور شاذ و نادر ہی اُنکا کوئی مدح خوان نظر آتا تھا مگر اسکے ساتھ ہی مختلف حالات اور کارنامون نے سرسید کو ایک ایسا عجیب و غریب شخص ثابت کردیا تھا کہ مخالف و موافق ہر شخص کے دل مین اُنکی صورت دیکھنے کا ضرور شوق تھا۔ چنانچہ مولانا شرر بھی دہلی جاتے وقت خاص اُنسے ملنے کے شوق مین علیگڈھ کے اسٹیشن پر اُتر پڑے۔ سید صاحب سے جاکے ملے۔ اور دل پر اُنکی باتون کا کچھ ایسا اچھا اثر لے گئے کہ اُنکے ساتھ ایک اُنس پیدا ہوگیا۔ دہلی مین چند ہی روز قیام کیا ہوگا کہ اتفاقاً مسدس حالی نظر سے گذرا جو دیگر طلبہ کی نظر مین تو کھٹکتا تھا مگر مولانا شرر کو اُسکے پڑھتے ہی سید صاحب سے بجائے اُنس کے گرویدگی پیدا ہوگئی۔

دہلی پہونچے تو سند الوقت مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے مدرسہ مین فیام پذیر ہوکے اُنسے حدیث شروع کی اور ڈیڑھ سال مین صحاح ستہ۔ موطا امام مالک اور تفسیر جلالین ختم کرکے لکھنؤ واپس آئے۔

قیام دہلی کے زمانے مین عرب کے شہر اُشیر کے دو طالبعلمون کے ذریعہ سے مولانا کو محمد بن عبدالوہاب نجدی کا رسالہ التوحید پہنچا ہوا جو اسقدر پسند آیا کہ فوراً اُسکا ترجمہ کرڈالا۔ اور مولوی تلطف حسین صاحب نے اُسکو چھپوا کر شائع بھی کردیا۔ اس طریقہ سے مولانا نے تصنیف و تالیف کی دُنیا مین پہلا قدم رکھا۔

۱۸۸۰ء کے آخر مین مولانا دہلی سے واپس آئے۔ چند روز ہردوئی مین قیام کرکے منشی نذیر حسن مرحوم کو جو وہان کی سوسائٹی کے ایک نہایت سربرآوردہ رکن تھے صحیح بخاری کا درس دیا اور

لکھنؤ چلے آئے۔ اب مولانا کو معاش کی فکر ہوئی۔ مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کو انسے نہایت ہی اُنس تھا۔ اُنھوں نے فوراً "منشی نولکشور" کے پاس بھیجدیا۔ اور سفارش کی کہ اگر انسے عربی کتابوں کی تصحیح کا کام لیا جائیگا تو بہت اچھا کام دینگے۔ منشی نولکشور صاحب بڑے مردم شناس آدمی تھے۔ مولانا سے چند مختلف سوالات کرنیکے بعد کہا "صیغۂ تصحیح آپ کے لئے مناسب نہیں۔ اُسمیں رہ کے آپ کسی قسم کی ترقی نہ کرسکینگے۔ اگر ممکن ہو تو آپ اودھ اخبار میں مضامین لکھا کیجئے۔"

مولانا نے اس سے پیشتر مختلف اخباروں میں مضمون لکھے تھے۔ اور منشی احمد علی کسمنڈوی مرحوم کی صحبت میں اکثر مضمون نگاری کی تھی۔ اُنھیں کی تجویز سے "شرر" کا تخلص اختیار کیا تھا۔ اور دو چار غزلیں بھی کہی تھیں۔ گو اُنسے تلمذ نہ تھا اور جو کچھ کہتے تھے اُس پر حیدرآباد بھیج کے اپنے پرانے اُستاد مولوی علی حیدر صاحب نظم طباطبائی سے اصلاح لیا کرتے تھے لیکن اخبارات کی دُنیا اور مضمون نگاری کیطرف اُنکو منشی احمد علی کسمنڈوی ہی نے متوجہ کیا تھا۔ غرض جسوقت منشی نولکشور صاحب نے یہ مشورہ دیا ہے وہ مضمون نگاری سے ناآشنا نہ تھے۔ جواب دیا کہ "آپ کوئی سبجکٹ بتائیں میں اُسپر مضمون لکھ کے پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ پسند کریں تو میں اودھ اخبار کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔" منشی صاحب نے ایک پولیٹیکل سبجکٹ بتا دیا۔ اور مولانا شرر نے دوسرے ہی دن اودھ اخبار کے دو صفحوں کا ایک مضمون لکھ کے پیش کیا جسے منشی صاحب نے بہت پسند کیا۔ اور ۱۸۸۱ء میں تیس روپیہ ماہوار پر اودھ اخبار کا اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر کیا۔

اب مولانا کو جوہر طبع دکھانیکا نیا میدان ملا تھا۔ اور مضامین لکھنا شروع کئے۔ لیکن اُنکے مضامین زیادہ تر علمی خیالی اور فلسفانہ ہوتے تھے۔ یہ مضامین مسلسل دو سال تک نکلتے رہے۔ اور ملک میں ہر طرف اُنکی ایسی دھوم مچ گئی کہ اسیوقت سے مولانا کے لٹریچر کا شہرہ ہوگیا۔ اور بڑے بڑے پرانے لکھنے والے چونک پڑے۔ اودھ اخبار کے فائل میں آج بھی وہ مضامین موجود ہیں اور بتا رہے ہیں کہ محض اُن مضمونوں کی وجہ سے اُس زمانہ کا اودھ اخبار کسقدر نمایاں امتیاز رکھتا ہے۔ روانی طبع کی یہ حالت تھی کہ مولانا صرف چار پانچ روز میں بیٹھ کے اتنے مضمون لکھ دیتے کہ جو مہینہ بھر تک اودھ اخبار میں شائع ہوتے رہتے۔ اُن مضامین کے سبجکٹ ایسے ہوتے تھے کہ چاہے کتنے ہی دنوں بعد چھپتے پڑھنے نہ سمجھے جاتے۔

ان مضامین کی خوبی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مولانا نے "روح" کے عنوان سے ایک محققانہ مضمون لکھا تھا۔ اُسکو پڑھ کے سرسید احمد خان بہادر نے منشی نولکشور کو اس مضمون کا ایک خط بھیجا کہ "اودھ اخبار میں روح پر جو مضمون چھپا ہے بہت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ میں اُس سے چند خیالات کو اپنی تفسیر میں لینا چاہتا ہوں۔ لہذا اُن صاحب سے جنکا وہ مضمون ہو مجھے اخذ کرنے کی اجازت دلوا دیجئے۔" منشی نولکشور نے مولانا سے دریافت کرکے سید صاحب کو اُنکی خواہش کے مطابق اجازت دیدی

اسی زمانے میں مولوی محمد عبدالباسط صاحب کے نام سے مولانا نے ایک ہفتہ وار رسالہ نکالا۔ جسکا نام محشر تھا۔ اور اُسکی رعایت سے مولوی عبدالباسط صاحب کا تخلص بھی محشر قرار دے دیا۔ مگر اسمیں اوّل سے آخر تک کُل مضامین مولانا ہی کے قلم کے ہوتے تھے مجموعہ عجیب نئے رنگین شاعرانہ مذاق کا پرچہ تھا۔ جسمیں بہت ہی نازک قسم کی خیال آرائیاں ہوتیں۔ اور ہر چیز کے سین، مذاقِ مشربی کے عجیب پُرلطف مذاق میں کھینچے جاتے۔ ایک زمانہ تک اُسمیں

"زمانہ کا جائزہ" کے عنوان سے ایک نرالے مضمون کا سلسلہ جاری ہوا۔ جس کا ہر نمبر ایک نئی اور نئے رنگ کی صبح سے شروع ہوتا۔ محشر کے مضامین اور خاصتہً اُن صبحون کا غلغلہ سارے ہندوستان مین بلند ہوا۔ اور ہر طرف سے تحسین و مرحبا کے شور مین یہ کلمات سُنے جارہے تھے کہ یہ انشا پردازی نہین سحر کاری و معجز نگاری ہے۔ اُردو مین یہ بالکل نیا اور اچھوتا رنگ تھا۔ اور وہ شاعرانہ طبیعتین جو انگریزی مذاق سخن سے نئی نئی آشنا ہونے لگی تھین۔ اُنکو اسقدر بھلا معلوم ہوا کہ جا بجا لوگون نے اُسی رنگ کو اختیار کرلیا اور ہندوستان کا سارا لٹریچر مولانا ہی کے نقش قدم پر چلنے لگا۔

اُسی زمانے مین رفیق ہند لاہور نیا نیا نکلا تھا اور بڑے زور کا پرچہ تصور کیا جاتا تھا۔ اُسمین پادری رجب علی صاحب راجہ بلی کے نام سے اکثر مضامین لکھتے تھے۔ راجہ بلی نے ایک بار لکھا کہ جو رنگ محشر کا ہے صرف شاعری اور عاشقی کی دُنیا کے ساتھ مخصوص ہے اگر ایڈیٹر محشر کو دعویٰ ہو تو ان دو چار سبجکٹون پر اُسی رنگ مین مضامین لکھین جو ہم بتاتے ہین۔ اور اُنھون نے چند سبجکٹ بھی شائع کیے جنمین ایک تو "روح" تھا۔ ایک یہ کہ "ہندوستان کیلئے استمراری بندوبست مناسب ہے یا میعادی؟" اور اسی قسم کے اور بھی کئی سبجکٹ تھے۔ مولانا نے اُن سب سبجکٹون پر اپنے اُسی رنگ مین نہایت پُرزور مضامین لکھکے محشر مین شائع کیے جن کو دیکھکر لوگ ہر طرف عش عش کرنے لگے اور راجہ بلی صاحب سے سوا اس کے کہ خاموشی سے قبول کرلین اور کچھ بنائے نہ بنی۔

یہ عجیب باذاق اور پرلطف پرچہ تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ جو مذاق بعد پیدا ہونے والا تھا اُسکی بنیاد پہلے پہل اُسی نے ڈالی۔ اور ہر گلچہ کے صاحبان ذوق کو شش کرنے لگے کہ اُسی رنگ مین مضامین لکھا کرین۔ دو سال بعد منشی نولکشور نے مولانا کو اپنا اسپشل کارسپانڈنٹ بناکر ریاست حیدرآباد دکن مین بھیجا جسکی وجہ سے محشر بند ہوگیا۔ اُن دنون نواب میر لیاقت علیخان بہادر کی مدار المہامی تھی۔ اور نواب محسن الملک بہادر برسرکار تھے۔ نواب محسن الملک نے مولانا شرر کو ہاتھون ہاتھ لیا۔ اور بعض اوقات اِس بات کا شوق بھی دلایا کہ وہ حیدرآباد کی ملازمت اختیار کرلین۔ مگر مولانا نے اِس امر کو اپنی وضع داری کے خلاف سمجھا۔ اور اُنھین حیدرآباد کی زندگی کچھ زیادہ پسند بھی نہ آئی۔ مگر اتفاقاً اخبار ہزار داستان کے مالک صاحب نے اِس غلط فہمی مین مبتلا ہوکے کہ مولانا اُنکے اخبار کی ایڈیٹری قبول کرلین گے اپنے سابق ایڈیٹر سے ترک تعلق کردیا۔ اور مولانا کی خدمت مین آکے مصر ہوئے کہ آپ اخبار ہزار داستان کو اپنے ہاتھ مین لین۔ اُنھون نے کہا جب تک مجھے اوہ اخبار سے تعلق ہو یہ غیر ممکن ہے۔" اسپر وہ نہایت پریشان ہوئے اور مولانا کے احباب اور بعض بزرگ اعزہ کے ذریعے سے جو حیدرآباد مین موجود تھے۔ اُن پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ جس طرح ممکن ہو آپ ہزار داستان کو ہاتھ مین لین ورنہ پرچہ بند ہوجائیگا۔ مولانا نے صاف کہہ دیا کہ مین جب تک لکھنؤ جاکر ترک تعلق نہ کرلون آپ کا کام نہین کرسکتا۔ مالک ہزار داستان نے فوراً یہ شرط قبول کرلی۔ اور آمد و رفت کا کرایہ بھی دیا مجبوراً مولانا لکھنؤ واپس آئے۔ اور اوہ اخبار سے قطع تعلق کیا۔ مگر مطبع کے حسابات کا تصفیہ نہین ہونے پایا تھا کہ ہزار داستان بند ہوگیا۔ اور مولانا کو حیدرآباد جانے کی ضرورت ہی نہین باقی رہی۔ اور مولانا نے اِس زمانے مین پرائیویٹ طور پر اپنی انگریزی کی قابلیت بڑھانا شروع کی جسمین اچھی اور کافی استعداد پیدا ہوگئی۔

اِسی زمانے مین مولانا نے اپنا پہلا ناول دلچسپ لکھا۔ جسے منشی نثار حسین صاحب مالک پیام یار نے چھپوایا۔ اور اُسکو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ دوسرا حصّہ لکھنے کے ساتھ ہی پہلے حصّہ

کا دوسرا ایڈیشن چھاپنے کی ضرورت ہوئی دلچسپ کا شہرہ ملک مین بڑھتا جاتا تھا کہ مولانا نے دُرگیش نندنی کا ترجمہ انگریزی سے اُردو مین کیا۔ اور اُسے بھی منشی نثار حسین نے شائع کیا۔ اس ناول نے بھی بہت بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اور اب یہ حالت تھی کہ لوگ ہر چھٹے مولانا کے مضامین اور ناولون کے مشتاق ہو رہے تھے۔

۱۸۸۳ء کے آخر مین اتفاقاً مولوی بشیر الدین صاحب مالک ایڈیٹر البشیر جو اُن دنون نجم الاخبار اٹاوہ کے ایڈیٹر تھے لکھنؤ مین تشریف لائے۔ اور مولانا کو مشورہ دیا کہ ایک مختصر لٹریری رسالہ صرف ایک جُز کا جاری کرین۔ اور اسکی قیمت صرف عہ سالانہ ہو۔ مولانا نے کہا "آپ کتنے خریدا دین گے"۔ اُنھون نے دس خریدارون کا وعدہ کیا۔ اور پانچ روپیہ پانچ رسالون کی قیمت کے بابت اُسی وقت دیدیئے۔ اِنھین روپیون سے مولانا نے دلگداز کا اشتہار شائع کیا۔ مُلک مولانا کی طرز عبارت کا اسقدر مشتاق ہو رہا تھا کہ اشتہار کے شائع ہوتے ہی کثرت سے درخواستین اور قیمتین آنا شروع ہوگئین۔ اور اسی آمدنی سے جنوری ۱۸۸۶ء مین دلگداز کا پہلا نمبر چھاپا اور شائع کیا گیا۔ دلگداز مین اُسوقت صرف شاعرانہ و عاشقانہ خیالی مضامین ہوتے تھے۔ یا کبھی کبھی تاریخی مضامین نکلجاتے تھے۔ اور اشاعت کے ساتھ ہی اسقدر شہرت و مقبولیت حاصل ہوگئی کہ سال ختم ہوتے ہوتے خریدارون کی تعداد دو ہزار کے قریب پہونچگئی۔

۱۸۸۶ء مین دلگداز مین اسقدر اضافہ ہوا کہ اسکے ساتھ ایک جُز ناول کا بڑھا دیا گیا۔ اور قیمت بجاے ایک کے دو روپیہ سالانہ کردی گئی۔ اتفاقاً اِس زمانے مین ایک سفر کے موقع پر مولانا نے کسی سٹیشن کے اسٹال مین اسکاٹ کا ناول "طلسمین" دیکھا جسمین تیسری صلیبی لڑائی کے ذیل مین جابجا پیغمبر خدا صلعم کی توہین کیگئی تھی۔ یہ دیکھ کے مولانا اس قدر برافروختہ ہوئے کہ دلگداز مین جو پہلا ناول شائع کرنے والے تھے اُسکے لیے بھی صلیبی لڑائیون ہی کا زمانہ اختیار کیا۔ اور ارض مقدس مین اپنے ناول کا سین قرار دیا۔ اس طور پر پورے ۱۸۸۸ء مین ناول "ملک العزیز ورجینا" مولانا کے قلم سے تصنیف ہوکے مکمل شائع ہوا۔ جسے اُردو پبلک نے حد سے زیادہ پسند کیا اور ہر طرف اُسکے شوق مین آنکھین بچھ گئین۔

مولانا نے ناول "ملک العزیز" کی تکمیل کے ساتھ ہی تاریخی ناولونکا ایک سلسلہ ڈالدیا اور کوشش شروع کی کہ تاریخ اسلام مین جتنے دلچسپ واقعات ملین اُنکو ناول کا جامہ پہنا کے اسطرح دلچسپی کے ساتھ پبلک کے سامنے پیش کیا جائے کہ لوگون مین تاریخ کا شوق بڑھے۔ اور اِس ذریعے سے اُنکی واقفیت وسیع ہو اور اِن ناولون نے سچ یہ ہے کہ اِس بارہ خاص مین معجزنما اثر دکھایا ملک مین ہر کہ ومہ کو تاریخ کی جستجو ہوئی۔ حروب صلیبہ کا بعض لوگون نے صرف نام سُنا تھا۔ مگر مولانا کے ناول ملک العزیز نے اِن تاریخی لڑائیون کا اسقدر شوق پیدا کردیا کہ ہر جگہ مطابع سے اور پبلشرون سے لوگ کروسیڈس کی تاریخین مانگتے تھے اور یہ حالت ہو رہی تھی کہ گویا لوگ پیاسے ہین اور پانی کہین نہین ملتا۔ الغرض اِس سے ہرگز نہین انکار کیا جاسکتا کہ مُلک مین جو تاریخ کا شوق پیدا ہوگیا ہے اور اُردو لٹریچر مین روز بروز تاریخ کو زیادہ جگہ ملتی جاتی ہے یہ صرف مولانا شرر کی برکت اور اُن کے تاریخی ناولون کی وجہ سے ہے۔

ملک العزیز کے بعد ۱۸۸۹ء مین دلگداز کے ساتھ ناول "حسن انجلینا" اور ۱۸۹۰ء مین ناول "منصور موہنا" شائع ہوئے۔ انکے علاوہ شہید وفا کے نام سے ایک تاریخی ڈراما شائع ہوا۔ یہ سب تصانیف بڑے ہی ذوق و شوق سے پڑھے گئے۔ اِنھین سے

پہلے ناول کو تاریخ روم وروس سے اور دوسرے کو اُس عہد سے تعلق تھا جبکہ مُسلمان پہلے پہل سندھ مین آکے آباد ہوئے تھے۔ اِن دونون نے بھی ویسا ہی اثر دکھایا۔ اور شہید وفا کو اسپین کے زمانۂ زوال اسلام سے تعلق تھا جسمین ایک بڑے عبرت ناک واقعے کی تصویر دکھائی گئی ہے۔ شروع ۱۸۹۸ء مین مولانا نے ایک ہفتہ وار اخبار بھی جاری کر دیا جسکا نام مہذب تھا۔ اُسکی لکھائی چھپائی۔ مضامین اور خبرین سب چیزین ایک خاص دلچسپی رکھتی تھین ہر پرچے مین علماے سلف مین سے کسی کی سوانح عمری بھی لازمی طور پر رہا کرتی تھی۔ جن کا مجموعہ بہت سے لوگون کے پاس آج بھی مرتب موجود ہے۔ اور جن نگاہون نے مہذب کو دیکھا ہے آج تک یاد کر رہی ہین۔ اور اکثر لوگونکی طرف سے اب بھی دوبارہ مہذب کے شائع ہونیکا تقاضا ہو رہا ہے۔

۱۸۹۸ء مین مولانا نے منشی سراج الدین صاحب کی خواہش پر (جو اُن دنون سرمور گزٹ کے ایڈیٹر تھے اور ہنوز بیرسٹر نہین ہونے پائے تھے) ناول دلکش کا پہلا حصّہ لکھا۔ جسمین دلچسپ کیطرح ہندوستان کی موجودہ سوسائٹی سے بحث تھی۔ اور چند روز بعد اُس کا دوسرا حصّہ لکھا۔ لیکن اسپر بھی وہ تا مکمل ہی رہا۔

اب دلگداز پریس بھی جاری کر دیا گیا تھا۔ رسالہ دلگداز بھی نکل رہا تھا۔ جسکے ساتھ ناول یوسف وزلیخا شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ اخبار مہذب بھی ہفتہ وار شائع ہو رہا تھا۔ اور ان سب کامون کا بار مولانا کے سر تھا جسے وہ بڑی کامیابی کے ساتھ اُٹھائے ہوئے تھے۔ یکایک بعض مالی دشواریان پیش آئین اور مولانا اپریل ۱۸۹۹ء مین حیدرآباد ہوتے ہوئے حیدرآباد دکن تشریف لیگئے۔ ابتدائی خیال یہ تھا کہ وہان کے دربار سے کچھ مدد حاصل کرکے واپس آئین اور اپنے کارخانے کو ترقی دین۔ مگر وہان پہونچ کے پہلے سفر کے خلاف اب کی ملازمت کا شوق ہوا اور نواب انتصار جنگ بہادر سے اپنی کیفیت بلاکم وکاست بیان کرکے اپنی خواہش ظاہر کر دی۔ وہ بظاہر مدد دینے کیلئے تو تیار تھے مگر ملازمت کے متعلق اُنھون نے جواب صاف دے دیا۔ مولانا اسی تردد مین تھے کہ ایک دن اتفاقاً فلک نُما کی عمارت دیکھنے کو گئے جہان بعض احباب کے تقریب کر دینے کے باعث نواب وقار الامرا بہادر مرحوم سے ملاقات ہوئی جو اُن دنون معین المہام مال تھے۔ اُنھون نے جھٹتے ہی سوال کیا کہ "مین آپکو اپنے بیٹے کی دینی تعلیم و تربیت کیلئے انگلستان بھیجنا چاہتا ہون۔ آپ جائینگے؟" مولانا نے جواب دینے کے لیے تین دن کی مہلت مانگی۔ اور کل احباب نے قبول کر لینے ہی کا مشورہ دیا۔ اسلیئے تیسرے دن جاکے رضامندی اور آمادگی ظاہر کر دی۔ نواب صاحب نے خوش ہوکے فرمایا "تو آپ لکھنؤ جاکے اپنے مطبع اور کاروبار کا انتظام کر آئیے"۔ مولانا فوراً لکھنؤ آئے۔ مطبع اور کارخانے کو بند کیا اور انگلستان کے شوق مین پندرہ روز کے اندر ہی حیدرآباد واپس گئے۔

مگر جب وہان پہونچے تو نواب وقار الامرا بہادر نے غالباً اپنے کسی ایسے مشیر کے مشورہ سے جو نہین چاہتا تھا کہ کوئی اور شخص بھیجا جائے ٹالنا شروع کیا۔ اور مولانا کی دوسو روپیہ ماہوار تنخواہ اپنے خزانۂ پائگاہ سے مقرر کر دی۔ چند روز مین نواب وقار الامرا بہادر مدار المہام ریاست ہوگئے۔ اور اُنھین زیادہ فکر ہوئی کہ کسی کو اپنے فرزند نواب ولی الدین خان بہادر کی تعلیم کے لئے انگلستان بھیجین مولانا نے اس زمانۂ بیکاری مین اپنی تاریخ سندھ لکھنا شروع کی جسکے مسودہ کو پڑھکے نواب وقار الامرا بہادر نے اسقدر پسند فرمایا کہ بطور انعام کے پانچ ہزار روپیہ خزانۂ ریاست سے دلوائے۔ مگر انگلستان جانے کی نوبت نہ آئی تھی۔ اس مین تاخیر دیکھ کے ۱۸۹۳ء مین مولانا نے اپنے ایک دوست کو لکھنؤ مین اپنے

مطبع کا منیجر مقرر کرکے دلگداز کو پھر جاری کر دیا۔ مگر بجائے اسکے کہ ناول یوسف وزلیخا جو ۱۸۹۱ء مین ناتمام رہگیا تھا اسکا سلسلہ پورا کرین اسپین کے عہد خلافت بنی اُمیہ کا ایک نیا ناول شروع کر دیا۔ جسے لوگ بڑے ذوق وشوق سے پڑھنے لگے۔

اِن دنون مولانا نے دلگداز مین "خاندان رسالت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ بعض یوروپین مورخون نے یہ خیال ظاہر کیا ہو کہ "خسروان عجم کے ساسانی خون سے آمیزش کرکے خاندان رسالت معزز بنایا گیا" اِس مضمون مین اِس خیال کی تردید کی تھی۔ اور دیگر واقعات کے سلسلہ مین ابن خلکان تاریخ طبری اور معارف ابن قتیبہ سے یہ واقعہ بھی نقل کر دیا تھا کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد خود امام زین العابدین نے اپنی والدہ شہربانو کا عقد (نکاح) زبید نام اپنے ایک آزاد کیے ہوے غلام سے کر دیا۔ اِس پر بعض تشیع مین سخت برہمی ظاہر ہوئی اسکے خلاف مضامین لکھے گئے۔ مولانا پر مختلف قسم کے حملے کیے گئے۔ اور بعض سُنّی مولویون سے بھی جو تاریخ سے مس نہ رکھتے تھے استفتے دستخط کراکے شائع کیے گئے۔ مگر مولانا نے سوا اسکے کہ اِس واقعہ کو جن کتابون سے لیا تھا اُنکے حوالے دلگداز کے ایک دوسرے نمبر مین شائع کر دیے اور کچھ نہین کیا۔ لیکن دلگداز کے سات آٹھ نمبر ہی نکلنے پائے تھے اور اُس نئے ناول کے بھی اتنے ہی جُز چھپے تھے کہ یکایک نواب وقار الاُمرا بہادر نے انھین حکم دیا کہ اُنکے صاحبزادے کے ہمراہ جو پندرہ روز کے لیے ہندوستان مین واپس آگئے تھے ایک ہفتہ کے اندر انگلستان روانہ ہو جائین مجبوراً مولانا کو وسط ۱۸۹۳ء مین سفر انگلستان کرنا پڑا! اور دلگداز کا سلسلہ پھر رُک گیا۔

اَب مولانا انگلستان مین تھے اور ہندوستان مین اُنکے ناولون کی مانگ روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ ہر کتب فروش ان ناولونکی جلدین بار بار طلب کرتا تھا اور کسی جگہ نہ ملتی تھین۔ آخر بعض مطابع نے بلا لحاظ اسکے کہ اُن پر قانونی ذمہ داری عائد ہو گی اُن ناولونکو چھاپنا شروع کر دیا۔ اور مختلف بلاد ہند کے مطابع مین اُن ناولون کے بیسیون ایڈیشن شائع ہو گئے۔ اور لاکھون جلدین بازار مین پھیل گئین۔ یہانتک کہ یوسف وزلیخا کے ناتمام اجزا کو الگ اور اُسکے بعد والے اسپین کے ناول کے ناتمام اجزا کو "زیادہ حلاوۃ" کے نام سے الگ ایک جُداگانہ ٹائٹل مین مرتب کرکے لوگون نے فروخت کرنا شروع کیا۔ اور اُنکے بھی بہت سے ایڈیشن شائع ہو گئے یہ بات مولانا ہی کیلئے مخصوص تھی کہ اُنکے ناتمام ناولون کے اجزا بھی اُسی ذوق وشوق سے مُلک مین خریدے اور پڑھے جاتے تھے۔ جس ذوق وشوق سے کہ مکمل ناول خریدے اور پڑھے جاتے تھے۔ اگرچہ پڑھتے ہی لوگ ہر جگہ خطوط لکھ لکھ کے اُن کا باقیماندہ حصہ طلب کرتے تھے اور جواب یہ ملتا تھا کہ "موجود نہین"۔

انگلستان مین مولانا ڈیڑھ سال رہے۔ اگر یہ اطمینان ہوتا کہ مستقل تین سال تک رہ سکین گے تو بیرسٹری کا امتحان دینے کی کوشش کرتے۔ مگر باوجود متواتر تحریک کرنیکے وقار الاُمرا بہادر نے اسکا اطمینان نہ دلایا مجبوراً اُنھون نے ایک فرانسیسی پروفیسر مسیو کوہ مین سے فرنچ زبان پڑھنا شروع کی۔ اور اسمین اتنا درخور پیدا کر لیا کہ فرنچ سے اُردو مین ترجمہ کر سکین۔ اور فرانسیسی زبان کی سلیس کتابونکو سمجھ لین۔

ہندوستان مین اِن دنون مولانا کے لٹریچر کی دھوم تھی اور وہ انگلستان مین خاموش بیٹھے تھے۔ اِس دھوم کا یہ نتیجہ ہوا کہ مولانا کی ناتمام ناولون دلکش اور زیادو حلاوہ کی تکمیل کا ہر طرف سے تقاضا ہوا تو بعض اور حضرات نے ارادہ کیا کہ اُنکے ناولون کا

مابقی حصہ خود ہی لکھ کے شائع کردین۔ چنانچہ مرزا حیرت دہلوی نے زیادو حلاوہ کا دوسرا حصہ لکھ کے شائع کیا۔ اور لکھنؤ کے منشی نرائن ورمانے کسی اور صاحب سے لکھوا کے دلگداز کا تیسرا حصہ شائع کرایا۔ ان تکملون کو ملک نے جس نظر سے دیکھا اُسکا حال ناظرین ہی سے معلوم ہوسکتا ہی۔ یہ کیفیت مولانا نے انگلستان مین سُنی تو ناول زیادو حلاوہ کے ابتدائی حصہ مین بھی تھوڑا بہت ردوبدل کرکے اُس کی تکمیل کی۔ اور ہندوستان واپس آئے۔ اُسے ناول فلورا فلورنڈا کے نام سے شائع کردیا۔ جو ملک مین ایسی قدر کی نگاہون سے دیکھا گیا کہ زیادو حلاوہ کے دونون حصہ اگرچہ کبھی کبھی اَب بھی بازار مین نظر آجاتے ہین مگر منسوخ ہوکے کلیتہً مٹ گئے۔

۱۸۹۶ء مین مولانا انگلستان سے واپس آئے۔ اور جنید ہی سنہ ۱۸۹۸ء مین خاص حیدرآباد سے دلگداز جاری کیا۔ اور اَب کی اُسکی اشاعت کا حساب بجاے سنہ عیسوی کے سنہ محمدی سے رکھا گیا۔ جو مولوی نظام الدین حسن صاحب بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی کا قائم کیا ہوا ایک سندھا اور چند روز کے لیے ریاست بھوپال مین بھی مروج رہچکا ہی۔ اِس سال دلگداز کے ساتھ عہد جاہلیت عرب کا ایک ناول شروع کیا گیا جسمین اسلام سے پیشتر کے عربونکی پولیٹکل حالت۔ معاشرت۔ اُن کا مذاق اور اُن کا رسم و رواج بڑی کامیابی کے ساتھ دکھایا گیا ہی۔ اَب مولانا کی توجہ عاشقانہ خیالی مضامین کے عوض تاریخی مضامین کی طرف زیادہ تھی۔ اور دلگداز کے صفحون پر بہت ہی بیش قیمت محققانہ مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ سال کے آخری حصہ مین مولانا نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت سکینہؓ کے سوانح عمری لکھنا شروع کی۔ عام طور پر یہ مشہور ہی کہ جناب سکینہ بچپن ہی مین واقعہ کربلا کے بعد قید خانے مین اہل شام کے جور سے شہید ہوئین۔ مگر اس مضمون مین اِس کے خلاف آپ کی امیرانہ زندگی۔ آپ کے شاعرانہ مذاق اور آپ کی متعدد شادیونکی کیفیت دکھائی گئی تھی۔ لہذا حضرات شیعہ جو پہلے ہی "خاندان رسالت" والا مضمون دیکھ کے مولانا سے بدظن ہوگئے تھے چونک پڑے۔ اور ہر طرف ایک ہنگامہ سا مچ گیا۔ سُنّی بھی اِس جوش مین اُنکے ساتھ تھے۔ اور گو ماخذ بتادیئے گئے اور ثابت کردیا گیا کہ جو کچھ لکھا گیا ہی بے اصل نہین مگر جوش مخالفت بڑھتا ہی گیا حیدرآباد مین بھی اسکا جوش ہوا۔ اور مضمون سکینہ بنت حسین کے دو ہی نمبر شائع ہونے پائے تھے کہ وہان کے کوتوال نواب اکبر جنگ بہادر نے مولانا سے مل کے کہا کہ "اگرچہ آپ نے جو کچھ لکھا ہی صحیح ہی مگر بہتر یہ ہوگا کہ دلگداز مین اِس لائف کا سلسلہ روک دیا جاے" مولانا کی طبیعت مین ہمیشہ سے آزادی اور ضد رہی ہے۔ اُنھون نے کہا کہ "یہ مضمون نہ نکلا تو دلگداز بھی نہ نکلے گا"۔ شیعون مین اِسکے خلاف جوش بڑھتا ہی رہا۔ ایک صاحب نے صوبۂ بہار سے "جواب شرر" کے نام سے ایک بڑا رسالہ بھی شائع کیا۔ مگر مولانا نے نہ کبھی اُسکی طرف توجہ کی اور نہ جواب دیا۔

چھ مہینہ بعد نواب وقار الامرا بہادر سے لکھنؤ مین قیام کرنیکی باضابطہ اجازت حاصل کرکے ۱۸۹۹ء کے آخر مین وطن آئے اور یہان آکے پہلا یہ کام کیا کہ ۱۸۹۸ء کی جلد مین جو ایک نمبر باقی رہگیا تھا اُسے چھپوایا۔ اُسمین مضمون "سکینہ بنت حسین" کا باقی ماندہ حصہ شائع کردیا اور اُسی کے ساتھ ناول ایام عرب کی پہلی جلد بھی مکمل ہوگئی۔ ہماری رلے مین "سکینہ بنت حسین" مین مولانا نے واقعات گو کتنے ہی صحیح لکھے ہون

مگر جس رنگ مین یہ مضمون تھا وہ جناب سکینہؓ کی شان کے مزید خلاف تھا۔

قیام حیدرآباد کے زمانے مین مولانا نے ناول فردوس برین تیار کیا تھا۔ اور بحکم نواب وقار الامرا بہادر ایک بڑی ضخیم تاریخ ارض مقدس لکھنا شروع کی تھی جسکی تکمیل کیلئے ایک کاتب کو نواب صاحب مرحوم نے لکھنؤ آتے وقت مولانا کے ہمراہ کردیا تھا اُس تاریخ کے ساٹھ ستر جز لکھے ہوے مولانا کے پاس موجود ہین جو ابھی تک شائع نہین ہوئی۔ مگر لکھنؤ آتے ہی مولانا نے ناول فلورا فلورنڈا کو جسے انگلستان ہی مین مکمل کیا تھا خود شائع کیا۔ اور فردوس برین کے پہلے ایڈیشن کے شائع کرنے کا حق منشی نثار حسین صاحب نثار مہتمم پیام یار کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ چنانچہ وہ ناول قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ ان دونون ناولون نے ملک پر بہت اثر ڈالا۔ اور غیر معمولی ذوق و شوق سے لیے گئے۔

اب سنہ ۱۹۰۰ء مین دلگداز لکھنؤ سے برابر نکل رہا تھا۔ اور اُسکے ساتھ ناول ایام عرب کی دوسری جلد شائع ہو رہی تھی۔ جو سنہ مذکور کے اختتام کے ساتھ مکمل ہوگئی۔ اسی زمانے مین مولانا نے پیام یار کے ساتھ شائع کرنے کیلئے ناول "مقدس نازنین" کو تصنیف کیا۔ سنہ ۱۹۰۱ء مین دلگداز کے ساتھ تاریخ حروب صلیبیہ مصنفہ سر جارج ڈبلیو کاکس۔ ایم۔ اے کے ترجمہ کا ایک جز بڑھایا گیا۔ اب کی ناول بھی بجاے اسکے کہ خود تصنیف کرین ایک انگریزی ناول "ڈاکو کی دولھن" کا ترجمہ شائع کرنا شروع کیا۔ اور مکمل دلگداز کی قیمت مے رسالانہ کردی۔

مولانا کا خیال کئی سال پیشتر سے مسلمانون کے پردے کے خلاف تھا چنانچہ حیدرآباد مین "معلم نسوان" مین متعدد مضامین پردے کے خلاف شائع کیے تھے۔ اور اسی رسالہ مین اپنا ایک چھوٹا ناول "بدرالنسا کی مصیبت" اور اپنا ایک چھوٹا ڈراما "میوۂ تلخ" بھی پردے کی مخالفت مین شائع کرائے تھے۔ اس مسئلہ مین اُنکی دلچسپی اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ لکھنؤ آتے ہی ابتدائے سنہ ۱۹۰۱ء سے ایک ماہوار رسالہ بنام "پردۂ عصمت" اپنے دوست سید حسن شاہ کے نام سے جاری کرادیا۔ جسمین خود ہی لکھتے تھے اور خود ہی اول سے آخر تک اُسے ایڈٹ کرتے تھے۔ مگر مولانا کا رنگ بھلا چھپائے سے چھپ سکتا تھا۔ ساری دُنیا کو معلوم ہوگیا کہ یہ رسالہ مولانا شرر ہی کے قلم کا نمونہ ہے۔ پردۂ عصمت نے مسلمانونین ہر جگہ عجب ہل چل ڈال دی جسوقت وہ شائع کیا گیا ہے اُس زمانے مین تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ تمام مسلمانون کو اپنے رسم پردہ پر اسقدر غرور و ناز تھا کہ پردہ کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکالنا گالی دینے کے حکم مین تھا۔ ہزارہا آدمی مخالف ہوگئے۔ تردید مین رسالے شائع ہوئے۔ کتابین لکھی گئین۔ بعض ناول بھی پردے کی تائید اور مولانا پر حملہ کرنے کیلئے شائع کیے گئے۔ حتی کہ دلگداز کی اشاعت کو بھی ضرر پہونچنے لگا۔ مگر مولانا شرر اُسی خیال پر قائم رہے۔ اور اُنکا یہ اعتقاد ہوگیا تھا اور آج تک ہے کہ شرع اسلام مین پردہ صرف مہذب اور ساتر لباس کا نام ہے۔ اور اُسکے حدود یہ ہین کہ چہرہ اور ہاتھ داخل ستر نہین۔ رہی خانہ نشینی جیسا کہ مروج ہے اُس پر عورتون کو مجبور کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ اور ساری اخلاقی خرابیان اسی خانہ نشینی سے پیدا ہوئی ہین۔

اب نواب وقار الامرا بہادر نے مولانا کو حیدرآباد واپس طلب کیا۔ اور جون سنہ ۱۹۰۱ء مین وہ پھر حیدرآباد گئے جس کے ساتھ ہی دلگداز بھی بند ہوگیا۔ اور پردۂ عصمت بھی۔ پردۂ عصمت کی زندگی اگرچہ ڈیڑھ ہی سال کی تھی مگر اُسنے اتنے ہی زمانے مین اپنا مشن پورا کردیا۔ یا تو ہندوستان مین ایک مسلمان بھی پردے

کی مخالفت کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ یا پردۂ عصمت نے ہر جگہ صدہا بلکہ ہزارہا مخالفین پردہ پیدا کردیے۔ اور آج کوئی شہر اور کوئی صحبت نہین جسمین بعض لوگ پردے کے مخالف نہون۔

مولانا کو حیدرآباد گئے چند ہی مہینے ہوئے ہونگے کہ یکایک وہان ایک انقلاب عظیم ہوگیا۔ نواب وقار الامرا بہادر جو مولانا کے مربی اور قدردان تھے وزارت سے علیحدہ کردیئے گئے۔ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کا دور شروع ہوا۔ مولوی عزیز مرزا صاحب جو مولانا کے بڑے حامی تھے معزز عہدۂ معتمدی عدالت دیوانی وغیرہ سے ہٹا کے ضلع بیڑ کی تعلقداری پر بھیجدیئے گئے۔ اور سٹرواکر حیدرآباد کی قسمت کے مالک ہوئے جنھین نہ مولانا سے کوئی تعلق ہوسکتا تھا اور نہ کسی قسم کی مراعات کی وجہ تھی چنانچہ اُنھون نے مولانا کا سلسلۂ ملازمت حیدرآباد ہی منقطع کردیا۔ اور مولانا اوائل ۱۹۰۴ء مین پھر لکھنؤ واپس آئے۔ یہان آکے جون ۱۹۰۴ء سے پھر دلگداز جاری کیا۔

لیکن اب کی مولانا دلمین ایک نیا خیال لیکے آئے تھے۔ وہ یہ کہ ہندو مسلمانون مین اتفاق ہونا چاہیئے۔ جسکے بغیر کوئی کام نہین چل سکتا۔ اور ہندوستان کی ترقی غیر ممکن ہے۔

چنانچہ آتے ہی دلگداز سے پہلے ہی "اتحاد" نام ایک پندرہ روزہ رسالہ نکالدیا جسکی خاص کوشش یہی تھی کہ ان دونون گروہون مین اتفاق پیدا کرایا جائے۔ مگر مولانا کا خیال ہو کہ زندگی بھر اُنھون نے جتنے کام کیئے اُن سب مین کامیابی ضرور ہوئی مگر نہ ہوئی تو اس بارے مین اور آخر ڈیڑھ سال اُس رسالہ کو جاری رکھکے اُنھون نے بند کردیا۔

مگر دلگداز کی اشاعت جون ۱۹۰۴ء سے شروع ہوئی تو کئی سال تک جاری رہی۔ اور اُسکے ساتھ ناول شوقین ملکہ حسمین دوسری صلیبی لڑائی کے واقعات بیان کیئے گئے ہین شائع ہونا شروع ہوا۔ اگست ۱۹۰۵ء مین تاریخ حروب صلیبیہ ختم اور مکمل ہوگئی تو ستمبر سنہ مذکور سے مولانا نے اپنی مصنفہ تاریخ سندھ دلگداز کے ساتھ شائع کرنا شروع کی۔

یہ نہایت ہی معرکۃ الآرا تاریخ ہو حسمین سندھ کے زمانۂ حکومت عرب کے حالات عربی کی مستند کتابون قدیم عرب سیاحونکے سفرنامون اور پرانے جغرافیون سے لیکے جمع کیئے ہین۔ جو اسوقت تک کسی مورخ کی نظر سے نہین گزرے تھے۔ اور تمام معاملونمین بڑی تنقید و تحقیق سے بحث کی ہے۔

اسی زمانے مین مولانا نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار مولوی محمد سعید الحق صاحب کے نام سے رسالہ "العرفان" نکالا جو اپنی نوعیت کا پہلا اور عجیب و غریب رسالہ تھا۔ اسمین الٰہیات اور تصوف سے بحث کیجاتی اور دینداری کی تعلیم ایسے دلچسپ اور موجہ طریقہ سے کیجاتی تھی کہ جس کسی نے اُسے دیکھا پسند کیا۔ اور صوفیونکی دُنیا مین اُسے خاص شہرت حاصل ہوگئی۔ مگر مولانا کے مختلف خانگی افکار اور سفر حیدرآباد کی وجہ سے وہ رسالہ بھی بند ہوگیا۔ لیکن العرفان نے اخباری دُنیا کو دینداری اور روحانیت کیطرف جو توجہ دلائی تھی۔ اُسکا اثر ہمیشہ زندہ و باقی رہے گا چنانچہ آج تصوف اور علوم باطنی کے متعلق ہندوستان مین کئی رسالے نکل رہے ہین۔ جو درحقیقت العرفان ہی کی یادگار ہین۔

اِنھین دنون مولانا نے ایک نیا تاریخی سلسلۂ تصانیف شروع کیا جسکا نام "سلسلۂ مشاہیر اسلام" ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی کی لائف ہو۔ اور دوسری حضرت ابوبکر شبلی کی لائف تیسری کتاب یعنی امام ابوالحسن اشعری کی لائف کا مواد جمع کرچکے تھے کہ سفر حیدرآباد پیش آیا۔ اور وہ آجتک نہین شائع ہوسکی۔ اب اُمید ہو کہ مولانا اسے عنقریب مرتب فرماکے شائع کردینگے۔ اِس سلسلہ کی کتابونکو صاحب علم مسلمانون نے بے انتہا پسند کیا۔ اور واقعی اُنکے مطالعہ سے مولانا کا تاریخی تبحر اور اُنکی وسعت نظر کے ساتھ

اُنکی تحقیق و تنقید کا حال بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔

اسکے قریب زمانے مین مولانا نے مقدس نازنین کے بعد پیام یار مین شائع ہونے کیلئے ایک ناول "فتح اُندلس" تصنیف کیا۔ جو نہایت ہی لاجواب اور مقبول عام ناول ہی "آغا صادق کی شادی" کے نام سے ایک چھوٹا سا ناول مطبع دلگداز سے شائع کیا۔ جسے نہ رسالۂ دلگداز ہی سے تعلق تھا نہ پیام یار سے مگر نہایت ہی دلچسپ باذاق ہی

فروری ۱۹۰۶ء مین مولانا نے دلگداز مین آٹھ صفحہ اور بڑھائے اور اُن صفحات پر مرزا آغا علیخان رئیس لکھنو کے حالات زندگی شائع کرنا شروع کیے۔ اور اسی سال کے شروع سے دلگداز کے ساتھ ناول یوسف زلیخا جو ۱۸۹۱ء سے ناتمام پڑا ہوا تھا۔ اُسکے مکمل کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ چنانچہ اختتام سال کے ساتھ ہی وہ تکمیل کو پہونچگیا۔ اور جنوری ۱۹۰۷ء سے ایک نیا ناول قیس ولبنیٰ شروع ہوا جو دسمبر ۱۹۰۸ء مین پورا ہوا

مگر ان سب چیزونکا مکمل حیدرآباد مین پہونچکے ہوا کیونکہ جنوری ۱۹۰۸ء مین مولوی عزیز مرزا صاحب کے علمی مذاق نے مولانا کو پھر حیدرآباد کیطرف کھینچا۔ جہان آپ اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیمات مقرر ہوکے گئے اور جاتے ہی اپنی خدمت کا چارج لے لیا۔ اور باجازت سرکار نظام دفتر دلگداز کو بھی حیدرآباد مین منتقل کرلیا اور ۱۹۰۸ء کے خاتمے کے ساتھ ناول قیس ولبنیٰ تاریخ سندھ کی جلد دوم اور آغائی صاحب کی لائف سب مکمل ہوگئین۔

۱۹۰۹ء کے آغاز مین مولانا کو اپنی خدمت کی ذمہ داریونکے لحاظ سے بعض اضلاع ریاست مین دورہ کرنا پڑا جسکی وجہ سے پھر اشاعت دلگداز رُک گئی۔ یہانتک کہ آخر ۱۹۰۹ء مین یکایک حضور نظام کا ایک ایسا حکم محکم صادر ہوا جسکی رو سے مولوی عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔ مولوی ظفر علیخان صاحب بی۔ اے۔ اور مولوی صفی الدین صاحب (جو معزز عہدون پر تھے) بعطائے وظیفہ

اپنی خدمتون سے سبکدوش اور مولانا شرر جنکی ملازمت ہنوز مستقل بھی نہونے پائی تھی موقوف کیے گئے۔ اور چارون صاحبونکی نسبت حکم ہوا کہ حدود قلمرو نظام سے باہر رہین۔

اِس طریقہ سے مولانا اپنے وطن مالوف مین واپس آئے اور جنوری ۱۹۱۰ء سے دلگداز پھر جاری کیا ہو لیکن اُسی ابتدائی طریقہ پر جیسا کہ ۱۸۸۷ء مین پہلے پہل شائع ہوا تھا یعنی ایک جُزو کا رسالہ صرف مضامین ہوتے ہین۔ ناولون اور تاریخی کتابونکی نسبت اِس وعدہ کیا گیا ہی کہ بجائے اِسکے کہ ایک ایک جُزو دلگداز کے ساتھ شامل مکمل و مرتب کرکے جُداگانہ سال مین دو تین مرتبہ شائع ہوا کرے

مولانا شرر کی زندگی اِسی درجہ تک پہونچی ہو اور ہمین یقین ابھی وہ بہت کچھ کرینگے۔ کیونکہ اب وہ فرصت و فراغت کے ساتھ اُر اور صاحبان ذوق اہل علم کی خدمت گزاری کیلئے مستعد ہوگئے ہین۔ اور پہلے سے زیادہ حوصلہ کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہین۔

یہ مضمون ختم کرنیسے پہلے ہم اتنا اور کہنا چاہتے ہین کہ ہمارے کی گورنمنٹ نے مولانا شرر کی لٹریری خدمت کی کوئی قدر نہین کی طبیعت اِس مذاق اور اِس خوبی کے لوگ تمام مہذب ممالک مین بڑے خطاب پاتے ہین اور یونیورسٹیونمین انسے مشورے لیے جاتے ہین افسوس اُردو زبان کے زبردست انشاپرداز اور تاریخ کے زبردست ماہر کیجئے ہماری گورنمنٹ کوئی فائدہ نہین حاصل کرتی۔

لٹریچر تعلیم کی کتابونکی جو حالت ہی اور اُنکی زبان کی جو گورنمنٹ اسپر توجہ کرتی تو مولانا شرر کی عزت افزائی نہین بلکہ اُنکی زبان کی شائستگی بڑھانے کی ضرور فکر فرماتی۔

مگر ہم مایوس نہین ہین۔ ہمارے صوبے کے موجودہ حکمران ہز پرسکاٹ ہیوٹ بالقابہ علم دوست اور اہل کمال کے قدردان ہین شرر کے علمی کارنامونسے ضرور فائدہ اُٹھانیکی کوشش فرمائینگے۔ حکیم م

اخلاقی دلیری

"اے فرض! تو ایک عجیب قوت ہے۔ تو خوشامد و تملق، ایما، و کنایہ، تخویف و تہدید سے کام نہیں کرتا۔ بلکہ تو روح کا فطری قانون دکھلا کر اپنی عزت و احترام کا مطالبہ کرتا ہے۔ گویا تعظیم و انقیاد کی ذلیل بجا آوری تجھ سے سامنے تمام خواہشات بے دست و پا اور بے زبان موجود ہیں خواہ وہ باطنی طور پر تجھ سے پرسر پرخاش ہی ہیں" (کینٹ)

دلیری کی ایک قسم تو وہی ہے جسکو جسمانی یا جبلی شجاعت کہتے ہیں اور جسکو سپاہی میدان جنگ میں ظاہر کرتے اور مردانہ وار موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ مگر اسکی ایک اور قسم بھی ہے جسکا تعلق ہمارے چال چلن سے ہے۔ اسکا نام "اخلاقی دلیری" ہے۔ اس دلیری کا کام اسوقت ہوتا ہے جبکہ بھلے بُرے میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی لازمی بات نہیں ہے کہ جو لوگ طبعاً دلیر اور بہادر ہوں اُنکی دلاوری اور شجاعت کی داد اخلاقی اُمور میں بھی دیجائے بہت سے ایسے سپاہی ہیں جو میدان کارزار میں تو بے دھڑک و نڈر ہو کر لڑتے ہیں مگر اپنے رفقا کی تہنی مذاق کا مقابلہ کرنے میں بیحد ڈرپوک اور بودے ثابت ہوتے ہیں۔ برعکس اسکے اکثر نازک اندام عورتیں اپنے اخلاقی استقلال اور ثابت قدمی کا اظہار کرتی ہیں۔ سائمز صاحب فرماتے ہیں:۔ "وہ جرأت و دلاوری جو دم بخود و ساکت سعی اور جد و جہد میں ظاہر ہوتی ہے اور وہ شجاعت جو صداقت اور فرض کیلئے ہر قسم کی مشکلات جھیلتی ہے۔ اُس خلقی شجاعت سے جسکا صلہ کسی اعلیٰ اعزاز، کسی خطاب یا فتح کے خون لوٹ سہرے کی صورت میں ملتا ہے کہیں افضل و اعلیٰ ہے! اعلیٰ درجہ کے مرد اور عورتیں" اخلاقی دلیری" ہی سے بنتی ہیں یعنے تلاش حق اور راستگوئی میں دلیری، منصف و راست باز ہونے کی جرأت دیانتدار اور ایماندار رہنے کی شجاعت، استحان اور آزمایش کو زیر کرنے کی مردانگی، اپنے فرائض کو پورا کرنے کی دُھن، یہی وہ چیزیں ہیں جو اعلیٰ درجہ کی بہادری اور مردانگی میں شامل ہیں۔ اگر مرد و عورت ان پاک اوصاف سے فائز نہوں تو وہ اپنے دیگر اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کو بھی بحفاظت قائم نہ رکھ سکیں گے۔

"ہماری نسل کی ترقی کی تاریخ نے قدم قدم پر مشکلات اور مخالفت کا مقابلہ کیا ہے۔ مگر جو مردوں نے اُن مشکلات پر غلبہ حاصل کر کے نمایاں فتوحات حاصل کیں یعنی اُن بہادروں نے جو ہمارے خیالات کیلئے راستہ صاف کر نیمیں ہمارے لیڈر (رہنما) بنے ہیں اُنھوں نے آہنی اسلحہ سے کام نہیں لیا تھا بلکہ بڑے بڑے مباحث اور لیکچروں سے کام نکالا۔ ہمارے محبان وطن اور زندگی کے ہر شعبہ میں کام کرنیوالوں نے ایسی ایسی مشکلات کو روکی طرح توم کر الگ کھدیا۔ پبلک نے کسی بڑی صداقت اور کسی اعلیٰ اُصول کو بلا شور و شغب (بخوشی) قبول نہیں کیا ہے بلکہ عوام الناس کو جبراً اُس اُصول کی صداقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔"

سقراط کے خلاف فتویٰ صادر کیا گیا تھا تاکہ وہ ایتھنس میں زہر کا پیالہ نوش کرے۔ اُسوقت اُسکی عمر ۷۰ سال کی تھی۔ اُسکی اعلیٰ تعلیم زمانہ کے تعصبات اور قومی پالیسی کے خلاف تھی۔ اُسکے دشمنوں نے اُسپر یہ الزام لگایا تھا کہ اُسنے ایتھنس کے نوجوانوں کو خراب کر دیا ہے اور اُنکو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اُن دیوتاؤں کی پرستش سے پرہیز کریں جو گورنمنٹ اور سلطنت کے حامی ہیں۔ سقراط میں "اخلاقی دلیری" ایسی اعلیٰ تھی کہ اُسنے نہ صرف ججوں کے ظلم کو برداشت کیا بلکہ اُن عوام الناس کے

جور وستم کو بھی سہا جو اُسکی پاکیزہ تعلیم کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

یون تو اپنے اپنے خیال اور عقیدہ کے مطابق راستی پر عمل پیرا ہونے کیلئے ہر جگہ اخلاقی دلیری کی ضرورت ہے لیکن ہندوستان مین اسکی اشد ضرورت ہے۔ ہماری سوسائٹی کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ اُسکی ترتیب بہت سخت اور جارانہ ہے۔ ہمارے دستور و مراسم ایسے سخت ہین کہ ہمکو کسی قسم کی آزادی نہین حاصل ہے۔ ہر طرف قواعد اور پابندیونکی ایک آہنی باڑھ نظر آتی ہے۔ اسلئے ہماری سوسائٹی کو ایک تنگ راہ سے بدقت تمام جھک جھک کر چلنا پڑتا ہے۔ ہم ہندوستانیونکا یہ ایک عام خاصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہم شخصیت سے محروم ہین، ہم ذاتی ذمہ داری کے احساس سے معرا ہین، ہم آزادانہ عمل و خیال سے مبرا ہین یعنی ہمارا تمدنی ڈھانچہ کسی جابر و مطلق العنان بادشاہ کے لفظی قانون کے مانند ہے جسکے مقابلہ مین شخصیت ہیچ اور لایعنی ہے۔

آخر اسکی کیا وجہ ہے؟ مین صاحب اپنے "قانونِ سلف" مین اسکی وجہ یہ بتلاتے ہین کہ ہندوستانی سوسائٹی ابتک ابتدائی حالت مین ہے۔ وہ فرماتے ہین کہ "قدیم زمانہ کی سوسائٹی کا جزو واحد خاندان تھا۔ مگر زمانۂ حال کی سوسائٹی کے اجزائے ترکیبی افراد (یعنی مجموعہ شخصیت) ہین"۔ بشپ کالڈویل صاحب بھی اہل ہند کے متعلق فرماتے ہین کہ "وہ اپنی ذات اور فرقہ کے قدیمی دستور و نکو قائم و برقرار رکھنے مین بہت محتاط ہین۔ اُنکے خیالات پر اگرچہ مغربی تعلیم کا رنگ چڑھ گیا ہے مگر اُنکے روزانہ اعمال اُنکے آباو اجداد کے کاموں سے مختلف نہین ہین۔

فاسٹر صاحب اپنی نادر تصنیف "قوتِ فیصلہ" مین تحریر فرماتے ہین کہ "بعض وقت انسان اپنے ارادہ کو تبدیل کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ یہ تبدیلی خواہ سوسائٹی کے ساتھ ربط و ضبط رکھنے مین ہو خواہ اُسکا طریقہ بدلنے مین، مگر سب سے پہلا سوال اُسکے ذہن مین یہی پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ اچھا ہوگا؟ وہ خیال کرتا ہے کہ یقیناً یہ بات مناسب ہوگی۔ وہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ ہر امر اُسکی مرضی کے مطابق ہو۔ وہ ایک نئی تجویز پر بہت جلد عملدرآمد کرنیکو تیار ہوجاتا ہے۔ مگر دوسرے ہی دن اُسکے ذہن مین یہ شک پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا کرنا دانشمندی مین داخل ہے؟ اُسکو بہت سی باتو پر سوچنا پڑتا ہے مبادا اُسکے نئے ارادہ کو عملی لباس پہنانے مین کوئی ایسی خرابی پنہان ہو جسکی اسکو خبر نہین۔ کیا یہ وقت کے مناسب حال ہے؟ لوگ کیا کہینگے؟ اگرچہ وہ باقاعدہ اپنے پرانے ارادہ کو ترک نہین کرتا مگر ایسی ایسی باتین سوچ سوچکر وہ ہچکچاتا رہتا ہے۔ اسکی یہ خواہش رہتی ہے کہ وہ کسیطرح اُس ارادہ کو ترک کرنیکی مصلحت کا قائل ہوجائے"

مگر جب اخلاقی دلیری موجود ہوتی ہے تو انسان ایک دوسری پالیسی (حکمت عملی) اختیار کرتا ہے۔ جو آدمی قوتِ فیصلہ سے فائز ہے۔ وہ یہی کہیگا "میرا یہی ارادہ ہے اور یہی مقصد میرے زیر نظر ہے مین وہ سب کچھ کرونگا جو انسان کے شایان ہے جب میرا ارادہ عملی صورت اختیار کریگا اور اُسوقت اگر مشکلات چار و نظر سے گھیر لینگی۔ تاہم مین ثابت قدم اور مستقل مزاج رہونگا۔ مین خوشی سے اُسکے نتایج کا خمیازہ بھگتنے کو تیار رہون۔ مین ایک ایسی ہستی کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھونگا (خواہ وہ خود مین ہی کیون نہون) جو محض تصورات کی تاریک اور ڈراؤنی شکلونکی غلام ہو۔ یا جسکا حوصلہ اُلّو کی چیخون، انسان کی دھمکیون اور تیور یونسے پست ہوجائے مین ایسے فوائد اور اغراض کو جو مجھے ایک ذیلانہ دلجمعی کے استفادہ کی غرض سے کام کرنے کی تحریک کرین ہرگز اختیار نہ کرونگا"

تمام فرقون اور ملکونکے رہنماؤن (مصلحان) کو غیر معمولی "اخلاقی دلیری" سے کام لینا پڑا ہے۔ بلکہ بسا اوقات وہ مدت العمر تک بہتان اور تہمت کے تیر و تفنگ کے نشانونکا تختۂ مشق بنے رہے ہین۔ دُنیا اپنی برتری اور ترقی کیلئے ایسے ہی روشن ضمیر اشخاص کی احسانمند ہے۔ ایسے ہی دیوتونکا نام نہایت ادب و احترام سے لیا جاتا ہے

کسی حقیقی محبِ وطن کی اخلاقی بہادری قومی اسقام و معائب کی بیخکنی کے وقت ہی اعلیٰ ترین نوعیت کی ظاہر ہوتی ہے۔ روما کے تفریحی تماشوں ہی کو دیکھو۔ وہاں شمشیر زن پہلوان کئی کئی دن کے بھوکے درندوں سے لڑائے جاتے تھے۔ اہل روما اس قسم کے وحشیانہ کھیلوں کو حد درجہ خوشی کا موجب اور اوقاتِ فرصت کیلئے ایک عمدہ مشغلہ خیال کرتے تھے جسوقت تماشا شروع ہوتا تھا۔ تمام روما کے کاروبار بند ہوجاتے تھے اور سارا شہر تماشا گاہ کیطرف جھک پڑتا تھا۔ مجسٹریٹ ممبران سینٹ، شرفا، اُمرا، رؤسا، عفیفہ کنواریاں اور عوام الناس غرض سب تماشا گاہ میں آموجود ہوتے تھے۔ شہنشاہ بھی اس موقعہ خاص پر رونق افروز ہوتا تھا۔ درندے جنگ و جدل کا بازار گرم کردیتے تھے اور پہلوان نعرہ مار کر میدان میں کود پڑتے تھے۔ نعرہ کے الفاظ یہ ہوتے تھے "قیصر کی جے ہو، عمر نے کو جاتے ہیں تجھکو سلام کرتے ہیں"۔ یہ وحشیانہ کھیل رات تک ہوتے رہتے تھے۔ چوتھی صدی کے آخر تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ آخر کار ۴۰۴ء میں ایک کہن سال اور گوشہ نشین راہب سے نہ رہا گیا۔ وہ ایسی بیرحمیوں اور خونریزیوں کو زیادہ برداشت نہ کرسکا۔ اُسنے اس مکروہ دستور کو موقوف کرانے کا ارادہ کیا۔ اگرچہ اسکی جان اس ارادہ کے تکمیل کی نذر ہوگئی۔ مگر ان خونریزیوں کے مقابلہ میں اُسکا حقیر جسم کیا حقیقت رکھتا تھا؟ اس راہب کا نام بھی ٹھیک طور پر کسیکو معلوم نہ ہوسکا۔ بعض تو اسکو ایلی میکس کہتے ہیں اور بعض ٹیلی میکس خیر کچھ ہو۔ اسکا مضائقہ نہیں۔ مگر اسکی اخلاقی دلیری اُسکی ناموری اور قدردانی کا باعث ہوئی ہے۔ وہ مشرق میں گیا تھا۔ کوئی آدمی اسکا ثنا نہیں تھا۔ اشتہار دیا گیا کہ اکھاڑے میں شمشیر زنوں کا ایک تماشا ہونیوالا ہے۔ تمام شہر حسب دستور تماشا گاہ میں جمع ہوگیا۔ مجمع کے ہمراہ وہ بھی اندر پہونچگیا۔ اُسکا ارادہ تھا کہ استقلال کے ساتھ آج اپنے دلی مقصد کو پورا کرے۔ شمشیر زن چھوٹی چھوٹی تیز تلواریں اور بھالے لیکر اکھاڑے میں اُترے۔ یہ موت و حیات کی نبرد آزمائی کی بازی تھی۔ جسوقت دونوں پہلوان ایک دوسرے کے قریب پہونچے تو بوڑھا راہب دیوار سے کود پڑا اور اُن پہلوانوں کے درمیان میں ٹھیک اُسوقت حائل ہوگیا جبکہ وہ ایکدوسرے پر وار کرنیوالے تھے۔ اُسنے اُنسے کہا کہ بلاوجہ خونریزی نہ کرو۔ یہ دیکھتے ہی زور و شور کی آوازیں بلند ہوئیں "اوبڈھے کھوسٹ پیچھے ہٹ!" مگر وہ کب کسیکی ماننے والا تھا۔ لیکن شمشیر زن پہلوانوں نے اُسکو ایک طرف ہٹا دیا اور دو دو ہاتھ کرنے کو ایک طرف بڑھے۔ مگر وہ راہب پھر اُنکے درمیان حائل ہوگیا اور باز رہنے کی تاکید کی۔ عام شور بلند ہوا کہ "اس بڈھے کا کام تمام کردیا جائے!" بادشاہ نے بھی اسکی اجازت دیدی۔ بے رحم شمشیر زنوں نے اُسکے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے اور اُسکی لاش کو روندتے ہوئے ایکدوسرے کی طرف لڑنے کو بڑھے۔ مگر اس راہب کی جان رائگاں نہیں گئی۔ لوگ اپنے سابقہ اعمال پر غور کرنے لگے۔ اُنھوں نے ناحق ایک مقدس آدمی کو قتل کیا تھا۔ وہ اپنی بیرحمیوں کو یاد کرکے تھرا اُٹھے۔ جسدن اُس راہب کی جان اس خون آشامی کی عادت و رسم کے خلاف قربان ہوئی تھی۔ اُسیدن سے گویا کلسئم (تماشا گاہ) کے وحشیانہ کھیل بند ہوگئے۔ گوشہ نشین پارسا کی موت ایک اخلاقی فتحمندی ثابت ہوئی۔ شہنشاہ ہنوریس نے ۴۰۴ء میں شمشیر زنی کے وحشیانہ کھیل قطعاً موقوف کردیئے۔

ایک امریکن مصنف "زندگی کی سچی کامیابی" کے باب میں تحریر کرتا ہے:- "اپنی عادت کو ایسے سانچے میں ڈھالو کہ دوسروں کے دست نگر نہو بلکہ اپنے لئے خود فیصلہ کرو۔ ہر ایک عملی سوال کو خوب سوچ سمجھکر طے کرو۔ اگر ممکن ہو تو قطعی نتیجہ پر پہونچکر عزم بالجزم کرلو جب کوئی آزمائش تمھارے پیش ہو تو ارادہ کی پختگی کے ساتھ نہیں کہو۔ اور جب جانثاری کا فرض سامنے آئے تو مستقل مزاجی سے ہاں کہو جس امر کے جواز کی پروا نہ تمھارا ضمیر اور رائے صائب دیدے اُسکو فی الفور جانفشانی اور

مستعدی سے سرانجام دو۔ اسمین پہلوتہی نہ کرو۔ اگر تم حیران اور سراسیمہ ہو تو اپنے دلکو یکسو کرکے فیصلہ کرلو۔ اس سے تمکو بڑے بڑے کامونکے انجام دینے کی کچھ نہ کچھ قوت حاصل ہوجائیگی۔ اگر تم مناسب مستعدی سے کسی مسئلہ کے فیصلہ کرنیکی قوت سے معرّا ہو اور تم مین اتنی بھی طاقت نہین ہو کہ ثابت قدمی سے اپنے فیصلہ پر قائم رہکر اپنے ارادہ کو تکمیل تک پہونچاسکو تو زندگی مین کامیاب ہونیکی توقع کرنا محض بے سود اور فضول ہے۔"

جبتک تم تن تنہا کسی کام کو اُسکے آخری درجۂ کمال تک نہ پہونچاؤ اُسوقت تک وہ ہرگز ٹھیک نہوگا جس شخص نے نہین کہنے کا ہنر نہین سیکھا وہ ہر ایک کام غلط کریگا جسقدر جلد ممکن ہو تم اسکو اپنی موجودہ اور آئندہ زندگی کی فلاح کیلئے فوراً سیکھ لو۔"

انسان عموماً اس امر سے واقف ہو کہ کون کام درست ہو اور کونسا نادرست۔ مگر خوشامد، فائدہ اور عیش وعشرت اور لہو ولعب کی آزمائشون اور ترغیبون سے بچنے کی اُسمین کافی قوت نہین ہو۔

ہمارے تعلیم یافتہ برادران ملک کی عام اخلاقی کمزوری کی کیا وجہ ہو؟ اسکے سوائے کوئی اور وجہ نہین ہوسکتی کہ وہ اپنے دوستون اور رشتہ دارون اور اپنے آرام وآسائش اور لوگونکی واہ واہ کا زیادہ خیال کرتے ہین۔ حالانکہ مناسب تھا کہ سب سے زیادہ وہ خدا کا خیال کرتے۔

ڈاکٹر بکر فرماتے ہین:۔ "اگر تم مین فیصلہ کرنے کی قوت اور دلیری ہو تو اوّل جو تمھارا فرض ہو اور جو کام انسان کے شایان شان ہو اُسیکو کرو۔ دو مختلف آرا، کے درمیان معلق مت رہو جن دستورون اور تاثرات کو تم نگاہِ نفرت سے دیکھتے ہو اُن کی متابعت مت کرو۔ صرف خدا کو اپنا دوست اور مددگار بناؤ جب تم اس بات کو جان لوگے اور پہچان لوگے کہ کسطرح خدا تمھارے اندر اور تمھارے ساتھ کام کرتا ہو تو تمکو ہر ایک مشکل آسان ہوگی اور ہر ایک ناکامی اور مایوسی مین روحانی ترو تازگی نصیب ہوگی۔"

اب لکیر پر فقیر بنے رہنے کا زمانہ نہین رہا بلکہ اب عقل کی پیروی کرنے کا زمانہ ہو۔ اگر ہم صرف دستورونکی پیری کرتے رہین تو ہم کسی قسم کی ترقی نہین کرسکتے۔ مناسب یہ ہو کہ معقولیت کو قومیت کی قربان گاہ پر نہ چڑھایا جائے۔ دو ہزار برس کا عرصہ گزرا کہ انگلستان چند ایسی وحشی قومون سے آباد تھا جو اپنے جسمونکو نوز نگا کرتی تھین۔ جنگلی میوہ جات اور مچھلیونکے شکار پر اُنکی اوقات بسری ہوتی تھی۔ اگر وہ لوگ صرف دستورکے پابند رہتے تو انگلستان کی وہ حالت نہوتی جو اب ہو۔ باشندگان انگلستان نے دوسری قومونکے ایجادات واختراعات سے مستفید ہونیکی کوشش کی۔ اپنی عقل سے کام لیا اور یون رفتہ رفتہ اب وہ دُنیا کے نہایت ہی آسودہ حال اور روشن دماغ باشندون مین شمار ہوتے ہین۔

حسب ضرورت دستور کا پابند رہنا بُری بات نہین ہے بشرطیکہ وہ دستور عمدہ اور اچھا ہو۔ ایسے دستور کو قائم رکھنا ہمارا قومی فرض ہو۔ ہمارا مطلب صرف یہ ہو کہ انسان جو صاحب ضمیر اور صاحب عقل ہو اُسکو مناسب ہو کہ وہ ہر ایک دستور کے حسن وقبح پر غور کرے۔ اگر اُس دستور سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہو اپنا اور اپنے ہمسایونکا بھلا ہوتا ہو تو بے شک اُسکی پیروی کرنا روا ہو۔ لیکن مناسب ہو کہ ہم اندھا دُھند کسی دستور کے مقلد بنے رہین۔ اگر ہم ایسا کرتے ہین تو یقیناً ہم مین فرض کا احساس باقی نہین رہا اور نہ اخلاقی دلیری ہی کا نام ونشان ہم مین پایا جاتا ہے۔

شاکر

مشرقی ادب کی تاثیر

ادب تاجے است از لطفِ الٰہی بنہ بر سر بر و ہر جا کہ خواہی

اچھی طرح سمجھ لو جو ہیں ہون تم سے کہتا مشرق ہین تم ہو رہتے مشرق وطن تمہارا
مغرب کا ہو رہا ہے جو اپنی رو مین دریا موجون کے ساتھ پہونچے تکا نہ کوئی قطرا
موجون کے ساتھ چل کر ہرگز نکھاؤ غوطے
موتی نکالنے کو اس مین لگاؤ غوطے

دنیا مین جتنی باتین ہوتی ہین بزم آرا اُن سب کو تم نے اپنے علم ادب مین سمجھا
کیسٹری سے تمنے سب کے نکالے اجزا سب کے مزاج دیکھے ہنگام ضبط انشا
القاب بھی بتائے آداب بھی بتائے
اُنکے اثر سے سارے اپنے ہوئے پرائے

اپنی زبان مین لائے تم دہر کے حقائق تم ترجمون مین نکلے دنیا سے بڑھ کے لائق
ہر شے کے تم تھے جویا ہر چیز کے تھے شائق آخر ہوئے جہان مین اہل جہان پہ فائق
ہر علم و فن مین اپنا علم ادب نہ بھولے
تم سے پہلے گلستان گلزار تم سے پھولے

تھا جو ادب تمہارا معشوق تھا وہ بالکل تم بیٹھتے تو ہوتا اظہار صد تحمل
اُٹھتے جو تم تو اُٹھتا تنظیم کو تجمل چلتے تو ساتھ چلتے آداب دہر بالکل
اب وہ صفات تم سے رخصت ہوئے مین جانی
جو کرتے ہو غلط ہے دُھن ہے خلط سمانی

ہو سنسکرت بھاشا یا فارسی و تازی ہو صورت صفاہان یا پیکر حجازی
ہو جلوۂ حقیقی یا عشوۂ مجازی ہے رنگ سب مین یکسان یکسان ہے نگاری
جو بات جس زبان مین دیکھو گے تم ادب کی
ہے قفل ایک اُنکا کنجی الگ ہے سب کی

ہندوستان مین رہتے یا ساکن عرب تھے مسکن کہین ہو لیکن مجموعۂ ادب تھے
نسخے شفا کے بنتے ہلتے کہین جو لب تھے اس در سے مین جو تھے حکمت مآب سب تھے
پچھلے ادب مین اپنے آداب شاہ دیکھو
چلتی ہے کس ادب سے یہ شاہ راہ دیکھو

ہر مشرقی ادب مین اک فلسفہ ہے پنہان دیکھو عجم کے شُعبے دیکھو عرب کے فرمان
حکام کے عرائض دیکھو بنام سلطان جنگل نہ سمجھو اسکو سمجھو ہے اک گلستان
اُس سے ادب نکالو ماخذ اُسے بناؤ
جو بڑھ گیا گھٹاؤ جو گھٹ گیا بڑھاؤ

سمجھو جو ایشیا مین ہر قوم کا ادب ہے جو جان کہنی سے اپنی افسوس جان بلب ہے
آپس کی دوستی کا جو اک بڑا سبب ہے جو لولہ فیشی سے مطعون روز و شب ہے
بگڑے ہمارے صدہا کام اُسنے ہین بنائے
بے شبہ اُس ادب نے اپنے کئے پرائے

مفتوح اور فاتح رکھتے ہین اک تفاوت ہرگز نہ ایک ہونگے گر ہو اہل طاقت
ہر ملک کے خصائص رکھتے ہین خاص عادت یکسان کرے نہ سب کو دنیا مین زور فطرت
سیاح کو جہان کی کرنا ہے سیر ممکن
دریا کے دو کنارے ہون ایک غیر ممکن

نوکر ہین ہم تہین ہین انگلش کی طرح آقا وہ بادشہ ہمارے ہم اُنکی ہین رعایا
ہم ہج ہون یا کلکٹر حاکم نہین ہین عاشا اُنکی زبان ہے آئین قانون اُنکا فشا
ہم اُنسے مانگ سکتے سب کچھ ہین اے برابر
لیکن نہین ہے ممکن جو ہو سکین برابر

انگلش نے قبضہ پایا اس ملک پر ادب سے دیکھو بنور پڑھکر انگلش کے عہد نامے
لکھتے ہین افسرون نے راجون کو جو غلط از روے عقل سمجھو اُنکے اثر ہین کیسے
تاثیر سے ادب کی جو کچھ اُنھون نے پایا
وہ دوسری طرح پر ہرگز نہ ہاتھ آیا

راجون سے پہلے انگلش کرتے تھے بات کیونکر آقا کا جیسے اپنے کرتے ادب ہین نوکر

اردو و فارسی مین کھولا ادب کا دفتر آخر ادب نے چھوڑا اُنکو بنا کے قیصر
اُڑنے لگا پھریرا جب ملک مین عسلم کا
تب سر کیا قلم نے تلوار سے قلم کا

گر چاہتے ہو دل مین غیرون کے گھر بنانا گر چاہتے ہو اپنا اُجڑا محل بسانا
منظور ہے جو تمکو قسمت کا آزمانا گر چاہتے ہو تم سے ظاہر ہو مغل دانا
تو کر لو یاد اپنے بھولے ہوئے ادب کو
پھر ات دے سکو گے باتون سے اپنی سبکو

ہر بات مین ادب کو سمجھو تم اپنا رہبر ہر باب مین ادب کو سمجھو ہے خضر پیکر
یہ تاج ہے تمہارا سرتاج شاہ قیصر یہ ہے تمہارا بھائی یہ ہے تمہارا نوکر
ہوتے ادب سے دیکھے دنیا مین دوست دشمن
روشن وہ گھر ہے جسمین شمع ادب ہے روشن

اشہری

کلامِ ابر

(از انکار تازہ پنڈت بشن نرائن صاحب در)

آئینہ پھر اُسنے دیکھا پھر ہے حیرانی مجھے زلف اُسکی پھر بنی پھر ہے پریشانی مجھے
سبزہ خودرو ہون اس ویرانۂ عالم مین مین کیا کمون اُسکا کرم دیتا ہے جرپانی مجھے
سو چتا ہون واشد دل کا جو مین انجام کا غنچے کے کھلنے سے ہوتی ہے پریشانی مجھے
غیرت آتی عیب سے ہے اہل غیرت کے صنو تنگون کی بستی مین کیا ہو شرم عریانی مجھے
تیری صورت دیکھتا ہون اپنی صورت کی جگہ آئینے کو دیکھکر ہوتی ہے حیرانی مجھے
مجھکو خود مشوق سکھلاتے ہین گھاتین عشق کی لاکے پریان دیتی ہین نقش سلیمانی مجھے
صورتِ عریان کا عکس آتا ہے نظر آئنہ ہے نہر کا بہتا ہوا پانی مجھے
ستر پوشی کا نہین معصوم کو ہوتا خیال ہے خیالِ معصیت سے شرم عریانی مجھے
قادرِ مطلق سے مجھ شکی کا اتنا ہے سوال ہو جو کچھ قدرت دکھادے اپنا تو ثانی مجھے

شیخ صاحب مین فرشتون کا چلن چلتا مگر ہون بشر لازم ہے پاس وضع انسانی مجھے
درس انگلش نے بھلادی سب زبان مادری اب تو اُردو بھی ہوئی ہے آبرِ عریانی مجھے

ماہیتِ فلسفہ

ہے مرکب فا ملاس اور سوفیا سے فلسفا جسکے معنی ہین محبت عقل کی اے باصفا
وضع کی سقراط نے پہلے پہل یہ اصطلاح تھا جو سوفسطائیون کو عقل کا دعویٰ بڑا
جانتے تھے خود وہ اپنے کو زمانے عقیل چھیڑتے تھے کو انکے یہ شوخی تھی صرف ارکھنے تھا
دیکھکر گزشتہ اُنکو اپنے زور عقل مین خود فلاسوفی لقب سقراط نے اپنا رکھا
فلسفہ کیا ہے؟ فقط اشیاے موجودہ کا علم فلسفہ کیا؟ علم لاہوتی کی جس پر اِنتہا
ہین یہ میرے اقوال افلاطون کے بس یاد گار فلسفہ ہے علم موت اسے چاشنی گیر قضا
علم ہے تشبیہ پیدا کرنے کا اللہ سے جسقدر طاقت بشر کی ہے نہ کچھ اس سے سوا
ہے یہ وہ عنصر تکدے مین دہر کے اعلیٰ سرو جسکی لذت جاننے والا ہی ہے کچھ جانتا
ہے جہان مین صنعتو نکی صنعت اور علو نکا علم فضل کو اُسکے ارسطو نے بھی ثابت کر دیا
یہ دوائے روح ہے بیشک بشر کیواسطے متفق اسپر اطبا کا بھی فرقہ ہو گیا
واقعات صادقہ ذہنی ہون وہ یا مادی صرف اُسکا علم رکھنا بس یہی ہے فلسفہ
قول یکین ہے کہ ہے یہ قوت کسب علوم اور علمون پر شرف اسواسطے اسکو ہوا
ہے وسیلے سے عِلَل کے علم معلولات کا بابس نے یہ اور ہابس نے کیا ہے فیصلہ
ہو عِلَل کی حیثیت سے بحث موجودات پر ہے یہی بقراط کے نزدیک اسکا مدعا
اصل بس یہ ہے جہانتک ہو گی تحقیق عِلَل ملتا جائیگا وہانتک اسکو وحدت کا پتا
آئیگا حق کیطرف ہر علتِ آخر کے بعد علت اولیٰ ہے کہنے اگر تو ہے بجا
لیکن اُلجی عقل و دانش پر بہت افسوس ہے فلسفہ پڑھکر ہوئے جو منکر ذاتِ خدا

عقل سے بھی ہاتھ دھو یا پڑھکے علم النفس کو
کیا اثر تعلیم کا تو نے لیا ہے مرحبا

عزیز لکھنوی

کلام اکبر

جوش مین لائے صبا جسکو وہ خون اچھا ہے — بوئے گل جسکو ابھارے وہ جنون اچھا ہے
دل دھڑکنے لگا آئی جو نظر اُسکی جھلک — ہر تباہی مجھ سے یہ شگون اچھا ہے
مین کسی سحر کی خوبی کا نہین ہون قائل — ہان تری نرگس فتان کا فسون اچھا ہے

ہے دلیلون سے "نہین" پہ یہ یقین کیونکر کرین — سارا عالم کہہ رہا ہے "ہان" نہین کیونکر کرین
کسطرح دُنیا کو چھوڑین ہے بنائے زندگی — ہے مدار کار ملت ترک دین کیونکر کرین
مغربی علم و ہنر تو خوب ہین اکبر مگر — اپنی اس تعلیم پر ہم آفرین کیونکر کرین

مرید و ہر ہوئے وضع مغربی کر لی — نئے جنم کی تمنا مین خود کشی کر لی
جو حسن بت کی جگہ حکم مسیں ہوا قائم — تو عشق چھوڑ کے ہم نے بھی نوکری کر لی
نگاہ ناز بتان پر نثار دل کو کیا — زمانہ دیکھکے دشمن سے دوستی کر لی

محفوظ ذہن رکھین ہر دور ہم کہانتک — اوراق ہسٹری مین نقش قلم کہانتک
ہر قطرہ اور ذرہ ہے مورث حوادث — دفتر تزا کہانتک زور رقم کہانتک
ناقص مقدمون سے نکلین گے جو نتیجے — اُن پر وثوق صحت اے محترم کہانتک
نعمت سمجھ بلا کو، بے لذت تماشا — آخر یہ مخزن اشک اے چشم نم کہانتک

کہتے ہین دوست اکبر کو دیکھکر بحسرت
ہے اسکا دم غنیمت لیکن یہ دم کہانتک

خدا ہی کو فقط حاصل ہے حق دلبری اکبر
دیا دل جس نے دُنیا کو حقیقت مین وہ مشرک ہے

جوان بیوہ

رنڈاپا جوانی کا ہے قہر و آفت — رنڈاپا جوانی کا اُن ری مصیبت
رنڈاپا جوانی کا اور پاس عزت — قیامت ہے غمگین دل کو قیامت
نگاہون مین دنیا کی ہر شے عبث ہے
رہا جب نہ وارث تو جو ہے عبث ہے

ہوئی اب تو دو بھر یہ دُکھیا زمین کو — لہو رو کے تڑکتی ہے آستین کو
ٹپک کر کبھی پھوڑتی ہے جبین کو — کبھی تھام لیتی ہے قلب حزین کو
نہ جینے کی شادی نہ مرنے کا غم ہے
حیات اسکی کیا ہے حیات الم ہے

رنڈاپے کے کپڑے یہ پہنے ہے تن مین — نہین خون کی سُرخی بھی باقی بدن مین
اسیکا ہے دُکھڑا ہر اک مرد و زن مین — اسی کا ہے رونا ہر اک انجمن مین
بڑی بوڑھیان اُسکو بیٹھی ہین گھیرے
یہ کہتی ہین بچی خدا صبر اب دے

چھڑے ہین زمانے کے قصے اسے کیا — سب آئے ہین ہمدرد بنکے اسے کیا
کوئی روئے یا مُسکرائے اسے کیا — کرے یا کوئی کچھ اشارے اسے کیا
یہ اپنے مسافر کی دُھن مین پڑی ہے
کلیجے مین اک غم کی برچھی گڑی ہے

کبھی یہ تصور ستی ہون تو اچھا — کبھی زہر کا ڈھونڈتی ہے پیالا
کبھی چاہتی ہے کہ ہون غرق دریا — کبھی ولولہ یہ چلون سوے صحرا
بچھڑ جانے والے کو جی بھر کے ڈھونڈون
نہ پاؤن اگر جیتے جی مر کے ڈھونڈھون

یہ روتی ہے جب یاد آتا ہے شوہر — سب اسکی جوانی کو روتے ہین آکر
یہ روتی ہے جب قلب ہوتا ہے مضطر — بہاتے ہین اشک اسکی سب کسمسی پر

یہ کہتی ہے کیونکر اجل کو بلاؤن
اجل کہتی ہے وقت آئے تو آؤن

وہ زلفین سہاگ اسکا جنسے تھا ہردم ہوئی جاتی ہین آپ سے آپ برہم
عیان رُخ کی رنگت سے ہے دلکا عالم جھپکتی ہین آنکھین کہ ہوتا ہے ماتم
ہنسی مُنہ پہ خواب و خیال اب ہوئی ہے
فغان جیسے ہر وقت کی دل لگی ہے

طلسم خیالات ہے اور یہ ہے اب اشکون کی برسات ہے اور یہ ہے
جوانی کا ظلمات ہے اور یہ ہے ڈراؤنی غضب رات ہے اور یہ ہے
بہت سرد و گرم جہان دیکھنا ہے
تماشاے عمر رواں دیکھنا ہے

اب ایک اک گھڑی اک نئی زندگی ہے ستم بیکسی ہے غضب بیکسی ہے
نہ ہمدرد کوئی نہ مونس کوئی ہے زبان دل کی بیتی ہوئی کہہ رہی ہے
وہ ہے سامنے جسکی آنکھین ہین جویا
تصوّر مین تصویر کھینچی ہے گویا

سہاگن کے نزدیک کیونکر یہ جائے یہ وسواس ہے پہ آنچل نہ ڈالے
کسی نے پکارا تو گھُن پیری کہہ کے ہزارون زبانین ہین لاکھون ہی طعنے
ہر اک منہ مین جو آتا ہے بک رہی ہے
یہ مُنہ سب کا کس یاس سے تک رہی ہے

کبھی امتحان وفا لے گا گردون تپک جائینگے آنکھ سے اشک پرخون
کبھی آپ سے آپ دل ہوگا مخزون کبھی کہہ رہی ہوگی یہ صبر سے یون
مدد گار تو ہے مری آبرو کا
بھروسہ تجھی پر ہے اب میری خو کا

کبھی نفس امّارہ کا جوش طوفان طلاطم مین جس سے خیالات ہر آن
کیو وقت بزم عناصر پریشان نفس جس سے سینے مین دم بھر کا مہمان
مگر کہ یہی ہے شرافت نہ جائے
نکل جاے روح اور عزت نہ جائے

کبھی خود بخود دل سے یہ باتین کرتا ہوئی ہونگی لاکھون مرے سن کی بیوا
کٹا ہوگا کس طرح اُن کا رنڈاپا یہی نا کہ بس نام لیکر خدا کا
یونہین مین بھی عزت سے جھیلونگی دُنیا
شرافت سے عصمت سے جھیلونگی دُنیا

نہ کھاؤنگی اچھا اگر سامنے آئے نہ پہنونگی ہرگز اگر کوئی بنوائے
نہ سوؤنگی گو نیند آنکھون کو جھپکاے خدا خواب مین بھی نہ راحت کو دکھلائے
مرا گھر جو اُجڑا تو دل بھی اُجڑ جاے
الٰہی تمناؤن پر اوس پڑ جاے

یہ سب کچھ سہی لیکن اے رانڈ بیوا خدارا ذرا اُس سے محشر کا کہنا
کرے پار اللہ عصمت کا بیڑا تری پاک باتون کا ہو سب مین چرچا
سمجھتی ہے کیون رسم کو جزو ایمان
کہ برحق ہین احکام وید اور قرآن

محشر

قطعہ

کبھی تھا ناز زمانہ کو اپنے ہند پہ بھی پر اب عورت وہ علم و کمال و فن مین نہین
وہی ہین گل وہی بلبل وہی نسیم و صبا وہی چمن ہے پہ وہ باغبان چمن مین نہین
وہی ہے بزم وہی شمع ہے وہی فانوس خدا ے بزم وہ پروانے انجمن مین نہین
رگون مین خون ہے وہی دل وہی جگر ہے وہی وہی زبان ہے مگر وہ اثر سخن مین نہین
نفاق و جہل نے ہندوستان کو لوٹ لیا بجز نفاق کے اب خاک بھی وطن مین نہین
ہے رنگ آنکھ کو محسوس اور دماغ کو بو وہ شے جو اصل مین گل ہے کہین چمن مین نہین

چکبست

ادائے شرم

انڈین پریس الہٰ آباد

اداے شرم

یہ نگاہیں شرمگیں، یہ تیرا اندازِ حجاب — نیچی نظریں ہیں تری، یا عقدۂ رازِ حجاب

لب میں ہے جانِ پری، آنکھوں میں لجۂ جاں لجاب — دوش پر آنچل ہے، یا ہے پردۂ سازِ حجاب

پاکدامانی کی توسٹی ہوئی تصویر ہے

جلوۂ حسنِ تماشا سوز کی تنویر ہے

کہہ رہی ہے چپکے چپکے، تیری چشمِ شرمگیں — "پیکرِ عفت ہے تو" اے نقشِ نازِ دلنشیں

یا زمیں پر جلوہ گر ہے خُلد کی اک حورِ عین — یا کوئی دوشیزۂ رعنا ہے تو، اے نازنیں

کتنے دل کش، اور سادہ ہیں ترے خدّ و خال حُسن

تیری خوبو میں نہیں داخل میں صنعتِ حُسن

آئینے سے آشنا، ذوقِ خود آرائی نہیں — دوش بر دوشِ تحیّر، ناز یکتائی نہیں

خود تماشا ہے، مگر اپنی تماشائی نہیں — خوبیکن، آہ! تیری شان یہ زیبا نہیں

اک عجب دل کش مُرقّع تو یہ قدرت کا ہے

نقش سادہ اک طلسمِ جلوۂ حیرت کا ہے

بھولی بھولی اُن، یہ صورت، پیاری پیاری یہ ادا — آہ! یہ شرمیلی چتون، اور یہ آنکھوں کی حیا

یہ خمِ گردن کا عالم، اور یہ زلفِ دوتا — یہ لبِ شیریں، یہ اندازِ سکوتِ جاں فزا

نقشِ عفت ہے، مگر تو پردۂ تصویر میں

جلوۂ نورِ ازل ہے، حُسنِ عالمگیر میں

یہ تری عالم فریبی، اور یہ ریحانِ حُسن — بکھرے بکھرے بال، اور سمٹا ہوا دامانِ حُسن

عفت و شرم و حیا و ناز ہیں ارکانِ حُسن — بس انہیں دو چار اجزا سے ہے قائم شانِ حُسن

حاجتِ گلگونہ کیا، رخسارِ زیبا کے لئے

ذوقِ تزئیں ننگ ہے، زلفِ چلیپا کے لئے

غنچۂ حُجرہ تیری نگہ، اے لعبتِ خوشخو نہیں — سرپہ بولے چڑھ کے جو، آنکھوں میں وہ جادو نہیں

جس سے اک عالم پریشاں ہو، یہ وہ گیسو نہیں — بنکے خنجر دل پہ چل جائیں، یہ وہ ابرو نہیں

یہ نہیں وہ تیرِ مژگاں جسسے بسمل ہوں جگر

شہرگِ جاں میں جو بنجائیں اُتر کر نیشتر

نیچی نظریں ہیں تری بیگانۂ نازونیاز — اور عیاں آنکھوں سے ہے معصومیت کا تیری راز

کتنے دل کش ہیں تری اک اک ادائے دلنواز — ہے چھڑی پھولوں کی یا زیرِ قبا انگشت ناز

کھل کے ہنسنا بھی نہیں تو جانتی گویا ابھی

غنچۂ سربستہ ہے، اے شاہدِ رعنا ابھی

سُرور جہان آبادی

دلِ ناکام

تھا کبھی میرے لئے بھی روزگارِ آرزو — مجھکو بھی حاصل تھا لطفِ انتظارِ آرزو

جوشِ دل سے ہو نہ سکتا تھا شمارِ آرزو — آہ پھر میں فدا تھی میں نثارِ آرزو

تھا ہجومِ شوق سے میں بھی تمنّائی کبھی

ہاں تصوّر ہی میں، ہنتا تھا تماشائی کبھی

بزم میں نوشاں میں میرا بھی کبھی مذکور تھا — میری قسمت میں بھی یہ افشردۂ انگور تھا

میں بھی کیف جامِ الفت سے کبھی مسرور تھا — میں بھی صہبائے محبت سے کبھی مخمور تھا

ملتفت پیرِ مغاں تھا دور میں پیمانہ تھا

میں بھی تھا میکش کبھی مشربِ مرار ندانہ تھا

آہ تھا میرا زمانہ بھی کبھی دورِ نشاط — اور مستقبل نظر آتا تھا پُر از انبساط

آہ شوق گرمجوشی آہ ذوقِ ارتباط — وہ تمنائے تکلم آرزوے اختلاط

باغِ دل میں میرے آتی تھی بہارِ آرزو

میں تھا گویا عندلیبِ شاخسارِ آرزو

کیا خبر تھی یوں بھی نیرنگِ جہاں ہوجائیگا — اپنے ارمانوں کا دشمن آسماں ہوجائیگا

ایکدم سے منقلب دورِ زماں ہوجائیگا — اسطرح کا انقلابِ ناگہاں ہوجائیگا

اوس پڑجائیگی اپنے گلشنِ امید پر

حسرتیں روئینگی اس ناکامیٔ جاوید پر

وہ سُہانی شام میری رات وہ تارون بھری
صبح صادق کو اُفق سے سحر کی جلوہ گری

کیسی کچھ خوشخبریان دیتی تھی یہ خوش منظری
وہ طبیعت کی اُمنگین اور شگفتہ خاطری

آہ گونا گونیان میرے دل ناکام کی
آہ بوقلمونیان آغاز بد انجام کی

وہ تصوّر کا کسی کے مشغلہ جاتا رہا
گیسوے پیچ و خم کا سلسلہ جاتا رہا

وہ تمنا مٹ گئی وہ حوصلہ جاتا رہا
رہ گئی حسرت ہی حسرت ولولہ جاتا رہا

اب کہان وہ دلفریبی ہائے اُلفت کے مزے
اب کہان وہ دلکشیمائے محبت کے فرے

آہ وہ دل جو کہ شیدائے رخ پُرنور تھا
آہ وہ دل جو کبھی رشک چراغ طور تھا

آہ وہ دل بادۂ الفت سے جو معمور تھا
آہ وہ دل جسکے ہاتھون مین بہت مجبور تھا

آہ وہ دل جو کہ اُمیدون کا اک کاشانہ تھا
آہ وہ دل دیکھا تو ارمانون کا ویرانخانہ تھا

ارشد تھانوی

بے ثباتیٔ عالم

چند روزے بُلبُل رونق گلستان ہے
موسم بہار گُل تین دن کا مہمان ہے

جس زمین پہ تھا گلزار اب وہان اُسکے گیہ ہین خاک
شب کو تھا جان دربار دن کو ہو کا میدان ہے

گرد ہے نہ اب وہ سام گرد ہے نہ بہرام
جم ہے اب نہ ہے وہ جام سازوہ نہ سامان ہے

یہ عجب ہوئی اُفتاد بیستون نہ ہے فرہاد
ہے ارم نہ ہے شداد تو قصر ہے دبستان ہے

عدل وہ نہ وہ کسریٰ حاتم اور نہ بذل اُسکا
شہ نہین سکندر سا آئینہ بھی پنہان ہے

خم ہے وہ نہ اطلون کاخ وہ نہ افریدون
گنج ہے نہ ہے قارون جاوہ وہ نہ وہ شان ہے

زال ہے نہ وہ چوشن غرو وہ نہ رویین تن
وہ سنان نہ وہ پیرن سام ہے نہ غفتان ہے

قصر ہے نہ ہے دربان ہے نشان نہ نوبتخان
یہ لحد ہے داریان کون ترا پرسان ہے

بے ثباتیٔ عالم کیا کہین کسی سے ہم
نخت ہے نہ ہے خاتم اور نہ وہ سلیمان ہے

یان رہا ہمیشہ کون موسیٰ اور نہ ہے فرعون
اُسکے وہ نہ یار و عون جنکا وہ نہ ہامان ہے

ہین نہ آدم و حوا ہین نہ یوشع و یعقوب
ہے عصا نہ ہین موسیٰ نوح ہین نہ طوفان ہے

اب کہان ہین وہ داؤد وہ خلیل اور نمرود
بود تھے ہوئے نابود نار ہے نہ گلستان ہے

قیس ہے نہ لیلےٰ ہے وامق اور نہ عذرا ہے
یان نہ اب رینجا ہے اور نہ ماہ کنعان ہے

اب کہان ہے وہ ضحاک ہر طرف تھی جکی دھاک
سو رہا ہے زیر خاک قصر ہے نہ ایوان ہے

اب کہان ہے وہ سہراب نیزہ اُسکا وہ نایاب
اب کہان ہے وہ وہ اراب اب کہان زریان ہے

اب کہان ہین وہ نامی سعد و سعدی وجامی
فیض ہے نہ فہامی خان نہ خانخانان ہے

اب کہان ہے وہ بسنجر اب کہان ہے وہ بابر
اب کہان ہے وہ اکبر وہ نہ شاہ تُوران ہے

اب کہان وہ ہارون ہے اب کہان وہ مامون ہے
اب کہان ہمایون ہے قیصر اب نہ خاقان ہے

ملک ہو گئے تاراج تخت وہ نہ وہ ہے تاج
کیا تھے کل ہوے کیا آج شاہ وہ نہ سلطان ہے

تیرے سامنے کیا تھا کیا سے ہو گیا پھر کیا
یہ ہے حال دنیا کا غافل اب بھی نادان ہے

اے ذہین یہ ہے دنیا تم نے کیا اسے سمجھا
یان کا در دسر سودا یان کا لفع نقصان ہے

ذہین

غزل

مثایہ کون غریب الدیار راہ مین ہے
کہ مدتون سے بلند اک غبار راہ مین ہے

یہ جوشِ دیدۂ خون نابہ بار راہ مین ہے
کہ ساتھ ساتھ ہمارے بہار راہ مین ہے

جنون مین منزل مقصود کا ہو پھر کون
خضر کا ساتھ بھی بیگانہ وار راہ مین ہے

چلے ہین اُسکی گلی تک تو فاتحہ پڑھ لین
کہ نامہ بر کا ہمارے مزار راہ مین ہے

تلاش دوست کو مانع نہین خیالِ شب
چراغ ہے کہ دل داغدار راہ مین ہے

ہجوم شوق کی حد ہے کوئی شبِ وعدہ
نکل کے گھر سے ترا انتظار راہ مین ہے

یہی جنون ہے تو پہونچیگی خاک منزل تک
کہ اپنے نقش قدم کا شمار راہ مین ہے

سفر ہے منزل ہستی کے خواب کی تعبیر
خزان چمن سے چلی تو بہار راہ مین ہے

تری طلب مین ہم اک جانشین کو چھوڑ گئے
کہ ہم نہین تو ہمارا غبار راہ مین ہے

سفر مین ہر دعا اُٹھیگا جو ہاتھ کبھی
وہی ہین شجر سایہ دار راہ مین ہے

مسافرت بھی ہے لوحِ طلسم دہر نظر
کہین پہ دشت کہین سبزہ زار راہ مین ہے

ایڈیٹر

ایڈیٹوریل

آل انڈیا اُردو کانفرنس ۲۶-۲۷ مارچ گذشتہ کو بمقام الہ آباد منعقد ہوئی تھی۔ اُردو زبان کے لئے یہ پہلا ہی موقع ہے کہ اُسکی ترقی کی باقاعدہ کوشش شروع ہوئی ہے۔ صدارت کیلئے مولوی محمد عزیز مرزا صاحب۔ بی۔ اے سکریٹری مسلم لیگ منتخب کئے گئے تھے بلکی فضیلت، روشن خیالی اور معاملہ فہمی محتاج تصریح نہیں۔ فاضل پریسیڈنٹ نے اپنی اسپیچ میں اُردو کے اصول و فروع، اُسکی تاریخ، اور اُسکی ترقی کے اسباب پر نہایت جامع و مانع بحث کی اور پُرزور استدلال کے ساتھ ثابت کیا کہ اُردو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے۔ اُنھوں نے نہایت کشادہ دلی سے اعتراف کیا کہ اُردو زبان کی ترقی میں ہندوؤں نے مسلمانوں سے کچھ کم محنت نہیں کی ہے اور ہندو اہل قلم کا پایہ مسلمان اہل قلم سے کسیطرح کم نہیں ہے۔ شرکاء کانفرنس میں بجز مقامی حکام اور سوسار کے بیرونی اضلاع کی تعداد نہایت قلیل تھی جسکی وجہ کانفرنس کا بیموقع انعقاد تھا۔ اوّل تو عین ہولی کا روز۔ دوسرے ملک کے اکثر حصوں میں انھیں تاریخوں میں دوسری تقریبیں بھی منعقد تھیں۔ تاہم اس کمی تعداد کو ملک کے زندہ دل شعرائے اپنی شرکت سے پورا کر دیا تھا۔ پہلے اجلاس میں تقریباً کوئی مقامی ہندو شریک نہ ہو سکا لیکن دوسرے روز یہ کمی ایک حد تک پوری ہو گئی تھی۔ فاضل پریسیڈنٹ کے علاوہ مولوی محمد زبیر صاحب۔ ایم۔ اے۔ بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ۔ منشی محمد واحد علیہ صاحب انڈر سکریٹری اجلاس ہمایوں دربار، رامپور۔ سید علی احسن صاحب احسن مارہروی۔ سید محمد مہدی صاحب آنریبل خلف حضرت جلال مرحوم اور سید نظام شاہ صاحب دلگیر اکبرآبادی کی شرکت سے کانفرنس میں ایک خاص رونق پائی جاتی تھی۔ مشہور جادو نگار مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر نے شیرخوارگی کی علالت کے سبب شریک نہیں ہو سکے جسکا اہل کانفرنس کو افسوس ہوا، اور اب یہ افسوس اور بھی زیادہ ہو گیا کیونکہ چند ہی مدت بعد وہ معصوم دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ابتدائی حالت کیوجہ سے اگرچہ جلسہ کامیاب نہیں کہا جا سکتا لیکن جن حضرات نے یہ کام شروع کیا ہے اُنمیں لیاقت۔ سرگرمی اور استقلال کے اوصاف موجود ہیں اور اسلئے اس کوشش کی کامیابی بالکل مشتبہ بھی نہیں ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مولوی امیر احمد صاحب نیز لکچرر بار اور بابو عطا محمد صاحب جائنٹ سکریٹری اُردو کانفرنس بدایوں کی سرگرمی۔ حوصلہ مندی اور ایثار نفسی اُنھیں اپنے ارادوں میں جلد کامیاب کریگی۔

ملک میں تمدنی بیداری کی رفتار نہایت سرعت سے جاری ہے اور ہندوستان کے ہر حصے میں مشترکہ سرمایہ سے کمپنیاں قائم ہو رہی ہیں۔ چنانچہ جنوری سنہ حال میں اس قسم کی ۱۹ کمپنیوں کی مختلف حصص ملک میں رجسٹریان ہوئی ہیں جنکے سرمایہ کی مجموعی تعداد ۲۹۶۵۰۰۰ ہے۔ گو یہ رقم اُسیقدر قلیل ہے جسقدر ملک میں افلاس کی زیادتی ہے تاہم یہ دیکھکر اطمینان ہوتا ہے کہ اہل ہند ترقی کے سیدھے راستے پر چلنے لگے ہیں۔ کیونکہ ان میں بیشتر ایسی کمپنیاں ہیں جو تجارتی اور صنعتی مقاصد پر مبنی ہیں۔ تاہم یہ معلوم کرکے افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے عظیم صوبے میں جسکا رقبہ گریٹ برٹن اور آئرلینڈ کے مشترکہ رقبے کے برابر ہے اور آبادی میں اُس سے بھی بڑھا ہوا ہے صرف ایک کمپنی قائم ہوئی ہے اور بنگالہ میں بیس ہزار سے زائد ہیں ہے۔

اگر کوشش ہو صنعت میں تجارت میں ترقی ہو — تو وہ ہے راستوں سے اپنی دولت میں ترقی ہو
حکومت کو بھی لازم ہے کرے تری محاصل میں — بڑھائے دل رعایا کے کہ محنت میں ترقی ہو

تصریح تصاویر

(۱) سری ویاس جی مصنف مہابھارت کی تصویر انڈین پریس کے نامور مصور بابو بر جموہن چودھری کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ مہابھارت ایسی عدیم النظیر تصنیف جو دنیا کے علمی خزانوں میں سب سے زیادہ تابناک جواہر خیال کیجاتی ہے اور جو علم تاریخ میں سب سے پہلی تصنیف ہے اُسوقت لکھی گئی تھی جب کاغذ کی جگہ بھوج پتر اور سیاہی کی جگہ حیوانات کا خون استعمال کیا جاتا تھا۔ اس وقت پر اتنی بڑی اور ایسی لاجواب تصنیف ایک معجزہ تھی جسنے ویاس جی کو اوتاروں میں شامل کیا ہے۔ اخلاقی حیثیت سے اس ترقی یافتہ دور میں بھی کوئی تصنیف مہابھارت کا مقابلہ نہیں کر سکتی جسے جدید تحقیقات کی رو سے دس ہزار برس کا زمانہ گذر چکا ہے۔

(۲) خواجہ حافظ شیرازی کی تصویر منشی محمد رحمت اللہ صاحب رقمؔ مالک رقمؔ نامی پریس کانپور کی صناعی کا بہترین نمونہ ہے۔ منشی صاحب نے یہ تصویر اپنے دیوان حافظ کے ساتھ شائع کی تھی جو اس صنعت کے ساتھ چھاپا گیا ہے کہ بالکل قلمی معلوم ہوتا ہے۔ چھپائی کی بہت سی خصوصیات کے علاوہ اس دیوان میں حضرت رقمؔ کی صناعیوں کے بہت سے قابل دید نمونے ہیں جنمیں خواجہ کی تصویر بھی شامل ہے۔ جناب رقمؔ ملک کے اُن صناعوں میں ہیں جنھوں نے دیسی صناعی میں مغربی آرٹ کو پہلے پہل داخل کیا ہے اور اُسمیں برابر ترقی کرتے گئے ہیں۔ خصوصاً شبیہ نگاری میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس تصویر کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ خواجہ حافظ کا اصلی فوٹو ہے ایک مضحکہ خیز غلطی ہے۔ خواجہ صاحب کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب فوٹوگرافی کا کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا۔ بلکہ بلاد اسلامیہ میں تصویر کشی ایک مذہبی جرم میں داخل تھی۔ ناچار خواجہ کے حالات اور تذکروں میں اُنکا حلیہ دیکھ کے ایسی تصویریں بنائی گئیں جو صاحب تصویر کے مناسب حال ہیں۔ چنانچہ اس تصویر میں خواجہ کی قلندرانہ وضع اور ایرانی خط و خال صاف طور پر موجود ہیں۔ تصویر کے ساتھ جو مضمون شائع کیا جاتا ہے وہ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کے قلم سے لیا گیا ہے جنھوں نے حیات حافظ لکھکر وہ داد تحقیق دی ہے کہ تمام نقادان فن معترف ہیں۔ اس مضمون میں بھی یہ خصوصیت موجود ہے اور ہمارے خیال میں خواجہ حافظ پر اس سے بہتر مضمون ابھی تک نہیں لکھا گیا۔

(۳) دُر اُر ستارہ کی تصویر عبارت کے ساتھ چھاپکر ہدیۂ ناظرین ہے۔ اُردو رسائل کے لئے یہ پہلا ہی موقع ہے جسکے ایجاد کا فخر ادیب کو اپنی دیگر خصوصیات کے ساتھ ہمیشہ حاصل رہیگا۔

(۴) عجائب خانہ سارناتھ میں قدیم زمانے کی بے انتہا نادر الوجود اشیا جمع کی گئی ہیں جنمیں شائقین آثار قدیمہ بڑے شوق سے دیکھنے جاتے ہیں اور ہندوستان کی قدیم تمدنی عظمت کے معترف ہوتے ہیں۔

نمبر ۵ - ۶ اور ۸ کی تصاویر کے متعلق مفصل مضامین اور نوٹ درج ہیں۔ نمبر ۷ کی تصویر تاج محل کے وسطی درجے سے تعلق رکھتی ہے جسمیں ممتاز محل اور شاہجہان کی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ اس درجے کی پچیکاری اور تراش خراش سب پر سبقت رکھتی ہے جسے دیکھکر انسانی صناعی کا ایک طلسم پیش نظر ہو جاتا ہے۔

نظم آزاد[۵۸] کا نیا اڈیشن جسمیں شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد مغفور کے کلام منظوم کے علاوہ بعض پر مغز لکچر بھی شامل ہیں اسی ہفتہ میں شائع ہوا ہے۔ اس اڈیشن میں حضرت مغفور کا تازہ کلام بھی شامل ہے جسکی نسبت آغا محمد ابراہیم صاحب اپنے جدید دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اس مجموعہ کا پہلا اڈیشن میں نے ۱۸۹۸ء میں شائع کیا تھا۔ وہ ختم ہو گیا اور افسوس ہے کہ والد مرحوم بھی ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء مطابق ۹ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ یہ ارادہ تھا کہ جسقدر اُنکا کلام مجھے مسودوں کے بستوں میں سے ہاتھ آئے اسکے ساتھ شامل کر دوں۔ لیکن اسوقت اُنکے انتقال کیوجہ سے اہل طلب کو اُنکے کلام کا اشتیاق زیادہ ہے۔ اور تمام مسودوں کا تلاش کرنا بھی آسان کام نہیں ہے۔ اسلئے جسقدر کلام مجھے مل سکا اسمیں شامل کرتا ہوں۔ جو اور ہاتھ آئیگا اُسکو دوسرے اڈیشن میں شائع کرونگا۔" شائقین دست شوق بڑھانے میں عجلت سے کام لیں۔

---

۵۸ - ملنے کا پتہ:- آزاد بک ڈپو اکبری منڈی لاہور۔ قیمت فی جلد ۸ ر

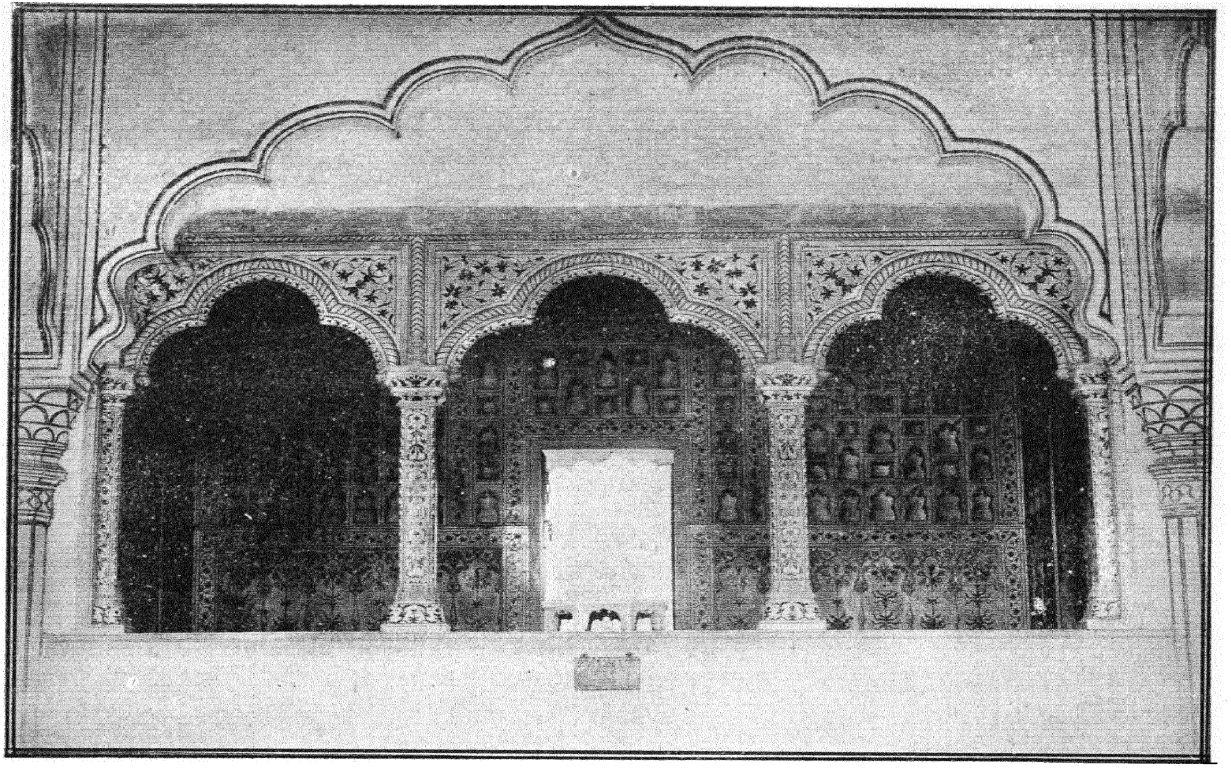

تاج محل کا وسطی درجہ

انڈین پریس الہ آباد

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

معزز معاصرین نے جس کشادہ دلی سے ادیب پر ریویو فرماتے ہیں اور ہماری محنت کی داد دی ہے اُسکا شکریہ ادا کرنیکے لئے الفاظ ملنا محال ہیں۔ خصوصاً آگرہ اخبار اور رسالہ خاتون علیگڈھ میں ادیب پر نہایت بسیط اور پُرمغز ریویو لکھے گئے ہیں مشکل یہ ہے کہ ہم یہاں گنجایش نہیں نکال سکے نا چار آیندہ ماہ میں شائع کرینگے۔ اس ماہ کے تازہ ریویو حسب ذیل ہیں جنکا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ منیجر۔

ہندوستان ریویو الہ آباد:- ادیب ایک ماہوار اُردو رسالہ ہے جو انڈین پریس الہ آباد سے لکھنؤ کے مشہور اہل قلم منشی نوبت رائے نظر کی ایڈیٹری میں شائع ہوا ہے۔ جنوری و فروری کے نمبر نظم و نثر کے بیش بہا مضامین اور رنگین و سادہ تصاویر سے معمور ہیں۔ لکھائی چھپائی کے لحاظ سے بھی یہ رسالہ نہایت بلند مرتبہ رکھتا ہے جو انڈین پریس کا خاص حصہ ہے۔ یہ خیال کرکے کہ ادیب میں بہترین مضامین کی ایک کثیر تعداد ہوتی ہے اور اُسکی تقطیع رسالۂ مُرسّی کے برابر ہے جو اسی پریس کا دوسرا ہندی رسالہ ہے اسکی قیمت چار روپیہ سالانہ نہایت ارزاں ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ادیب کے لئے شمالی ہند سے دکن تک قدر دانی کے ہاتھ بڑھائے جائینگے جسکا وہ بہت کچھ مستحق ہے۔

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ۔ ادیب:- آغاز سال حال سے ایک رسالہ "ادیب" نامی انڈین پریس الہ آباد سے منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی کی ایڈیٹری میں نکلنا شروع ہوا ہے۔ ابتک اسکے دو نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ ابتک ہر نمبر میں سترہ سترہ اٹھارہ اٹھارہ دلچسپ و قابل دید نظم و نثر مضامین درج ہوتے رہے ہیں۔ جنوری اور فروری دونوں مہینوں کے رسالوں میں چھ چھ رنگین و سادہ تصاویر ہیں جنمیں بعض فن مصوری کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہیں۔ بحیثیت اپنے لٹریچر کے "ادیب" واقعی اسم بامسمّیٰ پرچہ ہے ہر مہینہ نہایت نفیس لکھائی چھپائی اور کراؤن سائز کے پچاس سے زیادہ صفحے ہوتے ہیں۔ قیمت سالانہ چار روپیہ اردنی پر چھ چھ آنہ ہے۔ یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ "ادیب" کا اجرا غیر ضروری تھا کیونکہ اول تو وہ ایک اعلیٰ درجہ کا پرچہ ہے دوسرے یہ کہ ملک کی آبادی یا کم از کم ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ کی تعداد کو دیکھتے ہوئے موجودہ اخبارات و رسالہ جات کی تعداد نہایت قلیل ہے۔ جس میں اضافہ کی ہنوز بہت کچھ گنجایش ہے۔

صلائے عام دہلی:- حضرت نظر۔ ادیب کے اڈیٹر کی لیاقت کا میں عرصہ سے قائل ہوں جبکہ خدنگ نظر لکھنؤ سے نکلتا تھا۔ ادیب کا اہتمام دیکھکر اور بھی جی خوش ہو گیا کہ ایسے اڈیٹر کے لئے ایسا ہی رسالہ چاہئے۔ تمام رسالوں سے جو میری نظر سے گذرے ہیں ادیب کا سا اہتمام مشکل ہے۔ چار روپیہ سال میں اتنی عمدہ تصویریں۔ اچھا کاغذ۔ چھائی۔ مجلد۔ خریداران کے لئے نعمت ہے۔ اسکے اصول بھی بہت اچھے ہیں کہ تمام مضمون نہیں لئے جائینگے اور مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر مضمون ناپسند۔

پرکاش لاہور:- "اردو پریس میں ایک قابل قدر اضافہ" جیسا آپ بھاشا کے رسالوں میں "سرسوتی" بوجہ صفائی نفاست اور ترتیب مضامین کے ایک خاص شان رکھتا ہے۔ ایسا اُردو میں اسوقت تک کوئی رسالہ نہ تھا جسکو وہ درجہ دیا جا سکے۔ لیکن یہ امر موجب مسرت ہے کہ دو ماہ سے انڈین پریس الہ آباد سے زیر اڈیٹری لالہ نوبت رائے صاحب نظر ادیب نام کا ایک ماہواری رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے..... اسوقت تک ادیب کے دو نمبر شائع ہوئے ہیں۔ دونوں ہی اپنی شان میں نرالے ہیں۔ دونوں ہی اعلیٰ درجہ کے اہل قلم اور اہل سخن کے مضامین سے مزین ہیں۔ مضامین کے علاوہ قابل قدر تصاویر کی کارگیری نے رسالہ کی زینت کو دوبالا کر دیا ہے۔ جنوری کے رسالہ میں چھ تصویریں ہیں جنمیں سے ایک میں درویدی کا اپنی بے حرمتی پر دھرتراشٹر سے

شکایت کا نظارہ اور دوسرے مین راجہ گوپی چند کا بھکشا کا سین خاص طور پر دلفریب ہین۔ اسی طرح فروری کے رسالہ مین بھی علاوہ قابل قدر مضامین متنوعہ نظم کے چھ تصویرین ہین۔ جہانی سیتاجی کے اشوک باغ کا نظارہ خاص طور پر دل سوز ہے۔ غرضیکہ ہر پہلو سے یہ رسالہ قابل فخر ہے اور اسکے اجرا سے اُردو پریس مین ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔

مسلم ریویو الہ آباد۔ رسالہ ادبیہ (بابت جنوری و فروری) مرتبہ منشی نوبت رائے نظر لکھنوی۔ یہ ایک نیا اردو رسالہ ہے جو انڈین پریس الہ آباد سے شائع ہوا ہے اسکے پہلے دو نمبر دلچسپ مضامین اور دلکش تصاویر سے لبریز ہین جنمین رنگین بھی ہین اور سادی بھی۔ لکھائی چھپائی ویسی ہی نفیس ہے جسکے لئے انڈین پریس مشہور ہے۔ یہ رسالہ نہایت اعلیٰ پیمانے پر نکالا گیا ہے جو ان نمبرون سے واضح ہے اور ہم امید کرتے ہین کہ اُردو دان پبلک اسکی بہت بڑی قدردانی کریگی۔ .....

مہیر و سُدھار کا ماتہ (زیر ایڈیٹری سید عثمان علیصاحب)۔ رسالہ ادبیہ کے دو پرچے نظر سے گذرے۔ بہ اعتبار کاغذ۔ چھپائی و مضامین یہ رسالہ ہندوستان بھر مین اعلیٰ و بےنظیر ہے۔ ہندوستان کی موجودہ حالت کے اعتبار سے اس مقصد کا رسالہ نہایت ہی ضروری ہے۔ اسکی بروقت اشاعت پر ہندو و مسلمان دونون قومون کو خوش ہونا چاہئے اور اسکی قدردانی دونون قومون پر واجب ہے۔ اگر ایسا نہوا تو دونون کیلئے بڑی شرم کی بات ہے۔

کشمیری میگزین لاہور ادیبہ:۔ اس نام سے اُردو علم ادب کا ایک ماہوار رسالہ بہی تعلیم اور نئی تزاکت و نفاست کے ساتھ انڈین پریس الہ آباد سے زیر ایڈیٹری منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی جنوری سنہ رواں سے شائع ہوا ہے۔ حسن ظاہری و باطنی یعنی کاغذ لکھائی چھپائی اور مضامین و تصاویر کے لحاظ سے ہر طرح یہ رسالہ دیدہ زیب اور مقبول عام ہونے کے قابل ہے اسوقت تک دو نمبر شائع ہو چکے ہین۔ اور ایک سے ایک بڑھکر ہے۔ ہر نمبر مین چھ ہاف ٹون تصویرین اہل کمال اور بعض مشہور مقامات کی ہوتی ہین۔ فروری کے ادیب مین آٹھ مضامین نثر کے ہین جنمین اخلاقی تعلیم۔ جدید الہامی کلمات۔ علامہ جلال منفور۔ صناع لکھنؤ خاص ذکر کے قابل ہین۔ حصہ نظم مین کلام اکبر کلام چکبست دوستی جوشی وغیرہ ہیں۔ سیتاجی قابل داد ہین۔ قیمت سالانہ چار روپیہ ہے۔ اور ہمارے خیال مین بالکل واجب ہے۔ ادیب مین انگریزی رسالون کی شان پائی جاتی ہے جو امید ہے کہ مالکان پریس کی اولوالعزمی اور عاشق اُردو جناب نظر لکھنوی کی توجہ سے برابر قائم رہیگی۔

ہندوستان لاہور (دوبارہ) (ادیب الآباد) ..... اسوقت اسکا تیسرا نمبر (بابت مارچ) ہمارے ہاتھون مین ہے ضخامت بڑے ۸۰ صفحات ہین۔ اور صفحہ مین دو کالم ہونیکی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ اسمین جو مضامین درج ہوتے ہین وہ دوسرے رسالون کی معمولی تقطیع کے ۱۰۰ صفحون سے کم نہین ہوتے۔ مارچ کے رسالہ مین چھ مضامین نہایت اعلیٰ اور مسلم الثبوت اہل قلم اور بہترین انشا پردازون کے تحریر شدہ ہین اور اسکا کچھ حصہ نظم کے لئے وقف ہے۔ رسالہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ اسکے ہر پرچہ مین رنگین اور اعلیٰ درجہ کے خوبصورت اور نفیس فوٹو چھپتے ہین۔ جس سے اسکی خوبی دوبالا ہوگئی ہے ..... غرض رسالہ بہت محنت اور سلیقہ سے تیار کیا گیا ہے اور کیا لحاظ مضامین اور کیا لحاظ چھپائی۔ لکھائی۔ کاغذ اعلیٰ پایہ کا ہے۔ اُردو علم ادب کے قدردانون کا فرض ہے کہ رسالہ کو خرید کر مالکان کی حوصلہ افزائی کرین۔ قیمت صرف ۴ روپیہ سالانہ جو انگریزی رسالون کے مقابلہ مین جو ایسا اعلیٰ کاغذ لگاتے اور تصویرین چھاپتے ہین بہت کم ہے .....

جلد ۱ — مئی سنہ ۱۹۱۰ء — نمبر ۵

ادیب

ادب اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ — ایڈیٹر۔ نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) شہنشاہ ایڈورد ہفتم مرحوم۔ (۲) سوامی رام تیرتھ۔ (۳) ولادت سکنتلا۔
(۴) مالا باری حسن۔ (۵) تعلیم تیراندازی۔ (۶) قطب مینار وغیرہ۔
(۷) منشی نادر علیخان صاحب نادر کاکوروی۔

فہرست مضامین

	صفحہ
۱۔ منگل تحفہ۔ از مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔ آنریری سکریٹری مسلم لیگ۔	۲۰۹
۲۔ چند متفرق خیالات۔ از رائے پرھبو لال صاحب۔ بی۔ اے۔	۲۱۱
۳۔ پرنس سوامی رام تیرتھ۔ از پنڈت رامچندر صاحب سابق ایڈیٹر اکاش۔	۲۱۷
۴۔ نصرت۔ "ایک طالب علم"	۲۲۲
۵۔ پنچ ذاتین۔ از پنڈت کشن پرشاد صاحب کول۔ بی۔ اے۔	۲۲۶
۶۔ میکسیکو کی تباہی۔ از سید علی حیدر صاحب طباطبائی لکھنوی پروفیسر مدرسۂ عالیہ کلکتہ	۲۳۰
۷۔ صداقت گوئی۔ از مرزا محمد عبدالرحمن صاحب۔ بی۔ اے۔	۲۳۶
۸۔ تلافی (مختصر قصہ) از خان احمد حسین خانصاحب۔ بی۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔	۲۳۸
۹۔ قطب مینار۔ از منشی تیرتھ رام صاحب فیروز پوری	۲۴۳
۱۰۔ سانحہ جانکاہ۔ از ایڈیٹر۔	۲۴۶
۱۱۔ ماثر الکرام۔ (ریویو) از حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری۔	۲۴۸
۱۲۔ نوحہ وفات شہنشاہ ایڈورد مفخم مرحوم۔ از جناب مرور جہان آبادی۔	۲۵۱
۱۳۔ پیکر بیزبان۔ از منشی نادر علیخان صاحب نادر کاکوروی۔	۲۵۲
۱۴۔ لطف خموشی۔ از منشی کندن لال صاحب شرر سہارنپوری	۲۵۳
۱۵۔ کلام اکبر۔ از خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج نیشر آلہ آباد	۲۵۳
۱۶۔ بارش بے ہنگام۔ از ایڈیٹر۔	۲۵۴
۱۷۔ کلام صفی۔ از مولانا سید علی نقی صاحب صفی لکھنوی	۲۵۵
۱۸۔ کلام چکبست۔ از پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی۔	۲۵۶

قیمت سالانہ پیشگی روپیہ — فی پرچہ چھ آنہ

پنچکوڑی مترا پرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا

اطلاع

اعلیحضرت فلک رفعت ملک معظم ایڈورڈ ہفتم قیصر ہند کی وفات حسرت آیات کے بے پایان رنج والم کیوجہ سے ادیب کے اس نمبر کے ساتھ کوئی رنگین تصویر شائع کرنا مناسب نہین خیال کیا گیا۔ امید کہ ناظرین معاف فرمائینگے۔

منیجر ادیب

ضرورت

انڈین پریس الٰہ آباد کو چند عمدہ کاپی نویس اور مصلح سنگ درکار ہین۔ تنخواہین معقول دیجائینگی جنکا تصفیہ خط و کتابت سے ہوسکتا ہے۔ درخواست کے ساتھ تحریر کا نمونہ ضرور آنا چاہیے۔ فقط

منیجر انڈین پریس الٰہ آباد

(قیمت سالانہ للعہ) **ادیب** (فی پرچہ ۱؎)

کے فوائد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقید تاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشاپردازاسے رقمطراز ہین۔ دلچسپ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کیلئے دلچسپ ہو۔ کوشش کیگئی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہون خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کیلئے بھی اُسیقدر دلچسپ، مفید، اور خوشگوار ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی ضخامت ۸۰ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونے کیوجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے ایکسو صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم از کم ایک رنگین اور چھ سکی تصاویر بھی دیجاتی ہین جنمین شہر، مصنوعون کی صناعیون کے نمونے۔ مشاہیر حضرات کے فوٹو، تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین۔ بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی تظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویر کی دلکشی کو دوبالا کردیتی ہین۔ مقدار اوزنکی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہیگا۔

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کے ساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علیحدہ ہوتی ہین۔ ہر نوع قدردانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے مشابہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کیساتھ کوئی پرچہ نہین مل سکتا بلکہ اس ابتدائی کیساتھ مقدار تصاویر بھی دگنی سالانہ قدر (کم از کم) ساٹھ ہوتی ہے) کمین دستیاب نہین ہوسکتین نظر بین موزنان ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ گرانیہ خدمات قابل قبول ہون نہ علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کیلئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ وہ وصول ہونے یا ولیو پے ایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف و خوشخط لکھا جانا چاہیے تاکہ پرچہ پہنچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کیلئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہیے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصے کیلئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔

اس رسالے مین ذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہین چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہین لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصویر ساتھ ساتھ نہ آئینگی تو مضمون شائع نہوگا۔ خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جاے ورنہ تعمیل ارشاد نہوسکے گی۔ تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہیے۔

منیجر "ادیب"، انڈین پریس الٰہ آباد

☞ جنوری نمبر دوبارہ چھپکر تیار ہوگیا ہے۔ جن حضرات کو ضرورت ہو جلد طلب فرمائین۔ اب سہ بارہ چھپنا بہت مشکل ہے اور یقیناً مایوسی ہوگی۔ منیجر

ولادت ۹ نومبر سنہ ۱۸۴۱ء وفات ۶ مئی ۱۹۱۰ء

اعلیٰ حضرت ملک معظم حضور ایڈورڈ ہفتم شاہ انگلستان ، قیصر ہندوستان مرحوم و مغفور

اتقین پریس الہ آباد

مئی سنہ ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ——— نمبر ۵

منگل تھٹ

مہاتما گوتم بدھ نے جیسی باریک نظر سے اس معدوم ہستی تا یعنے انسان ضعیف البنیان کی حقیقت کا مطالعہ کیا ہے اُسکی مثال تاریخ عالم مین نہین ملسکتی کارزار ہستی سے بیزار ہوکر اُسنے نیستی کو منتہاے ہستی قرار دیا اور اس پُرخار راستے کے طے کرنے کے لئے تزکیہ نفس کو رہبر طریق بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاق کے جو اعلیٰ نمونے مذہب بودھ کی کتابون مین ملتے ہین وہ دُنیا کے لٹریچر مین عدیم المثال ہین۔ اگرچہ انسان کی طبعی مادہ پرستی نے مذہب بودھ کے اصولون پر رسم و رواج کا ایسا گہرا پردہ ڈالدیا ہے کہ اگر مہاتما بدھ پھر جنم لین تو شاید خود بھی نہ پہچان سکین لیکن باوجود اسکے اس متبرک شخص کے پاک نفس نے اپنے زمانہ پر ایسا عمیق اثر ڈالا تھا کہ اُسکے پند و نصائح دُنیا کی میراث کا اعلیٰ جزو بنگئے ہین اور آج بھی اُسکے پیرو اُنکو اپنے لئے کارنامہ حیات اور چراغ ہدایت سمجھتے ہین اور اُنکی بدولت اُنھین ایثار نفسی نیک دلی بے تعصبی اور فیاضی کے جیسے اعلیٰ نمونے ملتے ہین ایسے کسی دوسری قوم مین نہین ملتے۔ برھا مین عام طور پر مذہب بودھ کا رواج ہے اور اگرچہ اس مذہب کے فلسفانہ اصول فراموشی کی نذر ہوچکے ہین لیکن مہاتما بدھ کے بعض وعظ و نصائح ابھی تک سینون مین محفوظ چلے آتے ہین اور یہ اُنھین کی برکت ہے کہ برھمی باوجود ہر قسم کے ضعیف الاعتقادیون مین پھنسے ہونے کے اپنے عمدہ اخلاق کے لحاظ سے دوسری قومون مین ہیٹے نہین ہین۔ اُنھین سے ایک خطبہ ہے جسکا نام وہان کی زبان مین منگل تھٹ (نیکیون پر وعظ) ہے یہ خطبہ خود گوتم بدھ سے منسوب ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اُسکو اُسکے چہیتے شاگرد انند نے قلمبند کیا تھا۔ یہ خطبہ برھا مین بقدر مقبول عام ہے کہ شاید کوئی لکھا پڑھا شخص ہوجسکے ذہن مین یہ زبان پالی مین محفوظ نہو یا جو اسکو اپنے لئے ذریعہ نجات نہ سمجھتا ہو اور فی الحقیقت اُسمین ایسی خوبی سے انسانی زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے کہ

معاش سے لیکر موت تک کا کوئی اہم اصول نہین چھوٹا ہے۔ اسمین مذہب بودھ کی کوئی خصوصیت نہین بلکہ کسی مذہب کا شخص بھی اگر ان اصول کو رہبر طریق بنائے تو اپنی فطرت کے کمال پر پہونچکر دُنیا مین کامیاب اور آخرت مین سُرخرو بن سکتا ہے۔ مشہور و معروف بشپ پائیگانڈٹ جو مدت تک برھما مین رہا اس وعظ کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ ہمکو حال مین جو سفر برھما کا اتفاق ہوا تھا تو اپنے ہموطنون کے لئے یہ تحفہ لائے تھے اور اب استقدر تمہید کے بعد اُسکا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہین۔

وہ تعریف واجب ہے بُدھ کو جسکی ذات مقدس اور عقل کامل ہے۔ جب قدسی مآب و پاک نژاد بُدھ ریٹاؤن کے عظیم الشان خانقاہ مین جسکو دولت مند اولادین نے ملک تھاوئی مین تعمیر کیا تھا گوشہ نشین تھے تو اُنکے پاس ایک دیو آدھی رات کو جبکہ تمام خانقاہ اُن نورانی شعاعون سے جو بُدھ کے جسم سے نکل رہی تھین منور تھی آیا۔ وہ نہ تو زیادہ قریب آیا اور نہ زیادہ فاصلہ پر رہا اور نہ دائین طرف جھکا اور نہ بائین طرف بلکہ مقام مناسب پر کھڑا ہو گیا اور جھک کر ڈنڈوت کرنے کے بعد اُسنے بُدھ سے حسب ذیل خطاب کیا۔

او اعلیٰ و اقدس بُدھ جسکی ذات سب سے زیادہ پرستش کے قابل ہے بارہ سال سے بہت سے دیو اور انسان جو زہد و ریاضت کے مقدس درجے پر پہونچنے کے آرزومند ہین اس کوشش مین ہین کہ اُن امور کو دریافت کرین جو بابرکت ہین مگر ابھی تک اُنکو اسمین کامیابی نہین ہوئی پس تو ہمکو اُن امور کی تلقین کر جو سب سے زیادہ بابرکت ہین۔

اُس معبود نے جواب دیا۔

او دیو کے بچے! احمقون کی صحبت سے احتراز کر۔ علما کی عزت کر۔ جو چیز قابل پرستش ہو اُسکی پرستش کر۔ یہ چیزین بابرکت ہین

او دیو خوب ذہن مین اُتارلے۔

او دیو کے بچے! نیک لوگون کی صحبت مین رہنا۔ پہلے جنم مین جو نیک کام کئے ہون اُنکا دھیان اس جنم مین رکھنا۔ عقل کی اچھی طرح حفاظت کرنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتارلے۔

او دیو کے بچے! علم کامل کرنے کے لئے بہت کچھ دیکھنا اور سیکھنا۔ اُن سب علوم کو حاصل کرنا جو گناہ کی تحریک نہین کرتے۔ زبان کو قابو مین رکھنا۔ قانون کا مطالعہ کرنا کہ مناسب حال رویہ کا علم ہو۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتارلے۔

او دیو کے بچے! والدین کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ کرنا۔ اپنی بیوی بچون کی اچھی طرح پرداخت کرنا۔ کوئی فعل کسی قسم کی معصیت تحریک کے اثر سے نہ کرنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتارلے۔

او دیو کے بچے! صدقہ دینا اور کثرت سے خیرات کرنا۔ اصول قانون و نیکی کے مطابق کاربند ہونا۔ دوستون اور عزیزون کی دستگیری کرنا نیکی کے کام کرنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتارلے۔

او دیو کے بچے! گناہ سے احتراز کرنا اور ایسے احتراز کی طرف فوراً اور ہمہ تن مصروف ہو جانا۔ مسکرات سے پرہیز کرنا۔ نیکیان جمع کرنے کا اصول ہمیشہ پیش نظر رکھنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتارلے۔

او دیو کے بچے! اُن لوگون کی عزت کرنا جو قابل عزت ہون۔ ہمیشہ منکسر المزاج اور قانع رہنا جو احسانات کئے جائین۔ اُنکے لئے

سے ممنون رہنا۔ مناسب اوقات مین دھرم شاستر کا وعظ سُننا یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتارلے۔

او دیو کے بچے! صبر کرنا اور مصیبتون کو تحمل سے برداشت کرنا۔ اچھی باتون سے خوش ہونا۔ جب موقع ہو تو نیک لوگون کے پاس جانا۔ دھرم کی باتون پر گفتگو کرنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتارلے۔

او دیو کے بچے! مجاہدۂ نفس کرنا۔ صداقت اعلیٰ پر استقلال سے قائم رہنا۔ ہمیشہ اس امر کی کوشش کرنا کہ ایسے طریقے پر عمل کیا جاے جو سب سے زیادہ نیکی کیطرف مائل ہو۔ بھول زدان پر مضبوطی سے نظر جمائے رہنا۔ یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتارلے۔

او دیو کے بچے! ریج و خوشی کے اثر سے بالا رہنا۔ دل کو ہر حال مین مطمئن رکھنا۔ جذبات نفسانی سے بری رہنا۔ دُنیا کے ہر قسم کے خطرات کے مقابلہ مین بالکل مطمئن اور بے خوف رہنا یہ امور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتارلے۔

او دیو جو شخص ان ۳۸ بابرکت اصول پر کاربند ہوگا اُسپر کبھی کوئی غالب نہ آسکے گا اور وہ ہر حال مین خوش رہے گا۔

او دیو اچھی طرح ذہن مین اُتارلے۔ تاکہ تجھکو بھی آہیا توان جیسا اطمینان قلب نصیب ہو۔

یہ جواب ہے جو تقدس مآب بُدھ نے دیا۔ فقط

محمد عزیز مرزا

چند متفرق خیالات

عشق و معرفت کے بارے مین جو کچھ لکھا جاچکا ہے اُسکا حاصل تب ہی ہے جبکہ اُسپر کچھ عمل بھی ہو محض بکواس سے کوئی نتیجہ نہین نکلتا۔ یہ ایک ایسا دقیق مضمون ہے جسکا بیان وہی کرسکتا ہے جس نے کچھ حاصل کیا ہے بلکہ وہ بھی کچھ نہین کہہ سکتا کیونکہ یہان حالت صم و بکم کی ہوجاتی ہے بقول شخصے۔

بھیکا بات اگم کی کہن سُنن کی ناہ
جن جانی نے کہت نہین کہت جے جانی ناہ

भीका बात अगम्य की कहन सुनन की नाह।
जिन जानी ते कहत नहि कहत जे जानी नाह॥

یا بقول شُرتی۔ آنکھ وہان نہین پہونچتی ہے۔ نہ کلام اور نہ مین ہم اُسکو نہین جانتے اور نہ ہم اُسکو سمجھ سکتے ہین۔ پھر کیونکر اُسکی کوئی تعریف کیجاے۔ جو کچھ معلوم ہے اُس سے وہ جُدا ہے اور جو نہین معلوم ہے اُس سے بھی وہ پرے ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ مین اُسکو خوب جانتا ہون وہ فی الحقیقت اُسکو کچھ نہین جانتا اور جو یہ کہتا ہے کہ مین اُسکو نہین جانتا ہون وہی اُسکو جانتا ہے۔

گوشائین تلسی داس کا بھی یہی کہنا ہے۔

سُنیے گُنیے سمجھیے سمجھائیے وشاہرے نہین آوے

सुनिय गुनिय समुझिय समुझाय दशा हृदय नहि आवै

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے بھی آخر عاجز آکر یہی فرمایا۔ قطعہ

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایان رسید عمر
ما پنجنان در اوّل وصفت تو ماندہ ایم

جب خود وید مقدس اور بزرگان دین کا ایسا کہنا ہے تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ جو کچھ عشق و معرفت کے مضمون پر قلم فرسائی کی گئی ہے وہ محض زبانی بکواس ہی ہے جسکے متعلق گوسائین جی یہ فرماتے ہین۔

واکیہ گیان اتینت تہُن بھوپا رنہ پاوے کوئی
رُش گرہ مدیہ دیپ کی باتن تم نورتہ نہین ہوئی

वाक्य ज्ञान अत्यन्त निपुण भव पार न पावे कोई ।
निश गृह मध्य दीप की बातिन्ह तम निवृत्त नहि होई

یعنی یہ کہ گیان یعنی معرفت کی زبانی باتون کے کرنے مین چاہے کتنا ہی کوئی ہوشیار کیون نہو اس دُنیا کے مصائب سے پار نہین ہو سکتا اُسیطرح جسطرح کہ رات کیوقت گھر مین چراغ کی باتون کے کرنے سے اندھیرا دور نہین ہوتا ہے۔

(۴)

سچے عشق سچے توکل اور سچی قناعت کا سبق پپیہے سے لینا چاہئے بمصداق ان اشعار کے۔

چاتک جوت جلد کہہ جانت سمے سُریت
لکھت لکھت لکھ پریت ہے تلسی پریم پریت

चातक जोवत जलद कहँ जानत समय सुरीति ।
लखत लखत लख परत है तुलसी प्रेम प्रतीति ॥

یعنی یہ کہ پپیہا راہ دیکھتا ہے بادل کی یہ جانکر کہ وہ اپنے وقت پر ضرور آئیگا۔ اسلئے راہ دیکھتے دیکھتے وہ بادل دکھائی ہی دیتا ہے اے تلسی اُسکو اپنے عشق مین اسقدر بھروسہ ہے۔

پریت پپیہا پید کی پرکٹ نہین پہچان
یا چک جگت ادھین اں کبہو کنوڑ و دان

प्रीति पपीहा पयद की प्रकट नई पहिचानि ।
याचक जगत अधीन इन कियो कनौड़ो दानि ॥

یعنی یہ کہ پپیہے اور بادل کی یہ ایک نئی محبت ہے دُنیا مین جتنے حاجتمند ہین وہ عاجزی کرتے ہوئے ہی دیکھے گئے ہین۔ یہ ایسا ہے کہ اسنے اُلٹا دینے والے ہی کو جھکایا ہے۔

تلسی چاتک کے متے سواتی پیت نہ پان
پریم تڑ کھا بڑھتی بھلی گھٹی گھٹیگی کان

तुलसी चातक के मते स्वाती पियत न पानि ।
प्रेम तृषा बढ़ती भली घटी घटैगी कानि ॥

یعنی یہ کہ اے تلسی پپیہے کا یہ خیال ہے کہ سواتی کا پانی برسے بھی تو نہ پیون کیونکہ عشق کی پیاس بڑھنی ہی اچھی ہے اگر گھٹ گئی تو عشق مین کمی ظاہر ہوگی۔

ڈولت وِپُل وِہنگ بن پیت پوکھری بار
سُیش دھول چاتک نول تو رہوون دش چار

डोलत विपुल विहंग बन पियत पोखरी बारि ।
सुयश धवल चातक नवल तोरि भुवन दश चारि ॥

یعنی یہ کہ بہت سے پرندے جنگلون مین اُڑتے پھرتے ہین اور پوکھرون کا پانی پیتے ہین مگر اے پپیہے تیری بیداغ شہرت سارے جہان مین پھیل رہی ہے۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ تو نے جو ایک ہی کا یعنی سواتی کے بادل کا آسرا لیا ہے اس سے تیری

تعریف سارے جہان مین ہے۔ دوسرے جو پرندے ہین وہ جہان اُنکو پانی ملتا ہے پی لیتے ہین اور اسلئے اُنکی کوئی تعریف نہین کرتا ہے۔ شاعر کا اس دوہرے سے یہ مقصد ہے کہ جنھون نے ایکادی خداوند حقیقی کا آسرا لیا ہے وہی قابل تعریف ہین اور نہ کہ وہ جو خدا کو چھوڑکر در بدر بھٹکتے پھرتے ہین۔

مکھ میٹھے مانس نمن کو رکل مور چکور
سُیش لیت چاتک رہیو بھوون بھر تور
مانگت ڈولت ہے نہین بج گھرانت نہ جات
تلسی چاتک بھگت کو اُپادیت لجات

मुख मीठे मानस मलिन कोकिल मोर चकोर।
सुयश ललित चातक रह्यो भुवन भर तोर॥

मांगत डोलत है नहि तजि घर अन तन जात।
तुलसी चातक भक्त को उपमा देत लजात॥

اگرچہ شیرین مقال اور بھی پرندے ہین مثلاً کوئل مور اور چکور مگر اُنکا من صاف نہین ہے اسلئے تیزی تعریف ہے پپیہے سارے جہان مین ہے نوادھر اُدھر مانگتا پھرتا نہین ہے اور اپنا گھر چھوڑکر نہین جاتا۔ اے تلسی پپیہا ایسا عاشق ہے کہ اُسکی تشبیہ کسی دوسرے کے ساتھ دینے مین شرم آتی ہے مطلب یہ ہے کہ تین اور بھی پرندے عاشق مشہور ہین کوئل بسنت رت اور آم کے پھول پر مور بادل اور بجلی پر اور چکور چاند پر عاشق ہے لیکن یہ شکل پپیہے کے نہین ہین جو صرف ایک سواتی کا پانی پیتا ہے۔ اُنکے اور بھی خواہشات ہین اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہین اس سے یہ غلیظ طبیعت کے جانور ہین۔ ایک پپیہا ہی سچا اور صاف طبیعت رکھنے والا ہے کیونکہ سواتی کے بادل کے پانی کی ایک بوند کے سوائے اور کسی چیز کی خواہش ہی نہین رکھتا۔ سچے عشاق اکثر شکل پپیہے کے ہین جو صرف ایک خدا پر متوکل رہ کر اور اُسی کے عشق مین ڈوب کر طبیعت کو گندہ کرنیوالی تمام دوسری خواہشات کو الوداع کہتے ہین۔

اونچی ذات پپیہرا نیچو پیت نہ نیر
کے پیاسے گن شیام سون کے دکھ سہے شریر

ऊंचो जाति पपीहरा नीचो पियत न नीर।
के प्यासे घनश्याम सों कै दुख सहै शरीर॥

پپیہے کی ذات بڑی اونچی ہے کیونکہ وہ نیچے پڑا ہوا پانی نہین پیتا ہے یا تو وہ بادل سے مانگتا ہے یا نہین تو پیاسا رہکر تکلیف اُٹھاتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جو سچے عشاق حقیقی ہین وہ خدا ہی سے مانگتے ہین اور اُسپر متوکل رہ کر تکالیف اُٹھاتے رہتے ہین مگر دوسرون سے نہین مانگتے۔

تلسی چاتک مانگنو ایک ایک گھن دان
دیت سوبھو بھاجن بھرت لیت گھونٹ بھر پان
ہوے اودھین یاچت نہین بیس ناے نہین لیے
ایسوانی منگتین کو بارد بن دیے

तुलसी चातक मांगनो एक एक घन दान।
देत सो भू भाजन भरत लेत घूंट भर पान॥

होय अधीन याचत नहि सीस नाय नहि लेय।
ऐसो मानी मँगताहिं को खरिद विन देय॥

یعنی یہ کہ اے تلسی پپیہے کا مانگنا ایک ہی ہے اور بادل دینے والا بھی ایک ہی ہے۔ بادل ایسا سخی ہے کہ جب برستا ہے تو ساری زمین کو بھر دیتا ہے اور پپیہا ایسا قانع ہے کہ ایک ہی گھونٹ پانی کا پیتا ہے اور پھر عاجزی کے ساتھ نہین مانگتا اور گردن نیچی کرکے نہین پیتا ہے ایسے معزز سائل کو سوائے بادل ایسے

سخی کے اور کون دیگا۔ اسیطرح وہ جو عشاق حقیقی ہین اپنی ہٹ کو نہین چھوڑتے مانگین گے تو خدا ہی سے اور کسی سے نہین اور وہ اُس سے التجا بھی نہین کرتے ۔ اگر اُسکی خوشی ہے تو دے ورنہ ندے۔ وہ صابر و قانع ہین اسلئے مانگنا بھی ایسے لوگون کا سچا ہے اور دینا بھی اُسی کا سچا ہے۔ جب دینا ہے تو نہال کر دیتا ہے اور پھر لینے والے بھی ایسے قانع ہین کہ لیتے ہین اُسیقدر جو اُنکو چاہیئے اور باقی کو ہاتھ نہین لگاتے ۔

سر سرِ تا چاتک تجے سواتی سُدھ نہین لئے
تلسی سیوک بس کہا جو صاحب نہین دیئے

सर सरिता चातक तजे स्वाती सुध नहि लेय ।
तुलसी सेवक बस कहा जो साहब नहि देय ॥

یعنی یہ تالاب ندی وغیرہ تو پپیہے نے چھوڑ دیئے ہین اور سواتی کا باول خبر نہین لیتا ہے۔ اے تلسی خادم کے ہاتھ مین کیا ہے جو صاحب نہین دیتا ہے ۔

(۳)

پاک محبت صرف ایشور سے ہوتی ہے۔ جب بھگت ایشور سے محبت کرتا ہے تو وہ یہ ہرگز نہین چاہتا کہ اور کوئی شخص ایشور سے محبت نکرے کسی دوسرے کو ایشور کی بھگتی کرتے ہوئے دیکھکر اُسکو کوئی حسد نہین ہوتا۔ ایشور کا سچا عاشق وہی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ سب لوگ ایشور سے اُسی کیطرح محبت کرین اور ایشور کے عاشق کے دل مین کبھی کوئی ایسا گندہ خیال نہین پیدا ہوتا کہ اُسکا معبود اور کسی کے ساتھ محبت نکرے۔ محبت کرے تو اُسی سے کرے بلکہ وہ پرجوش الفاظ مین یہی کہتا ہے کہ تو ایسا ایشور ہے کہ تو بڑے اور چھوٹے مین کوئی تمیز نہین کرتا سب کے ساتھ تیری یکسان محبت ہے ۔

اگر بھائی بھائیون اور دوستون وغیرہ مین مجازی محبت بھی مثل ایشور کی محبت کے ہو تو پھر حسد و رشک سے جو سخت روحانی تکلیف پہونچتی ہے وہ کبھی نہ پہونچے۔ مگر اس آئیڈیل کو اختیار کرنا کوئی آسان بات نہین دُنیا مین جہان دیکھو گے ناپاک محبت ہی دیکھو گے۔ جب کوئی شخص اپنے معشوق کے ساتھ کسی دوسرے کو یا اپنے معشوق کو کسی دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو فوراً آتش حسد بھڑکنے لگتی ہے اور اُسکو سخت روحانی تکلیف پہونچتی ہے۔ ماں کی محبت بیٹے کے ساتھ ایک ایسی محبت ہے جو پاک کہی جاسکتی ہے مگر جب بیٹے کی شادی ہو جاتی ہے اور اُسکی بیوی گھر مین آجاتی ہے اور بیوی اپنے خاوند سے یا خاوند اپنی بیوی سے کہین غیر معمولی محبت کرنے لگتا ہے تو ماں کے دل مین بھی کبھی کبھی حسد کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ بیوی اور خاوند کی باہمی محبت کا جسمین ایک قسم کی باہمی وفاداری کا تعلق ہے یہان ذکر نہین۔

پس جہانتک ہو سکے اس امر کی کوشش کرو کہ کسی کے ساتھ محبت کے کرنے مین تمکو تکلیف نہ پہونچے۔ اس دُنیا مین مجازی محبت کے پیدا کرنے مین بھی ایشور کی محبت کو اپنا آئیڈیل بناؤ اور اگر ہو سکے تو ان سب اقسام کی محبت مین ایشور کی محبت ہی کا اظہار سمجھکر محبت کرو۔ یہ ہمیشہ خواہش رکھو کہ تمہارے معشوق کو دوسرے لوگ بھی اُسیطرح چاہین جسطرح کہ تم چاہتے ہو۔ اس سے تمہارے معشوق کی بڑائی ہوتی ہے اور یہ باعث تمہارے مزید محبت کا ہونا چاہیئے اگر ایسی محبت ہو گی تو وہ پاک محبت کہلائیگی۔

(۴)

حسد سے بچنے کا ایک بڑا گُر یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ جو چیز

کسی کے پاس نہین وہ تمہاری بھی نہین یعنی پرایا مال بھی اپنا ہی ہال سمجھو مگر تب ہی تک جبتک کہ تم اُسکا لوبہ نکرو یعنی اُس سے ناجائز طور پر متمتع ہونا چاہو۔ تم دوسرے کا مال اپنا مال سمجھو! اسکے یہ معنی نہین کہ تم دوسرے کے مال کی ترقی ویسے ہی چاہو جیساکہ تم خاص اپنے مال کی چاہتے ہو اور اگر ہو سکے تو یہ کوشش کرو کہ اُسکے مال کو نقصان نہ پہونچنے پائے۔

(۵)

یون تو سچی وفاداری کی ہزارون مثالین دنیا کی تاریخ مین مابین بیوی اور خاوند اور مابین دوستون اور مابین غلام اور آقا کے پائی جائینگی لیکن سب سے اعلیٰ مثال اُس خانہ زاد غلام یا ملازم کی ہے جو اپنے آقا کی تباہی اور مصیبت کیوقت مین بھی اُسکا ساتھ دیتا ہے اور اسکا ہمیشہ منتظر رہتا ہے کہ کبھی تو اُسکے آقا کے دن پلٹینگے جسوقت اُسکو پھر وہی گلچھرے حاصل ہونگے جو پہلے تھے بمصداق ان اشعار کے۔

جن دن دیکھے وے کسم گئی سو بیت بہار
اب آلی رہی گلاب مین آپت کیٹیلی ڈار
یہی آس اٹکیو رہے آلی گلاب کے مول
ہوئی ہین بھیر بسنت رتان ڈارن وے پھول

آلی بمعنی بھونرے کے۔ باقی اشعار کا مطلب ظاہر۔

जिन दिन देखे वे कुसुम गई सो बीति बहार ।
अब अलि रहे गुलाब में अपत कटीली डार ॥
यही आस अटक्यो रहै अलि गुलाब के मूल ।
हुइहैं फेर बसंत ऋतु इन डारिन वे फूल ॥

(۶)

لذات دُنیا کو عین اصلی حظ سمجھکر جینے اُن لذات سے اپنا دل لگایا اُسکی حالت بقول گوسائین تلسی داس اُس کُتے کی سی ہے جسکو اتفاقاً کہین ایک پرانی سوکھی ہڈی مل گئی جسکو چبانے لگا اور چباتے چباتے وہ ہڈی اُسکے تالو مین چبھ گئی جسکی وجہ سے اُسکے تالو سے خون بہنے لگا۔ وہ کتا اُس خون کو جو خود اُسی کے تالو سے نکل رہا ہے اُس ہڈی سے نکلا ہوا خون سمجھکر اُسکو اور بھی چباتا جاتا ہے اور اسطرح اپنا ہی خون چوس چوس کر مزہ لیتا ہے لیکن اس سے بیخبر ہے کہ وہ خون خود اُسی کا ہے اور وہ اپنا ہی خون کھو رہا ہے۔ یہی حال دنیا کے لذات مین پھنسے ہوئے لوگون کا ہے جو اُسکے لذات سے متمتع ہونے کے خیال مین اُلٹا اپنے ہی کو مصیبت مین پھنساتے ہین۔

(۷)

دو طرح کی طبیعت کے آدمی ہوتے ہین ایک وہ جنکو خاموشی سُنسان۔ بیکاری یا یون کہو کہ کامل تیاگ یعنی ترک پسند ہوتا ہے وہ سُنسان جگہہ مین جہان کوئی آواز نہین ہوتی ہے رہنا چاہتے ہین۔ یہ کوئی قابل تعریف صفت نہین سمجھی جاتی ہے اگر کوئی نااہل آدمی اسطرح کے ترک کو پسند کرتا ہے تو وہ دُنیا کے غل غپاڑے مین پھنستے ہی پاش پاش ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم کی طبیعت کے وہ لوگ ہین جو ہمیشہ دُنیا کی دوڑ دھوپ کے کامون مین لگے رہتے ہین اور کامونکو کرتے کرتے اُنکی پوتیان پھڑکتی رہتی ہین۔ اگر یہ لوگ کسی سُنسان جنگل مین بٹھا دیے جائین تو اُنکی جیسی حالت ہوگی سمجھی جاسکتی ہے جسکو ہم شرشیٹ (शेखू)

نوٹ مجھے افسوس کیساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس ہندی زبان مین فارسی و عربی الفاظ کے شامل ہو جانے سے وہ زبان پیدا ہوئی ہے جسکو اُردو سے مسمّی کہتے ہین اُسی زبان کے اشعار کو مقتبس کرتے وقت مجھے اُنکا ترجمہ بھی دینا لازمی ہوا ہے اگرچہ حافظ و سعدی وغیرہ فارسی شاعرون کے کلام بید مرکّ جون کے توں بغیر ترجمہ کے برابر لکھے جاتے ہین مگر یہ سمجھا گیا ہے کہ ایسے مشکل اشعار کے دقیق معنی کو سب سمجھتے ہین یا گویا یہ مان لیا گیا ہے کہ فارسی ہندی سے زیادہ مانوس ہے۔

یعنی فضل کینگے وہ وہی شخص ہوگا جو سب سے بڑے سُنسان اور تنہائی کی حالت مین بھی سب سے زیادہ کامون کا موقع دیکھتا ہے اور جو دنیا کے شور و غل مین بھی تنہائی کا مزہ چکھ رہا ہے اُسنے جان لیا ہے کہ ضبط کیا چیز ہے۔ وہ ایک بڑے شہر کے بازارون مین سے گزر کر بھی اُس شہر کو مثل گپھا کے سمجھ رہا ہے اور اُسکا دل برابر کام مین لگا ہوا ہے۔

(۸)

دُنیا مین آدمی تو سب ہی کام کرتے ہین مگر اُنمین سے ۹۹ فیصدی غلامون کیطرح کرتے ہین اور یہی وجہ ہے کہ نتیجہ مصیبت ہے۔ آدمی کو کام مالک کیطرح کرنا چاہیئے اور نکہ غلام کیطرح غلام کے دل مین کبھی کوئی سچی محبت نہین پیدا ہوسکتی ہے۔ اگر تم ایک غلام کو خرید اُس سے کام لیتے ہو تو وہ کچھ خوشی سے کام نہین کرتا ہے اُسکے دل مین کام کرنیکی کوئی سچی محبت نہین پیدا ہوتی ہے۔ غلامی سے یہان مراد یہ ہے کہ ہم اپنی خواہشات اپنے جذبات کے تابع ہین۔ جو کام ہم اپنے بچون عزیزو اقارب یا خود اپنے لئے کرتے ہین وہ سب غلام کی طرح کئے جاتے ہین یعنی یہ کہ ہم اپنے اغراض اپنی خواہشات کے تابع بنے ہوئے ہین اور جو کام ہم بلا تعلق ہو کر کرینگے چاہے اپنے لئے چاہے اپنے بچون یا عزیز و اقارب کیلئے اور چاہے غیرون کیلئے وہ سب مالک کیطرح کئے جائینگے۔

(۹)

پرم ہنس رام کرشن جی فرمایا کرتے تھے کہ تم دنیا سے ویسا ہی تعلق رکھو جیسا تعلق کوئی دایہ تمہارے بچون سے رکھتی ہے جب تک وہ دایہ نوکر ہے وہ تمہارے بچے کو اپنے ہی بچے کی طرح کھلاتی ہے۔ پلاتی ہے۔ سُلاتی ہے اور میرا لال میرا پیارا میرا گوبند (اگر لڑکے کا یہ نام ہے) کہ کہکر لاڈ پیار کرتی ہے لیکن جس وقت تم نے اُسکو رخصت کر دیا تو وہ بستر و بورہ یا اُٹھا کر فوراً گھر سے چلی جاتی ہے اور نہ پھر میرا گوبند رہا نہ میرا لال اور نہ میرا پیارا۔

پربھو لال

دیوان وحشت زمانہ حال کے اُن شعرا مین جنھون نے اپنی شاعری مین انداز قدیم کی تقلید کی ہے اور پُرانے سوز و گداز کی شمعون کو نئی لالٹینون مین روشن کرکے یہ پیغام دکھایا ہے ہمارے معزز مکرم مولوی رمضان علی صاحب وحشت ایک ممتاز مرتبہ رکھتے ہین۔ ہم اُنکے موثر کلام کے نمونے مذہنگ نظر کے صفحون مین چھاپ چکے ہین جسے بارہ تیرہ سال کا عرصہ ہوا۔ اُس زمانے سے اب تک اُنکی شاعری ایک رنگ خاص مین برابر ترقی کرتی گئی ہے اور شیرینی سخن کے ساتھ کلام مین پختگی۔ اثر۔ اور بلند خیالی کے جوہر نہایت تابناک طور پر نمایان ہوتے رہے ہین۔ اب اُنکا مجموعہ کلام ایک دیوان کی حیثیت مین شائع ہوا ہے۔ لکھائی چھپائی صاف۔ کاغذ دبیز اور تقریباً ڈیڑھ سو صفحات کی ضخامت پر قیمت ایک روپیہ بالکل واجبی ہے۔ دیوان کا آغاز حسب دستور قدیم ردیف وار غزلیات سے ہوا ہے۔ اسکے بعد متفرق اشعار اور رباعیات ہین۔ بعد ازان مخمسات۔ قطعات۔ اور مسدسات وغیرہ۔ آخر مین جدید طرز کی چند نظمین بھی درج ہین۔ اسکے بعد چالیس صفحون پر کلام فارسی کے عنوان سے غزلیات رباعیات اور تخمیس وغیرہ شامل ہین۔ اصلح ذوی استعداد شاعری کی قادر الکلامی کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ دیکھکر کہ کلکتہ مین اُردو زبان کا کسقدر کم چرچا ہے جسکا ہمین ذاتی تجربہ حاصل ہے حضرت وحشت کی شاعری ایک معجزہ معلوم ہوتی ہے۔ اب سے بیس سال پیشتر جب ہم کلکتہ مین مقیم تھے تو وہان صرف ایک اُردو اخبار گوہر آصفی نکلتا تھا اور حضرت شمس مرحوم کی ذات بابرکات سے اُردو شاعری کا کچھ چرچا سُنائی دیتا تھا۔ اب اُسی شہر مین ایسے ایسے شاعر پیدا ہو گئے ہین جو اہل زبان سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہین۔

ے لے کاپی کوایہ روڈ نمبر ۱۱ ڈاکخانہ بالی گنج شہر کلکتہ۔

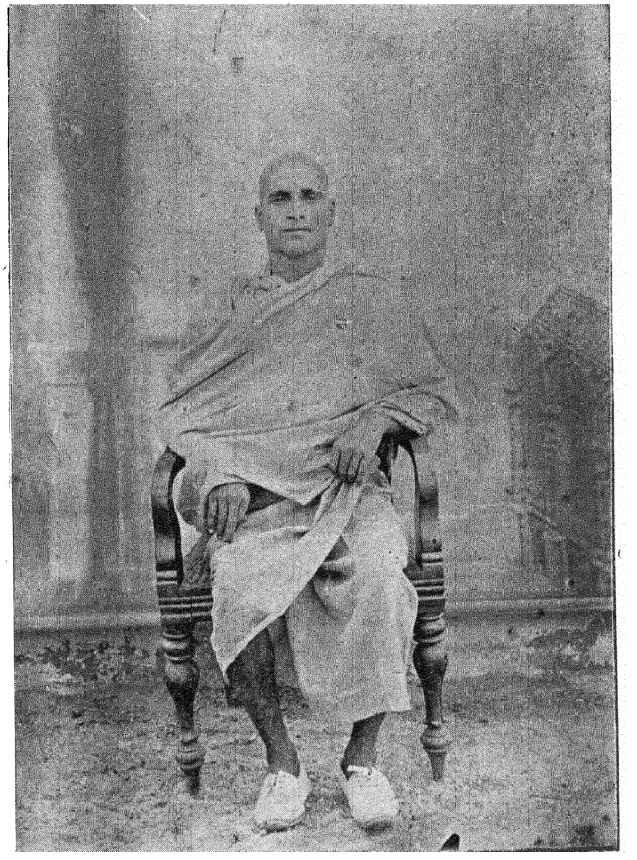

سوامی رام تیرتھ جی مرحوم

انڈین پریس الٰہ آباد

پرنسپل سوامی رام تیرتھ

ایک عرصہ گذرا کہ اس پنیہ بھومی (سرزمین پاک) پر دسہرہ کے یہاں رام پیدا ہوا تھا۔ صدیوں بعد قصبہ مراری[1] والا ضلع گجرانوالہ (پنجاب) کے ایک معزز گوسوامیوں کے گھرانے میں دیوالی ۱۹۳۰ء کے روز شام کے وقت براہمن لگن کے اودے ہونے پر دوآبہ کے شری رام چندر کے دھرم استھان کو پہلے گھر میں لئے ہوئے۔ اپنے خاندان کا نور تیرتھ رام آئندہ کا سوامی رام۔ شاہد و مشہود رام۔ ناظر و منظور رام۔ عاشق و معشوق رام۔ عنصر خاکی میں جلوہ افگن ہوا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی اس سرزمین میں رام پیدا کرنے کی طاقت موجود ہے۔

اپنے قصبہ مراری والا میں پرائمری اور گجرانوالہ کی ہائی سکول میں مڈل و انٹرنس پاس کر کے تیرتھ رام لاہور مشن کالج میں داخل ہوئے جس کامیابی سے اس ہونہار طالب علم نے پرائمری۔ مڈل۔ اور انٹرنس میں وظائف حاصل کئے۔ اس سے کئی درجہ زیادہ کامیابی رام کو ایف۔ اے۔ اور بی۔ اے۔ میں حاصل ہوئی۔ بی۔ اے میں پنجاب یونیورسٹی میں اول رہے۔ اور ایم۔ اے میں دونوں کورسوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس سے پہلے کوئی طالب علم دونوں کورسوں میں پاس نہیں ہوا تھا۔ ایم۔ اے پاس کرنیکے بعد گوسائیں تیرتھ رام نے اسی کالج کی کرسی پروفیسری کو زینت بخشی۔ جو عقیدت اس کالج کے طلبا کو اپنے فاضل پروفیسر سے اور جو الفت گوسائیں جی کو اپنے طلبا سے تھی۔ اسکی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ آپ اپنی تنخواہ کا نصف سے زیادہ حصہ طلبا کی مدد میں خرچ کرتے تھے۔

مشن کالج کی پروفیسری کے تقریباً ایک سال بعد آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر ہوئے اور جب آپ انگلستان سول سروس کی غرض سے نہ گئے۔ تو کالج کے پرنسپل نے پروفیسر تیرتھ رام سے پوچھا کہ "آپ کا اب کیا ارادہ ہے" تو گوسائیں جی نے نہایت متانت سے جواب دیا I wish to be either a preacher or teacher کہ "میں چاہتا ہوں۔ کہ واعظ بنوں۔ یا معلّم"۔

آخر آیا پیام یار۔ رام کے دل میں عشق الٰہی کا طوفان موجزن اور۔ اس عاشق صادق کے دل میں عشق حقیقی کا شعلہ روشن ہوا۔ دُنیائے دون سراسے بوقلمون کی بے ثباتی اور فلک کج رفتار و ناہنجار کے ظلم و ستم دل پر نقش ہوئے۔ لاکھ لاکھ تدبیروں سے بھی یہ محبوب اپنے مشن سے نہ ٹلا۔ خویش و اقارب کی منتیں رائیگاں گئیں۔ حالت یہ کہ متواتر راتیں دریائے راوی پر گذرنے لگیں مسلسل راتیں زار و قطار رونے دھونے میں کٹیں۔ آخر بقول رام "بکری کی ماں کب تک خیر منائیگی" جولائی ۱۹۰۰ء میں دُنیاوی پروفیسری کو چھوڑ کر حقیقی پروفیسری کی تلاش میں گوسائیں تیرتھ رام لاہور سے روانہ ہوئے۔ اُسوقت کی حالت عجیب تھی۔ چشم پُرنم۔ چہرے سے عشق حقیقی کے انوار۔ وصل کے انتظار کی کیفیت میں شرابور اور زبان حال سے وجد میں آکر ذیل کے مصرعے۔ اشلوک اور اشعار اپنی اپنی حاضری دے جاتے تھے

[1] ہمل میں ہر گاؤں کا نام مرالی والا ہے۔ کرشن کی بھگتی میں رام نے اپنے قصبے کا نام مراری والا رکھا۔

چشم لیلےٰ ہون - دل قیس ہون - دست فرہاد
بوسہ دینا ہو - تو دے لے ہے لبِ جام مرا
گوش گل ہون - رُخِ یوسف دمِ عیسیٰ - سرمد
تیرے سینے مین بسون ہون ہے وہی بام مرا
حلق منصور - تنِ شمس - ہون علم علما
واہ وا بحر ہون اور بُلبلہ اک رام مرا

پھر گیان پردیپ سدا شکے من مندر یوگن کے بس کے
بھو موہ اُدے جوہر دے تن کے تم پنچ وہی تما کو ہن کے
اتی کول اتنگ تپنگ مہا چھن ماہین سُبھاوک تا ہین دہا
نہ کام سموہ گن آگر دِپے سو سینہ سینہ دُھی ارپے
جن کے اتی بہال کے بھاگ بھلے اس دیپک تان من دھام جلے

رہیے اب ایسی جگہ چلکر جہان کوئی نہو ہم سخن کوئی نہو اور ہمزبان کوئی نہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہو بیمار دار اور اگر مر جایئے - تو نوحہ خوان کوئی نہو

رام پریم کی ترنگون مین غرقاب - الفت و مودّت کی لہرون مین
جھومتے جھاتے گنگا جی کے ساحل پر پہونچے - آنند کی جھڑی برستی
تھی - مستی مجسم رام گاتا تھا - اوم! اوم!!

ہر جسم ہر شے ہر شعر - ہر فہم ہر مفہوم مین
ناظر نظر منظور مین - عالم ہون مین معلوم مین
ہر آنکھ میری آنکھ ہے - ہر ایک دل ہے دل مرا
ہان بُلبل و گل مہر و مہ کی آنکھ مین ہے تل مرا
اک بُلبلہ ہے مجھ مین سب ایجاد تو ایزاد تو
ہے اک بھنور مجھ مین یہ مرگ ناگہان اور زاد تو

کچھ روز ہری دوار مین گنگا کی اٹھکھیلیان کرتی ہوئی لہرون سے سرور اور بڑھگیا - متانہ کام رام براہ دیو پراگ پہنچے - چھ ماہ بعد حسب ہدایت ۱۰۸ سوامی شنکر آچاریہ دوارکا دھیش سنیاس اختیار کیا - اور وہان سے گنگوتری - کدارا اور بدری ناتھ کی یاترا کرتے ہوئے دسمبر ۱۹۰۲ء مین میدانون مین اُترے سنہ ۱۹۰۳ء کے شروع مین متھرا ایجوکیشنل کانفرنس کی کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے - جن اصحاب نے سوامی رام کی اسوقت زیارت کی اُنکا بیان ہے کہ اس مقدس انسان کے رخسارون کا رنگ بالکل انکے گیروے کپڑون سے مشابہ تھا - ایک بزرگ لکھتے ہین - کہ "مین اس بات پر کبھی یقین نہین کرتا تھا - کہ کرشن کی بانسری کی سُریلی آواز گوپیون کو اُنکے گھرون سے جوق جوق کرشن کی درگاہ مین کھینچ لاتی تھی - مگر رام کی صورت گلفام کی کشش دیکھکر میرا خیال درجۂ یقین تک پہونچ گیا" جب سوامی رام متھرا کے پُل پر سے گذر رہے تھے - اُسوقت خلقت کا ہجوم تھا اور ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ رام میری آنکھون سے اوجھل نہ ہو جائے" - متھرا سے آگرہ - لکھنؤ اور فیض آباد مین اپنی جادو بیانی سے عوام الناس کی روحانی پیاس بجھاتے رہے - اگست ۱۹۰۴ء کے آخر مین مذہبی کانگرس کی خبر موصول ہونے پر جاپان مین وارد ہوئے - تقریباً ایک ماہ جاپان مین رہکر جاپانیون کو اپنا والہ و شیدا بنالیا - جاپان سے رخصت ہونے کے بعد ایک جاپانی اہل قلم نے لکھا کہ "جب سے سوامی رام تیرتھ ہم سے جُدا ہوئے ہین ہم اُنکی بے انتہا محبت مین محو اور مستغرق ہین اور ہفتون اور مہینون اپنے کمرون مین رام کا وہی مُسکراتا ہوا شگفتہ چہرہ - وہی اوم گاتے ہوئے لب وہی اُلفت بھری چتون دیکھکر باغ باغ ہو جاتے ہین" ٹوکیو امپیریل سنسکرت کالج کے

پروفیسر ٹامکسٹو نے رام کے دیدار سے فیضیاب ہو کر ایک اخبار مین لکھا کہ:۔

"مین نے اپنی تمام عمر مین صرف ایک ہی عجیب انسان دیکھا اور وہ قابل تقلید انڈین فلاسفر سوامی رام تیرتھ تھے"

جاپان سے شریمتی رام تیرتھ امریکہ پہونچے اور تقریباً تین سال کے دوران قیام مین پبلک کو دولت و دیانت سے مالامال کردیا۔ سان فرانسسکو مین رام کے لکچر گولڈن ہال مین ہوتے رہے۔ ینویارک اور کولمبیا مین جتنے روز قیام رہا اتنی ہی تقریرین کین۔ بعض بعض روز دو دو تین تین تقریرین کین۔ ینویارک کے ایک اخبار نے ان دنون لکھا۔ کہ

"امریکہ مین ایک انڈین سادھو آیا ہے۔ جو دولت کو نہین چھوتا۔ اپنے ساتھ اسباب خوردونی تک بھی نہین رکھتا۔ جب سیر کرنے پر نکلتا ہے تو کئی روز متواتر برفانی پہاڑون مین بے سروسامان گھومتا ہے۔ جب شہر مین آتا ہے تو ہر وقت ہندو فلسفہ پر بات چیت کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اسکی شکل دلکش ہے۔ پریسیڈنٹ روزویلٹ اُنکے دیدار کے لئے اُنکے مکان مین گھنٹہ بھر تک سامنے بیٹھے رہے"

امریکہ سے ہندوستان آتے وقت رام بادشاہ کا ایک پرتپاک استقبال اہل مصر نے کیا۔ وہان کی ایک مسجد مین زیر صدارت مشہور قوم پرست مصطفےٰ کامل پاشا مرحوم و مغفور رام نے مسئلہ "ہمہ اوست" پر ایک مؤثر تقریر کی۔ غرض یہ کہ جاپانی رام کو جاپانی۔ مصری رام کو مصری۔ اور امریکن رام کو امریکن سمجھتے تھے۔ مگر آہ! ..... بدقسمت ہندوستانیو! تم نے رام کو نہ پہچانا بیشک آفتاب قریب ہوتے سے ہم چوندھیا جاتے ہین۔ رام کی عظمت کا اندازہ رام کے گائون والے بہت کم اور اسکے ملک والے کسیقدر اور غیر ممالک کے باشندے کچھ زیادہ کرسکتے تھے۔ مگر رام بادشاہ کی پوری پوری عظمت کئی صدی بعد معلوم ہوگی۔ جب آیندگان کو معلوم ہوگا کہ یہ مثال صدیون سے پیدا نہین ہوئی اور رام کی تعلیم و تلقین جو موجودہ زمانے سے کئی صدی آگے ہے۔ بنی نوع انسان کی بہترین حالت برس بڑھکر وہم و خیال مین نہ آسکے۔

جو لوگ مسیح بننے کا دعویٰ کرتے ہین۔ وہ مسیح نہین کہلاتے۔ مگر شاہنشاہ رام کو امریکہ مین لوگ اپنا زندہ مسیح سمجھنے لگے تھے۔ یہ امر رام کی ایثار نفسی اور عالمگیر محبت کو ثابت کرتا ہے۔ جبکہ ہندوستان مین آتے ہی اُنکے معتقدون نے عرض کی کہ کوئی نئی سوسائٹی بنانی چاہیئے۔ تو رام آنکھ بند کرکے ہاتھ پھیلاکر یون فرمانے لگے۔

"ہندوستان مین جسقدر سوسائیٹیان ہین۔ وہ تمام رام کی ہین رام انہین کام کریگا۔ (پریم بھرے آنسو بہاتے ہوئے) عیسائی مسلمان۔ ہندو۔ آریہ۔ سکھ۔ پارسی۔ ہان تمام وہ لوگ جنکے اعضا ہڈیان۔ خون۔ اور دماغ میری اشٹ دیو بھارت بھومی کے اناج اور نمک سے بنے ہین۔ میرے بھائی ہین"

"جاؤ! اسے کہدو۔ کہ رام اُنکا ہے۔ مین اُنکے ساتھ بغلگیر ہوتا ہون اور کسیکو بھی اپنی آغوش محبت سے باہر نہین سمجھتا"

"مین مجسم محبت ہون۔ محبت اپنے نور سے ہر ایک کو منور کرتی ہے۔ بیشک! بیشک! مین بجز محبت کی طغیانی کے سوا کچھ نہین ہون اور مین سب سے یکسان محبت کرتا ہون"

زندہ جاوید رام ہر ایک دل مین یکسان دھڑکتے ہین۔ سچ ہے۔ جب انسان کا طائر خیال قدرتی پرواز کے جلوے دکھاتا ہے۔ تو وہ کونسا ہالہ ہے جو اسکی راہ مین حائل ہوسکتا ہے۔ جب انسان کے تخیل (خیال) کا دریا طغیانی پر آتا ہے۔ تو

خس وخاشاک کی اُسکے سامنے کیا حقیقت ہے۔ رام محبت کی ترنگون مین بار بار یول اُٹھا کرتے تھے۔

"مین شاہنشاہ رام ہون۔ میرا تخت تمارے دل مین ہے جب مین نے ویدون مین اوپدیش دیا۔ کورو کشیتر مین گیتا سُنائی جب مکہ اور یروشلم مین پیغام پڑھا۔ مجھے لوگون نے غلط سمجھا تھا۔ اب مین پھر اپنی آواز بلند کرتا ہون۔ میری آواز عین تمارے دل کی آواز ہے۔ تتوام اسی۔ تتوام اسی! - وہ تو ہے! وہ تو ہے!

امریکہ کے چند مشہور فاضلون نے رام کے چہرے کی رنگت۔ اور انکی دل سے نہ مٹنے والی ادائین دیکھکر کہدیا تھا کہ یہ جسم (رام سوامی کا) زیادہ دیر تک نہین رہیگا۔ یہ اپنے آپ کو کھوئے ہوئے ہین۔ پروفیسر محمد اقبال۔ ایم۔ اے۔ نے رام کی ماتمی نظم مین کیا درست فرمایا ہے۔ ع

توڑ دیتا ہے بُت ہستی کو برا ہیم عشق

لو! آیا وہ دن۔ سچ تو یون ہے۔ کہ جب عاشق ومعشوق وصل کے خواہشمند ہون تو کسی کی کیا مجال ہے جو انھین سینہ بسینہ۔ لب بہ لب۔ نہین نہین۔ تو من شدی من تو شدم" سے روک سکے۔ ؎

جذب بلبل مین اثر ہو تو قفس مین آتش
بوے گل پھاند کے دیوار گلستان آئے

جسمانی طور پر انانیت۔ اہنکار اور دوئی کو چھوڑ کر ذہنی اور عقلی وصال تو کئی سال سے ہوچکا تھا۔ مگر یہ جسم بیچ مین خواہ مخواہ حائل تھا۔ گھر بار چھوڑا۔ بستی چھوڑی جنگل مین ڈیرے ڈالے۔ برفانی پہاڑون مین اسم اعظم "اوم" کا ورد (اُچارن) کیا۔ مگر ابھی معراج تک پہونچنے مین ایک درجہ باقی تھا۔ لو! وہ بھی پورا ہوگیا۔ ؎

خدائی خندائی خندائی ہوئی
جُدائی کا نام و نشان مٹ گیا

گنگا کے پہلو مین اسکا عاشق صادق جالیٹا۔ گنگا کی لہرون پر وہ مستانہ رام سوار ہوا۔ آہ! جسطرح رام کے سنیاس نے رام کے خویش واقارب کو زار و قطار رُلایا۔ اُس سے کئی گنا بڑھکر نہ صرف ہندوستانیون کو بلکہ جاپانیون اور امریکن کو بھی اس مقدس انسان کی جدائی سے کمال رنج ہوا مگر رام تو اسی انتظار مین تھے۔ عشق حقیقی کی بس یہی ایک آخری ٹھوکر باقی تھی۔ کئی سال پہلے رام کہہ چکے تھے۔ ؎

سختی سے کیون چھینے ہے دل
کیا یون ہمین انکار ہے

"اگر رام کے چرنون مین گنگا نہ بہی۔ تو رام کا جسم گنگا کے اوپر بہتا ہوا دکھائی دیگا" گنگا مین گنگا ہوجانے سے چند لمحے پیشتر ذیل کے الفاظ لکھ گئے تھے۔

"اے موت! بیشک اُڑا دے اس اک جسم کو۔ میرے اور جہان مین کچھ مجھے کمی نہین۔ صرف چاند کی کرنین چاندی کے تار بنکر مین چین سے کاٹ سکتا ہون۔ پہاڑی ندی نالون کے بھیس مین گیت گاتا پھرونگا۔ بحر امواج کے لباس مین لہراتا پھرونگا۔ مین ہی باد خوش خرام۔ نسیم مستانہ گام ہون۔ میری یہ صورت سیلانی ہر وقت روانی مین رہتی ہے۔ اس روپ مین پہاڑون سے اُترا۔ مرجھاتے پودون کو تازہ کیا۔ غنچون کو ہنسایا۔ بلبلون کو رُلایا اور دروازون کو کھٹکھٹایا۔ سوتون کو جگایا۔ کسی کے آنسو پونچھے۔ کسی کا کھونگھٹ سرکایا۔ اسکو چھیڑا۔ اُسکو چھیڑا۔ تھکھو چھیڑ۔ وہ گیا۔ وہ گیا۔ نہ کچھ ساتھ رکھا۔ نہ کسی کے ہاتھ آیا"

یہ الفاظ لکھکر دیوالی کے روز گنگا مین اشنان کرنے داخل

ہوئے۔ اور ایسا غوطہ لگایا کہ آج تک باہر نہ آئے۔

ہائے!..... متانہ رام! بیشک! بیشک! تو بحر امواج کی صورت مین گیت گاتا پھرتا ہے۔ مگر تیرے اہل وطن ابھی تیری ضرورت سمجھتے تھے۔

ہائے!..... گنگا کی لہرین۔ چاند کی کرنین۔ چمکتے ہوئے برج۔ سبز قبائین در بر کئے سرفلک کشیدہ پہاڑون کی چوٹیان اور وہان ہمارے رام کا جھونپڑا۔ ہوا رام کی لونڈی۔ ستارے سیارے۔ آفتاب مہتاب رام کے خدمتگار۔ ریچھ۔ چیتے۔ شیر۔ غزال رام کے رفیق۔ رام کو گیت سُنانے والے۔ آہا ہا!..... سفید شلا اور اسپر ہمارے رام کا آسن۔ اور جھوم جھوم کر گانا۔ ؎

ہم ننگے عمر بتا ینگے۔ آنند کی جھلک دکھا ینگے
سو لون پر ننگے جائینگے۔ پر آپکو برہم لکھا ینگے

امریکہ کے پریسیڈنٹ کا رام کی دربار مین آنا۔ رام کے چرنون مین اسم اعظم (مہمان واکیہ) اوم کا نون سے سُننا باشندگان امریکہ کا اُنکو عیسیٰ پکارنا۔ امریکہ سے لیڈیون کا ہندوستان مین محض رام کی ولادت گاہ کی زیارت کے لئے آنا۔ جاپانیون کا مدتون تک اپنے کمرون مین رام کے شگفتہ چہرے کا درشن اور اوم سُننا۔ چینیون۔ شیرون اور سانپون کا پہاڑون مین ساتھ۔ اور اُنکا زانوے ادب تہ کرنا۔ اس بات کو ثابت کرتا ہے۔ کہ

عشق ہو راست کرامات نہ ہو کیا معنے
حسب ارشاد ہی سب بات نہ ہو کیا معنے

ہان عرصہ گذرا۔ دسرتھ کے ہان رام پیدا ہوا تھا۔ صدیون بعد ۳۰ مین پھر رام پیدا ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس کرم بھومی مین ابھی تک رام پیدا کرنیکی طاقت موجود ہے۔

رام چندر

رسالہ رفوگری عورتون کو سوئی کے کام سے جسقدر طبعی مناسبت ہے وہ محتاج تفریح نہین۔ قدیم زمانے مین ہندوستان کی غریب عورتون کا یہی ذریعہ معاش تھا مگر آجکل کلون کی ارزانی نے جہان لوگون کو اور بہت سی دستکاریون سے مستغنی کردیا ہے وہان سوئی کے کام بھی دنیا سنیا ہوتے جاتے ہین تاہم رفوسازی کے لئے ابھی کوئی کل نہین موجود ہے اور یہ کام تک سوئی کے حوالے ہے۔ اس حالت مین ملک کو لالہ من گوپال صاحب۔ ایم۔ اے وکیل لاہور کا ممنون ہونا چاہئے کہ اُنھون نے اس دستکار کی باقاعدہ تعلیم کے لئے ایک کتاب مہیا کردی۔ جو رکھیان کیسوجو سے اسکوی تعلیم نہین حاصل کرسکتین اُنکے واسطے اس کتاب کے ذریعے سے اُنھین رفوسازی کی عمدہ تعلیم دے سکتے ہین جسمین عبارت کے علاوہ نقشون کے ذریعے سے بھی رفو کے طریقے بتائے گئے ہین اور اسطرح یہ کام بخوبی ذہن نشین ہوسکتا ہے۔ قیمت فی جلد ۸ر

آئینہ چین۔ ہندوستان کے پڑوسیون مین چین اتنا بڑا ملک ہے کہ دُنیا کا کوئی ملک اُسکی وسعت اور آبادی کا مقابلہ نہین کرسکتا۔ ایسے عظیم الشان ہمسایہ کے حالات سے اہل ہند بالکل ناواقف ہین اور ہندوستانی لٹریچر مین چین کے متعلق استقدر کم کتابین ہین کہ عام کیا خاص طور پر بھی لوگ اس ملک کے تاریخی اور تمدنی حالات سے نابلد ہین۔ خصوصاً اسکے اندرونی حالات۔ عام معاشرت اور اسکا جغرافیہ تو ہمارے لئے بالکل ایک کہانی کا حکم رکھتا ہے لیکن پنڈت مہندو لال صاحب گرگ نے آئینہ چین تصنیف کرکے اس اول کمی کو ایک حد تک پورا کیا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے چین کے جزوی و کلی حالات پر عبور ہو سکتا ہے اور لوگ گھر بیٹھے اہل چین کی معاشرت اور دوسرے حالات سے بخوبی واقف ہوسکتے ہین حجم ۲۴۸ صفحات قیمت بارہ آنہ۔ مطبع گولڈ سبری جھلم سے طلب کیا جاوے۔

نفرت

اپنی عمر مین ہزارون بار تمنے لوگون کو نفرت کا لفظ استعمال کرتے دیکھا ہوگا، بلکہ خود تمہاری زبان پر بھی بیشمار مرتبہ یہ لفظ آیا ہوگا، لیکن کیا کبھی تمنے اسکے مفہوم اور موقع استعمال پر غور کیا ہے؟ ہمکو یقین ہے کہ کبھی نہین کیونکہ اگر تم ایک مرتبہ بھی ایسا کرتے، تو غالباً دوبارہ تمکو یہ لفظ استعمال کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

اگر اپنی آنکھ اُٹھاکر نظام عالم پر نظر ڈالو، تو معلوم ہوگا کہ تمام دُنیا کی کسی دو جاندار چیزون مین کامل یکسانیت نہین پائی جاتی اور ہر شے دوسری شے سے کسیقدر ضرور مختلف ہوتی ہے۔ پہلے خارجی صورتون کو دیکھو، اور غور کرو کہ ہر انسان کی صورت شکل، رنگ روپ، قد وقامت، دوسرے انسان سے مختلف ہین۔ نزدیک کے رشتہ دارون اور اور عزیزون کا تو کیا ذکر ہے، باپ بیٹے اور حقیقی بھائیون کی صورتون مین زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، بلکہ دو توام بچّون مین بھی، جو بادی النظر مین یکسان معلوم ہوتے ہین۔ ضرور کوئی چیز مابہ الامتیاز ہوتی ہے۔ بعض حیوانات ایک ہی وقت مین متعدد بچے دیتے ہین، لیکن کیا اُنمین سے کوئی دو بچے ہر حیثیت سے ایک دوسرے کے ہمشکل ہوتے ہین؟

اس ظاہری اختلاف سے ملتا جلتا ہوا اختلاف ذوق بھی عالمگیر پایا جاتا ہے۔ ہر شخص کا طبعی رجحان اور ذوق دوسرے سے جداگانہ ہوتا ہے۔ باشندگان یورپ کو ہمارے یہان کے عطر کی خوشبو ناگوار ہوتی ہے، لیکن ہندوستانی رئیس اسکے دلدادہ ہوتے ہین۔ انگریزون کے یہان بھورے رنگ کے بال حُسن کی علامت سمجھے جاتے ہین، لیکن ہندوستان کے عاشق مزاجون کے لئے "زلف سیاہ" لازمی ہے۔ عموماً ایشیائی قومین گورے رنگ کو حُسن و دلفریبی کا ایک جزو خیال کرتی ہین، لیکن براعظم افریقہ کے باشندون سے پوچھو تو وہ اسکو برص سے تعبیر کرینگے۔ ممکن ہے تم کہو کہ یہ اختلاف مذاق، آب وہوا وغیرہ ملکی خصوصیات کا نتیجہ ہے، لیکن یہ صحیح نہین۔ قومی حیثیت سے قطع نظر کرکے افراد مین بھی یہی اختلاف پایا جاتا ہے۔ خود ایک ہی ملک کے مختلف باشندون، ایک ہی قوم کے افراد، نہین بلکہ ایک ہی خاندان کے ممبرون مین اس اختلاف ذوق کی نظیرین بکثرت ملتی ہین۔ باپ کو ایک طرح کا لباس پسند ہوتا ہے، بیٹے کو دوسری طرح کا۔ ایک بھائی شعر و شاعری سے دل بہلاتا ہے، دوسرے بھائی کی دلچسپی مصوری و نقاشی سے ہوتی ہے۔

اسی سلسلۂ اختلاف کی ایک تیسری کڑی ہے، جسکا تعلق عقل سے ہے، اور جسکو ہم اختلاف رائے یا اختلاف خیال سے تعبیر کرسکتے ہین۔ اسکی مثالین بھی ہر طرف نظر آتی ہین۔ ایک شخص ایک عقیدہ کو بالکل صحیح تسلیم کرلیتا ہے، لیکن دوسرے شخص کے نزدیک اسکے ماننے سے استحالۂ عقلی لازم آتا ہے۔ اخبارات مین روزانہ ہر قسم کے واقعات شائع ہوا کرتے ہین، لیکن ایک شخص کے نزدیک اسکا ایک ایک حرف صحیح ہے، اور دوسرے شخص کی رائے مین اُن مین بہت سی بے بنیاد افواہین بھی ہوتی ہین۔ ایک شخص ہر شائع شدہ خبر پر صدقناً وسلمناً کہنے کیلئے آمادہ رہتا ہے، لیکن دوسرا شخص، اپنی عقل و معلومات کے مطابق

اکثر خبرون کو خلاف عقل و بعید از قیاس قرار دیتا ہے۔

ان طبعی اختلافات کو پیش نظر رکھکر اگر تم کسی چیز کو پسند اور کسی کو ناپسند کرتے ہو، تو بالکل قانون فطرت کی پابندی کرتے ہو، لیکن اگر تم کسی چیز سے نفرت کرتے ہو، یعنی اُسکو اس درجہ ناپسند کرتے ہو، کہ اُسکا محض ذکر یا تصور ہی تمہاری طبیعت کو منغض و مکدر کر دیتا ہے، اور تم اسکی کوشش کرتے ہو کہ اُس چیز کے نشان وجود کو ہر جائز و ناجائز طریقہ سے پردۂ عالم سے محو کر دو، تو بلاشبہ، تم قوانین فطری کی سرحد سے باہر نکل گئے ہو، اور ایک ایسے امر کی سعی کر رہے ہو، جسکے کرنیکا فطرت نے تمکو کوئی مجاز و اختیار نہین دیا ہے۔

فرض کرو کہ تم کسی خاص عقیدہ، مذہب کے پابند ہو۔ اور اُسکو دل سے پسند کرتے ہو، تو اسپر کسی کو تعرض کا کوئی استحقاق نہین، لیکن اگر تم دوسرے مذاہب سے نفرت کرتے ہو، اُنکے ماننے والون کی ذلت و تحقیر کرتے ہو، اُنکو ہر طریقہ سے نقصان پہونچانے کی فکر مین رہتے ہو، اور اس امر کے لئے ناجائز وسائل کام مین لاتے ہو کہ سوا تمہارے مذہب کے اور تمام مذاہب روے زمین سے فنا ہو جائین، تو یہ کوشش سرتاسر قوانین ینچر کی مخالف ہے، کیونکہ اس امر سے تمہارا مشاہدہ بھی انکار نہین کر سکتا کہ اختلاف طبائع فطری ہے۔ پس تمکو کیا حق ہے کہ اس فطری و دلیعت کو باشندگان عالم کے دلون اور دماغون سے مٹا کر سب کو اپنا ہم خیال بننے پر مجبور کرو؟ یہ حق تمکو کسنے دیا کہ تم اپنی راے اور اپنے خیال پر عملدرآمد کے لئے کسی کو مجبور کرو؟ اور اگر یہ حق تمکو حاصل ہے، تو کیا وجہ ہے کہ تمہارا حریف اس حق سے محروم رہے؟

ممکن ہے، تم اسکے جواب مین یہ کہو کہ "ہمارا عقیدہ عقل کے مطابق ہے، اسلئے ہم مجاز ہین کہ اُسکو بجبر دوسرون سے تسلیم کرائین"۔ لیکن ہم دریافت کرتے ہین کہ اسکا ثبوت کیا ہے؟ صرف یہی کہ تمہارا عقیدہ تمہاری عقل کے موافق ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ تمہارا حریف بھی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھائے وہ کہتا ہے کہ اُسکا عقیدہ اُسکی عقل کے موافق ہے۔ آخر تمکو یہ استحقاق کیسے حاصل ہو گیا، کہ تم اپنی عقل کے مطابق ایک مسئلہ کا فیصلہ کر دو، اور وہ تمام دُنیا کے لئے واجب التقلید ہو جاے؟

ممکن ہے، تم اپنی راے پر اسلئے متشدد ہو، کہ باشندگان عالم کی ایک تعداد کثیر تمہاری تائید مین ہے، لیکن یہ بھی ایک مغالطہ ہے۔ کیا کثرت راے تمام دُنیا کے لئے کسی مسئلہ کے قطعی اور یقینی فیصلہ کر دینے کا حق رکھتی ہے؟ کیا کسی راے کی تائید مین جماعت کثیر کا ہونا، اس امر کا کافی ثبوت ہے، کہ اُسکی مخالف جماعت قلیل غلطی پر ہے؟ کیا کثیر جماعت کو حق حاصل ہے کہ اپنی مخالف جماعت قلیل کی صورتون، دلون، اور دماغون سے نقوش اختلاف کو مٹا دے؟ کثیر اور قلیل جماعتون کا تو کیا ذکر ہے، اگر بجز ایک شخص کے تمام دُنیا ایک راے پر متفق ہو، اور صرف ایک شخص جداگانہ راے رکھتا ہو، تو کیا کوئی وجہ ہے کہ یہ تمام متفق الخیال دُنیا، اس ایک مختلف الخیال شخص کو راے بدلنے پر مجبور کرے؟ کیا میجارٹی (کثرت راے) کی قوت، فطرت کی قوت سے بڑھکر ہے؟ کیا فطرت کے مقرر کئے ہوئے حدود کو کوئی بڑی سی بڑی جماعت توڑ سکتی ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ تم محض اپنے ہم خیالون کی کثرت تعداد کی بنا پر اپنے مخالفین سے نفرت کرتے ہو، اور انکو اپنا ہم خیال بننے پر مجبور کرتے ہو؟

شریعت فلسفہ کے پیمبر، جان اسوارٹ مل، کا یہ مقولہ آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے، کہ

"اگر تمام نوع انسان بہ استثناء ایک شخص واحد کے، ایک رائے کو مانتی ہو، اور صرف ایک شخص کی رائے مخالف ہو تو نوع انسان کو اس نہتا شخص کے (بہ جبر) خاموش کر دینے کا صرف اتنا ہی حق حاصل ہے، جتنا اس ایک شخص کو تمام نوع انسان کے خاموش کر دینے کا"

بلاشبہ، اگر ہم کسی کو ایسے طریقہ پر چلتا دیکھیں، جو ہماری رائے مین غلط ہے، تو انسانی ہمدردی کا اقتضا صرف یہ ہونا چاہیے کہ اُسکو اس امر سے مطلع کر دین، لیکن اگر وہ نہ مانے، تو ہمکو کوئی حق نہین کہ اُسکو بہ جبر اس راستے سے ہٹائین۔ اگر وہ فی الواقع غلط راستے پر چل رہا ہے، تو اُسکو خود غلطی کی سزا ملیگی، ہمکو کیا حق ہے کہ اُسکی فطری آزادی سلب کرلین! جبر محض اس حالت مین جائز ہو سکتا ہے، جبکہ کسی شخص کے فعل سے دوسرون کو مضرت پہونچے، مثلاً چوری، ڈاکہ زنی، قتل، وغیرہ، لیکن اگر کسی فعل کی وجہ سے بجز ذات فاعل کے اور کوئی متاثر نہ ہو، تو ہمکو اس فعل کے بہ جبر روکنے کا کوئی استحقاق نہین۔

پالیٹکس مین دو متضاد گروہ ایک دوسرے کو سخت مذموم کی نظرون سے دیکھتے ہین۔ ایک گروہ دوسرے کو خوشامدی، غلام طبع، دشمن ملک کہتا ہے، اور دوسرا اُسکو باغی، حق ناشناس، احسان فراموش کہتا ہے۔ لیکن غور کرو کہ اس منافرت کی بنا کیا ہے؟ صرف یہ کہ ہر گروہ نے بجائے خود اپنی رائے کی بنا پر ملکی حالت کا فیصلہ کر لیا ہے، اور اُسکو یہ جبر تمام ملک سے منوانا چاہتا ہے۔ ایک متعصب پاپند مذہب تمام غیر مذاہب کو تنفر کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن اسکا کیا ثبوت کہ اُسکا مذہب سچا ہے؟ یہ محض افراد کی عقل پر منحصر ہے۔ پس اگر کوئی تمام یا اہم مذہب شخص اپنے قدیم عقائد سے منحرف ہو کر دوسرے مذہب مین شامل ہو گیا، یا قطعاً لامذہب ہو گیا، تو اُس سے نفرت کی کوئی وجہ نہین۔ تمہارے خیال، تمہاری سمجھ، تمہاری عقل، تمہاری رائے مین تمہارا مذہب سچا ہے لیکن اُسکے خیال، اُسکی سمجھ، اُسکی عقل اُسکی رائے مین اسکا مذہب یا اُسکا عقیدہ صحیح ہے۔ الغرض حسب طبع یہ ممکن ہے کہ ساری دُنیا کے باشندے، صورت شکل، رنگ روپ، اور قد و قامت کے لحاظ سے بالکل یکسان ہو جائین، اور جس طور سے یہ ناممکن ہے، کہ سب لوگ متحد الذوق و متفق المذاق ہو جائین، اور ایک ہی چیز کو پسند کرنے لگین، اُسیطرح یہ بھی غیر ممکن ہے کہ کل باشندگان عالم ایک ہی خیال، ایک ہی مذہب، ایک ہی عقیدہ کے معتقد ہو جائین۔ اور اگر کوئی شخص اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ وہ ساری دنیا کو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑیگا، اور اپنے مخالفین کو محض ایک جداگانہ تجارت خیال کیوجہ سے انسانی ہمدردی کے بازار سے بایکاٹ کر دیگا، تو وہ ایک خلاف فطرت امر کی کوشش کر رہا ہے[1] جسکا نتیجہ یقینی ناکامی ہے۔

---

[1] اسلام مین ایک جانب تو ایسے احکام پائے جاتے ہین، کہ جنکی بنا پر اگر تعصب و مذہبی منافرت کو اسلام کا ایک جزو قرار دیا جاے، تو بیجا نہین، لیکن دوسری جانب قرآن مین ان آیات کی بھی کمی نہین کہ جنمین نفرت، نہایت مراعت کے ساتھ بے تعصبی اور رواداری کی تعلیم دی گئی ہے، بلکہ نہایت خوبی کے ساتھ اصل نکتہ کیجانب اشارہ کیا گیا ہے۔ غور کرو کہ ذیل کی آیت مین قرآن نے فطرت شناس حضرت نے اختلاف طبائع کے فطری ہونے کو کتنہ صاف الفاظ مین بیان کیا ہے:۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ (پ۱۲ سورۃ ہود، رکوع ۱۱) یعنی "اگر خدا چاہتا، تو سب لوگونکو ایک ہی عقیدہ پر کر دیتا (مگر اُسنے ایسا نہین کیا، لہذا) لوگ ہمیشہ مختلف رہینگے بجز اُس شخص کے جسپر خدا کا رحم کرے، کیونکہ انکی خلقت ہی ایسی رکھی گئی ہے"

اسی فطری اصول کے مطابق ایک اور مقام پر مذکور ہے:۔ قل کل یعمل علی شاکلتہ۔ یعنے "ہر شخص اپنی آسانی کے مطابق عمل کرتا ہے"۔ اور درحقیقت یہی نکتہ رواداری کی بنیاد ہے۔

مالاباري حسن

انڈین پریس الہٰآباد

لیکن افسوس، آج اس بیسویں صدی مین بھی جو روشنی کا زمانہ کہا جاتا ہے، اور جبکہ واقعی سائنس اور علوم و فنون ایک حد تک ترقی کے مدارج طے کر چکے ہین، اس عام بے تعصبی اور رواداری کا نام تک نہین پایا جاتا۔ متمدن و تعلیم یافتہ جماعات ایسی موجود ہین، جو غیر اقوام کے افراد کے ساتھ مناکحت و مواکلت قطعاً حرام جانتی ہین۔ بعض جماعتین جو نسبتاً زیادہ روشن خیال ہین، غیر قومون کے ساتھ کھانا پینا تو روا رکھتی ہین، مگر اُنکے ساتھ محبت و اخوت کا برتاو رکھنا انکے یہان بھی ناجائز ہے۔ ہم نے بعض تعلیم یافتہ افراد کو بہ چشم خود دیکھا ہے، جو اپنے مخالف عقائد رکھنے والون کو بہ جبر خاموش کر دینا چاہتے ہین[1]، اور اگر انکے بس مین ہو، تو وہ اپنے مخالفین کا جواب زبان تیغ سے دین۔ مگر یہ جوش جہالت کب تک؟ ایسی منافرت خیز تعلیمات کی (جو دُنیا مین بدامنی، بے اعتباری اور خون ریزی پھیلانا اپنا مشن قرار دے چکی ہین) پنسلی تحریر، اضداد و معقول پسندی کی ربڑ کے سامنے اپنا نشان ہستی کب تک صفحۂ عالم پر قائم رکھ سکتی ہے؟

ان عقلی دلائل سے قطع نظر کر کے گذشتہ واقعات پر نظر ڈالو، تو بھی اسی نتیجہ پر پہونچو گے۔ تاریخ صاف الفاظ مین شہادت دے رہی ہے کہ دُنیا مین اُنہین قومون نے ترقی کی ہے، جو اپنی بے تعصبی اور روشن خیالی میں ممتاز تھین، جنکی ہمدردی عام تھی، اور جنمین تعصب و تنفر کے کمینہ جذبات نہایت ادنیٰ درجہ مین پائے جاتے تھے، بر خلاف اسکے جن قومون نے آزاد خیالی کو تلوار کے زور یا حکومت کے دباؤ سے روکنا چاہا، اور جنھون نے غیرون کے ساتھ رواداری کا برتاؤ نہین کیا، اُنکو ہمیشہ ناکامی ہوئی، بلکہ اُلٹا اُنھین کو نقصان پہونچا۔ اسپین مین مسلمانون کا کا تمدن انتہائی عروج پر تھا، جسکا اعتراف تمام منصف مزاج یوروپین مورخین کرتے ہین، لیکن جب سے وہان عیسائیون کے ایک متعصب فرقہ کی عملداری ہوئی، جس نے بہ زور شمشیر مسلمانون کو عیسائی بننے یا وطن ترک کرنے پر مجبور کیا، تو یہ نتیجہ ہوا کہ چند روز مین وہی اسپین ایک زوال یافتہ ملک تھا، اور وہان کی قوم ایک نیم مہذب قوم تھی۔ انگلستان مین جو وقت تک روس کی تھولک فرمان رواؤن نے جبر و تعصب سے کام لیا، اُسوقت تک برابر خانہ جنگیان برپا رہین، لیکن جب سے وہان کے باشندون نے اپنی افسوسناک حالت کا اندازہ کر کے منافرت و تعصب کو پس پشت ڈالدیا، اُسوقت سے برابر انگلستان ترقی کے مدارج طے کر رہا ہے۔ خود مسلمانون کی تاریخ بھی ہمارے دعوی کی ایک نہایت قوی شاہد ہے۔ جس ملک اور جس زمانہ مین اُنھون نے مساوات و بے تعصبی کے ساتھ ملک داری کی اُنکے شہنشاہون کے دربار علم و فن کے مرجع رہے، اور اُنکی مملکت کا ایک ایک چپہ، تمدن و شائستگی کا مرجع تھا۔ لیکن برخلاف اسکے جب اُنھون نے شمشیر و سنان کو ہاتھ مین لیا، تو یہی مسلمان وحشت و خونخواری کے دیوتا نظر آتے تھے۔ جسکا آخر کار یہ نتیجہ ہوا کہ اپنی سلطنت، قومیت، علم، تمدن، سب کھو بیٹھے۔

---

[1] انظار کے پچھلے پرچون مین ہمارا مضمون جو تنقید الکلام پر شائع ہوا ہے، اور جسکے ضمن مین مخالف مذہب بھی شامل ہے، اُسپر باستثنا رپیدر روشن خیال و منصف مزاج حضرات کے، پبلک نے جسقدر ناخوشی کا اظہار کیا، اُسکے ذکر سے ہم ناظرین کی سامعہ خراشی نہین کرنا چاہتے۔ خیر اگر بعض قدامت پرست اور محجوبہ نشین مشائخ نے، جنکے معاش کا دارومدار لوگونکی ضعیف الاعتقادی پر ہے، اسپر غیظ و غضب کا اظہار کیا، تو جذبان تعجب نہین لیکن باعث حیرت یہ امر ہے کہ تعلیم یافتہ جماعت کے ایک شہرت پسند رکن نے جو ہندوستان کے مختلف جماعات مین مساوات و اخوت پیدا کرنیکے دعوی اور اسلام و یورپ کے باہمی مُشیر ہین، اس مضمون کو پڑھکر اپنا یہ خیال ظاہر کیا، کہ ایسے مخالف مذہب مضامین کی اشاعت ملک کے لئے مفید نہین!!

الغرض "نفرت" نہ صرف سوسائٹی کیلئے مضرت رسان ہے، بلکہ خود ذات فاعل کیلئے بھی نقصان دِہ ہے، اور فی الحقیقت اس لائق ہے کہ ہر تعلیم یافتہ شخص کی فرہنگ الفاظ سے خارج کردیجائے۔

ایک طالب علم

پنج ذاتین

ہندوستان کی پامال قوموں کی نجات کا مسئلہ اُن چند خاص ضروری و دقیق مضامین مین سے ہے کہ جو باوجود اپنی غیر معمولی اہمیت کے اسوقت تک قوم کی لاپروائی کا نشانہ بنتے رہے ہین۔ اس مسئلہ پر جیسی کچھ کہ توجہ ہونی چاہئے تھی نہین کی گئی اور اسیوجہ سے اسکی پوری اہمیت بھی ابتک عام طور پر واضح نہین ہے۔ مسائل سیاست مُدن اور صنعت وحرفت سے قطع نظر کرکے اسوقت ہمارے تمام قومی مسائل مین کوئی دو ایسے ضروری مضمون نہین ملینگے کہ جیسے فروغ نسوان کی بہتری کا سوال اور سوسائٹی کے اس معطل و معذور جزو کا از سر نو بحال کرنا۔ میرا منشا اسوقت مختصراً یہ عرض کرنے کا ہے کہ اس پامال طبقے کی بالفعل ملک کے مختلف حصون مین کیا کیفیت ہے۔ اسکی نجات کے کیا وسیلے ہین اور اس بارے مین کیا کیا کوششین ہو رہی ہین اور ہمکو کیا کرنا چاہیئے۔

یہ پنج ذاتین ہندوستان کے متفرق صوبون مین مختلف نامون سے مشہور ہین۔ احاطۂ بمبئی مین انکو چامیر و ماہر وغیرہ کہکر پکارتے ہین۔ احاطۂ مدراس مین یہ لوگ پنچمہ و پاریہ کے لقب سے مشہور ہین۔ بنگال مین انکو نامشودرہ کہتے ہین اور ہمارے اطراف مین کوری۔ چمار۔ ڈوم وغیرہ اس طبقہ مین شامل ہین۔ ایک خصوصیت ان سب کے ساتھ یکسان طور سے وابستہ ہے وہ یہ ہے کہ انکا بدن سے چھُو جانا قطعی علامت ناپاکی کی تصوّر کیا جاتا ہے اور قطعی ممنوع ہے۔ مدراس کی طرف یہ بدسلوکی حد کے درجہ تک پہونچی ہوئی ہے وہان ملک کے بعض بعض حصّون مین یہانتک سختی روا رکھی گئی ہے کہ شہرون مین انکے لئے خاص خاص محلے مقرر ہین کہ صرف وہین یہ لوگ رہ سکتے ہین۔ خاص خاص قرونِ کے لئے کچھ فاصلے مقرر ہین کہ اُس سے قریب تر ہوکر اُنکا گذرنا بھی ممنوع و علامت ناپاکی ہے۔ دیہات مین بھی انکو گاؤن سے علٰحدہ کچھ فاصلے پر رہنے کی اجازت ملتی ہے۔ ان لوگون کیلئے صرف چند ذلیل تر پیشے مقرر ہین کہ صرف اُنھین کے ذریعہ سے وہ کسبِ معاش کرسکتے ہین۔ انکے علاوہ کسی کاروبار کی اُنکو اجازت نہین مفلسی کیوجہ سے اُنکی بود و باش نہایت غلیظ اور اسباب زندگی قطعی ناکافی ہوتے ہین پس جسمانی صحت بھی اکثر روی اور نہایت ابتری کی حالت مین پائی جاتی ہے مجز اسکے کہ ان لوگون نے انسان کا قالب توضرور پایا ہے ورنہ ہندو سوسائٹی کی نگاہ مین کیمیطور سے انسانی برتاؤ کے مستحق نہین سمجھے جاتے۔ ان لوگون کا رتبہ ذلیل تر جانورون سے زیادہ ذلیل ہے اُنکی حالت روی تر حالت سے زیادہ روی ہے اور پھر یہ فرقہ کچھ تعداد مین بھی یون ہی سا نہین۔ یہ طبقہ ہندوستان کی پوری آبادی کا پانچوان حصہ اور ہندو سوسائٹی کا چہارم نزدیکار

سے ثابت ہوتا ہے یعنی ۳۰ کرور ہندوستانیون مین سے تقریباً ۶ کروڑ کے نیچ قومون مین شمار کئے جاتے ہین اور ۱۲ کروڑ ہندوؤن مین سے ۵ کرور سے زائد ایسے ہین کہ جنکا بدن سے چھوجانا بھی گناہ و ناپاکی کی علامت خیال کیا جاتا ہے۔ متفرق صوبون مین ان لوگون کی تعداد مختلف ہے بمبئی و پنجاب مین یہ فرقہ تقریباً ۴۰-۴۰ لاکھ کے ہے۔ بنگال متحدہ مین ۱۱ کرور سے زائد و ہمارے صوبے مین ایک کرور تک انکا شمار پہونچتا ہے مگر مدراس کا صوبہ اس ذلت مین سب پر سبقت لے گیا ہے یعنی حیدرآباد۔ مالی سور و ٹراونکور کی ریاستون کو شامل کرکے وہان کی ۵ کرور کی آبادی مین سے عنقریب ۱۱ کرور کے اُن لوگون کی تعداد ہے کہ جو پاریہ و پنچمہ وغیرہ کہلاتے ہین۔ ان سب واقعات کو معلوم کرکے اور اچھی طرح سے غور کرنیکے بعد شاید ہی کوئی ایسے صاحب دل ہون کہ جو اس کیفیت کو قابل رحم نہ خیال کرتے ہون اور بہت کم ایسے ذی ہوش ہونگے کہ جو اصلاح کی ضرورت کو محسوس نہ کرتے ہون لیکن اصلاح کا خیال تبتک کہ کوئی عملی شکل اختیار نہ کرے زیادہ قابل وقعت نہین تو ہر ایک اصلاح کی تحریک کیلئے ضروری ہے کہ پہلے عوام کی راے اُسکی موافقت مین قائم ہو اور مناسب خیالات کی اشاعت کیجاے اور بعد ازان اصلاح مناسب کا عملی شکل مین ظاہر ہونا امر لازمی ہے۔ پس پہلا کام جو ہمین درپیش ہے وہ یہ کہ ان پامال قومون کی نجات کا سوال انکی مفصل کیفیت موجودہ کی بہتری کے طریقے وقتاً فوقتاً عوام کے سامنے پیش کرتے رہین۔ ہر شہر مین اسکے متعلق انجمنین قائم ہون۔ ہر قصبہ مین انکے بارے مین چرچے شروع ہون۔ اخبارات اور رسالون مین انکا تذکرہ برابر شائع ہوتا رہے۔ عام جلسون مین انکی کیفیت بیان کی جایا کرے اور جہان جہان عملی اصلاح کی کوشش ہو رہی ہو اُسکی مالی امداد کافی طور سے کیجاوے۔ اور جب یہانتک کامیابی حاصل ہوجاوے تو اُنکی بہتری کے ذرائع کو عملی شکل مین رائج کرنا امر لازمی ہوگا۔ اسکے متعلق جو کام سب سے پہلے کرنا ہوگا وہ یہ ہے کہ انکی تعلیم کا بندوبست خاطر خواہ کیا جائے۔ جہان جہان ضرورت ہو ہر قصبے ہر گاؤن مین اُنکے لئے مدرسے کھولے جائین۔ انکو ابتدائی تعلیم دیجائے۔ اُنکے لئے ذرائع معاش مہیا کئے جائین۔ انکی ذات کے ساتھ جسقدر ذلت و کمتری وابستہ ہے وہ پھر رفتہ رفتہ خود ہی کم ہوتے ہوتے قطعی رفع ہو جائیگی۔ اسوقت تک اس مسئلے کے متعلق جو کچھ بھی کم و بیش کوششین ہوئین وہ ہمارے اُن عیسائی بھائیون کیطرف سے کہ جنکو ہم اکثر نہایت نامناسب طور سے یاد کیا کرتے ہیں۔ بیشک ایک کافی حصہ ان جماعتون کا جنکو کہ ہم کسی ہندو سوسائٹی مین شامل نہین کرتے (سوائے اُن خاص اوقات کے کہ جب ہماری خود غرضی ہمکو اسپر مجبور کرتی ہے) تبدیل مذہب کرکے عیسائی ہوگیا اور اب اس نئے فرقے کی ہمدردی بھی ہمارے ساتھ قطعی باقی نہین رہ سکتی لیکن یہ کیا مقام شکر نہین ہے کہ کم از کم اُن لوگون کی ایک کثیر تعداد کو کہ جنکو عملی طور سے جانورون کی زندگی بسر کرنی پڑتی تھی گویا از سر نو انسانی تربیہ حاصل ہوا۔ اور اگر انکی ہمدردی ہمارے ساتھ نہین۔ اُنکا بھروسہ ہمپر نہین اور وہ ہم سے بیزار ہین تو یہ سب ہمارا قصور ہے دوسرون کو الزام لگانا اور سزاوار ٹھہرانا مرتکب بے انصافی ہے۔ نہایت فکر کا مقام ہے کہ اب کچھ عرصے سے ہم لوگون کی توجہ بھی اسطرف رجوع ہو چلی ہے اور آثار اچھے نظر آتے ہین تقسیم ۳ سال کے ہوئے کہ بمبئی مین ایک سوسائٹی موسوم

Deprssed classes mission society

قائم کی گئی اور یہ امر نہایت قابل اطمینان ہے کہ یہ انجمن اب خاطرخواہ ترقی کر رہی ہے۔ اسوقت تک دکن کے مختلف اضلاع مین اسکی قریب قریب ایک درجن شاخین قائم ہوچکی ہین ہر شاخ کے ساتھ ایک یا دو مدرسے۔ دواخانے۔ مذہبی سماجون وغیرہ کا انتظام بھی شامل ہے۔ ان مدرسون مین کئی سو طالب علم ابتدائی تعلیم پارہے ہین اور انمین سے اکثر کی علاوہ تعلیم کے اور بھی بہت کچھ امداد کیجاتی ہے اور یہ سوسائٹی اب روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ اسکے معاونین مین کئی والیانِ ملک اکثر بمبئی کے رئیس و مشہور رہبران قوم بھی شامل ہین۔ اس تمام کوشش و ترقی کا باعث اور اس انجمن کی روحِ رواں مسٹر شندے ہین جنکی اولوالعزمی۔ پاک حب الوطنی اور استقلال ملک کے لئے مقام فخر و قابل قدر ہونا چاہئے۔ اور آپ ہی کی ہدایت اور رہبری مین اور بھی چند نیک نیت اور باہمت نوجوان اس کار خیر مین پوری پوری کوشش کر رہے ہین اور اسکو اپنا مقصد زندگی قرار دئے ہوئے ہین کہ جنکی مثال ہم سب کیلئے باعث تقلید ہونی چاہئے۔

یون تو شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا ہوتا ہو کہ جسکے بارے مین اختلاف رائے نہو اور غالباً کوئی تحریک ایسی نہین ہوتی کہ جسکو سبھی پسند کرتے ہون تاہم جہانتک مخالفت واقعی کا تعلق ہے غالباً یہ کہنا بیجا نہوگا کہ اس پامال طبقے کی بہتری اور نجات کی تحریک کے خلاف اسوقت تک بجز ہماری خلقی لاپروائی کے کوئی مخالف کوشش نہین ہو رہی ہے۔ البتہ ایک فرقہ ایسا ضرور ہے جیسا کہ ہر ایک تحریک کے خلاف ہوا کرتا ہے جسکا خیال ہے کہ دنیا مین مفلسی و بیماری۔ ذلت و خواری۔ مصائب و پریشانی۔ برائی اور گناہگاری ہمیشہ رہی ہے اور تا قیامت رہیگی۔ پس اصلاح کی کوشش بجز تباہی وقت اور کچھ معنی نہین رکھتی اس لاپروائی اور کم ہمتی کا جواب بجز خاموشی اور کیا ہوسکتا ہے اگر ازل سے مصلحان قوم نے اس اعتراض پر دھیان کیا ہوتا تو غالباً دنیوی مکروہات مین اسقوت اصلاح کا شائبہ بھی نظر نہ آتا۔ دوسرا فرقہ ایک ایسا بھی ضرور ہے کہ جو دبی زبان سے اپنے خوفون کا اظہار یون کیا کرتا ہے کہ ان پنج ذاتون کو تعلیم دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اپنے حقوق سے آگاہ ہوجاوین اور اُنکے حاصل کرنے پر پُرعزم ہون ہمسے دولت مین حصہ بٹائین اور ہمسری کا دعویٰ کرین۔ ایسے انقلاب عظیم سے نظام قومی کا درہم و برہم کرنا اور اس فتنۂ خوابیدہ کو جگانا کسی حالت مین واجب اور مناسب نہین ہمین افسوس ہے کہ ہم ان احباب سے شرکت غم نہین کرسکتے اور مقام شکر ہے کہ اس خودغرضی و بزدلی کے خیالات اب روز بروز کم ہوتے جاتے ہین اور انکے معدوم ہونے کی اُمید روز بروز قوی تر ہوتی جاتی ہے۔ البتہ ان اصحاب سے قطع نظر کرکے ایک کافی گروہ تعلیم یافتہ احباب کا ایسا بھی ضرور ہے کہ جو اصلاح کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور جسمین ہمدردی کا خیال بھی موجود ہے۔ تاہم اُسکی رائے مین غالباً ناواقفیت کیوجہ سے یہ مضمون ایسا اہم نہین ہے کہ جیسے بعض اور پولیٹکل یا اکانمک مسئلے۔ میری رائے عاجز اس باب مین قطعی طور سے یہ ہے کہ ہماری موجودہ حالت مین جسقدر ہے کہ ملکی معاشرتی۔ اقتصادی یا اخلاقی بہتری کے مسائل ہمارے روبرو ہین وہ سب یکسان طور پر نہایت ضروری و لازمی ہین ہم ایک کو دوسرے پر ترجیح دیکر پورا فائدہ ہرگز نہین اُٹھا سکتے کیونکہ انمین سے ہر ایک دوسرے سے اسقدر وابستہ ہے کہ اُسکا قطعی علیحدہ

کرنا غیر ممکن ہے تخمیلاً ایسی پامال قومون کے مسئلہ پر اگر غور کیا جاے تو معلوم ہوگا کہ یہ صرف شوسل اصلاح ہی کا سوال نہین بلکہ اسکا تعلق ہماری اقتصادی وملکی ترقی سے بھی بہت کچھ ہے۔ کیا ملک کی ۳۰ کرور کی آبادی مین سے ایسی کثیر التعداد اور جسیم جماعت پر کہ جسکا شمار ۱۰ کرور سے زائد ہو ہر قسم کے پیشہ وتجارت کا دروازہ قطعی بند کر دینا۔ اسقدر جسمانی و دماغی قوت کو جو نشوونما پانیکی قابلیت رکھتی ہو معطل و بیکار ڈال رکھنا کیا ہمارے مالی نقصان کا سبب نہین۔ جبوقت یہ جسیم جماعت پوری واقفیت وکوشش کے ساتھ صنعت وحرفت کے میدان مقابلہ مین آکر فتحیابی کی کوشش مین مشغول ہوگی بلاشک وہ دن تجارتی دنیا مین حیرت انگیز تغیر وتبدل کا نظارہ پیش کرے گا۔ اسیطرح اگر ہم اسکے پولیٹکل پہلو کے طرف توجہ کرین تو بھی اسکی اہمیت بہت کچھ ثابت ہوگی۔ ہمارے وہ دوست جو پولیٹکل آزادی کی دھن مین از خود رفتہ ہو رہے ہین اور ایسے مسئلون کو جیسے یہ زیر بحث سُنکر آسانی سے ٹال دینے ہین لارڈ مارلے صاحب کی اُس تقریر کو کہ جسمین اُنھون نے اس مضمون کیطرف اشارہ کیا ہے نکو توجہ کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہئے اور اُس تلخ ابی سے کچھ سبق حاصل کرنا چاہئے۔ اُن لوگون کو کہ جو یہان اپنی نیچ ذاتون کے پامال رکھنے کے حامی۔ اُنپر ہر ایک ظلم وتشدد روا رکھنے کے مجرم اور اُنکی بہتری اور نجات کی تحریک کے مخالف ہین اور پھر یہی نہیں بلکہ غیرون سے اپنے حقوق مانگتے اور پولیٹکل آزادی کے خواہشمند ہین لحظہ بھر یہ سوچنا چاہئے کہ کیا کوئی غیر شخص اُنکے حقوق کی پروا کریگا کہ جب وہ خود اپنے عزیزون کے حقوق کی پروا نہین کرتے۔ کیا اُنکی آہ وبکا کا کچھ اثر ہوگا کہ جب وہ خود اورون کی فریاد سے متاثر نہین ہوتے۔ یہ امر غور طلب ہے اور اسکا جواب آسانی سے نہین دیا جا سکتا۔ علاوہ بریں حضرات! ہماری سوسائٹی کا وہ درمیانی طبقہ کہ جو صدیون سے اب تک تمام جسمانی ودماغی مشقت وکاہش کا برباد ہوا۔ جسنے یہانتک قومی زندگی کی منزل کو اُفتان وخیزان بُرے یا بھلے طور سے طے کیا اب قطعی ماندگی وعاجزی کے آثار ظاہر کر رہا ہے۔ اسکو اشد ضرورت ہے تازے خون کی کہ جو اسکی اصلی حرارت وقوت کو از سر نو قائم کرے اور پھر ایکبار نئی روح پھونکے۔ اسمین ایجاد واختراع کا مادہ محنت ومشقت کا حوصلہ اور تہذیب وشائستگی کے ارمان پیدا کرے کیونکہ بیزان اوصاف کے تمدنی جدوجہد کی راہ لانا غیر ممکن ہے۔ جسکے معنی یہ ہین کہ سوسائٹی کا وہ معطل جزو کہ جو اسوقت تک چیرۂ معذور رکھا گیا بحال کیا جاے کہ جو اپنی ہمت سے عاجزاوماندونکو تازگی بخشے اور منزل مقصود تک لیجاے غرضکہ کسی پہلو سے بھی غور کیا جاوے اس مسئلہ کی اہمیت قطعی ثابت ہے پس جو لوگ کہ ملکی بہتری کے خواہان وقومی خدمت کے دعویدار ہین اُنکا اسطرف توجہ کرنا اور اس کار خیر مین امداد وفداکاری عین فرض ہے۔ فقط

کشن پرشاد لول

میکسیکو کی تباہی

مجھے اس بات کا شوق ہوا کہ نئی دنیا کا پتہ لگنے سے پہلے وہان کے لوگون کا حال معلوم ہو کہ وہ کس حالت مین تھے۔ یورپ کے مورخین کے اقوال پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ سب وحشی و مردم خوار تھے اور پھر یہی لوگ یہ بھی لکھتے ہین کہ امریکہ کے شمال و مغرب مین تقریباً پچیس کوس کے فاصلہ پر ایشیا ہے۔ ایشیا سے لوگ یہ کر ادھر نکل آئے ہین اور آئسلنڈ مین کلمبس سے سیکڑون برس پیشتر یورپ سے لوگ پہونچ گئے تھے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایشیا اور یورپ سے جو لوگ وہان گئے، سب مردم خوار تھے اور وہان پہونچنے سے پہلے بھی وحشی تھے ورنہ یہ بات نہایت مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ انسان مین مدنیت نیچے بعد بھی آکر وحشی و مردم خوار ہو جانا ممکن ہے۔

کس زمانے سے یہ لوگ امریکہ مین ہین اس مسئلہ کے متعلق بعض لوگ یہ بیان کرتے ہین کہ غالباً پہلے پچیس کوس کا بھی فاصلہ پرانی اور نئی دنیا کے درمیان نہ تھا اور زمین متصل تھی۔ اسیطرح آئسلنڈ کیطرف بھی امریکہ اور یورپ مین اتصال تھا۔ اور بعض لوگ یہ احتمال کرتے ہین کہ شمال کیطرف اتصال ارض اگر تھا تو وسط مین بھی ممکن ہے کہ ہو اور دلیل اُسپر یہ کہ جزیرے بکثرت قریب قریب وسط مین پڑتے ہین۔ ایک زمانہ مین یہ سب ایک ہونگے اور یہان سے وہان تک خشکی کی راہ ہوگی۔ لیکن کرۂ ارض پر اتنا بڑا انقلاب کہ زمین دریا ہو جاے اور دریا زمین ہو جاے اسکو بھی ہزارون ہی برس چاہئے اور یہ کسی طرح یقین نہین آتا کہ ہزارون برس انسان وحشی رہے اور اُسمین باوجود مدنی الطبع ہونے کے مدنیت نہ آئے۔ دو ایک ملکون کا نام لیا جاتا ہے کہ اُنمین کچھ مدنیت تھی مگر مردم خوار وہ بھی تھے۔

افسوس اس بات کا ہوتا ہے کہ اندلس کے لوگ جب امریکہ پہونچے ہین تو میکسیکو مین بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ وہ سب کتابین ایک میدان مین ڈھیر لگاکر آگ لگا دی گئی اور تمام اُنکے تاریخ و علوم کو خاک مین ملا دیا۔ میکسیکو کے حالات بچشم دید جو کچھ اہل اندلس نے لکھے ہین وہ بھی عجیب و غریب ہین۔ یہ ایک کوہستانی ملک ہے سمندر سے آٹھ سات ہزار فٹ کی بلندی پر۔ یہ سارا ملک ایک وادی وسیع ہے جسمین بڑی بڑی جھیلین ہین۔ اس وادی کو قوم ازٹیک نے آباد کیا۔ مورخون نے اتنا پتہ لگایا ہے کہ یہ لوگ امریکہ کے شمال و مغرب کی جانب سے اس وادی مین آکر بس گئے تھے اور تباہی میکسیکو سے تین سو برس پیشتر سے اس ملک پر قابض تھے۔ مغول و تاتار سے ان لوگون کو بہت مشابہت تھی اوائل مین مدنیت ان مین بھی تاتاریون کی طرح مدتون صحرانشین و خانہ بدوش رہے۔ اس قوم مین تمدن کس زمانہ سے تھا اسکا ٹھیک حال نہ معلوم ہوا لیکن جو سنہ کہ انکے یہان جاری تھا اُسکی ابتدا ۱۰۹۱ء کے مطابق ہے۔ جب ان لوگون نے شہر بسائے اور تمام قومون پر غلبہ حاصل کیا تو ایسی شاندار سلطنت قائم کی جسے مورخین سلطنت روم سے مشابہت دیتے ہین۔ انکی عمارتین نہایت عالیشان تھین۔ انکے مندر اہرام مصر سے ہمسری کرتے تھے۔

انکا دارالامارۃ یورپ کے شہرونمیں سے بہت مشابہ تھا۔ انکے کشت زار و پالیزو بساتین پانی پر تیرتے پھرتے تھے۔ پانی پر سیکڑون گز تک لکڑیان پہلے بچھا دین پھر اُسپر زرا زرا مٹی وال دی۔ پھر تخم افشانی کردی۔ اس کھیت کو سینچنے کی ضرورت بھی نہ ہوتی تھی جھیل کا پانی لکڑیون کے نیچے سے درختون کی جڑون تک پہونچتا رہتا تھا جب چاہو کھیت کا کھیت ادھر سے اُدھر کھینچ کرلے جاؤ۔

پہلے چھوٹی چھوٹی ریاستین تھین اور آپسمین جدال وقتال ہمیشہ رہتا تھا جب سے چند ریاستون نے باہم معاہدہ کیا اور اتفاق پیدا ہوا۔ ملک وسیع ہونے لگا اور قوم مین برکتین نمایان ہوئین۔ قوانین سیاست نافذ ہوئے۔ خونی کو قتل زانی کو سنگسار کرتے تھے چور سے غلامی کرواتے تھے یا قتل کرڈالتے تھے لیکن غلام تک کا قتل کرنا جائز نہ تھا۔ ملک کا بڑا قاضی ایسا مقتدر ہوتا تھا کہ بادشاہ بھی اُسکے فتوی کا تابع تھا مگر رشوت لیتے پر قاضی کو قتل کرنا قانون ملک تھا۔ بڑا قاضی بادشاہ کا مقرر کیا ہوا ہوتا تھا اور اُسکے ماتحت ہر ہر ضلع مین قضاۃ و حکام رعایا کے انتخاب کئے ہوئے تھے۔ اسیران جنگ اکثر قتل ہی کئے جاتے تھے محتاج و دانہ زد لوگ اپنے تئین غلامی مین دے سکتے تھے اور اپنے بچون کو بیچ ڈالنے کا اختیار رکھتے تھے۔ سرکاری خراج ادا کرنے مین جو لوگ قصور کرتے تھے وہ بیچ ڈالے جاتے تھے۔ حدود مفتوحہ مین فوج رہتی تھی کہ بغاوت رعایا کا تدارک کرتی رہے۔ ڈاک کا انتظام حیرت خیز تھا کہ سو کوس تک ایک دن مین خبر پہونچ جاتی تھی۔ پیک تیز رفتار بچپن سے مشق کئے ہوئے اس خدمت پر مامور ہوا کرتے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ڈاک خانے تعمیر کئے ہوئے تھے۔ ایک ڈاکخانہ سے دوسرے ڈاکخانہ تک قاصد دوڑتے تھے۔ وہان پہونچ کر دوسرے قاصدون کے حوالے نامے اور رسالے کردیتے تھے اور یہ سلسلہ سیکڑون کوس تک پونہین جاری تھا۔ خلیج میکسیکو سو کوس کے فاصلے پر تھی پھر بھی ہر روز تازی مچھلیان دسترخوان امرا پر پہونچ جاتی تھین۔ بڑے بڑے شہرون مین دارالشفائین بنی ہوئی تھین۔ جابجا نھانے اور کپڑا بننے کی کارگاہین قائم تھین کاغذ بنانا بھی جانتے تھے۔ اور چمڑے پر بھی لکھتے تھے۔ شہرون مین حمام گرم رہتے تھے۔ لڑائی ان لوگون مین جزو دینی سمجھی جاتی تھی۔ مرد جنگ جو و سلاح شور کو علمائے دین کے مرتبہ مین سمجھتے تھے۔ بادشاہ کا انتخاب گو خاندان شاہی سے ہوا کرتا تھا لیکن پھر بھی نامور ی و معرکہ آرائی و فتوح بلدان کے شرائط اُسکے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ جب ان شرطون کو وہ پورا کرلیتا تھا تو تاج شاہی کے پہننے کا استحقاق اُسے ہوتا تھا۔ محصل و عمال بڑے ظالم تھے اور رعایا ناراض تھی۔ اندلس والون سے اُنکے مغلوب ہوجانے کا بڑا سبب یہی تھا کہ اکثر شہرون کی رعایا دشمن کی کمک پر تھی۔ اُنکا طرز تمدن و انداز حکومت و رسم الخط فراعنۂ مصر کے زمانہ سے بہت مشابہ تھا۔ بڑے نجومی تھے۔ زائچہ بنانا جانتے تھے۔ مدار آفتاب کا بہت صحیح حساب لگاتے تھے۔ معدل النہار و نصف النہار و میل کلی کو پہچانتے۔ سورج گہن کی علت سے اور چاند کی حیلولت سے واقف تھے۔ دھوپ گھڑی بنانا جانتے تھے۔ خدا سے بے خبر تھے اُسے دانا و توانا و خالق و عالم الغیب سمجھتے تھے۔ کتابون مین یہ نقل رہ گئی ہے کہ ایک ضعیفہ اپنی جوان بیٹی کو نصیحت کرتی ہے کہ خبردار رخسارون پر غازہ لگانے کی، ہونٹون کو رنگین کرنیکی

عادت نہ ڈالنا کہ یہ طریقہ عصمت داروں کا نہیں ہے۔ تم اپنی عصمت کا خیال رکھنا اور اپنے شوہر کی اطاعت کرنا۔ یہ نہ سمجھنا کہ فعل بد کی کسی کو خبر نہ ہوگی۔ خداوند عالم جو ہر جگہ موجود ہے اور ہر بات کو دیکھ رہا ہے۔ اُسکا خوف کرنا اور اپنے باپ دادا کی عزت کو دھبہ نہ لگانا۔ مگر خدا کے علاوہ اور بھی کئی سو اُنکے معبود تھے ان سب مین بزرگ تر مریخ کو سمجھتے تھے۔ اسکے بعد ایک اور شخص ہے ہوا کا مالک فصلون کا بدلنے والا میووں کا پیدا کرنے والا۔ وہ زمین پر بھی آچکا ہے اور کشت کاری و اختراع معاون سیاست مدن وہی تعلیم کر گیا ہے۔ رنگ اُسکا گورا ہے اور مُنہ پر داڑھی ہے اور سر پر خود ہے۔ وہ یہان سے مشرق کیطرف گیا ہوا ہے اور پھر آنے کا وعدہ کر گیا ہے اور بادشاہی روئے زمین کی بشارت دے گیا ہے۔ اندلس کے لوگ جب وہان پہونچے تو امریکہ والون نے یہ سب علامتین اُنمین پائین اور اہل اندلس کو اُسکی اولاد مین سمجھے۔ ساری قوم اُسکے آنے کی اسیطرح منتظر تھی جسطرح ہندوؤن کو ایک اوتار کے ہونے کا انتظار ہے یا جسطرح یہود کو ایک پیغمبر کا یا جیسے نصاریٰ کو حضرت مسیح کا یا مسلمانونکو امام مہدیؑ کا۔ ایک بُت کی کمر مین سانپ لپٹا ہوا تھا جسطرح ہندوؤن کے ایک بت کو سانپ لپٹے ہوئے ہین۔ ایک عورت کی مورت بھی انکے مندرون مین تھی اور اُسکے ساتھ بھی سانپ تھا۔ وہ لوگ اس عورت کو مان کہتے تھے اور کہتے تھے دُنیا کی تمام آفتین اور گناہ اور موت اسی مان کے سبب سے ہم سب کو جھیلنا پڑین۔ جسطرح اہل کتاب حضرت حوا کو کہتے ہین۔ اُنکا اعتقاد یہ تھا کہ عالم کے چار جگ کئی کئی ہزار برس کے گزر چکے ہین ہر جگ کے ختم ہونے پر انسان کی نسل دُنیا سے منقطع ہو جاتی ہے اور آفتاب بے نور دوسرا جگ شروع ہوتا ہے تو پھر آفتاب مین نور آتا جاتا ہے اور از سر نو انسان پیدا ہوتے ہین۔ اُنکا عقیدہ تھا کہ بدکار مرنے کے بعد ظلمات ابدی مین گرفتار رہتا ہے اور شہدا اور مجاہدین کی روحین آفتاب مین پہونچ جاتی ہین اور وہان سے بہشت کی راہ پاتی ہین۔ یہ لوگ بھی ہندوؤن کی طرح اکثر مردہ کو جلا دیتے تھے۔ ہر ایک معبد مین کثرت سے موبد مقرر تھے اور آتوبن معین تھین۔ اُن سب کو جاگیرین سرکار سے ملی تھین۔ لڑکون اور لڑکیون کی تعلیم بھی انھین مندرون مین ہوا کرتی تھی لکھنا پڑھنا سکھانے مین نہایت جبر کرتے تھے ہر روز دن بھر مین تین دفعہ اور رات کو ایک دفعہ سب پوجا کرتے تھے معبود بکثرت اور ہر ایک کی پرستش کے لئے ایک ایک دن مخصوص۔ یہ نوبت تھی کہ رسوم مذہبی کے بجا لانے سے اتنی مہلت نہ ملتی تھی کہ امور دنیاوی مین مصروف ہون۔ غیر قومون سے جنگ اکثر اسواسطے ہوتی تھی کہ قیدی ہاتھ لگین۔ لڑائی مین قتل کرنے سے زیادہ اسیر کرنے کی خواہش کرتے تھے۔ ہر سال ہزارون قیدی مندرون مین بھیٹ دئے جاتے تھے۔ نقل ہے کہ ایک بڑا مندر جب پہلے پہل تعمیر ہوا ہے تو ستر ہزار قیدی جو مدت سے اس دن کے لئے بلا دمکسیکو مین جابجا جمع کئے گئے تھے اس معبد مین قربانی کئے گئے۔ ہر ایک بُت خانہ مین قربانی کے خاص خاص طریقے اور علیحدہ علیحدہ رسمین تھین۔ اُنکا عقیدہ تھا کہ جسکی قربانی ہوتی ہے وہ حیات ابدی پاتا ہے۔ اسی سبب سے قیدیون کے علاوہ خود اپنے نفوس کو اور اپنی اولاد کو قربانی کیا کرتے تھے۔ کھوپریان تبکدون مین جمع رہتی تھین۔ ایک شخص کی قربانی کا حال موترخون نے بیان کیا ہے کہ اُسے قیدیون مین سے انتخاب کرکے کسی بہشت

کے نامزد کیا مدت تک اُسکی تعظیم و مدارات بلکہ پرستش کرتے رہے۔ چار حسین عورتین نوجوان اُسکی خدمت مین دین اور اس شرف کے حاصل ہونیسے وہ عورتین بھی سزاوار تعظیم و پرستش سمجھی گئین۔ عید قربان جب آئی تو بُت خانہ مین لے جاکر قربان گاہ مین اُسے لٹایا۔ کوئی اُسکا سر کوئی ہاتھ کوئی پاؤن پکڑے ہوئے تھا کہ اضطراب نکرے۔ ایک شخص نے بڑھکر اُسکا سینہ چاک کرکے فوراً دل نکال لیا اور بُت کے قدمون پر ڈال دیا۔ ان لوگون مین قربانی کا گوشت کھانا رسم مذہبی تھی جسطرح سال مین ایک دفعہ چین کے لوگ کُتے کا گوشت اور یورپ والے سور کا گوشت کھانا جزو مذہب سمجھتے ہین۔ مندر اُنکے بہت بلند ہوتے تھے اور اُسکے کئی طبقے ہوتے تھے۔ قربانگاہ اوپر والے درجہ مین ہوتی تھی قربانیون کی سیر سارا شہر گھر بیٹھے دیکھا کرتا تھا ہر بت خانہ مین آتشکدۂ گبر کی طرح ہر وقت آگ روشن رہتی تھی۔ ایک مندر کی بلندی تاریخ مین ایکسو اسی فٹ لکھی ہے۔ انکے مندرون مین بھی سنکھ پھُنکتے تھے اور سلام کرنیکا طریقہ بھی ہندوؤن کے سلام سے مشابہ تھا۔ یہ سب لوگ بُت پرست۔ آتش پرست۔ آفتاب پرست اور صلیب پرست تھے۔ خدا کو مانتے تھے لیکن اُسکی عبادت کا کوئی طریقہ مقرر نہ تھا۔ موحد تھے لیکن مشرک فی العبادت۔

اکثر کھنڈرون مین بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے زبانِ حال سے کہہ رہے ہین کہ بڑی دُور سے یہ پتھر یہان لائے گئے ہین اور بڑی بڑی چڑھائیان اور ندیان راہ مین پڑی ہین۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فن جرثقیل سے یہ لوگ بیگانہ نہ تھے۔ باغ لگانے مین اور زراعت کرنے مین اور جڑی بوٹی کے افعال وخواص پہچاننے مین یہ لوگ کسی سے کم نہ تھے۔ بعض بعض نباتات سے شراب بھی نکالتے تھے لیکن اُسکا پینا بوڑھون کیلئے مباح اور جوانون کیلئے ناجائز تھا۔ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ سیسہ۔ ٹین کان سے نکالتے تھے اور برتن بناتے تھے برتنون پر گنگا جمنی کام ایسا نفیس کرتے تھے کہ اندلس کے سُنارون نے اعتراف کیا کہ ہملوگ ایسا کام نہین بنا سکتے۔ سونے کے پتر باریک کرکے اُسکے کپڑے بناکر پہنتے تھے۔ لوہا پہاڑون مین کثرت سے تھا مگر قدیم زمانے کے مصریون کیطرح یہ لوگ بھی لوہے سے کام لینا نہ جانتے تھے اور یہی امر اُنکی تباہی کا باعث ہوا۔ تانبا اور رانگے کو ملاکر برنجی ہتھیار۔ اوزار اور آلات بنایا کرتے تھے اور آتشین پہاڑون مین اوبسیڈین ایک چیز ہوا کرتی ہے جو شیشہ سے مشابہ ہے مگر نہایت سخت ہے۔ اُسکی تلوارین بناتے تھے۔ طیور کے پرون سے اور خرگوش کے بالون سے ایسا نفیس کپڑا بنتے تھے جسکی نظیر دُنیا مین کمین نظر نہین آتی۔ تجارت وہ لوگ اسقدر آزادانہ کرتے تھے کہ جس مین شان امارۃ پائی جاتی تھی۔ اُس قوم مین تاجر محض تجارت کے لئے شہر بشہر نہین پھرتے تھے بلکہ اپنی قومی سلطنت وسیع کرنے کے لئے جاسوسی بھی کرتے تھے اور تاجر مشیر سلطنت سمجھا جاتا تھا۔

یورپ کیطرح اُنکی محفلون مین بھی زن و مرد ملکر نا چتے تھے۔ ہر ایک جلسہ مین عورتین نئی سنوری۔ نکھری ہوئی موتیون کے چھپکے اور بڑاؤ سیس پھول چوٹیون مین لگائے مردون کے ساتھ شریک ہوا کرتی تھین۔

اتفاق کی خوبی سے یہ لوگ ایسے باخبر تھے کہ میکسیکو کے راجہ نے اپنے قرب و جوار کے تمام رجواڑون سے عہدنامے لکھوائے تھے کہ ہمیشہ جنگ و جدال مین باہم شریک و معین رہینگے اور ممالک مفتوحہ کو آپسمین تقسیم کرلیا کرینگے۔ اُس قوم مین یہ عہدنامہ نہایت حیرت انگیز چیز تھی۔ اس سے بڑھکر امیر

حیرت انگیز ہوا کہ سو برس تک برابر جنگ و جدل مین کسی سے خلاف عہد نہین ہوا اور نہ تقسیم غنائم و ممالک مین نااتفاقی ہونے پائی۔ اس اتفاق سے بہت جلد دریا کے اس ساحل سے اُس ساحل تک اس قوم کی بادشاہی پھیل گئی لیکن ٹلاسکالا ایک ملک تھا جہان دوسو برس سے سلطنت جمہوری قائم تھی اور باوجود اس اتفاق کے بھی قوم ازٹیک نے اس ملک مین دخل نہ پایا تھا۔

میکسیکو کا راجہ خودسر تھا۔ قانون بنانے کا اختیار نام اُسکو حاصل تھا لیکن ریاست تیزکوکو مین جو دوسرے درجہ کی سمجھی جاتی تھی۔ ایسی خودسری بادشاہ کو حاصل نہ تھی۔ یہان ہر تیسرے مہینہ تمام ملک کے حکام دارالامارہ مین جمع ہوتے تھے اور باتفاق معاملات اہم کا فیصلہ کرتے تھے اور امور ملکی مین بلوشا اُنکے مشورہ سے کام کرتا تھا۔ یہ لوگ بارھوین صدی عیسوی کے آخر مین اس وادی مین داخل ہوئے اور جھیل کے مشرقی ساحل پر میکسیکو کے مقابل شہر تیزکوکو بسایا۔ مورخین کہتے ہین کہ ریاست تیزکوکو امریکہ مین اُس مرتبہ کی تھی جیسے یورپ مین یونان۔ میکسیکو والے سامان شان و شوکت و ریاضیات و ترقیل مین بہت ممتاز تھے لیکن اس بات کے معترف تھے کہ شعر و فلسفہ و تاریخ و ہیات و اخلاق و سیاست مین تیزکوکو والے اُنسے بہت بڑھے ہوئے ہین۔

اس ریاست کے فرمانرواؤن مین نیزاہوال کویوتل آخری زمانہ مین ایک راجہ گزرا ہے جو بڑا شاعر و فلسفی اور مدبر اور جری تھا۔ اُسکے ملک مین کہین بیکار زمین نظر نہ آتی تھی۔ ہر جگہ زراعت تھی یا عمارت تھی۔ اُسنے ایوان شاہی کو اسقدر وسیع کیا تھا کہ تمام کچہریان محکمے سفارت خانے دارالشوریٰ وغیرہ سب اُسمین سما گئے۔ اس عمارت کی لمبان پورب پچھم بارہ سو چونتیس گز اور اُتر دکھن نو سو اٹھتر گز کی چوڑان تھی۔ دو لاکھ معمار و مزدور اسمین کام کرتے تھے۔ یہ عمارت بھی اندلس والون نے تاراج کی۔ اُسکی لکڑی اور پتھر ابھی تک گرجے تعمیر ہوا کرتے ہین۔ یہ بادشاہ بڑا قانون گو تھا۔ اسنے اپنے ملک کے لئے جو قانون بنایا تھا وہ خون سے لکھا گیا تھا۔ یہ قانون ایسا مقبول ہوا کہ میکسیکو والون نے بھی اپنے ملک مین اُسے جاری کیا۔ انتظام ملک کے لئے الگ الگ اہل کنگاش اسنے مقرر کئے تھے۔ کنگاش عدل۔ کنگاش حرب۔ کنگاش ملکی وغیرہ۔ ہر مجلس کنگاش مین اُمرا کیساتھ رعایا مین سے بھی چند شخصون کو شریک ہونیکا اور رائے دینے کا حق تھا اور امرا مین چودہ شخص راجہ کے خاص مشیرون مین تھے۔ ایک انجمن اس کام کے لئے مقرر تھی کہ ملک مین صنعت و حرفت کو پھیلائے اگر کوئی شخص کسی علم و فن مین کچھ تصنیف کرے تو اُسے لازم تھا کہ شائع کرنے سے پہلے اس انجمن مین پیش کرے۔ اگر وہ تصنیف قابل انعام ہو تو اُسے انعام دیا جاے۔ اس انجمن مین بلا لحاظ مرتبہ و خاندان و ثروت تمام مشاہیر علما و ماہرین فن مقرر تھے۔ سال مین تین بار اسی شاہی ایوان مین مجلس وعظ ہوا کرتی تھی جسمین خود راجہ اور اُسکی تمام اولاد و ازواج مسکینون کا لباس پہنکر شریک ہوا کرتے تھے اور وعظ سُنکر تمام اہل مجلس روتے ہوئے اُٹھتے تھے۔

ایک بلند پہاڑ پر خاص ایوان شاہی تھا اور اسی مین راجہ اکثر ہوا کرتا تھا۔ کوسون پشتے بنا بنا کر اُس پہاڑ پر پانی پہونچایا تھا جس سے تمام باغ سیراب ہوا کرتا تھا۔ اس باغ مین سنگ مرمر کی ترشی ہوئی تصویرین جا بجا نصب تھین۔ پہاڑ پر چڑھنے کیلئے پتھر کو تراش کر سیڑھیان ایسی مصفا بنائی تھین کہ آئینہ کیطرح اُنمین عکس پڑتا تھا۔ یہ راجہ بڑا کریم النفس و خوش اخلاق تھا۔

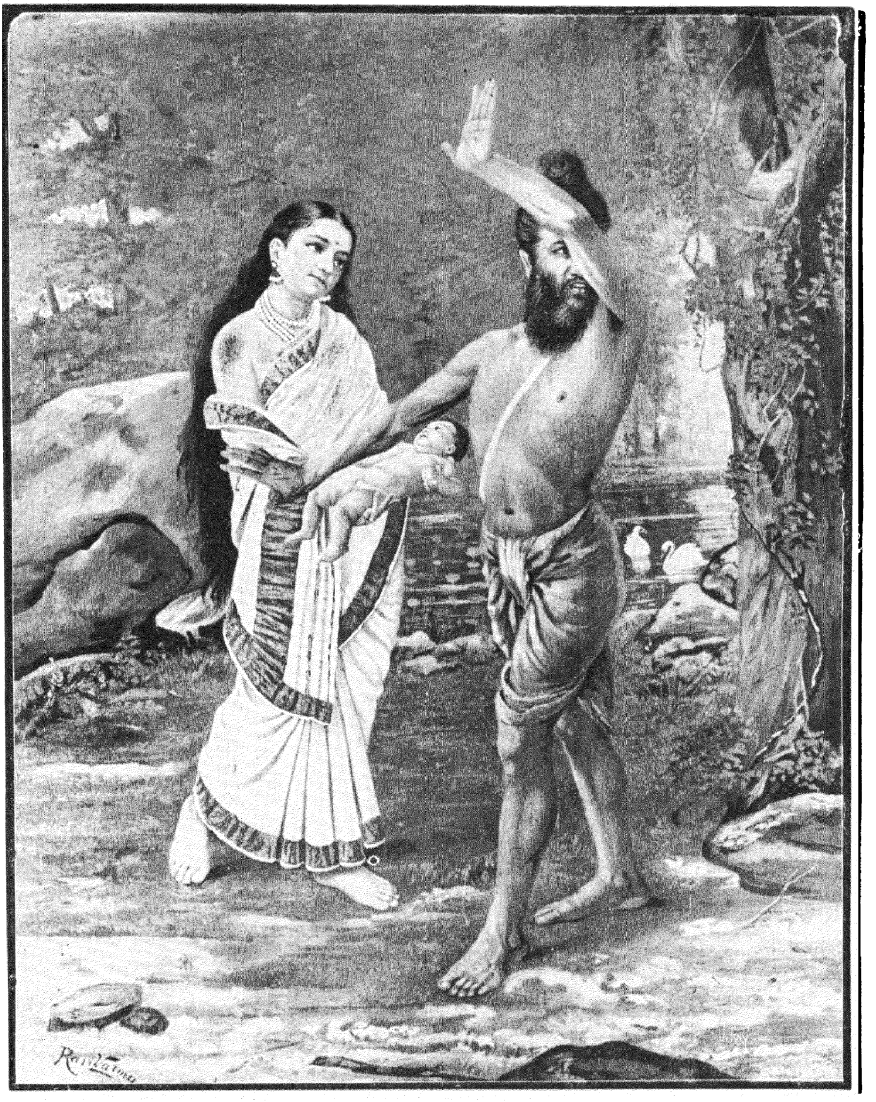

ولادت سکنتلا

انڈین پریس الٰہ آباد

راتون کو بھیس بدل بدلکر رعایا کی خبر گیری کرتا تھا۔ بُت خانون سے انسانی قربانی اُسنے اپنے ملک سے اُٹھا دی تھی۔

نقل ہے کہ راجہ کے یہان کوئی لڑکا نہین ہوا تھا موبدون نے کہا کہ جبتک تبلکہ مین انسانی قربانی نہوگی فرزند نہوگا۔ غرضکہ اُنکا افسون چل گیا اور پھر قربانی ہوئی مگر بے نتیجہ رہی۔ اسپر نیز اہو لکو یوٹل نے کہا کہ یہ لکڑی اور پتھر کی مورتین بھلا کیا مراد دینگی۔ اس عالم کا خالق جو سب کی نظرون سے چھپا ہوا ہے۔ مین اُسکی ذات پر بھروسہ کرتا ہون اور اُسی سے مراد لونگا۔ یہ کہکر پہاڑ پر چلا گیا۔ چالیس دن تک روزے رکھے اور دعا مین مشغول رہا۔ چلّہ کھینچنے کے بعد خواب دیکھا کہ تیری دعا قبول ہوئی اور ایسا ہی ظہور مین بھی آیا۔ اب اُسنے باآواز بلند بُت پرستی کی مذمت شروع کی امرا اور رعایا کو اپنی رائے کے ساتھ متفق کیا۔ ایک عبادت گاہ نہایت عالیشان تعمیر کی جسمین نو آسمانون کیطرح نو طبقے تھے۔ اوپر والی چھت کا رنگ سیاہ رکھا تھا جسمین فلزات کے بنے ہوئے ستارے چھٹکے ہوئے تھے۔ نہ اُسمین کوئی بُت تھا نہ قربان گاہ۔ نہ کچھ نذر ہوتی تھی نہ نیاز۔ عود جلایا جاتا تھا اور پھول چڑھائے جاتے تھے۔

اس عبادت گاہ کا نام معبد خدائے غیر مرئی یا عبادت خانہ علۃ العلل اُسنے رکھا تھا۔ اسکو تلقین عقائد و اصلاح مذاہب کا زمانہ بہت کم ملا۔ جام توحید پیئے ہوئے آٹھ نو برس سے زیادہ نہین گزرے تھے کہ پیالۂ عمر اُسکا لبریز ہوگیا۔ مرتے وقت اپنے لڑکے کو بُلاکر وصیت کی کہ خدائے غائب کی عبادت کو کبھی ترک نہ کرنا۔ ایک زمانہ آئیگا کہ تمام روے زمین پر اُسکی عبادت ہوگی۔ بہتر برس کی عمر مین تینتالیس برس فرمان روائی کرکے یہ خداشناس راجہ جسکا مثل نئی دنیا مین نہوا ہوگا راہی ملک بقا ہوا۔ بڑا باذل و کریم النفس تھا۔ رعایا کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھتا تھا غرضیکہ جو زیادہ قیمت دیکر چیزین مول لینا اسکی عادت مین داخل تھا۔

یہ سب حالات وہ ہین جو یورپ کے مورخین نے لکھے ہین اور اس سے ظاہر ہے کہ مدنیت اُن لوگون مین اندلس والون سے کسیطرح کم نہ تھی۔ بلکہ بہت سی باتین اہل اندلس وہان سے سیکھکر آئے جو تمام یورپ مین پھیل گئین۔ بڑا اعتراض اُنپر یہ ہے کہ اسیران جنگ کو بھون کر کھا لیتے تھے لیکن جس چیز نے اُنھین تباہ کر دیا وہ یہ ہے کہ لوہے اور باروت کے استعمال سے ناواقف تھے۔

علی حیدر طباطبائی

ولادت سکنتلا۔ بسوامتر ایک زبردست عابد تھے۔ جب اُنکی عبادت درجۂ قبول تک پہونچگئی تو راجہ اندر کو خوف ہوا کہ دیوتاؤن کے دستور کے مطابق بسوامتر کو میرا درجہ بخش دیا جائے گا۔ اسی خیال سے اُنھون نے بسوامتر کو بہکانے اور اُنکی ریاضت مین خلل ڈالنے کے لئے اپنے پرستان کی ایک پری بھیجی جسکا نام مینکا تھا۔ یہ پری اپنی کوشش مین کامیاب ہوئی اور اسکے بطن سے ایک حورِوش لڑکی پیدا ہوئی جو سکنتلا کے نام سے ایتک شہرۂ آفاق ہے۔ جب سکنتلا پیدا ہوئی تو مینکا اُسے بسوامتر کے پاس لیگئی۔ بسوامتر نے اُسے دیکھکر جس انداز سے مُنہ پھیر لیا وہ تصویر سے ظاہر ہے۔ یعنی رشی کو اپنی اس حرکت پر سخت ندامت ہے اور وہ اس لڑکی کو دیکھنا نہین چاہتا۔ آخر کار سکنتلا کی پرورش ایک دوسرے عابد نے کی جنکا نام کنو رشی تھا۔

صاف گوئی

زمانۂ طالبعلمی مین ایک کتاب "دی اسکیچ بک" واشنگٹن ارونگ" ایک مشہور امریکن مصنف کی لکھی ہوئی میری نظر سے گذری۔ اسمین نامور مصنف نے مختلف مضامین کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مگر اظہار مدعا کا ڈھنگ دوسرے مصنفین سے نرالا ہے۔ اسی لئے کتاب کا نام "دی اسکیچ بک" تجویز کیا ہے۔ اگر عام طریقے پر یہ کتاب بھی ایک زبردست صاحب قلم کے لکھے ہوئے مختلف مضامین کا مجموعہ ہوتی تو اسے "Essays by Irving" کا نام دینا نہایت مناسب ہوتا۔ مگر بات تو اسمین انوکھی اتنی ہی ہے کہ کسی مضمون یا اس مضمون کے کسی ایک خاص پہلو پر رائے زنی کرنے کا نہایت اچھا اور مرغوب طریقہ اسے "اسکیچ" کی صورت ہی مین ادا کرنا ہے۔ خیر اس کتاب کی خوبی عبارت اور خوبی بیان سے تو وہی لوگ حظ اٹھا سکتے ہین جو اسے انگریزی مین پڑھین۔ میرا مطلب اس تمہید سے یہ ہے کہ مجھے اس مصنف کا یہ طریق بہت پسند آیا اور میرا یہ ارادہ ہوا کہ زبان اردو مین بھی اگر اس طریقہ پر کوئی کتاب لکھی جائے تو مقبول ہونیکے علاوہ مفید بھی ثابت ہو۔ چنانچہ مین نے بھی اس خیال کو عملی صورت مین لانیکی کوشش اسوقت سے شروع کر دی تھی مگر بوجہ چند اسباب دنیوی کے جو دو تین سال کے عرصے تک میرے علمی مشاغل مین سدراہ رہے ہین اسے تکمیل کو نہ پہونچا سکا۔ اب چونکہ خدا خدا کر کے اُسنے ذرا نجات ملی ہے تو پھر اس پرانے شوق نے گدگدایا اور اُس کتاب کے متعلق پہلا اسکیچ لکھنے پر اس وارفتہ طبیعت کو مائل کیا۔ اس سے پیشتر جو اسکیچ تقریباً پندرہ بیس بصورت مسودہ میرے پاس لکھے پڑے تھے وہ "غرق مے ناب اولی" ہو چکے۔ اُنکے تلف ہو جانے کا رنج تو مجھی کو ہے اور مین ہی خوب جانتا ہون کہ اب اندرون میری طبیعت پر کیا گذرتی ہے اور جی نہین چاہتا کہ ان خیالات کے کھنڈولت کو جنکے ساتھ میرے دیگر مشاغل نے بہت بُرا سلوک کیا۔ از سر نو تعمیر کرون مگر اس خیال سے کہ شاید اس دفعہ کامیابی کی صورت پیدا ہو پھر کچھ لکھنا شروع کرتا ہون۔ ہان اس جگہ اتنا اور کہدینا مناسب سمجھتا ہون کہ لفظ "اسکیچ" سے میری مراد کیا ہے۔ چند دوستون مین بیٹھے ہوئے گپ اُڑانے کے موقعہ پر یا کسی مجلس مین یا کسی سیر کے وقت ضروری بات ہے کہ ہمارا دماغ مختلف خیالات اور محسوسات کا مرکز بن جاتا ہے۔ ان خیالات یا ان محسوسات مین سے کوئی ایک حال خصوصیت سے اپنے آپ کو دوسرون سے الگ الگ رکھتا ہے اور ہماری توجہ کو اپنی طرف زیادہ مائل کرتا ہے۔ اس خاص خیال کو شرح وبسط کے ساتھ اپنے ابنائے جنس کے استفادہ کیلئے تحریر کا جامہ پہنانا ایک اسکیچ کہلاتا ہے۔

کچھ دن ہوئے مین اپنے ایک مہربان دوست کے پاس ملاقات کیلئے گیا۔ اثنائے گفتگو مین وہ مجھسے کہنے لگے کہ بھائی آج تمہارے متعلق ایک نہایت اچھنبے کی بات سُنی ہے۔ ابھی ابھی ارادہ کر رہا تھا کہ تمہاری طرف جاؤن اور تمہین اس سے آگاہ کرون۔ اچھا ہوا کہ تم خود آ گئے۔ اب دو بدو تم سے اسکے متعلق

گفتگو ہو کے معاملہ سُلجھ جائیگا۔ مین نے کہا آخر کہو تو سہی کہ میری ایسی بات کونسی ہے جو تمسے پوشیدہ ہے اسلئے مجھے حیرانی ہے کہ تمنے کونسی نئی بات سُن پائی۔ وہ فرمانے لگے کہ جناب حیرانی بھی تو یہی ہے کہ ہم تم دونون ہم نوالہ وہم پیالہ ۔ ہر وقت ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے یاران ہم صحبت ۔ ہم راز۔ پھر ایسا تیسرا شخص جس سے سوائے صاحب سلامت کے زیادہ ملت نہین وہ ایسی بات کہے اور تمہارے متعلق جسکا ہمین علم نہ ہو تو پھر تعجب ہے یا نہین ۔ خیر اس شکایت آمیز تمہید کے بعد میرے دوست نے مجھے وہ سارا قصہ سُنایا۔ مجھے سُنکر کچھ تو اُس شخص پر غصہ آیا اور کچھ ہنسی ۔ وہان سے تو مین اُٹھکر چلا آیا اور اپنے دوست کو اُس شخص کے اعتراضات کے وقتاً فوقتاً جو جوابات بھی بتا آیا مگر سارے راستہ بھر اور گھر پہونچکر بھی مین یہی سوچتا رہا کہ اُس شخص نے جو اپنے نقطۂ خیال سے میرے متعلق ایک رائے قائم کرلی ہے خواہ وہ اچھی ہے یا بُری۔ اس سے تو کچھ سروکار نہین ۔ مگر بات صرف اتنی ہے کہ اس رائے قائم کرنے کا وہ کہانتک مجاز تھا اور مجھ مین وہ کونسی بات ایسی تھی جسنے اُسے یہ رائے قائم کرنے پر آمادہ کیا۔

اس خیال کے ضمن مین مجھے سر آرتھر ہیلپس کا وہ مقولہ یاد آیا کہ ہمین کسی دوسرے شخص کے متعلق رائے زنی کرتے وقت نہایت محتاط ہونا چاہیے۔ جیساکہ ہم کسی ایسی چیز کی نسبت جو ہمنے پہلے کبھی نہ دیکھی ہو یا دیکھی ہو تو اسکے خواص یا اسکے متعلق دیگر حالات سے واقف نہ ہون۔ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جھجکتے ہین اور وثوق کے ساتھ کسی امر کا اظہار نہین کرتے۔ اسیطرح ایک بنی نوع انسان کی نسبت رائے قائم کرنے مین ہمین بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ انسان کی خواہشات۔ جذبات۔ محسوسات۔ توہمات۔ سب مل ملاکر اُسے ایک ایسا پیچیدہ معما بنا دیتے ہین کہ ہم مستقل رائے قائم کرنا تو درکنار کچھ کہہ بھی نہین سکتے۔ کسی شخص کے افعال کو تفرین یا قابل تحسین قرار دینا کسی ایک شخص کا کام نہین۔ ایسا کرنے والا صرف اتنی بات کا حق ضرور رکھتا ہے کہ کہہ سکے میرے خیال مین اسکا یہ فعل معیوب ہے یا مرغوب بس اس سے آگے وہ اپنے حقوق سے تجاوز کرتا ہے۔ خیر یہ خیال تو اس اصلی خیال کی ایک شاخ تھی وہ اصلی خیال جسنے مجھے متوحش کر رکھا تھا وہی تھا کہ مجھ مین وہ بات کونسی ہے جسنے ایسی جلدی ایک غیر شخص کو میری نسبت رائے زنی کا موقع دیا۔ بہت دیر تک اسی سوچ مین بیٹھا رہا۔ آخر الامر یہی نتیجہ نکالا کہ میری صاف گوئی کے علاوہ تو اور کوئی بات ایسی نہین جو دوسرے کو ایسی جلدی رائے قائم کرنیکا موقع دے سکے بہرحالہ مین اپنی رائے کا صاف صاف اظہار کرنا اور ظاہر کچھ اور باطن کچھ نہ رکھنا بھی فی زمانہ ایک بڑا عیب ہے اور انسان کو نشانۂ ملامت بناتا ہے۔ مگر نظر انصاف سے دیکھا جاے تو صاف گوئی ایک ایسا وصف ہے کہ جسمین باقی تمام اوصاف حمیدہ مین مثلاً جو شخص صاف گو ہوگا وہ جھوٹ سے پرہیز کریگا۔ ایمان کی بات کہیگا۔ دغابازی اور دیگر افعال قبیحہ سے دامن پاک رکھے گا۔ علاوہ اس خوف سے کہ کہیں میرے اس فعل بد کا حال طشت از بام ہوگیا تو مجھے اپنی صاف گوئی کی عادت سچ سچ کہنے پر مجبور کریگی اور پھر میرا بھید کھلنا کیسا سانا ہوگا۔

دوسرے دن تیسرے پہر مین اپنے اُسی دوست کے پاس پھر گیا اور کہا کہ جناب اُن حضرت کی رائے قائم کرنیکی وجہ جو اس عاجز نے بعد غور و خوض بسیار قائم کی ہے

وہ یہی ہے کہ مین صاف گو ہون۔ یہ سُنکر وہ بہت ہنسے اور کہنے لگے معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے مگر:۔

"آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک"

مرزا محمد عبدالرحمن بی اے

تلافی

(ایک دلچسپ قصہ)

شیخ حاتم علی لاہور کے ایک نامور رئیس تھے۔ سخاوت اور دریادلی کے لحاظ سے اسم بامسمی اور واقعی اپنے وقت کے حاتم تھے۔ اُنکی اہلیہ کا مدت سے انتقال ہو چکا تھا۔ جب اُنکا پیمانۂ عمر لبریز ہوا تو اُنکی صاحبزادی کی عمر اُنیس سال کی اور لڑکے کی عمر سترہ سال کی تھی۔ بیٹی کا نام سکینہ اور بیٹے کا نام ممتاز تھا۔ سکینہ شکل کی سیدھی سادی مگر بلا کی ذہین اور طباع لڑکی تھی۔ ممتاز اپنی ہمشیرہ کے خلاف نہایت ہی قبول صورت نوجوان تھا۔ سکینہ کا رنگ سانولا اور ممتاز کا سُرخ و سپید تھا۔ سکینہ میانہ قد تو ممتاز غزالِ رعنا تھا۔ دانت دونون کے ہیرے کیطرح شفاف اور خوشنما تھے۔ بہن کی آنکھین ازرق تو بھائی کی آہو کیطرح سیاہ اور موٹی موٹی تھین۔ بہن کے ہونٹ کسیقدر سطبر تھے مگر بھائی کے پیازی اور کاغذی تھے۔ ان دونون کو دیکھکر حیرت ہوتی تھی کہ ایک ماں کے پیٹ سے اسقدر مختلف صورت اولاد کسطرح پیدا ہوئی۔ بہن کو بھائی سے غایت درجہ اُلفت تھی اور بھائی بھی بہن کو دیکھے بغیر ایک پل نہ رہ سکتا تھا۔ کچھ تو سیدھی سادی صورت اور کچھ انتظام خانہ داری کیوجہ سے سکینہ اُنیس سال کی عمر تک کنواری رہی۔ ادھر اُنیسوان سال ختم ہوا اور اُدھر شیخ صاحب کو پیغام اجل آگیا۔ مرتے دم شیخ صاحب نے اپنے دونون بچون کو وصیت کی کہ اتفاق سے رہنا اور جہانتک ہو سکے ایک دوسرے سے جدا نہونا۔ سکینہ نے باپ کی وصیت کو بغور سُنا اور دل مین عہد کر لیا کہ شادی نہین کرونگی۔ اس عہد پر غیر معمولی قابلیت والی لڑکی قائم رہی اور شادی نکرنی تھی نہ کی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ شیخ صاحب کی برسی کے چند ماہ بعد سکینہ باورچی خانہ کے دروازہ مین کھڑی ہوئی کھانا پکانیوالی ماما سے کچھ کہہ رہی تھی کہ ممتاز خوشی خوشی مکان مین آیا اور کہنے لگا کہ لو بہن مبارک ہو۔ بی۔ اے۔ کا نتیجہ نکل آیا اور مین پاس ہوگیا۔ اٹھارہ سال کی عمر اور بی۔ اے۔ کے امتحان مین کامیابی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ سکینہ یہ خبر سُنکر باغ باغ ہوگئی اور ہمشیرہ و برادر دونون دالان مین جو فرش فروش سے دُلہن کیطرح آراستہ تھا جا بیٹھے اور بڑی دیرتک اس مضمون پر کہ ممتاز کو آیندہ کیا کرنا چاہئے بحث کرتے رہے۔ ممتاز وکالت کا خواہشمند تھا اور سکینہ طبابت کو اچھا سمجھتی تھی۔ آخر سکینہ نے بھائی کو قائل کر دیا کہ طبابت نہایت شریف پیشہ ہے۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ انسانی تکلیف اور جسمانی مصیبت اور آزار کو رفع کیا جاے۔ اسپر ہم غرسہ وہم ثواب کی مثل صادق آتی ہے۔ ہم پہلے کہہ چکے ہین کہ سکینہ اپنے پیارے

بھائی کو جان سے بڑھکر پیارا اور آنکھوں کا تارا سمجھتی تھی اور ممتاز اپنی بڑی بہن کی عزت و منزلت والدہ کیطرح کرتا تھا۔ بہن کی صلاح کو اُسنے پسند کیا اور لاہور کے مدرسۂ طبابت مین - ام - بی - کلاس مین داخل ہوگیا۔

۲

پانچ سال ہوگئے - پانچ سال کا زمانہ کہنے کو تو بڑا عرصہ ہے اور واقعی مصیبت زدہ اور آفت رسیدہ لوگون کے لئے عقوبت دوزخ کے برابر ہے لیکن تندرستی اور راحت کے سائے مین جاتا ہوا دکھائی نہین دیتا ؎

گزرتی عمر ہے یون دور آسمانی مین
کہ جیسے جاے کوئی کشتیٔ دخانی مین

پانچ سال گزر گئے - اس عرصہ مین ہزارون انقلاب نمودار ہوئے - کئی بچے جوان ہوگئے - کئی جوان بڈھے ہوگئے - کئی تندرست بیمار اور کئی صاحب اقبال ذلیل و خوار ہوگئے - کئی کنواری لڑکیان مائین بنگین - کئی سہاگنین بیوہ ہوگئین - لیکن ہمارے ہیرو کے گھر مین بجز اسکے اور کوئی انقلاب نہوا کہ سکینہ پچیس سال کی عورت اور ممتاز بی - اے - ام - بی - اسسٹنٹ سرجن تیئیس سال کا نوجوان ڈاکٹر بن گیا۔

لاہور مین صبح کی ڈاک چھ بجے تقسیم ہوتی ہے - ممتاز کا معمول تھا کہ ڈاک ہمیشہ اپنی ہمشیرہ کی موجودگی مین کھولتا تھا - ایک دن ڈاک کھولتے ہوئے ایک چٹھی بغیر کھولے اُسنے سکینہ کے ہاتھ مین دی اور کہا کہ یہ خط تو چچا جان کا معلوم ہوتا ہے - خدا خیر کرے آج اُنھون نے اتنے سال کے بعد کیون یاد کیا - سکینہ نے بھائی کے ہاتھ سے خط لیکر کھولا - خط کا مضمون یہ تھا -

"میرے پیارے بھتیجے - تم اس خط کو پاکر حیران ہوگے کہ آج چچا جان کیونکر مہربان ہوئے - مگر مین تمکو یقین دلاتا ہون کہ مہربانی کی کوئی بات نہین ہے مجھے اپنا مطلب مجبور کرتا ہے کہ تمکو مطلب کرون - مجھے یاد ہے کہ جب سے میرے برادر بزرگوار نے انتقال کیا ہے مین نے تمہاری خبر نہین لی - کبھی کسی قسم کی راہ و رسم جو رشتہ داروں مین ہونی چاہیے جاری نہین رکھی - ہمیشہ گرد کی بوٹی کیطرح تم سے علحدہ رہا - اور تمہارے والد بزرگوار میری نسبت علانیہ طور پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے - ؎

بھاگ ان بردہ فروشون سے کہان کے بھائی
بیچ ہی ڈالین جو یوسف سا برادر ہووے

لیکن مین کیا کرون طبیعت سے مجبور تھا - گو اب مین داعی اجل کو لبیک کہنے والا ہون اور کوئی دن کا مہمان ہون لیکن اب بھی میرا یہی عقیدہ ہے کہ دُنیا مطلب کی ہے اور جبتک مطلب نہو کوئی کسیکی پروا نہین کرتا - ؎

مطلب نہیز کوئی نہین اس جہان مین
پھر کون ہے کسیکا جو مطلب نکل گیا

اس آخری وقت مین مین تمسے ایک درخواست کرتا ہون اور وہ درخواست یہ ہے کہ میری اکلوتی بیٹی رقیہ اسوقت سولہ سال کی ہے اب میرے بعد اُسکا کوئی خبر گیر اور پُرسانِ حال نہین ہے - میرا مکان اور تیئیس ہزار روپیے نقد جو بنک مین جمع ہین اس میری قرۃ العین کا جہیز ہین - جب میری تجہیز و تکفین ہوجاے تو رقیہ کو امرتسر سے تم اپنے ہمراہ لاہور لیجاؤ - تمہارے پاس بطور ہمشیرہ رہیگی - کسی اچھی جگہ اُسکی شادی کردینا - جبتک اُسکی شادی نہ ہو رقیہ تمہارے اور سکینہ کے

پر وہے۔ مین ضعف و نقاہت اور ہجوم یاس و حسرت کیوجہ سے
زیادہ لکھ نہین سکتا۔ جسوقت یہ خط ملے فوراً آؤ ورنہ مجھے ہمیشہ کیلئے
ہوگا ۵

کر باندھے ہوئے چلنے کو یان سب یار بیٹھے ہین
بہت آگے گئے باقی جو ہین تیار بیٹھے ہین

یہ خط پڑھکر سکینہ کے مُنہ سے بے ساختہ "ہونہ" نکلا یہ سکینہ کے چچا فاتم کا خط تھا۔ فاتم اس قسم کا بندۂ حرص اور دُنیا دار شخص تھا کہ شیخ حاتم علی کی زندگی ہی مین اُنسے علیحدہ ہوگیا تھا۔ کبھی میل ملاقات کا روادار نہ تھا۔ اُنکے مرنے پر بھی نہین آیا تھا مختصر یہ کہ مطلب کے بغیر کسی سے بات نہ کرتا تھا اور صاف صاف کہدیتا تھا کہ "بھائی ہم تو گون کے پاہین" سکینہ اسوقت تک اس گھر کی ملکہ تھی۔ سیاہ و سفید اُسکے اختیار مین تھا۔ اس گھر مین تیسرے کا آنا اُسکو سخت ناگوار گذرا۔ بڑے اصرار اور مبالغہ سے زور دیتی رہی کہ رضیہ یہان نہ آئے مگر ممتاز نے نہ مانا اور کہا کہ رضیہ کو جسکو مین نے اچھی طرح دیکھا بھی نہین اس بیکسی کی حالت مین تنہا چھوڑ دینا گناہ ہے۔ مین ضرور جاؤنگا اور اُسکو لاؤنگا۔ یہ پہلی بار تھی کہ ممتاز نے بن کی عدول حکمی کی۔

(۳)

دوپہر کا وقت تھا اور ایک پالکی گاڑی شیخ ممتاز کے مکان کے آگے آکر کھڑی ہوئی اور اُسمین سے خود ممتاز ایک بُرقع پوش عورت اور ایک ماما اُتری۔ چند منٹ مین گاڑی پھاٹک کے آگے سے چلی گئی۔ بُرقع پوش مکان مین آئی۔ سکینہ کو سلام کیا اور کہا "آپا اچھی طرح سے ہو" جسوقت اس بُرقع پوش نے چہرے سے بُرقع اُٹھایا تو سکینہ کو سکتے کا عالم ہوگیا۔ یہ چندے آفتاب اور چندے ماہتاب لڑکی "رضیہ" تھی۔ اسکی شعاع حُسن سے کمرہ منور ہوگیا۔ نرگسی آنکھین پیالی ہونٹ۔ پیوستہ ابرو۔ سُنہرے بال۔ بوٹا سا قد۔ سڈول اور شفاف دانت۔ کوہ قاف کی پریون کی آبرو خاک مین ملاتے تھے اور حوران بہشت کو خون رُلاتے تھے۔ جو لوگ اہل تجربہ اور مشاہدہ ہین وہ خوب جانتے ہین کہ بدصورت عورت کو ماہرو عورت ایک آنکھ نہین بھاتی۔ وہ تمام گناہ بخش دیگی مگر حسین ہونا کبھی نہ بخشیگی۔ رضیہ کے حُسن عالم افروز نے خرمن تحمل کو جلا دیا اور سکینہ کے دل مین آتش رشک و حسد مشتعل ہوئی۔ اُسکو بڑا ڈر تھا کہ ممتاز اس شمعرو کا پروانہ ہوجائیگا اور مجھکو بھول جائیگا۔ اس جلن اور حسد کے باعث اُس دن سے سکینہ کے دل مین رضیہ کیطرف سے گرہ پڑگئی۔ وہ رضیہ سے ہمیشہ تیوری چڑھائے رہتی تھی کبھی سیدھے منہ سے بات نہ کرتی تھی۔ اور تلخ کلامی سے پیش آتی تھی۔ رضیہ ایک تو باپ کے غم مین سوگ نشین تھی دوسرے ہر وقت کی لوک جھونک سے اور بھی دل برداشتہ ہوئی اور اکثر تنہائی مین اکیلے بیٹھکر رویا کرتی تھی۔ خدا کی شان جسقدر سکینہ کو رضیہ سے نفرت تھی اُسیقدر بلکہ اُس سے ہزار درجہ زیادہ محبت ممتاز کے دل مین اُسکی طرف سے پیدا ہوگئی۔ وہ سکینہ کے برابر بلکہ اُس سے بھی زیادہ اُسکو چاہنے لگا اور رضیہ کی دلجوئی اور تواضع ہر وقت اپنا فرض سمجھتا تھا۔

رضیہ کو لاہور مین آئے چھ ماہ گذرے تھے کہ لاہور مین طاعون نے بے طرح سر اُٹھایا۔ بانار موت گرم ہوگیا۔ شہر ویران ہو چلا۔ لوگ گھروں سے نکل نکل کر بھاگ گئے اور چارون طرف تہلکہ مچگیا۔ رضیہ کا یہ دستور تھا کہ ہر جمعہ کو

اپنی ایک دُور کی رشتہ دار کے یہان جو پھولون والے محلہ مین رہتی تھی چلی جایا کرتی اور تمام دن وہان رہکر شام کو گھر واپس آجاتی تھی۔ جس دن وہان اُسے جانا ہوتا تھا دل مین بہت خوش ہوتی تھی کیونکہ وہ تمام دن سکینہ کی نکتہ چینیون سے بچی رہتی تھی۔ اس جمعہ مین دو دن باقی تھے اور ممتاز نے سکینہ کو علٰحدہ لیجاکر کہا کہ پھولون والے محلہ مین طاعون کا بہت زور ہے بلکہ خود سرور بیگم جو رضیہ کی رشتہ دار ہے طاعون مین مبتلا ہوگئی ہے۔ رضیہ کو اس بات کی خبر نہ کرنا مگر اس جمعہ کو وہان جانے نہ دینا۔ کوئی بہانہ کرکے ٹال دینا۔ سکینہ کو یہ خاطر اور پاسداری سخت ناگوار ہوئی۔ برہم ہوکر بولی اچھا دیکھا جائیگا۔ نہین جانے دونگی۔

خدا آتش حسد کا مُنہ کالا کرے۔ جمعہ کے دن سکینہ نے رضیہ کو بالارادہ سرور بیگم کے مکان پر بھیجدیا اور ممتاز کی فہمایش کے خلاف عمل کیا۔ رضیہ خوشی خوشی اپنی سہیلی کے یہان گئی۔ وہان جاکر دیکھا کہ سرور بیگم کا بدن تنور کیطرح پھُنک رہا ہے۔ آنکھین خون کبوتر کیطرح سُرخ ہین اور گلے کے نیچے ایک گلٹی نمودار ہے۔ رضیہ یہ حال دیکھکر سہم گئی اور شام تک مریضہ کے سرہانے بیٹھکر پنکھا جھلتی رہی۔ مریضہ کو بولنے کی طاقت کہان تھی کہ اُسے منع کرتی۔ جب شام کو چلنے لگی تو چارپائی پر جھک کر اُسکو گلے لگایا اور روتی ہوئی رخصت ہوئی۔ سہ پہر کو ممتاز گھر مین آیا اور رضیہ کو غیر حاضر پاکر سکینہ سے ناراض ہوا۔ اور کہا کہ اگر رضیہ کے دشمنون کو کچھ ہوا تو اسکی ذمہ دار تم ہوگی۔ یہ پہلی مرتبہ تھی کہ بھائی بہن مین تکرار کی نوبت آئی۔

(۴)

شام کو اعضا شکنی قرار اور اضمحلال رضیہ ساتھ لیکر آئی اور آتے ہی اپنے کمرے مین جاکر سر سے ریشمی رومال باندھکر بستر پہ دراز ہوگئی۔ شام کے بعد ممتاز آیا اور اطلاع کراکے رضیہ کے کمرے مین ماما کو ہمراہ لیکر گیا۔ وہان جاکر دیکھا کہ رضیہ درد سر سے بیقرار ہے اور پنڈا بھی پھپکا ہے۔ یہ حال دیکھکر خانبوش وہان سے چلا آیا۔ علی الصباح بستر سے اُٹھا اور ماما کو رضیہ کی خبر کے لئے بھیجا۔ رات بھر رضیہ کی فکر مین ممتاز کو نیند نہین آئی تھی۔ ماما حواس باختہ واپس آئی اور خبر لائی کہ چھوٹی سرکار کے دشمنون کو وہی ناشدنی بیماری ہوگئی ہے۔ بغل کے پاس گلٹی بھی نکل آئی ہے۔ یہ خبر وحشت اثر سُنکر ممتاز دیوانہ ہوگیا۔ اپنے کمرے مین دوڑا گیا۔ اور سجدے مین گرکے خدا سے دعا مانگنے لگا کہ اے قاضی الحاجات میری زندگی رضیہ سے ہے اگر اُسکی عمر اتنی ہی تھی تو میری نصف عمر اُسکو دیدے۔ اُسکے بغیر مین ایک پل بھی زندہ نہین رہ سکتا۔ ممتاز دیوانہ وار مناجات کر رہا تھا اور اُسکی آنکھون سے آنسو جاری تھے کہ کسی نے اُسکے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ممتاز نے سجدے سے سر اُٹھاکر دروازہ کھولا۔ دروازہ پر سکینہ کھڑی تھی اور اُسکا رنگ اسوقت ہلدی کی طرح زرد تھا۔

سکینہ "بھائی تم روتے کیون ہو؟"

ممتاز "بہن سکینہ میرے زخمون پر نمک نہ چھڑک رضیہ جو آج مرتی ہے یہ سب تیری مہربانی ہے۔ لیکن یاد رکھو بہن میرا جنازہ بھی رضیہ کے ساتھ نکلے گا۔ میری زندگی رضیہ تک ہے۔"

سکینہ کو ممتاز سے اسقدر محبت تھی کہ ہم اُسکو بیان نہین کرسکتے اور ہمارے ناظرین اُسکا اندازہ نہین لگا سکتے۔

اگر اُسکو رضیہ سے نفرت اور عداوت تھی تو اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ ممتاز کا اُسکو پیار کرنا اُسے ناگوار تھا۔ اپنے بھائی کی خدمت وہ مادر مہربان کیطرح کرتی تھی اور اسی بھائی کی خاطر وہ کنواری رہی تھی۔ ایک دفعہ ممتاز بیمار ہوگیا تھا تو یہ تین شبانہ روز جاگتی رہی تھی۔ اُسکے کھانے کا انتظام۔ اُسکے کاروبار کا انتظام سب وہ خود ہی کرتی اور اپنے بھائی کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ اس بھائی کی زبان سے (جو اس محبت کی دیوی کا پوجاری تھا) ایسے کرخت اور دلشکن کلمات سُنکر اُسکا جی بھر آیا اور آنسو جبراً پی گئی

سکینہ۔ "بھائی تم تو ڈاکٹر ہو کوئی علاج تمکو نہیں آتا ہے"

ممتاز۔ "اس بیماری کا صرف یہ علاج ہے کہ اس گلٹی کو نشتر سے چھیڑا جاے اور پھر کوئی اُس جگہہ کو چوسے اور خون فاسد چوس کر تھوک دے۔ لیکن ایسا کرنے مین چوسنے والے کا جانبر ہونا بہت دشوار ہوگا"

سکینہ۔ "بھائی آؤ اور گلٹی مین نشتر دو"

ممتاز۔ (حیران ہوکر) "کیا تم یہ عمل کروگی"

سکینہ "ہان مین نے جو گناہ کیا ہے اُسکی تلافی کرنا چاہتی ہون۔ خدا میرے حال پر رحم کرے"

ممتاز نے ہر چند سکینہ کو سمجھایا مگر اُسنے ایک نہ مانی اور گلٹی مین نشتر دیکر خون فاسد کو چوس کر کلی کر دی۔ دو تین بار ایسا کیا۔ اس عمل کے ہوتے ہی رضیہ کی غنودگی رفع ہوگئی اور اُسنے آنکھین کھول دین مگر ضعف انتہا کا تھا۔ اسوقت سے رضیہ کی حالت سنبھلنے لگی مگر اُسی دن شام کو اُسے سخت قسم کا بخار آگیا اور رات کے دس بجے رضیہ کیطرح صاحب فراش ہوگئی اور جان کے لالے پڑ گئے۔

\+ \+ \+ \+ \+ \+ \+ \+ \+

اس بات کو تین سال ہو گئے۔ صبح کا سہانا سمان ہے۔ ایک خوبصورت مٹیلین اور ایک ماہ طلعت نازنین ایک قبر کے سرہانے کھڑی حضرت علی مخدوم کے مزار کے عقب مین فاتحہ پڑھ رہے ہین۔ دونازنین پھولون کے ہار اس قبر پر ڈال رہی ہے۔ دو دیکھو ایک طرف سے ایک ماما ایک خوبصورت لڑکی کو گود مین لے آتی ہے۔ یہ لڑکی ہو بہو اس نازنین کی ہمشکل ہے۔ اس لڑکی کا نام سکینہ ہے اور یہ فاتحہ خوان رضیہ اور ممتاز ہین۔ لڑکی کا نام رضیہ نے اپنی محسنہ کی یاد گار مین سکینہ رکھا ہے اور جمعہ کے دن میان بیوی سکینہ۔ جان نثار سکینہ کی تربت پر پھول چڑھانے آتے ہین۔

احمد حسین خان منصف

کلیات اکبر - جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر۔ جج پنشنر الہ آباد کے کلام بلاغت نظام کی دھوم سارے ہندوستان مین ہے۔ آپکا کلیات جو سالگذشتہ مین چھپا تھا وہ فوراً فروخت ہوگیا اور ملک کی مانگ برابر جاری تھی۔ لہذا حال مین بعد نظر ثانی مصنف اور ضروری ترمیم کے نہایت آب و تاب کے ساتھ چھاپا گیا ہے۔ کتاب کا ہر ورق حکمت اور سنجیدہ ظرافت کا گنجینہ ہے اور اعلیٰ تخیل و پاکیزہ شاعری کی ایک بینظیر مثال ہے۔ کتاب بہت محدود تعداد مین چھاپی گئی ہے لہذا شایقین درخواست خریداری جلد ارسال فرمائین۔ ورنہ پہلے ایڈیشن کیطرح مایوسی ہوگی۔ قیمت دو روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

المشتہر عظمت علی منیجر دفتر کلیات اکبر۔ عشرت منزل الہ آباد

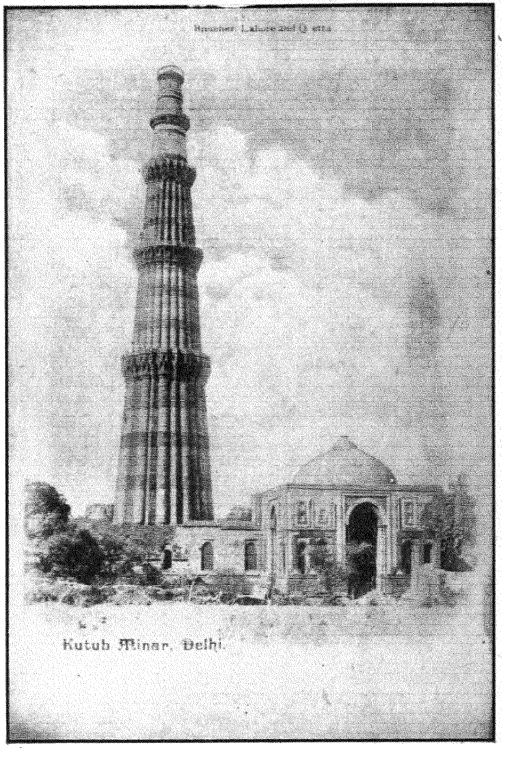

قطب مینار

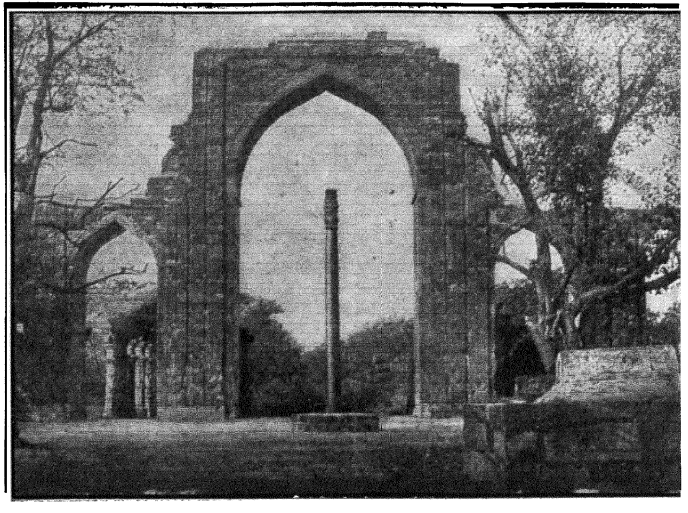

لوہے کی لاٹ

قطب مینار

دہلی کا قطب مینار ہندوستان کے عجائبات مین شمار کیا جاتا ہے اور ممکن نہین کہ کسی سیاح کی نظر اُسپر نہ پڑے بعض لوگون کا خیال ہے کہ اپنی رفعت کے باعث وہ دُنیا کے ساتھ عجائبات مین شمار ہونے کے لائق ہے۔ لیکن جب ہم نیویارک کی زمانہ حال کی بلند عمارتون پر نظر ڈالتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ قطب مینار اب اس دعوے کا حقدار نہین رہا۔ جو سیاح دہلی مین وارد ہو ممکن نہین کہ وہ اُس شخص کی شہرت پسند طبیعت کی تعریف کئے بغیر رہ سکے۔ جس نے اس مینار کو بنوایا تھا۔ اسمین شک نہین کہ قدیم عمارات کے متعلق تحقیقات کرنا صرف اُنھین لوگون کا کام ہے جو زمانہ قدیم کے معاملات سے دلچسپی رکھتے ہون یا جو مورخ ہون۔ مگر قطب مینار کے متعلق بعض دلچسپیان اس قسم کی ہین کہ انمین ہر خیال کے لوگ حصہ لے سکتے ہین۔

اسمین کلام نہین کہ یہ عظیم الشان عمارت کسی بہت بڑے بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے مگر کچھ عرصے سے اسکے متعلق ایک دلچسپ سوال یہ چھڑا ہوا ہے کہ آیا اسے پہلے ہندوؤن نے بنوایا اور بعد مین مسلمان فاتحون نے اسمین تبدیلی کرکے مکمل کرایا تھا، یا مسلمانون نے ہندوؤن کے مندرون سے مسالہ لیکر اسے از سر نو تعمیر کرایا تھا۔ ان دونون باتون کو چھوڑتے ہوئے بقول کننگھم صاحب مسلمانون نے اصلی مسالہ سے اسے تعمیر کیا تھا؟

فی الحقیقت قطب مینار کی تعمیر کی تھیوری کے متعلق دو مختلف پارٹیان موجود ہین جن کے خیالات ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہین یعنی ایک کا خیال تو یہ ہے کہ اسے ہندوؤن نے تعمیر کرایا تھا اور دوسری کا یہ کہ مسلمانون نے استعمال شدہ مسالہ کا سوال بلحاظ اہمیت دوسرے درجے پر ہے اور اسلئے اسکے متعلق اس موقعہ پر بحث نہین چھیڑی جاسکتی۔

عام طور پر جو خیال لوگون مین پھیلا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ سلطان محمد غوری کی فتح کی یادگار مین اسے قطب الدین ایبک نے تعمیر کرایا تھا۔ چنانچہ اس بیان کی تائید مین ذیل کے دلائل پیش کئے جاتے ہین۔

(۱) برج پر فارسی زبان کے کتبے بہت کثرت سے ہین جنسے ثابت ہوتا ہے کہ اسے مسلمانون نے بنوایا تھا۔

(۲) قطب الدین کے انتقال کے ایک دو صدی بعد فیروز شاہ نے اسکا نام "برج فتح" رکھا جس سے مطلب یہ تھا کہ اسے محمد بن سام غوری کی فتوحات کی یادگار مین تعمیر کیا گیا ہے۔

(۳) برج کی بنیاد کے قریب ایک بجھا ہوا سا کتبہ موجود ہے جسمین قطب الدین کا نام پڑھا جاتا ہے۔

(۴) مشہور عالم آثار قدیمہ جنرل کننگھم کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ مسلمانون کے وقت کی عمارت ہے۔

(۵) ان تمام دلائل کے علاوہ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسکا نام "قطب مینار" ہی صاف ثابت کر رہا ہے کہ مسلمانون کے عہد مین تعمیر ہوا ہوگا۔

یہ سب دلائل اس قسم کے ہین جو اس بات کے ثبوت مین پیش کئے جاتے ہین کہ قطب مینار مسلمانون کے عہد مین تعمیر ہوا تھا۔

برعکس اسکے فریق ثانی یہ خیال کرتا ہے کہ اسے راجہ پرتھوی راج نے اپنی اکلوتی لڑکی اوشاوتی کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ اتہاس مین آیا ہے کہ وہ جمنا جی کے درشن کئے بغیر کھانا نہ کھاتی تھی۔ چنانچہ اسکی سہولت کے لئے راے پتھورا نے اسقدر بلند برج تعمیر کرایا تھا۔ معلوم نہین یہ خیال کہانتک درست ہے مگر کم از کم غیر اغلب نہین ہوسکتا۔

قطب مینار کے مسلمان بادشاہون کے عہد مین تعمیر ہونے کے متعلق جو دلائل اوپر درج کئے جاچکے ہین انمین سے آغاالذکر کی تردید مین مسٹر مرے نے اپنی کتاب ہنڈبک فار انڈیا اینڈ سیلون

Hand book for India and Ceylon

ایڈیشن ۱۸۹۲ء کے صفحہ ۱۴۵ پر لکھا ہے کہ "لوگون مین یہ عقیدہ عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ اسے راے پتھورا نے اس غرض سے تعمیر کرایا تھا کہ اسکی لڑکی اسپر چڑھکر جمنا جی کے درشن کرلیا کرے" لیکن ملکی روایات کو چونکہ تاریخی وقعت نہین دے سکتے اسلئے ہم طرفین کے ان دلائل کو نظرانداز کرتے ہین۔

آثار قدیمہ کی تحقیقات کے میدان مین مسٹر کننگھم ایسے آدمی نہین ہین کہ انکے بیانات ناقابل تردید ہون یا یہ کہ انکے پایہ کا کوئی دوسرا شخص موجود نہو۔ مشہور بنگالی لیڈی شریمتی سورن کماری دیوی نے جنکے مضامین اکثر انگریزی اور بنگالی رسالون مین نکلتے رہتے ہین "دیپ نردان کے نام سے ایک تاریخی ناول لکھا ہے جسکے دیباچے مین اُسنے مختلف مستند مورخون کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ قطب مینار کو ایک ہندو راجہ نے تعمیر کراکے اسکا نام "جمنا استمبھ" رکھا تھا۔ چنانچہ مسٹر کننگھم کی تردید مین اُسنے جرنل آف دی ایشاٹک سوسائٹی بنگال Gournal of the Asiatic society Bengal کا حوالہ دیا ہے جو ہندوستان کے آثار قدیمہ کے متعلق نہایت مفید اور مستند خیال کیا جاتا ہے۔ اس جرنل کی جلد ۳۳ بابت ۱۸۶۴ء مین مسٹر بگلور نے نہایت قابلیت سے اس مضمون پر راے زنی کرتے ہوئے نتیجہ نکالا ہے کہ در اصل یہ ہندو زمانے کی عمارت ہے جسے مسلمان حملہ آورون نے تبدیل اور مکمل کیا تھا۔ اسی ضمن مین یہ بیان کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ڈاکٹر سر سید احمد نے اپنی مشہور کتاب آثار الصنادید مین اس عمارت کے متعلق کچھ شبہ سا ظاہر کیا ہے جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ بھی اسے ہندوون کے وقت کا بنا ہوا خیال کرتے تھے۔

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے یہ امر پوشیدہ نہین کہ مسلمان حملہ آور حتی الامکان مذاہب غیر کی عمارات مین تغیر و تبدل کردیا کرتے تھے۔ چنانچہ مثال کے طور پر قسطنطنیہ کی مسجد ایا صوفیہ کو دیکھیے جسے سلطان محمد فاتح کے عہد مین جب ترکون نے بازنطینی سلطنت کو نیست و نابود کردیا تھا تو گرجا سے مسجد بنالیا گیا تھا۔ اسیطرح ممکن ہے کہ ہندوستان کے حملہ آورون نے جمنا استمبھ کی حالت بدلکر اسے قطب مینار بنا دیا ہو۔

لیکن سب سے عجیب بات اس مینار کے متعلق

تعلیم تیر اندازی

(بششک جي کا سري رام اور لچھمن جی کو فن تیر انداز سکھانا)

انڈین پریس الہ آباد

کتبوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔ جس سیاح کو اس مینار کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اُسے معلوم ہوگا کہ تمام اسلامی کتبے ہر ایک منزل کے داخلے پر کندہ ہیں لیکن دوسری عمارات کی یہ حالت نہیں۔ بخلاف اس مینار کے وہ اوپر سے نیچے تک اسلامی کتبوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس صورت میں کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ کتبے جو داخلے کے مقامات پر کندہ ہیں بعد میں کندہ کر دیے گئے ہوں؟ فی الحقیقت ایسا ہونا نہایت سہل اور قرین قیاس ہے۔

اس جگہ تک ہمنے صرف معمولی دلائل کی تردید پر اکتفا کی ہے لیکن یہاں چند ایسے دلائل درج کرنا ضروری معلوم ہوتے ہیں جنسے بالواسطہ طور پر اس مینار کا ہندوؤں کیوقت میں تعمیر کیا جانا ثابت ہوتا ہے۔

اولاً تو اس مینار کی بنیاد کے پتھروں پر مختلف دیوتاؤں کی تصاویر کندہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر چونکہ بنیاد میں تھے۔ اسلئے ناممکن تھا کہ انھیں نکالکر تازہ پتھر جسپر فارسی کتبے کندہ ہوں رکھ دیے جاتے۔

ثانیاً ہندوؤں کیطرح مسلمانوں میں اس بات کا رواج نہ تھا کہ کسی مسجد کے قریب صرف ایک ہی برج بنایا جاے۔

ثالثاً اس مینار سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک اور مینار کے آثار پائے جاتے ہیں جسے اسکی طرز کا بنانیکی کوشش کی گئی ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مینار بخلاف جمنا ہتھ کے آیات قرآنی کے کتبوں سے ڈھنکا ہوا ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں ہمنے قرینین کے دلائل پیش کرنے پر اکتفا کی ہے اور اس سے اس بات کا فیصلہ کرنا مدنظر ہیں کہ یہ مینار ہندوؤں کا بنایا ہوا ہے یا مسلمانوں کا۔ ممکن ہے زمانۂ مستقبل میں اس مسئلہ پر کوئی صاحب مزید روشنی ڈال سکیں جس سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے کہ اس عظیم الشان مینار کی تعمیر کا سہرا کس ہندو راجہ یا مسلمان بادشاہ کے سر رہا تھا۔

تیرتھ رام

تعلیم تیراندازی۔ یہ تصویر رامائن کے ابتدائی واقعات سے تعلق رکھتی ہے جسمیں ہندوستان کے نہایت قدیم زمانے کا منظر کھینچا گیا ہے۔ اگلے زمانے کے شہزادوں کو فن سپہگری کی باقاعدہ تعلیم دیجاتی تھی اور سپہگری میں تیراندازی کے فن کو تمام فنون پر سبقت حاصل تھی۔ اس تصویر میں سری رامچندر اور لچھمن جی کو اُنکے گرو وشسٹ جی تیراندازی کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اس تعلیم کے لئے شہزادوں کو دریاے سرجو کے کنارے کسی جنگل میں روزمرہ جانا پڑتا تھا اور تیراندازی کی مشق کے لئے نہایت دور کے نشانے قائم کئے جاتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں دونوں شہزادے اس فن میں اسقدر کامل ہوگئے کہ مشہور رشی بسوامتر انھیں اپنے آشرم کی حفاظت کے لئے راجہ دسرتھ سے مانگ لیگئے اور چونکہ بسوامتر اس فن میں یگانۂ آفاق تھے لہذا اُنھوں نے سری رامچندر جی کو وہ علوم بھی سکھا دیے جو ابتک سینہ بسینہ چلے آتے تھے اور جنسے بسوامتر کے سوا اور کوئی واقف نہ تھا۔

سانحۂ جانکاہ

از وفاتِ شاہِ لندن قیصرِ ہندوستان — ایڈورڈِ ہفتمین و مرجعِ اہلِ جہان
چشم گردون خون ببارید و جہان تاریک شد — ساکنانِ ارض در ماتم بفریاد و فغان

جلالت مآب حضورِ ملک معظم شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی دفعۃً وفات وسیع دُنیا کے ہر حصّے کے لئے ایک نہایت ہی افسوناک سانحہ ہے۔ جہانتک آفتاب کی بسیط شعاعون کے ساتھ ساتھ غفران مآب کی مبارک فیضرسان حکومت کے انوار اجلال پرتو افگن تھے آج اُس نامحدود حصۂ عالم کے مطلع پر عظیم رنج وغم کے وہ تاریک بادل چھائے ہوئے ہین کہ ساری دُنیا سیاہ معلوم ہوتی ہے۔ تمام عالم پر لیک دردانگیز حالت طاری ہے۔ دُنیا کا ہر گوشہ سیاہ پوش و ماتم زدہ ہو رہا ہے۔ ہر طبقے اور ہر مرتبے کے انسانی دل و دماغ اس جانگداز صدمے سے متاثر ہو رہے ہین اور موجودہ زمانے کی ماتمی تصویر تاریخی صفحون کیلئے ایک ایسی غم انگیز یادگار ہے جو آیندہ نسلون کو بھی اپنی افسوسناک یاد دلا دلا کے ہمیشہ خون کے آنسو رُلاتی رہیگی۔

ہماری تقویم کے لئے ۶۔ مئی ۱۹۱۰ء سے زیادہ کوئی تاریخ افسوسناک نہین ثابت ہو سکتی جسکی شب کو گیارہ بج کے پینتالیس منٹ پر وہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا جسکی مبارک و بابرکت شعاعین دُنیا کے ہر حصّے کو نہایت ہی لامع اور شفاف روشنی سے منوّر کر رہی تھین۔ جسکی صاف روشنی مین ہر مظلوم و بیکس کو امن و انصاف کی کشادہ شاہراہین نظر آتی تھین اور جسکی صلح کل پالیسی انسانی ہمدردی اور عام رحمدلی نے دُنیا کو ایک ایسی عشرت گاہ بنا رکھا تھا جہان امن و راحت کی ارزانی ضرب المثل تھی۔

ہز مجسٹی کے قلیل زمانۂ سلطنت مین جسے ابھی پورے دس برس بھی تمین ہونے پائے تھے ایک ایسا مستقل امن قائم رہا جسکی نظیر گذشتہ تاریخ کے صفحات مین مشکل سے نظر آئیگی حضور ملکہ معظمہ کی وفات پر جب زمام سلطنت آپکے سپرد کیگئی تو جنوبی افریقہ مین کشت و خون کا وہ ہولناک منظر پیش تھا جسنے ہزارہا جانین تلف کر دی تھین اور سیکڑون گھر بے چراغ ہو گئے تھے۔ لیکن آپکے برسر حکومت ہونے کے چند ہی ماہ بعد اس ناگوار جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور جس سرکش قوم کو زیر کرنے کیلئے اسقدر اتلاف جان اور حرف کثیر گوارا کیا گیا تھا۔ اُسے نہایت ہی نرم شرائط پر صلح کر لی گئی۔ یہ آپکی رحمدلی اور امن دوستی کی پہلی مثال تھی جو آخر تک قائم رہی اور جسکی بدولت سلطنت برطانیہ کو پھر کہین فوجکشی کی ضرورت نہین لاحق آئی۔

حضور اقدس ۹۔ نومبر ۱۸۴۱ء کو قصر بکنگھم مین جلوہ افروز بزم ہستی ہوئے تھے۔ آپ علیا حضرت ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کی اولاد نرینہ اور اپنے بھائیون مین سب سے بڑے تھے۔ آپکی بڑی ہمشیرہ ہز رائل ہائنس پرنسیز رائل موجودہ شہنشاہ جرمنی کی والدہ ماجدہ ہین جو آپکی وفات کے وقت آپکے بستر مرگ کے قریب موجود تھین۔ جسوقت جرمنی مین آپکے انتقال پر ملال کی خبر پہونچی تو تمام ملک پر ماتمی گھٹائین چھا گئین اور

قیصر جرمن نے جو آپ کے بھانجے ہین اور آپ سے خلقی طور پر محبت رکھتے تھے اپنے کل کام ملتوی کردئے۔ لندن مین ایک روز پہلے ہی سے تمام کاروبار بند تھے اور وہان کی خلقت اپنے حد سے زیادہ مہربان بادشاہ کی صحت کے لئے نہایت خلوص سے دعائین مانگ رہی تھی۔ نیز ایوان شاہی کے سامنے خلقت کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا اور آپکی کیفیت مزاج دریافت کرنے کے لئے لوگ شاہی ڈاکٹرون کی رپورٹ کا نہایت بے چینی سے انتظار کرتے تھے۔

۶۔ مئی کی شام کو ڈاکٹرون کی رپورٹ نے ایک گونہ مایوسی طاری کردی اور معلوم ہوا کہ امید زیست مفقود ہے۔ حضور ملکہ معظمہ پرنس اور پرنسیز آف ویلز اور دیگر ممبران خاندان شاہی آپکے بستر علالت کے گرد جمع تھے اور آپ نے نہایت استقلال سے علالت کی سختی کا مقابلہ کرکے گیارہ بجکے پینتالیس منٹ پر اپنے اہل خاندان، اعیان دولت اور چالیس کرور رعایا کو تڑپتا چھوڑکر عالم جاودانی کی راہ لی۔ مرض الموت صرف زکام اور کھانسی تھا جو ایک تھیٹر مین سردی کھا جانے سے پیدا ہوا تھا۔ یہ مرض اسقدر مہلک نہ تھا کہ مرض الموت ثابت ہوتا۔ چنانچہ اپنی علالت کے زمانے مین غفران مآب نے اپنے ایک دوست سے مزاج پرسی کے جواب مین فرمایا تھا کہ مجھے کھانسی کی شکایت ہے۔"

حضور مغفور ۲۳۔ جنوری ۱۸۱۹ء کو تقریباً ساٹھ برس کی عمر مین تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے اور ۶۸ سال ۶ ماہ کی عمر مین نو برس ساڑھے چار مہینے کی پُرامن اور کامیاب حکومت و جہانبانی کے بعد رحلت فرمائے قصر جنت ہوئے۔ اپنے زمانہ سلطنت مین اُنھین امن و امان قائم رکھنے مین جو حیرت انگیز کامیابی ہوئی وہ تاریخ عالم مین عدیم النظیر ہے۔ غیر سلطنتون سے رشتۂ اتحاد قائم کرکے آپ نے وہ کھٹکا ہمیشہ کے لئے مٹادیا جو برطانیہ عظمیٰ کو سب سے زیادہ فوج رکھنے پر مجبور کئے ہوئے تھا۔ اس مقصد کے لئے آپ نے اس پیرانہ سالی مین بھی دنیا کے ہر گوشے مین سفر کیا اور فرمانروایان عالم سے ذاتی طور پر ملاقاتین کرکے اُنھین اپنے اخلاق کا گرویدہ بنالیا شہنشاہ روس سے ملاقات کے وقت آپ نے اپنا بانکپن بچپن دکھاتے ہوئے جو دنیا مین لاثانی ہے فرمایا تھا کہ "یہ دنیا مین امن قائم رکھنے کا سامان ہے"، کچھ شک نہین کہ آپ کی افواج بحری و بری دنیا مین امن قائم رکھنے کی غرض سے تھین نہ کہ کشور کشائی اور میدان جنگ مین خونریزی کی غرض سے۔

انسانی ہمدردی کا جو زبردست معیار علیا حضرت ملکہ معظمہ مرحومہ نے قائم کیا تھا اُسکی تکمیل اُنکے پیارے فرزند حضور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم مرحوم کی صلح پسند طبیعت نے جس اعلیٰ قابلیت، بیدار مغزی اور انصاف پژوہی سے کی ہے وہ تاریخ عالم مین لاثانی ہے اور امید ہے کہ اُنکے فرزند دلبند حضور ملک معظم کنگ جارج پنجم فرمانروائے حال اپنے پدر بزرگوار اور اپنی جدۂ امجدہ کی اس دلی تمنا کو اپنے اعلیٰ تدبر، تحمل اور خلقی نیک نفسی کی بدولت کامیابی کے ساتھ قائم رکھینگے۔

آخر مین ہم اپنے حد سے زیادہ مہربان بادشاہ انتہا سے زیادہ محبت دار باپ اور وہم و قیاس سے زیادہ انصاف پژوہ، عادل اور فیاض قیصر کی وفات پر خون کے آنسو بہاتے ہین اور اُس امن و آسایش کے عوض مین جو ہم کو اُنکی بدولت حاصل ہوا ہے ہم اُنکے جانشین کو غفران مآب

عہد معدلت مہد مین ہمیشہ۔ ہر گھڑی اور ہر ساعت نصیب رہی ہین لیکن "برگ سزاست تحفۂ درویش" کے اعتبار سے اپنی سچی اور بے لوث محبت و وفاداری کے پھول نثار کرتے قابل قدر خیال کئے جائینگے۔
ہین جو اگرچہ نفس الامر مین نہایت ہی بے حقیقت ہین

ایڈیٹر

ماثر الکرام

(تصنیف حسان الہند مولانا غلام علی آزاد بلگرامی)

یہ کتاب مشاہیر بلگرام کی تاریخ ہے جو ۱۱۶۶ھ مین تصنیف ہوئی حسب ذیل قطعہ سے اسکی تاریخ نکلتی ہے۔

این نامہ حاض روح پرؤ اما الطیبہ خامۂ مسک
انجام بعون ایزدی یافت تاریخ شنو۔ نتائمہ مسک

مولانا آزاد عربی فارسی کے بلند پایہ شاعر اور مشہور و معروف مصنف گذرے ہین۔ ۵ ۲ صفر ۱۱۱۶ھ کو بمقام بلگرام پیدا ہوئے پیر طفیل محمد بلگرامی اور علامہ عبدالجلیل سے تمام علوم رسمیہ تحصیل کئے۔ سنہ ۱۱۵۱ھ مین حج کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ وہان دو سال مقیم رہے۔ اس اثنا مین شیخ محمد حیات سندی اور شیخ عبدالوہاب طنطاوی سے علم حدیث حاصل کیا اور قرات شریف بخاری شریف کی اجازت بھی لی۔ سنہ ۱۱۵۳ھ کے اواسط ایام مین واپس ہو کر ۲۷۔ ذی القعدہ کو اورنگ آباد مین آئے ان دنون دکن مین نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر برسر حکومت تھے۔ انھون نے مولانا کی خوب قدر افزائی کی۔ مدد معاش کے لئے یومیہ مقرر کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ سنہ ۱۱۶۲ھ مین بمقام اورنگ آباد فوت ہوئے۔ ماثر الکرام کے علاوہ انکی اور بھی بہت سی تصنیفات ہین۔

(۱) الصوارم الدراری۔ شرح صحیح بخاری ابتدا سے کتاب الزکوۃ کے آخر تک۔

(۲) سبحۃ المرجان۔ ہیئت و ہندوستان کے فضائل اور علما کا تذکرہ ہے۔

(۳) دیوان عربی جسمین تین ہزار سے زیادہ اشعار ہین۔

(۴) ید بیضا۔ فارسی شعرا کا عام تذکرہ ہے۔

(۵) خزانہ عامرہ۔ صلہ یافتہ شعرا کا تذکرہ ہے۔

(۶) سرو آزاد۔ ہندوستانی شعرا کا تذکرہ ہے۔

(۷) روضۃ الاولیا۔ خلد آباد کے بزرگان دین کا تذکرہ ہے۔

ماثر الکرام مین تقریباً ڈیڑھ سو بزرگان بلگرام کے حالات ہین۔ مصنف نے ہر ایک شخص کی نسبت تمام ضروری باتین جیسے خاندان قوم و وطن تعلیم و تربیت تلمذ اخلاق و عادات تصنیف و تالیف وغیرہ خوب شرح و بسط سے لکھے ہین تحت

مین ہندوستان کے اُن بڑے بڑے مشاہیر کا تذکرہ بھی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جنسے بزرگان بلگرام کو تلمذ یا بیعت وغیرہ کا تعلق تھا۔ اس تقریب سے ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی شیخ علی مہایمی مولانا علی متقی۔ محمد طاہر فتنی شیخ وجیہ الدین گجراتی شاہ صبغۃ اللہ بھروچی شیخ مبارک ناگوری ابوالفیض فیضی۔ عبدالحق محدث دہلوی۔ ملا محمود جونپوری۔ عبدالحلیم سیالکوٹی۔ قاضی محب اللہ بہاری وغیرہ بڑے بڑے علما کے حالات بھی کتاب مین آگئے ہین۔ انکے ضمن مین بہت سے تاریخی واقعات اور علمی نکات بھی ملتے ہین کتاب دو فصلون مین منقسم ہے۔

فصل اول — در ذکر فقرا قدس اللہ اسرارہم

فصل دوم — در ذکر فضلا نور اللہ مضاجعہم

پہلی فصل مین تمہید کے طور پر ہندوستان مین مسلمانون کے آنے اور اسلام کے رواج پانے کا ذکر ہے۔ اسطرح دوسری فصل مین اہل اسلام مین علوم و فنون کے پھیلنے اور خلفاے بغداد و اندلس کے مشاغل علمی کا بیان ہے۔

کعبۃ اللہ کی موجودہ عمارت کی نسبت عام خیال یہ ہے کہ وہ حجاج ابن یوسف ثقفی کی بنائی ہوئی ہے لیکن اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان مراد والی روم نے ۹۸۴ھ مین اسکو تعمیر کرایا تھا۔

در سال مذکور (۱۵۷۶ء) نوزدہم شعبان شب چہارشنبہ باران شدید بر زمین مکہ معظمہ بارید و سیلے عظیم درون مسجد در آمد تا طراز جامہ کعبہ بلند گردید مقام زمزم آب ماند و تا دو ان فرو افتاد و درون خانہ یک قد آدم آب ایستاد و مقدار قامت آدمی سجد از خاک و خاشاک پر گشت و مزۂ آب زمزم تغیر یافت بحدے کہ

از گلو فرو نمی رفت و بستم شعبان روز پنجشنبہ بعد عصر خانہ کعبہ فرو نشست و بناے کہ حجاج کردہ بود افتاد و از جہت شامی تمام و از جہت شرقی حتی الباب و از جہت غربی سہ ربع و اکثر بعد ظہور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سقوط کعبہ شریفہ گاہے واقع نہ شد درین حادثہ چہار ہزار خانہ عباد موافقت خانہ خدا کردو قریب پانصد کس بہ طوفان فنا رفت۔ سلطان مراد بن سلطان احمد والی روم انار اللہ برہانہ بہ تعمیر خانہ مبارک امر فرمود و در ۹۸۴ھ اربعین و الف عمارت ہمایون باتمام رسید و بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ سلطان مراد بہ احراز این سعادت عظمی فائض گردید و عمارت مسجد حرام کہ الآن موجود است پیش ازین سلطان سلیم ثانی رفع اللہ قدرہ در ۹۷۳ھ ثمانین و تسعمائہ بنا نہادہ و جانب شرقی و شمالی مرتب ساختہ بہ معمورۂ اخروی شتافت فرزند ارجمندش سلطان مراد ثالث اکرام اللہ مثواہ بتغیر باقی پرداخت و در ۹۸۴ھ اربع و ثمانین تسعمائہ بہ اتمام رسانید حسن این عمارت عالیشان تعلق بہ مشاہدہ دارد۔

علی مہایمی کے حالات مین قوم نوایت کی نسبت لکھتے ہین۔

و قوم نوایت در بلاد دکن مشہور و معروف اند طبری در تاریخ خود گوید نایتہ طائفہ ایست از قریش کہ از ترس حجاج بن یوسف ثقفی کہ پنجاہ ہزار کس علما و اولیا را ناحق کشت از مدینہ منورہ برآمدند و خود را بساحل بحر ہند رسانیدند و در ان سرزمین توطن برگرفتند و این تفرقہ در ۷۵ھ اثنین و خمسین و مائۃ ہجری واقع شد۔

فیضی کی تفسیر سواطع الالہام کے متعلق لکھا ہوا ہے۔

برہان فضیلت شیخ فیضی سواطع الالہام تفسیر بے نقط است کہ درین ہزار سال پیشتر ہیچ مستعدی را میسر نہ شد طرفہ این کہ این چنین کار دشوار در عرصہ دو سال از سبد بہ منتہی رسانید مرحید معانی کاشی تاریخ اتمام تفسیر کہ در ۱۰۰۷ھ اثنین و الف

سورۂ اخلاص برآورد ده هزار روپیه صله یافت فضلاے عصر برین تفسیر توقیعات نوشتند مثل شیخ یعقوب کشمیری شیخ محمد شامی وایضاً ملا ظهوری ترشیزی قصیدۂ عزا ے وقریب هفتاد رباعی در لطائف اعمال نظم کرد وملا ملک قمی نیز رباعیات در سلک نظم کشید۔

تاریخ مذهب کی مشهور کتاب دبستان مذاهب کے مصنف کی نسبت سخت اختلاف ہے۔ سرجان ملکم جسنے ایران کی مشهور و معروف تاریخ لکھی ہے۔ ملا محمد محسن فانی کو اسکا مصنف بتاتا ہے بعض لوگ کیخسرو بن کیقباد کی تصنیف کہتے ہین لیکن ماثر الکرام کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل مین یہ کتاب مرزا ذوالفقار المتخلص بہ مؤید کی تصنیف ہے۔

ہمارے دوست مولوی محمد عبداللہ خان (جنھون نے اس سے پہلے مرزا علی لطف کا نایاب تذکرہ الشعرا شائع کیا ہے) ماثر الکرام کو ایک مشہور مطبع مین چھپوا رہے ہین۔ صاحب پبلشر کی عنایت خاص سے اس کتاب کے اوراق جون جون چھپتے گئے ہمارے پاس پہونچتے گئے اور ہمین یہ موقع ملا کہ ہنے دیگر شایقین سے پہلے اسے دیکھا۔ اصل کتاب ۱۳۱ صفحون پر ختم ہوئی ہے۔ سنا گیا ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے اسپر ایک مبسوط اور عالمانہ مقدمہ لکھ رہے ہین جسمین مصنف کی سوانح عمری اور کتاب کے خصوصیات کا مفصل تذکرہ ہوگا۔ امید ہے کہ یہ کتاب دو تین ہفتہ مین تیار ہوکر شائع ہوجائیگی۔

قابل پبلشر نے اس کتاب کو چھپوا کر ہندوستان کی علمی تاریخ مین ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے اور جو حضرات تاریخی مذاق رکھتے ہین امید ہے کہ وہ اسکی ضرور قدر کرینگے۔

حکیم شمس اللہ قادری

دورنگیِ دُنیا

سدا ہے گردش لیل و نہار دُنیا مین — ہے ایک حال پہ کسکو قرار دُنیا مین
عجیب آب و ہوا ہے جہان فانی کی — کوئی ہے شاد و کوئی دلفگار دُنیا مین
ہمیشہ گلشنِ عالم کا ایک رنگ نہین — کبھی خزان ہے کبھی ہے بہار دُنیا مین
یہی ہے حال تو دلبستگی ہو کیا اس سے — خوشی ہے ایک تو غم ہین ہزار دُنیا مین
ہے خارِ غم گلِ عیش و طرب کے پہلو مین — نہین ہے کوئی خوشی خرمگوار دُنیا مین
بیان ہر ایک خوشی مین تو ساتھ دیتا ہے — مگر نہین ہے کوئی غمگسار دنیا مین
کوئی عزیز ہے چشم جہان مین گل کی طرح — ہے کوئی خار کے مانند خوار دُنیا مین
زبان حال سے کہتے ہین کاخ و قصر و محل — کہ کوئی چیز نہین پایدار دُنیا مین
گلہ کسی سے نہین اپنی اپنی قسمت ہے — کوئی گدا ہے کوئی شہریار دنیا مین
نہین ہین سعدی و جامی مگر ہے یاد انکی
ہے فکر مال کسیکو کسیکو فکر مآل — ذہن چھوڑ کے جا یادگار دُنیا مین ہے کوئی مست کوئی ہوشیار دنیا مین

سید غلام مصطفےٰ ذہین

نوحۂ وفات شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم مرحوم

گھٹا چھائی ہوئی ہے چار سو کیوں آج ماتم کی
صدائے جانگسل ہے لب پہ کیوں فریاد پیہم کی
خلش کیوں شہرگِ جاں میں ہے یا نشتر ہے غم کی
رواں ہے سیلِ خونِ آرزو کیوں چشمِ گریاں سے
ٹپکتا ہے لہو شکرِ مگر کیوں نوکِ مژگاں سے

غم و اندوہ و حرماں ہیں یہ کس کے سوگواروں میں
تمنا بیٹھی ہے رو کے سر کیوں آہ و زاروں میں
یہ غم ہے کس کی مرگِ ناگہاں کا غمگساروں میں
قضائے مولدی ٹل ہے کس کے جاں نثاروں میں
لگائی آگ تو نے نالۂ آتش فشاں کیسی
تڑپتی آ رہی ہیں آسماں سے بجلیاں کیسی

زباں پر ہے یہ پیہم آج شور الامان کیسا
جگر سے اٹھ رہا ہے آہ سوزاں کا دھواں کیسا
کلیجہ آ رہا ہے منہ کو ہنگامِ فغاں کیسا
یہ ہنگامہ قیامت کا ہے مرگِ ناگہاں کیسا
اعزا رو رہے ہیں یہ کس کے ماتم میں
کہ اک اک اشک طوفاں خیز غم ہے چشمِ پُرنم میں

نشاں لا رہے ہیں ہند میں کیوں آج ماتم کے
یہ ہے کیسی غم آرائی یہ کیوں ساماں ہیں غم کے
لہو کے آنسو آ رہے ہیں چھلکتے اشک پیہم کے
کہ حلقے بزمِ ماتم کے ہیں حلقے چشمِ پُرنم کے
قیامت کی تپش ہے آہ، قلبِ ناشکیبا میں
خلش ہے نوکِ نشتر کی رگِ جانِ تمنا میں

یہ کیا اندھیر ہے تاریک آنکھوں میں جہاں کیوں ہے
سوادِ بزمِ ماتم، خطۂ ہندوستاں کیوں ہے
محیطِ حلقۂ گرداب چشمِ خوں فشاں کیوں ہے
عزیزِ لجۂ غم کشتیٔ عمر رواں کیوں ہے
نہ پوچھو کچھ، قیامت کا ہے صدمہ قلبِ مضطر پر
الٰہی خیر ہو شیشہ گرا ہے آج تختِ سر پر

یہ ماتم قصرِ شہ میں ہے، نصیبِ دشمناں کس کا
فلک کو جا رہا ہے آج، یہ تختِ رواں کس کا
خمیدہ بارِ غم سے خاک پر ہے یہ نشاں کس کا
نہاں زیرِ زمیں ہے آفتابِ غرّہ شاں کس کا

جو پنہاں ہو گئی آنکھوں سے وہ تنویر کس کی تھی
بنایا نقشِ حسرت جس کو وہ تصویر کس کی تھی

جگر میں کچھ نہ باقی تو نے اے سوزِ نہاں رکھا
نہ غم کا حوصلہ رکھا نہ یارائے فغاں رکھا
ملائک نے یہ کس کے سر پہ تاجِ آسماں رکھا
قدم فردوس میں یہ کس، مرگِ ناگہاں رکھا
اٹھایا ہاتھ کس نے آہ، یہ دولت پناہی سے
ٹپکتے ہیں گہر بن بن کے آنسو تاجِ شاہی سے

کلیسا میں نظر آتی ہیں کیوں ہر صف میں غم کی
صدا کیوں آ رہی ہے چرخ کے گھنٹے سے ماتم کی
روی ہے آہ کس کے غم میں حالت اہلِ عالم کی
کلیجے میں نہیں طاقت ہے اب فریاد پیہم کی
وفاتِ شاہِ عالم کی ہے اندر سے خبر آئی
پیامِ روح فرسا لیکے ہے باد سحر آئی

مبدّل غم سے نغمہ آہ و قصرِ دل نشیں کا ہے
کہ عالم کچھ عجب حسرت فزا تاج و نگیں کا ہے
فلک ہے کانپتا تھرتھر کلیجہ شرق میں کا ہے
کہ ماتم آج شاہ ایڈورڈ ہفتم کا ہے
عزاداری کے سامان ہو رہے ہیں آہ لندن میں
گریباں چاک ہیں گل، اڑ رہی ہے خاک گلشن میں

نہ اب وہ طرّہ زرّیں نہ ہے وہ تاجِ سلطانی
نہ اوجِ مرصع ہے، نہ ایوانِ جہاں بانی
جہاں کل تک نشاط و عیش کی ہر سو تھی ارزانی
دلوں میں ہے وہاں رنج و الم کی آج حکمرانی
اداسی غم کی اب ایوانِ شاہی پر برستی ہے
زیارت گوشۂ دیباچہ کی خلقت ترستی ہے

نشاطِ عمر فانی، چار روزہ کی آہ، مہماں ہے
بہارِ زندگانی، چار روزہ کی آہ، مہماں ہے
شکوہِ خسروانی، چار روزہ کی آہ، مہماں ہے
عروسِ کامرانی، چار روزہ کی آہ، مہماں ہے
گدا ہو یا ہو شہ، اک دن بنا انجام ہستی ہے
یہ عبرت ہے نہیں ہے عیش کا عبرت کی بستی ہے

سرور جہان آبادی

پیکرِ بیزبان[ع]

اُٹھا کیا اسرار ہوا بھید و تصویر اپنی — مین سمجھتا تھا کہ رسوائی ہے تشہیر اپنی
کہ یہ تصویر ہے تصویر مین آوازِ کمان — وہ جس انداز کے خواہان ہین وہ انداز کہان
لیجئے۔ بھیجکے رسوائی مرے ہات آئی — کیون نہ کہتا تھا مین آخر کو وہی بات آئی
اب وہ مچلے ہین کہ تصویر بھی کچھ بات کرے — کچھ ہنسے بولے کچھ اظہارِ خیالات کرے
دھوم سنتے ہین بہت اسکی حوشِ الحانی کی — آج دے ہمکو تسلیم عنسرِ لحوانی کی
خوب مضمون ہے اسکا وہ شعاعِ امید — اور وہ مثنوی نورِ محل کی تمہید
تازہ تصنیف کوئی اپنی غزل پڑھکے سنائے — کچھ بھڑکتے ہوئے اشعار ہی یہ اپنے سُنائے
اسلئے اسکو بُلایا ہے کہ صورت دیکھین — اسکی تقریر نہین اسکی ملاقت دیکھین
اُسمین طاقت ہی نہین جب سخن آرائی کی — تو یہ تصویر بھی اک شکل ہے رسوائی کی
اور اُٹھا کر کچھ اسیطرح دو تہنیت کلام — سکھتے ہین پیکر بے روح سے امید کلام
بے زبان چیز سے ہے نغمہ طرازی کی امید — قبر حاتم سے ہے مہمان نوازی کی امید
کان رکھکے سُنا چاہتے ہین عزیز کچھ — منتظر ہین کہ صدا آئے لب گور سے کچھ
کون کہدے کوئی اس منزلِ خاموشی مین — صاحب خانہ اب اس خانۂ خالی مین نہین
شاہ جی آگے یہ ٹھوا اور کوئی در دیکھو — جاؤ بستی کیطرف کوئی بھر اگھر دیکھو

+ + + + +

تنگ ہین شوخیِ ہستی سے فراغت والے — تختیہ ڈھونڈھتے پھرتے ہین نزاکت والے
بنگئی شیشہ آئینہ یہ تصویر کہین — ہوگئی باعثِ آرایشِ تعمیر کہین
دیکھتے سب ہین مگر منہ سے نہین کہتے کچھ — محوِ آرایشِ دیوار ہین وہ ایسے کچھ
شکلِ عبرت کی ہے دیوار پہ کی اک صورت — نگہِ حسرت تصویر بھی اک طاقت ہے

میز پر چھوڑ کے اک شیشۂ خالی خاموش — اُٹھ گیا بزم خرابات سے کوئی مینوش
نگہِ حسرت نظارہ گیان باقی ہے — جبہن کچھ دور شبینہ کا نشان باقی ہے
اُڑتے پھرتے ہین بگولون مین بپر پروانہ — جل بجھی شمع مگر ہے اثر پروانہ
دیکھتی موج پُرآشوب کو ہے چشم پُرآب — سطحِ مواج سمندر پہ ہے اک شکلِ حباب
مین سرِ بزم تماشا نگہِ حیرت ہون — کہے کس مُنہ سے کہ مین ہستیِ بے طاقت ہون

کارسازان کہ پیِ اسرار زبانم دادند
مُہر خاموشی حسرت بہ لبانم دارند

نادر

غزل

(از افکارِ تازہ پنڈت برشن نرائن صاحب در)

کیا ہے گر برقِ تجلی کا سمان دیکھا ہے — آگ دیکھی نہین موسیٰ نے دُھوان دیکھا ہے
فرش سے عرش تلک کون و مکان دیکھا ہے — لامکان جبکا ہے گھر اُسکو کہان دیکھا ہے
وصل کے لطف سُنے تھے پہ ہوا ہے جب وصل — جو نہ تھا وہم و گمان مین وہ سمان دیکھا ہے
خیر ایمان کی جاہے تو ترا حُسن دیر — کیا کہین شیخ جو کچھ ہمنے وہان دیکھا ہے
یاد آئی ہے مجھے حُسن رو روزہ کی بہار — رو دیا گل مین جہان رنگ خزان دیکھا ہے
دھو کے یارونکے نہ اسباب کے چرکے کھائے — لطف دُنیا کا ابھی ہمنے کہان دیکھا ہے
سوزشِ دل کا ہے شعلہ اگ لگی ہے دڑدڑ — آہ کہتی ہے کہ مین نے بھی دُھوان دیکھا ہے
خار پوشیدہ نظر آئے ہجوم گُل مین — سبز تیون مین نہان برگ خزان دیکھا ہے
خاکسارون پہ کرم اہل سخا کا ہے مدام — جانب پستی ہی دریا کو رواں دیکھا ہے
سامنا اپنے ہی اعمال کا ہوگا دوم حشر — وہی دیکھینگے وہان بھی جو یہان دیکھا ہے
سوز غم سے ہوے تیر کے کلیجے پانی — ہمنے کہسار سے چشمون کو رواں دیکھا ہے
داغ۔ امیر اپنے زمانے کے تھے اُستادِ مگر — ابر آتش سا کوئی سحر بیان دیکھا ہے

ع۵ سندرجۂ بالا نظم کے ساتھ حضرت نادر کی تصویر جو اسکے مقابل ہی جلوہ افروز ہے ایک بالکل انوکھی تلمیح پیش کرتی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ہمنے ایک خاص مرتع کیلئے اپنے دیرینہ دوست جناب نادر سے اُنکی تصویر مانگی تھی۔ تصویر کے ساتھ نازک خیال شاعر نے ایک نظم بھی ارسال کی جو بالکل نئے اور انوکھے طرزِ خیال پر مبنی تھی اور جسے ہم ایک عمدہ تلمیح کہہ سکتے ہین۔ مرقع مذکور کی تیاری مین اسلئے ناکامی ہوئی کہ ادیب کے خاص خاص تلمی معاونین مین بعض حضرات نے اپنے فوٹو بھیجنے مین خاص مندرجہ ظاہر کی۔ ناچار جدید تقلید آگئی ہین اُنھین خاص خاص دو تصاویر علیحدہ علیحدہ شائع کیا جائیگا۔ اس نظم مین جناب نادر کے مخاطب ہم ہین نہ کہ کوئی خیالی معشوق ہے جیسا کہ عام مذاق کے مطابق شبہہ ہو سکتا ہے۔ ایڈیٹر

منشی نادر علیخان صاحب نادر

لطفِ خموشی

خموشی خوبیِ غنچہ دہن ہے سخن آموزِ چشمِ سحر فن ہے
نقابِ روئے رعنائے سخن ہے وفورِ شوقِ اہلِ انجمن ہے
زبانِ حال کی تقریر ہے تو
کہوں کیا بولتی تصویر ہے تو

ترا لی تو نرالے تیرے انداز ادا ہر اک بجائے خود ہے آواز
ستم ہے واد کیونکر پائیں جانباز کہ محشر میں بھی چپ ہیں صاحبِ ناز
لبِ پاں خوردہ کی دمساز ہے تو
شہِ رنگیں قاتلِ ملتاز ہے تو

تمانت جنکے ہے تو تیر میں تو معیّن را ے ہے تدبیر میں تو
نہاں ہے عالمِ تسطیر میں تو مضا میں جنکے ہے تحریر میں تو
جگہ آنکھوں میں تجکو دے رہے ہیں
مرے ہم دل سی دل میں لے رہے ہیں

دُلہن آئی مسرت کے نشاں ہیں ادھر گھیرے ہوئے بھولیاں ہیں
دلہن کچھ بولے اسپر ہمزباں ہیں تیرے جلوے وہاں بھی داستاں ہیں
عروسِ نو کا جھومر بنگئی تو
حیا کا اور زیور بنگئی تو

کہا اک روز امید وفا پر کہاں تک یہ جفائیں اے ستمگر
لگی چپ شکوۂ بیدار سنکر نہ ہوں ہاں ہے بنے بیٹھے ہیں پتھر
یہاں جنبیدۂ دل صدر زباں ہے
وہاں اک خامشی تفضل دہاں ہے

دلِ وارفتہ جیکو دھو رہا ہے مثالِ آئینہ سکتا ہوا ہے
خموشی مہرلب ہے چشم وا ہے کسی جلوہ نے حیران کردیا ہے
مگر میں اُف! شکیبائی نہ چھوڑی
زباں میں تاب گویائی نہ چھوڑی

تصور میں ہے کوئی جانِ جاں کے حجاب اُٹھے ہوئے ہیں درمیاں کے
کھلے عقدے ہیں اسرارِ نہاں کے وہاں اب ذکر کیا نطق و بیاں کے
نظر میں جلوے اُس تصویر کے ہیں
خموشی میں مزے تقریر کے ہیں

یونہیں جل بجھتی ہے شمع مُنوّر کبھی لائی نہ سوزِ دل زباں پر
بصد غم خاکِ پروانہ پہ شب بھر سرشک افشاں رہی با دیدۂ تر
نہ اُف کی تا دمِ آخر زباں سے
گئی خاموش بیچاری جہاں سے

شریر - سہارنپوری

کلامِ اکبر

اچھی وہ آرزو کہ جو دل کا ادب کرے اچھا وہ دل جو دل کی لذت طلب کرے
یہ پروانہ ہے جسنے دیدہ بازی کا ہر جانا اُمید کا کام ہے فوقِ نظر میں چلکے مرجانا
یہی باتیں ہیں جنکی یاد تڑپا دیتی ہے دلکو مرا انگڑائیاں لینا اور اُس ظالم کا ڈر جانا
رہا دنیا میں مدت سے یکونگی وحدت نہ میں نے شام پہچانی نہ ہنگام سحر جانا
ہیں اُس انجمن میں عزتِ شرکت سے کیا حاصل کہ جب جائز نہیں مجکو جدھر مووہ ہیں اُدھر جانا
کونسل میں اگر پیش ہوئی معزز نہ تو اے یار اللہ بلا خیر الا ہے مرنے کیلئے تیار رہو
مال اور دولت یہاں وہاں سے لائیں سامان انگریز کی دوکان سے لائیں
قائم نہ رہے ادب تو کیا اسکا علاج انگریز کا رعب ہم کہاں سے لائیں

رباعی

مسکین گدا ہو یا ہو شاہِ ذیجاہ بیماری و موت سے کہاں کسکو پناہ
آہی جاتا ہے زندگی میں ایک وقت کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

بارشِ بے ہنگام

گذشتہ سال موسم گرما کا آغاز ہوتے ہی ان اضلاع مین اردبا ران کا وہ طوفان آیا تھا کہ بالکل برسات کا سین کھینچ گیا تھا۔ اس موقع پر ذیل کی نظم کہی گئی تھی جو طولانی علالت کیوجہ سے وقت پر شائع نہین ہوسکی۔ ان دنون پنجاب سے بھی ایسی ہی بے فصل برسات کی خبرین آئی ہین لہذا اس نظم کی اشاعت بموقع نہ خیال کیجائیگی۔ ایڈیٹر

برس رہا ہے جو بے فصل اندنون پانی
ہوا ہے خلق کو اک موجبِ پریشانی

نہین ہے جہل سے کمتر مگر یہ منطق بھی
کہ ہین دلائلِ فرضی، دسیسل نادانی

کبھی چمکتی ہے بجلی، کبھی ہے رعد کا شور
گھرا ہے ابر فلک پر، ہوا ہے طوفانی

کیا سمجھ کے نہ حضرت نے کوئی ہتدلال
قبول کرتی جسے کچھ بھی عقل انسانی

سحر کو دیکھو تو سیلاب ہر طرف ہے عیان
کہ ٹوٹ ٹوٹ کے برسا ہے رات بھر پانی

دل و دماغ مین سوشل رفارم کی جو ہو دھن
تو سب سے پہلے ہے مذہب کی اسپہ قربانی

ہر ایک سمت ہین لبریز نہ یان نالے
سمندرون مین تلاطم ہے اور طغیانی

اگر یہ علم نہوتا تو آج دنیا مین
یہ دورِ بینین ہی ہوتین نہ فلسفہ دانی

نہین خریف کی برسات کے یہ دن ہرگز
نہ ہین ربیع کے بادل نہ ابر نیسانی

جنون سے کم نہین ایسے علوم کا بطلان
فلاسفہ نے بھی کی جنکی ہوشنا خوانی

بہت سے لوگ ہین حیران ایسی بارش سے
شکستہ پا ہے یہین پر تو عقل انسانی

اگر علوم قدیمہ ہین نامکمل کچھ
ترقی اُنمین ہے بیشک کمال انسانی

جو اگلے لوگون سے پوچھو تو کہتے ہین حالتا
ہماری یاد مین برسا نہ آجکل پانی

غرض یہ بحث یہان پر فضول سی ہے نظر
کہان تک اہل حماقت کی مرثیہ خوانی

شروع موسم گرما مین دو تگڑے کیسے
کہان وہ لو، کہان یہ ہولے طوفانی

ہمارے ذہن مین بارش ہوا پہ ہے موقوف
چلین جو خاص ہوائین برس گیا پانی

یہ دن زمین کے تپنے کے ہین مہینون تک
ابھی کہان ہوئے پیدا بخار بادانی

ہوائین دو ہین، وہ دونون ہین متعلق بکبر
بہم ملین تو ہون پیدا سحاب بارانی

کہان تداخلِ فصلین اور کہان برسات
سمجھ مین آتے نہین کچھ یہ رمز نہانی

رہے بخارات وہ اکثر ہوا مین ہین موجود
بچے کھچے کچھ ہوئے قحطون کے یا فراوانی

کھڑا ہے کھیتون مین خلقہ لگے ہین غرق ہونے
یہ بارشین نہین گویا ہین قہر یزدانی

برس کے کر گئے پیدا عجیب حیرانی
ہوائین پاکے مناسب وہی ہے بدلی

یہی ہے ملک ہین وجہ ترقی الامراض
اثر ستارون کا ہوتا ضرور ہے اپنر

کہ یہ نظام جہان کا ہے رمز نہانی
جو یہ عتاب خدا ہو تو کیا اُمید کرین
کیا ہے حل اسی مسئلے کو جوتش نے

یہی ہے علم ہمارا قدیم و لاثانی
نجومیون سے جو پوچھو تو اپنی گاتے ہین
مگر جہان مین وہ چھائی ہے ماتمی تہذیب

کہ گم ہین جسکی فضا مین علوم روحانی
کہ ایکے سال جو ملاس ہے تو لازم ہے
تلفاتِ زمین و فلک ہین وہ نازک

کچھ مین آنہین سکتے کبھی بآسانی
ہزار حیف ہمارا وہ علم جوتش تھا
ہوائین ہو جو رطوبت تو روز بارش ہے

جہان مین سرد ہوا لک کی ہے یہی بانی
یہی ہے باعثِ کشفِ عجائبات فلک
وہان بخار کہان ہین جہان نہین تالش

ہوا ہے گرم نہ خورشید کی درخشانی
ہوئی ہے جہل سے مٹی خراب کیا اُسکی
غرض ہین بارش و باران ہمیشہ اک رحمت

مدام انکو سمجھیے فیوض یزدانی
لکھا تحالف ہے جوتش کے ایک حاشیے
اور اپنے زعم مین کی ہے بہت گل افشانی

ایڈیٹر

کلامِ صفی

رباعیات

ہشیار اے ساکنانِ ہنجارِ عمر — ہر گام پہ ہے لغزشِ مستانۂ عمر
رعشہ نہیں اعضا میں نقاہت کے سبب — پیری میں چھلک رہا ہے پیمانۂ عمر

طفلی بھی ہوئی آہ جوانی بھی تمام — پیری کا بھی ہونا ہے یہی کچھ انجام
مائل سوئے خاک ہے جو قدِ پُر خم — اب ڈھونڈ رہا ہے اپنی راحت کا مقام

کب قد میں ہو جوانوں کی یہ خم — خمیازہ کشِ مئے جوانی ہے یہ خم
پیری میں ہے رخصت کا زمانہ جو قدیم — آغوش وداعِ زندگانی ہے یہ خم

جب زور نے طعنہ ناتوانی کو دیا — پیری نے ہر الزام جوانی کو دیا
جھک کر جو کیا قدِ خمیدہ نے سلام — طاقت نے جوابِ زندگانی کو دیا

غم نقدِ حیات لوٹنے ہی کو ہے — یہ رشتۂ عمر ٹوٹنے ہی کو ہے
پیری میں کمر جھکی تو کیا دم کا قیام — اب تیر کمان سے چھوٹنے ہی کو ہے

ہے توسنِ عمر گزران گرم شتاب — طفلی کا زمانہ ہے نہ ہنگامِ شباب
پیری کا خمِ پشت سے ہے یہ مقصود — غافل سمجھ اس عہد کو بھی یار رکاب

کو سوئے چراغِ صبحگاہی نہ لگا — دل جز طرفِ یادِ الٰہی نہ لگا
پیری کو خضاب سے نہ دے رنگ شباب — اے شیخ سفیدی میں سیاہی نہ لگا

رو ٹھا ہے شباب اس طرح تو ہم سے — رکھا نہ تعلق بھی سرِ مو ہم سے
یہ قد دوتا پہ جھریاں کب ہیں صفی — پیری بھی ہے آہ چین بہ ابرو ہم سے

پیری آئی دیا پیام رخصت — ہے بہر حواس اذنِ عام رخصت
یہ قد دوتا کا ہے اشارہ غافل — کرتی ہے تجھے زیست سلام رخصت

بڈھے سے کسی جوان نے پوچھی یہ بات — کیا ڈھونڈھتے رہتے ہو جھکے تم دن رات
اُس نے یہ کہا ارے "جوانی" بابا — جو خاک میں ملگئی ہے ظالم ہیہات

غزل

نہ وہ میں تھا نہ یہ میں جلوۂ جانانہ جُدا — ایک پردے نے کیا کعبہ و بتخانہ جُدا
آشنا راہ میں ہیں صورتِ بیگانہ جُدا — اپنے سائے سے بھی ہیں ایدل و ویرانہ جُدا
مُژدہ جانِ خونِ محبت کی ہر اک نقطے پر — ہے سب افسانوں سے کچھ عشق کا افسانہ جُدا
حُسن سرتا بقدم شعلۂ امید گداز — ایک عشوہ میں ہوا شمع سے پروانہ جُدا
منزلِ شہرِ خموشاں کو جو دیکھا جا کر — ایسی بستی ہے کہ جس سے نہیں ویرانہ جُدا
نازِ مستانِ چمن حد سے گزرنا کیسا — جادۂ راہ سے ہے سبزۂ بیگانہ جُدا
جتنے بھی خمکدۂ عشق میں ہم شب ہیں — اُنکا پیمانہ جُدا ہے مرا پیمانہ جُدا
نہ یہاں کوئی طبیب اور نہ بیمار پرست — ہے محبت کے مریضوں کا شفاخانہ جُدا
کششِ حُسن و رخِ شمع ہے شیرازۂ عشق — ہونے پاتا نہیں پروانے سے پروانہ جُدا
دیتے اُٹھا ہے مجھے کوئی اس انداز سے جام — رعشہ ہاتھوں میں جُدا لغزشِ مستانہ جُدا

لذتِ درد کا طالب ہے ابھی اور صفی
روح قالب سے نکلے غمِ جانانہ جُدا

مخمس

مسرت کے سامان بہم دیکھتے ہین بہت دور دنیا سے غم دیکھتے ہین
یہ کہکر ترقی کو ہم دیکھتے ہین جہان تیرا نقش قدم دیکھتے ہین
خیابان خیابان ارم دیکھتے ہین

جو معنی کو سمجھے نہین عشق وقت کے نہ بنتے ہین سمر کسی انجمن کے
بیابان کے شائق نہ رنگ چمن کے دل آشفتگان خال کنج دہن کے
سویدا مین سیر عدم دیکھتے ہین

پریشان ہوے سیکڑون اہل عالم تری کاوشون سے ہے ہر زلف برہم
رکھین دوست کیا جب دنیا سے ہمدم ترے سرو قامت سے اک قد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہین

غرور جوانی پہ یہ بیقراری کہ فانی ہے دنیا کی تزئین ساری
نہ حاصل ہو تجھکو غم و سوگواری تماشا کہ اے محو آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہین

جو منظور ہو غیب کا پردہ اٹھے تو جا کر صفا باطنون سے سبق لے
ذرا دیکھ سینے کو گردن جھکا کے سراغ تف نالہ داغ دل سے
کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہین

نہ ثروت کے خواہان نہ حشمت کے طالب نہ محشر کیلی ہین دولت کے جالب
کسی سے نہ دنیا مین اک جان دو قالب بنا کر فقیرون کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہین

محشر لکھنوی

کلام چک بست

مری خودی ہے وہ بیخودی کہ خودی کا ہم گمان نہین یہ سرور ساغر ہے نہین یہ خمار خواب گران نہین
جو ظہور عالم ذات ہے یہ فقط ہجوم صفات ہے ہے جہان کا اور وجود کیا جو طلسم وہم و گمان نہین
یہ حیات عالم خراب ہے نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے وہی کفر و دین مین فراق ہے جسے علم راز جہان نہین
وہ ہے سب جگہ جو کرو نظر وہ کہین نہین جو ہو بہر بر مجھے آج تک نہ ہوی خبر وہ کہان ہے اور کہان نہین
وہ دہ خم ہین بادہ کا جوش ہے وہ دمن طلبہ فرش ہے نہ کسیکو رات کا ہوش ہے وہ سہو کر شب کا سمان نہین
یہ زمین پر جھکا تھا وہ بیر کہ بلند عرش پہ نام تھا انھین دون فلک نے مٹا دیا کہ مزار کا بھی نشان نہین

ہوے قفس سے رہا بھی تو کس مصیبت مین اندھیری رات ہے اور آشیان نہین ملتا

یون نہ انسان کا برگشتہ مقدر ہو جاے مین اگر پھول اٹھالون تو وہ پتھر ہو جاے

مغرب کے بوستان مین جو رنگ و نوا ان نہین سنتے ہین اس زمین پہ یہ آسمان نہین
کچھ اور ہے وہ شاعر معجز بیان نہین جسکے سخن سے رنگ طبیعت عیان نہین
اظہار درد غیر سے کرتے ہین بوالہوس ہم کو داغ نالہ و آہ و فغان نہین
دوش صبا پہ رہتا ہون مانند مرغ بو شاخ ثمر کو بار مرا آشیان نہین
جادو کیے حسن کا چلتا ہے رات دن بیکار نقش بندی کون و مکان نہین

کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی
واللہ وہ زمین نہین وہ آسمان نہین

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

مشرق گورکھپور۔ "ادیب الآباد" اُردو علم ادب کے ترقی کا وہ جریدہ ہے جو ایک متحدہ زبان کی ترقی اور اسکی اصلاح کی کوشش مین اپنا عزیز وقت صرف کر رہے ہین

.....

ہمارے دوست منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی جنکو اُردو علم ادب مین خاص دستگاہ اور نظم شاعری مین شہرہ آفاق ہین اس رسالے کے ایڈیٹر ہین۔

جب ..... اہل زبان اڈیٹر ہون تو رسالے کی ترقی مین بہت بڑی کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔ جنوری فروری کے دو نمبر ہمنے دیکھے ہین دونون کی رفتار ایک امید فزا حالت کی خبر دیتی ہے۔ مضامین کے اعتبار سے گو بلند پایہ ابھی نہین ہے۔ مگر ترتیب اور رنگ روپ۔ اہتمام تصاویر اور کاغذ کے ستھرے پن چھپائی اور کتابت کی خوشنمائی کے اعتبار سے یہ رسالہ بہت کچھ قابل تعریف ہے۔ مضامین پر ہمارا اعتراض نہین ہے ابتدا مین مضامین کی بلندی اور علمی مضامین کی تلاش ظلم ہے اسکی اصلاح مدتون مین ہوتی ہے اُردو کی بیمایگی اور کس پرسی کی حالت دیکھکر جو کچھ کر رہے ہین کرامت ہے ادیب کی تصویر رون پر رشک آتا ہے۔ بنانیوالے کے ہاتھ چومنا تو آسان ہے افسوس ہے کہ صاحب دول اور صاحب استطاعت روسا انکی قدر نہین کرتے ایسے رسالونکی ہر جگہ ضرورت ہے۔ اسکی قیمت فی پرچہ ہ اور سالانہ چار روپیہ ہے ۵

حُسن یوسف کو پڑیون کے مول ہے بازار مین

دو بارہ۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ "ادیب" ماشاءاللہ خوب رنگ بہار دکھا رہا ہے۔ ہم اپنے دوست منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی کو مبارکباد دیتے ہین کہ وہ کامیاب اڈیٹر ہین۔

اپریل کے نمبر مین حافظ شیرازی۔ دُمدار ستارہ۔ فن کتاب فروسی پر بہت اچھے مضمون نکلے۔

مشرقی ادب کی تاثیر۔ ماہیت فلسفہ۔ پر جو لکھا گیا ہے پڑھنے کے قابل ہے۔ کلام اکبر۔ کلام ابرلہ چکبست کا تقابلہ۔ نظر کی غزل۔ دلپزیر و نشتر گلاب دیو۔ "ادائے شرم" پر جو کچھ سُرور نے لکھا ہے وہ خاص اُنکا حصہ ہے۔ ادیب کے دیکھنے والے ہر بار پڑھین اور داد دین۔ جدید دور کے شاعرون مین اور جدید شاعری کی دُنیا مین سرور کا سکہ چلے گا۔ ہلوگ نثر مین بھی یہ خوبصورت تصویر نہین کھینچ سکتے۔ تمام اوصاف شاعرانہ کے ساتھ جناب سُرور نے صحیح تصویر "ادائے شرم" کی کھینچی ہے اسکی تعریف کیا ہو سکتی ہے۔

ہماری داد کی انتہا یہ ہے کہ کم فہمی مین بھی اسکو دو بار پڑھا۔ "ایک یادگار شاعر" کے عنوان سے جو مضمون ہمارے دوست جناب چکبست نے لکھا ہے اور مشاعرے کی جو صورت کھینچی ہے گو وہ کوئی تلاشی تحریر نہین۔ مگر اُردو علم ادب کے میگزین مین ایک بیش بہا دلچسپ اضافہ ہے۔ ایسے دماغ گرم کرنیوالے اور دلکش مضامین سے علم ادب کی قوت بڑھتی ہے اور جب فلسفیانہ مضامین اور اخلاقی انشا کو دیکھنے کے بعد ایسے پُرلطف اور پاکیزہ مضمون دیکھنے مین آتے ہین تو روح مین بالیدگی اور دماغ مین خوش طبیعت مین امنگ اور تمام قوی مین جذبات پیدا ہو جاتے ہین۔

ہم سٹرچکبست کے انداز بیان کی تعریف اور انکی نظر انتخاب پر صاد کرتے ہین اگر ایسے چشمدید واقعات لکھنے کا التزام کیا جائے تو اپنی زبان مین ایک کافی سرمایہ ہم موجود پائینگے اور یقیناً ہم کو بہت شگفتگی ہوگی۔

لڑکیون کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان مین لڑکیون کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گانون مین لڑکیون کے مدرسے جاری ہو رہے ہین - اس ترقی تعلیم کا نتیجہ بقدر رسید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہین - تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیون کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہین تیار ہوا ہے جو انکی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انھین خاطر خواہ فائدہ پہونچا سکے - اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیون کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ پنجاب کی کمیٹی نے نہ صرف پسند کر کے بلکہ تمام دیگر ریڈرون پر ترجیح دیکر مدارس نسوان مین جاری کر دیا ہے -

ان ریڈرون کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہین - انمین اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیون اور مضمونکے علاوہ تمدن داری معاشرت - امور خانہ داری - بچون کی پرورش - مریضون کی تیمارداری - خاوندکی اطاعت شرم و حیا - عفت و عصمت اور ہنر و کار آمد باتین لکھی گئی ہین - علاوہ بریں ان ریڈرون مین سیتا جی - دمینتی - سکنتلا - ساوتری - لیلاوتی - اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریان اور چین و جاپان کی لڑکیون کے حالات نہایت سلیس اور بچون کی سمجھ مین آنیوالی زبان مین درج ہین - کاغذ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہین جو انڈین پریس کا حصہ ہے - ان ریڈرون مین ۱۱۸ تصاویر بھی ہین جنمین ۳۲ تصاویر پیسے صفحون پر علاوہ چھاپکر شامل کی گئی ہین - پرانصاب ذیل ہے -

(۱) اُردو کا نیا قاعدہ ..... قیمت ۹ پائی
(۲) لوار پرائمری ریڈر (پہلی اور دوسری جماعت کا نصاب) " ۶ "
(۳) اپر پرائمری ریڈر (تیسری اور چوتھی جماعت کا نصاب) " ۱۰ "
(۴) لوار مڈل ریڈر (پانچوین اور چھٹی جماعت کا نصاب) " ۸ "

منیجر انڈین پریس الہ آباد

ہر ایک عیالدار کے لئے ضروری کتاب

ہمارے ملک مین ہزارون

عورتین اور بچے ہر سال اناڑی دائیون کے بدولت بیوقت مرجاتے ہین خاندان برباد ہو جاتے ہین - ملکی ہمدردی کو مدنظر رکھکر کبراج بابو اناش چندر بسواس پریسیڈنٹ تھیوسوفیکل سوسائٹی نے ایک نادر کتاب موسومہ ہدایت نامہ دایان ہند مولفہ ڈاکٹر بے - این - مکرجی صاحب - ایل - ایم - ایس - اُردو زبان مین ترجمہ کر کے معرفت سول سرجن صاحب لودھیانہ بخدمت جناب انسپکٹر جنرل شفاخانہ جات پنجاب واسطے اظہار رائے روانہ کی صاحب موصوف نے کتاب مذکورہ خان بہادر ڈاکٹر رحیم خان پروفیسر میڈیکل کالج لاہور کی خدمت مین بھیجکر رائے طلب کی - ڈاکٹر رحیم خان صاحب نے لکھا کہ کتاب نہایت مفید اور قابل تحسین ہے - بعد ازان یہ کتاب جناب کرنل جی - کامڈن ینگ صاحب بہادر کمشنر جالندھر نے براہ مہربانی واسطے منظوری گورنمنٹ پنجاب ارسال کی تھی گورنمنٹ نے کتاب مذکورہ پسند فرما کر ایک بلند فرمان جاری کیا جس مین کتاب ہذا کو بطور نصاب کے مقرر کیا ہے - یہ کتاب حمل سے بچہ پیدا ہونے تک جسطرح حاملہ زچہ کی احتیاط خبردار علاج معالجہ ہونا چاہئے مفصل درج ہے بعد بچون کی پرورش امراض کا علاج پانچ برس کی عمر تک مفصل لکھا ہے .....

... اس کتاب کو ہر شخص پڑھکر اپنی مستورات کو واقف کر سکتا ہے اور جہان جہان عورتین خود تعلیم یافتہ ہین وہ خود بھی فائدہ اُٹھا سکتی ہین اور اپنی اور اپنے پیارے بچون کی جان کو بچا سکتی ہین پبلک کی قدردانی سے چھٹی مرتبہ چھپکر فروخت ہو رہی ہے - باتصویر صفحہ ۲۳۲ کلان قیمت اُردو ایک روپیہ تین آنہ - ناگری ایک روپیہ پانچ آنہ مع محصول ڈاک ہے - نامی اخبارات نے عمدہ ریویو درج کئے ہین - اگر منگانا پسند ہو تو واپس کر کے قیمت واپس لو اشتہار کے موافق نہ ہو تو کتاب بھی رکھو اور دام بھی لو یہ شرط ہے - ملنے کا پتہ -

منیجر فیصر ہند ایجنسی نمبر ۱۹ لودھیانہ پنجاب

جلد — جون سنہ ۱۹۱۰ء — نمبر ۶

ادیب

ادب اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ — ایڈیٹر ثانی بنت راے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) اعلیٰ حضرت شہنشاہ جارج پنجم و ملکہ معظمہ میری دام اقبالہا (رنگین)

(۲) مولانا اشہری مرحوم — (۳) مادر مہربان ملکہ الگزنڈرا دام ظلہا — (۴) تاج محل کی چھپکاری

(۵) رُکمانگدا اور موہنی — (۶) فارا اجنٹا — (۷) شہنشاہ مرحوم کا تابوت — (۸) کرۂ مریخ

فہرست مضامین

	صفحہ
۱۔ تمدن ہند۔ از شمس العلما ڈاکٹر سید علی صاحب بلگرامی۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ بالقابہ	۲۶۵
۲۔ انگریزی حکومت کے برکات۔ از مولانا سید اعجاز علی صاحب شہری مرحوم	۲۶۲
۳۔ بیجا نگر۔ از حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری	۲۶۹
۴۔ رسم بوسہ ستانی پر ایک حکیمانہ نظر۔ "ایک طالب علم"	۲۷۵
۵۔ روپیہ کی قیمت گھٹ رہی ہے۔ از مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر	۲۸۱
۶۔ اسلامی پردہ۔ از مولوی سید محمد نادق صاحب	۲۸۶
۷۔ قطب مینار کسنے بنایا۔ از خواجہ لطیف الدین صاحب چشتی دہلوی	۲۹۴
۸۔ مسدس غم۔ از خان بہادر مولانا سید علی محمد صاحب شاد ڈپٹی کلکٹر پنشنر عظیم آباد	۲۹۶
۹۔ قیصر ہند کے ماتم میں چند آنسو۔ از سید تصور حسین صاحب واصف اکبر آبادی	۲۹۸
۱۰۔ کلام اکبر۔ از خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر جج پنشنر الہ آباد	۸
۱۱۔ باغ دل۔ از پنڈت برجموہن ناقد صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی	۲۹۹
۱۲۔ کوئل۔ از حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی	۳۰۰
۱۳۔ کلام چکبست۔ از پنڈت برج نرائن صاحب چکبست۔ بی۔ اے۔ لکھنوی	۳۰۱
۱۴۔ دنیاے مریخ۔ از سید محمد یوسف صاحب قیصر ایڈیٹر الحجاب بھوپال	۱۱
۱۵۔ قطعات۔ از مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی	۳۰۲
۱۶۔ ایڈیٹوریل	۳۰۳

قیمت سالانہ چار روپیہ — فی پرچہ چھ آنہ

پنچولی پرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا

اطلاع

جنوری نمبر دوبارہ چھپکر تیار ہوگیا ہے۔ جن حضرات کو ضرورت ہو جلد طلب فرمائین۔ اب سہ بارہ چھپنا بہت مشکل ہے اور یقیناً مایوسی ہوگی۔

مینجر ادیب

ضرورت

انڈین پریس الٰہ آباد کو چند کاپی نویس اور مصلح سنگ درکار ہین۔ تنخواہین معقول دیجائینگی جبکا تصفیہ خط وکتابت سے ہوسکتا ہے۔ درخواست کے ساتھ تحریر کا نمونہ ضرور آنا چاہئے۔

مینجر انڈین پریس الٰہ آباد

(قیمت سالانہ للعدد) — **ادیب** — (فی پرچہ ۱۰)

کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھوین کو بقید تاریخ شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم مسلم الثبوت اساتذہ اور بہترین انشاپردازوں سے وقیع۔ دلچسپ اور مفید بنانے مین سرگرم ہین۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کے لئے دلچسپ ہو کوشش یہ کی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہون خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کیلئے بھی اسیقدر دلچسپ، مفید اور خوشگوار ثابت ہون جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے۔

اسکی عمدہ ضخامت ۸۰ صفحات ہے اور ہر صفحہ مین دو کالم ہونے کیوجہ سے اسمین معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم از کم ایک رنگین اور متعدد سادی تصاویر بھی دیجاتی ہین جنمین مشہور مصوّرون کی صناعیون کے نمونے یا شاہیر حضرات کے فوٹو۔ تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہین۔ بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعرون کی نظمین بھی حاصل کیجاتی ہین جو تصویرون کی دلکشی کو دوبالا کردیتی ہین۔ قدردانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد مین اضافہ ہوتا رہیگا۔

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی مین بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کے ساتھ تصاویر چھاپکر اسمین اضافہ کیجاتی ہین جو اسکی مقررہ ضخامت سے علٰحدہ ہوتی ہین۔ ہر نوع قدردانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھ انگریزی میگزینون سے شانہ بہ شانہ ہے۔

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت مین ان خصوصیات کے ساتھ کوئی پرچہ نہین ملسکتا بلکہ اس ارزانی کے ساتھ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم از کم ساٹھ ہوتی ہے) کہین دستیاب نہین ہوسکتین۔ نظر بریں معزز ناظرین رسالہ سے اسید عا ہے کہ اگر یہ خدمات قابل قبول ہون تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت مین بھی حتی الامکان امداد فرمائین۔

خریداری کیلئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہین بھیجا جائیگا بلکہ ۶ روصول ہونے یا ولیو پے ایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ صاف وخوشخط لکھا جائے تاکہ پرچہ پہنچنے مین دقت نہو۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہئے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصے کے لئے ضرورت ہو تو مینجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔

اس رسالے مین مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہین چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہین لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائین۔ اگر مضمون اور تصاویر ساتھ نہ آئینگی تو مضمون شائع نہوگا۔ خط وکتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جاے ورنہ تعمیل ارشاد نہوسکیگی۔ تمام خط وکتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہئے۔

مینجر "ادیب" انڈین پریس الٰہ آباد

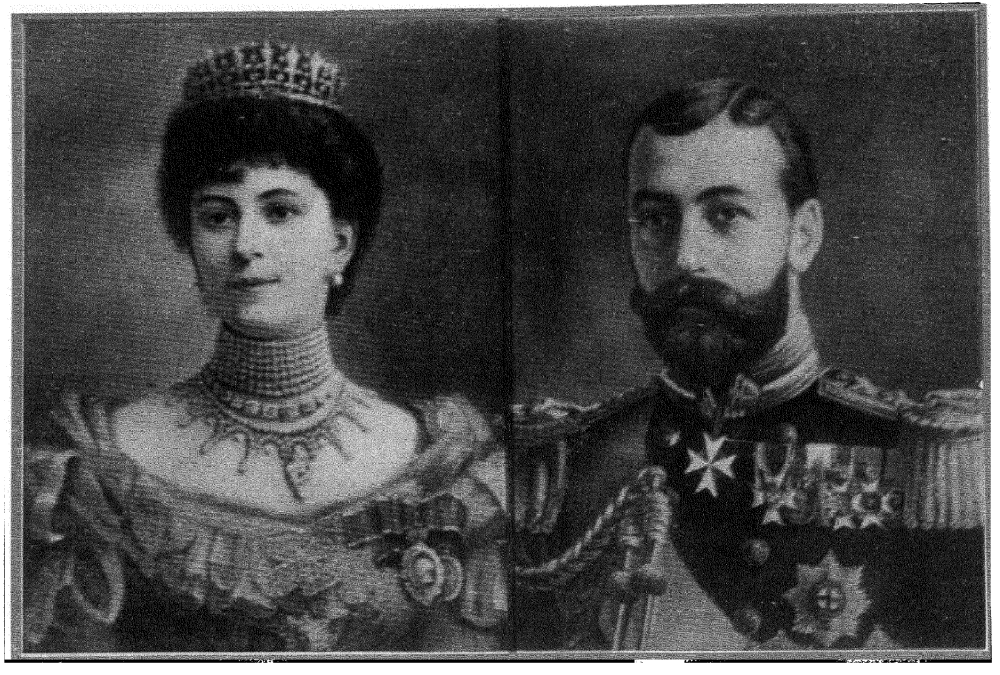

اعلیٰ حضرت شہنشاہ جارج پنجم دام ملکہ

علیا حضرت ملکہ معظمہ مہری دام اقبالہا

انتخین پریس الہ آباد

جون سنہ ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ——— نمبر ۶

تمدن ہند

(مصنفہ موسیو گستاولی بان - کتاب چہارم - باب دوم)

فصل دہم ہندوؤن کے مذہبی اعتقادات تین یا چار سو سال قبل مسیح -

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہین اُسمین مذہب بُدھ ہندوستان مین پیدا ہو چکا تھا لیکن اُسنے ابھی قوت نہین پکڑی تھی - مگستھنیز بُدھ درویشوں کا ذکر کرتا ہے اور اُنکے اعتقادات سے بھی جو اُسوقت پھیل رہے تھے بحث کرتا ہے اور نیز برہمنون کی مخالفت کا حال لکھتا ہے لیکن بُدھ مذہب اُس زمانہ کے بعد اشوک کی حکومت مین یعنی اڑھائی سو سال قبل مسیح مین ہندوستان کا حکومتی مذہب بنگیا اور تمام ملک مین پھیل گیا جیسا کہ ہم باب سوم مین دیکھینگے - اس مقام پر ہم صرف اُس زمانہ کے برہمنی مذہب سے بحث کرینگے -

قیاساً تو ہندو مذہب ہمیشہ ویدسے مشتق خیال کیا جاتا ہے - یہ کتابین اس درجہ قدیم ہین کہ استدلال انہین سے ہوا کرتا ہے - وید کے دیوتا نام کے رہ گئے ہین لیکن عملاً اصلی مذہب مین بے انتہا تغیر ہو گیا ہے - ایک طرف تو جدید فلسفی مباحث انسان کی آیندہ زندگی اور دُنیا کے انجام کے متعلق مذہب مین شامل ہو گئے ہین اور دوسری طرف یہ امر محسوس ہوتا ہے کہ برہمنون کے مذہبی اصول نہایت سخت ہو گئے ہین - اعمال اور چڑھاوون پر اس درجہ زور دیا گیا ہے کہ گویا انکی تاثیر دیوتاؤن کی قوت سے بھی بڑھ گئی ہے - سب سے زیادہ تو بیرونی اعمال ہین جو اسقدر بے معنی اور خشک اور پیچیدہ ہین کہ اُنکی مثال دوسرے مذاہب مین نہین مل سکتی - یہ معلوم ہوتا ہے کہ وید کی دُنیا کو کسی سرکردہ رہبر کی ہوا نے ٹھٹھرا کر بے جان کر دیا ہے - وہ وید کے دیوتاؤن کا گروہ اور وہ قوائے فطرتی کا عجیب و غریب سمان جس سے رگ وید

کے سوکت بھرے ہوئے ہین ہمیشہ کے لئے تلف ہوگیا۔ نہ تو آفتاب اپنے فتح کے رتھ پر سوار ہوکر آسمان پر چڑھتا ہے اور نہ شفق اُسکے آنے سے پہلے مشرق کیطرف اپنا تبسم دکھاتی ہے موافق اور سازگار ہواؤن کے جھونکے ابر کی گایون کو آسمان کی چراگاہ پر نہین لے جاتے اور نہ اُنکے پُرآب تھنون مین سے وہ موسلار دھار بارش ہوتی ہے جو ہر شے کو زندہ کردیتی ہے۔ یہ سارے شاعرانہ توہمات ختم ہوگئے اور اُنکے ساتھ ہی مذہب کی دلچسپی اور دلفریبی بھی مرمٹی۔ اس مقام پر ہم برہمنی مذہب کی عبادت اور اعمال اور چڑھاؤن کے تفصیلات مین نہین جاسکتے۔ اسلئے ہم آگے چلکر اُس باب مین بحث کرینگے جہان ہندوستان کے موجودہ مذہب پر نظر ڈالی گئی ہے۔ یہان ہم صرف اُن فلسفی اعتقادات کی طرف توجہ دلائینگے۔ جو ہندو مذہب مین پھیل گئے ہین اور انکے لئے ہم منوشاستر[1] سے کام لینگے کیونکہ منو مین برہمنہ اور اپنشد دونون کے خیالات جمع کرلئے گئے ہین۔

رگ وید مین بھی دیوتاؤن کی خصایص کا زیادہ تعین نہین ہے اور اگرچہ انمین سے برہمنی دیوتا شیو اور وشنو پیدا ہوئے ہین لیکن انکے خصایص بھی غیر معین ہیں۔ یہ گویا برہما کے اجزا ہین جو تمام مخلوقات مین سائر و دائر ہین۔ خود برہما کا مرتبہ برہمنی مذہب مین کم ہوگیا ہے۔ وید مین تو وہ ساری مخلوقات عالم کا خالق اور حاکم ہے لیکن برہمنی مذہب مین اُسکی یہ خالقی حیثیت باقی نہین رہی ہے۔ وہ صرف ہر مخلوق مین سائر ہے اور بُرے اور بھلے کے ساتھ اُنکی کل زندگانی کے دائرہ مین اُنکے دُکھ در دخوشی غم مین شریک اور اُنکے امتحانات اور روحانی ترقی اور تنزل مین اخیر تک ساتھ دینے والا رہ گیا ہے۔ منو لکھتے ہین۔

"روح مطلق یعنی برہما تمام مخلوقات مین سائر ہے خواہ وہ اعلیٰ درجہ کے ہون یا ادنیٰ درجہ کے۔ اس روح مطلق مین سے بے انتہا شکلین اسطرح نکلتی ہین جسطرح آگ سے چنگاریان اور یہ شکلین عالم کی مختلف مخلوقات کو حرکت مین لاتی ہین" (منوشاستر بارھوان باب ۱۴ و ۱۵)۔

جس وقت یہ اعتقاد ہو کہ روح مطلق تمام مخلوقات مین سائر و دائر ہے اور ساری مخلوقات اُس روح مطلق کا ظہور ہے تو پھر لازم آیا کہ انسان ہر ایک ذی روح کا خواہ وہ خطرناک سے خطرناک درندہ یا ضعیف سے ضعیف کیڑا کیون نہ ہو لحاظ رکھے۔

"جو شخص خود اپنے مین اُس روح مطلق کا احساس کرے جو تمام مخلوقات مین سائر ہے تو پھر اُسکے نزدیک کل مخلوقات کا درجہ مساوی ہوجاتا ہے اور وہ اعلیٰ درجہ کو پہونچکر برہما مین شامل ہوجاتا ہے۔ (منوشاستر بارھوان باب ۱۲۵)۔

"جو برہمن کسی سانپ وغیرہ کو مار ڈالے اور اُسکا کفارہ دان کے ذریعہ سے نہ دے سکے تو اُسے چاہئے کہ ہر ایک کے بدلے علیحدہ پرایشچت

---

[1] مصنف کتاب مین یہ بڑا عیب ہے کہ جن مقامات پر وہ مختلف کتابون سے عبارت نقل کرتے ہین اُنکا حوالہ مطلق نہین دیتے مثلاً رگ وید کے بیس سے زیادہ اقتباسات اور منوشاستر کے دو سو سے زیادہ اقتباسات اور آیطرح اور کتابون کے اقتباسات مصنف نے جابجا اپنی کتاب مین درج کئے ہین اگر میرے پاس ایک غیر معمولی ذخیرہ سنسکرت لٹریچر کا نہوتا اور مجھے اُسپر کسیقدر عبور نہوتا تو ان حوالون کا نکالنا محالات سے تھا۔ اسپر بھی مین نے کم سے کم دو ہفتہ کی محنت مین ان اقتباسات کا پتہ لگایا ہے۔ اسکے ساتھ بھی صدہا دوسرے چند کا پتہ اسوقت تک نہین لگا ہے۔ مترجم

کرے تاکہ اُسکا گناہ دُھل جاے۔لیکن ایک ہزار ہڈی والے جانورون یا ایک چھکڑا بھر کر بے ہڈی کے جانورون کو مارنے کے لئے اُسپر وہی پرائیسچت لازم ہے جو شودر کے قتل کرنے کے لئے" (منوشاستر گیارھوان باب ۱۴۰ و ۱۴۱)۔

روح کا مفہوم خدا کے مفہوم سے علیحدہ نہین ہے۔ہر ایک ذی روح کی روح۔روح مطلق کا ایک جزہے۔عالم کے کل دیوتاؤن انسانون اور حیوانات کی ارواح کا مجموعہ روح مطلق ہے۔یہی متنوع اور غیر شخصی خدا ہے۔جو تمام عالم کی قوتون زندگیون اور تغیرات کا منبع ہے

"روح مطلق تمام دیوتاؤن کا مجموعہ ہے اور عالم کا دارومدار روح مطلق پر ہے۔روح مطلق ہی تمام عالم کے ذوی الارواح کے افعال اور حرکات کا سبب ہے" (منوشاستر بارھوان باب ۱۱۹)۔

برہمن مذہب مین دُنیا کا قادر مطلق کوئی ایسا جوہر نہین جسکو انسان کا متخیلہ پاسکے۔یہ صرف ایک غیر مادی سبب ہے جسکی مقاومت نہین ہوسکتی اور تمام عالم مین سارو دائر اور عالم کو جلانے والا ہے۔ویدکے زمانہ مین جسطرح پوجاری اگنی کو قادر مطلق سمجھتا اور بعض وقت یہ خیال کرتا ہے کہ خود اُسکی رگون مین اگنی دوڑ رہا ہے اُسیطرح برہمنی مذہب مین برہما کا درجہ مانا گیا ہے۔منو لکھتے ہین۔

"انسان کو چاہئے کہ روح مطلق (وجود مطلق) پروردش کو تمام عالم کا بادشاہ اور حاکم مانے وہ چھوٹے سے چھوٹے ذرہ سے بھی چھوٹا ہے اور خالص سونے کی طرح چمکتا ہے۔اُسکا ادراک صرف دماغ خواب یا مراقبہ کی حالت مین کرسکتا ہے۔بعض اُسے اگنی کے نام سے پکارتے ہین بعض منو اور پرجاپتی کے نام سے بعض اُسے آندر کہتے ہین بعض روح اور بعض ازلی برہما۔وہ پانچ عنصرون مین تمام عالم کی مخلوقات مین سارو دائر ہے اور انمین پیدائش نمو اور انحطاط کے ذریعہ سے اسطرح حرکت مین رکھتا ہے جیسے گاڑی کا چاک حرکت کرتا ہے" (منوشاستر بارھوان باب ۱۲۲ و ۱۲۳ و ۱۲۴)۔

غرض یہ ہمہ اوست کا مذہب ہے لیکن آریون کا ہمہ اوست نہین ہے جسمین کل قوائے فطرتی بجاے خود خدا تھے مگر کیسے خدا جنمین شان و شوکت رنگ و بو صورت و آواز رحم و غضب موجود تھے۔یہی خصایص اُن خداؤن کو اپنے بندون کے لئے آشکار کئے ہوئے تھے۔برہمنی مذہب کا ہمہ اوست پوشیدہ ہے۔اب بھی وہ عناصر مین موجود ہے لیکن اسطرح جسطرح کوئی قید خانہ مین ہو۔اُسکی اصلی عظمت و شان بالکل جاتی رہی ہے۔نہ اُسمین جسم ہے نہ صورت نہ ارادہ نہ جان اور جو کوئی مخلوق گناہون سے پاک ہوجاے وہ اُسکا مماثل بنجاتا ہے۔یا اُسمین جذب ہوجاتا ہے۔اس اخیر سعادت جاودانی تک پہونچنے کے لئے ہنود کے متخیلہ نے ایک غیر محدود سلسلہ زندگیون کا فرض کیا ہے۔انسان کی زندگی غیر محدود ہے۔جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اس سے پہلے بہت سی زندگیان بسر کرچکا ہے۔جو بڈھا مرتا ہے اُسے ابھی بہت سی زندگیون کا سلسلہ بہت سی صورتون مین طے کرنا باقی ہے۔

مسئلہ تناسخ جو کل مذاہب ہند کا (جسمین مذہب بدھ بھی شامل ہے) اصولی مسئلہ ہے انسان کے اعمال پر مبنی ہے۔جس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی ایک زندگی مین جس قسم کے اعمال کرتا ہے اُنہین کے مطابق اُسکی آیندہ زندگی معین ہوتی ہے۔اس مسئلہ کو منو نے بہت تصریح سے بیان کیا ہے۔

اُن اعمال نیک یا بد کے رو سے جو انسان سے سرزد ہون وہ آیندہ زندگی مین معزز یا ذلیل پیدا ہوگا۔ اُسکی روح کسی برہمن یا ولی یا دیوتا یا چنڈال مین جنم لیگی یا کسی گائے سور یا سانپ مین۔ منو لکھتے ہین۔

"اگر انسان کا نفس زیادہ تر نیک کام کرے اور بُرا کام کم کرے تو اُسکو جنت مین اپنے عناصر خمسہ (یعنی جسم) کے ساتھ خوشی ملے گی۔ لیکن اگر انسان کا نفس زیادہ تر بدی کرے اور بھلائی کم کرے تو وہ اپنے عناصر خمسہ سے علیحدہ ہوکر یم یعنی مالک دوزخ کے عذابون مین مبتلا ہوگا۔ نفس یم کے عذاب سہنے کے بعد پاک ہوکر پھر اُنھین پانچ عناصر مین داخل ہو جائیگا یعنی دوبارہ پیدا ہوگا۔ پس انسان کو چاہئے کہ اس تناسخ کو جسکا دارومدار نیک و بد اعمال پر ہے اپنی عقل سے معلوم کرکے ہمیشہ نیکی کی طرف متوجہ ہو" (منوشاستر بارھوان باب ۲۰-۲۳)

"جو لوگ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہین وہ مدت دراز تک سخت عذاب جہنم مین رہنے کے بعد مندرجۂ ذیل صورتون مین پیدا ہوتے ہین۔ برہمن کا قتل کرنے والا کتے یا سور یا گدھے یا اونٹ یا گائے یا بکری یا بھیڑ یا ہرن یا چڑیا یا چنڈال یا ملیچھ کی صورت مین پیدا ہوگا۔ وہ برہمن جو کسی برہمن کا سونا چرائے ہزار مرتبہ مکڑی۔ سانپ۔ چھپکلی۔ آبی جانورون اور خطرناک پشاچ کی صورتون مین سے گزرے گا" (منوشاستر بارھوان باب ۵۵ و ۵۷)۔

پس گویا انسان کی عقبےٰ کا دارومدار مذہب عیسوی کی طرح کسی خاص فعل پر نہین اور نہ انسان کی اخیر حالت اور توبہ پر بلکہ اُسکے کُل افعال کے مجموعہ پر ہے اور اس مجموعہ مین خفیف سا خفیف فعل بھی اپنی قیمت اور حیثیت رکھتا ہے۔ منو لکھتے ہین۔

"وہ افعال جو خیال اور زبان اور جسم سے پیدا ہوتے ہین اُنکے نتائج یا تو اچھے ہوتے ہین یا بُرے۔ انھین افعال سے انسان کی مختلف حالتین پیدا ہوتی ہین یعنی اعلےٰ اوسط اور ادنےٰ"

(منوشاستر بارھوان باب ۳)۔

یہی اعتقادات ہین جو ہندو کو سخت ریاضت کا پابند کر دیتے ہین اور خفیف سے خفیف کام کے کرنے اور چھوٹی سی چھوٹی حاجت نکالنے کو بھی اُسکی مرضی پر نہین چھوڑتے ادنےٰ سی ادنےٰ بے احتیاطی یا غلطی بھی شدید نتائج پیدا کرتی ہے اور ان نتائج سے بچنے کے لئے غلطی کے بعد ہی سخت طہارت اور عبادت کے ذریعہ سے اُسکو رفع کرنیکی ضرورت پڑتی ہے۔ ان غلطیون ان گناہ صغیرہ کی نسبت انسان کی رائے کچھ کام نہین آتی نہ اُس سے کچھ فائدہ حاصل ہوسکتا ہے کہ گناہ کرتے وقت کسی نے دیکھا یا نہین دیکھا۔ گناہ گار خود اپنے فعل کے نتائج کو سمجھتا ہے اور اُسکو مٹانے کے لئے بعض صورتون مین نہایت سخت کفارہ دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ منوشاستر کے اُس باب کو جسمین پرائسچت یعنی کفارون کا بیان ہے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ مین جسکا ہم ذکر کر رہے ہین ہندو کن سخت زنجیرون مین جکڑے ہوئے تھے اور ویدی زمانہ کی آریا آزادی اور اُس زمانہ کی جکڑبندی مین کسقدر فرق عظیم تھا۔ وہ قدیم آزاد اور خوشحال مخلوق مرمٹی تھی اور اُسکی جگہ ایک ایسی مخلوق نے لی تھی جو آنکھ بند کئے ہوئے حیوانات کی طرح بلا آرام اور چین بلا کسی وقفہ کے شدید مصیبت کی بادیہ نوردی مین مبتلا تھی۔ یہ تھی حالت قدیم برہمنی مذہب کی اور جدید برہمنی مذہب بھی

کم و بیش یہی ہے صرف فرق اسیقدر ہے کہ مذہب بدھ کی جدلی اور ہمدردی نے اُسے بہت کچھ نرم اور شیرین کردیا ہے۔

اس قدیم برہمنی مذہب کی سختیون نے انسان کو اس درجہ جکڑ بند کردیا تھا کہ وہ دن آنے والا تھا جب اسکی زنجیرین خود بخود ٹوٹ جائین۔

انسانی زندگی کا ہر فعل اسطرح باندھ دیا گیا تھا اور اُسکے نتائج ایسے شدید دکھائے گئے تھے کہ متخیلہ مایوسیون سے پھر گیا تھا اور زندگانی وبال ہوگئی تھی۔ بجز فنا کے کچھ نظر نہین آتا تھا۔ اطالیہ کے مشہور شاعر دانتے نے اپنی کتاب جہنم مین جن عذابون کی تصویر کھینچی ہے اُنسے کچھ اندازہ اُن مظالم کا ہوسکتا ہے جنسے برہمنون نے ہندکے باشندون کو چارون طرف گھیر رکھا تھا۔ یہ عذاب پیدائش کے ساتھ شروع ہوتے تھے اور سالہاے دراز تک بڑھتے ہی جاتے تھے یہان تک کہ انسان اس لایق ہوکہ وہ روح مطلق مین جذب ہوجاے یعنی فنا ہوجاے۔ برہمنون کی مذہبی سختی نے مخلوق کے دل مین نجات کی تمنا اس شدت سے پیدا کردی تھی کہ آخر کو وہ نجات مل ہی گئی۔ اس زمانہ کے کئی صدیون بعد روما مین بھی اگرچہ بہت ہی مختلف اسباب سے یہی حالت پیدا ہوئی اور مسیح کا ظہور ہوا۔

ہندوستان کے لئے بھی ایک شیرین کلام ہمدرد رحمدل مسیح آنے والا تھا اور اُسکی آواز تمام ایشیا مین گونجنے والی تھی۔ وہ کروڑون مخلوق جو ذات کے عذاب مین صدیون سے پس رہی تھی جسکو مذہبی اعتقادات اور مذہبی قانون کی زنجیرون نے ایک دائمی مصیبت مین جکڑ رکھا تھا دفعتہً جاگ اُٹھی اور اُسے یہ محسوس ہوا کہ مایوسین کی جلانے والی سموم کی جگہ رحمت و امید کی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ یہ نجات کا لانے والا یہ ہند کا مسیح شاکیامنی تھا جو مذہب بدھ کی خوشخبری کو تمام عالم مین پھیلانیوالا تھا۔

سید علی بلگرامی

شہنشاہِ ہند کا پیغام اہل ہند کے نام۔ میرے والد کا ناگہانی اور بعجلہ انتقال مجھے اس تخت پر بیٹھنے کو مجبور کرتا ہے۔ جسکا ایک پرانے اور نام آور خاندان کا جانشین ہونے کی حیثیت سے مجھے حق پہونچتا ہے بحیثیت شاہ شہنشاہ مین اپنے مقبوضات ہند کے والیان ریاست رؤسا اور باشندون کو مبارکباد و سلامت کہتا ہون۔ اس موقع پر ہندوستان کے تمثل للمذہب گروہون اور مختلف اہل قومون نے شاہی تاج اور تاج کے پہننے والون سے جس شخصی محبت و عقیدت کا اظہار نہایت رقت انگیز طریقہ سے کیا ہے۔ مین اُسکے لئے صدق دل سے شکر گزار ہون۔ ملکہ وکٹوریہ نے سلطنت ہند کی عنان حکومت دست مبارک مین لیتے وقت رعایا و خراج گذار والیان ریاست سے خطاب کیا تھا جسکی پچاس سال بعد میرے والد بزرگوار نے اپنے پیغام مین تصدیق فرمائی تھی۔ یہ تیسری حکومت کی خسروانہ نوازش کے چارٹر (عہدنامہ) ہین۔ اپنی حکومت کے دوران مین مین صدق دل سے اس عہد پر قائم رہونگا۔ شاہ مرحوم کے سب ارشاد اور انکے نمونہ کی تقلید کرتے ہوئے پانچویں پشت مین نے اپنی ملکہ سمیت ملک ہندوستان کی سیاحت کی۔ جسنے تاریخی ریاستون سے ذاتی واقفیت پیدا کی اور اُس تمدن کی یادگارون کو دیکھا جو ہماری تہذیب سے کہین پرانا ہے۔ پرانے رسم و رواج اور طرز معاشرت سے واقفیت حاصل کی۔ حکمرانون۔ رعایا۔ شہرون قصبون اور گانون کو دیکھا۔ اس عجیب و غریب سیاحت کے دوران مین جو کچھ دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ یاد سے مٹ نہین سکتا۔ اور نہ وہ کبھی ہمارے یاد سے معدوم ہوگا۔ جو ہم محنت طلب اور اعلیٰ نزاالنفس میرے سامنے ہین۔ انکی تکمیل اور انجام دہی مین مجھے بھروسہ ہے کہ آپ استقلال اور خرد شناسی سے میری مدد کرینگے اور مین یہ بھی توقع رکھتا ہون کہ آپ ہندوستان کی بہبودی سے جو میری حکومت کا اصلی مقصد ہے علی ہمدردی دکھائینگے" (ڈوربار دہلی۔ ۱۲ دسمبر)

انگریزی حکومت کے برکات

پہلے ہندوستان کو سمجھ لیجئے پھر برٹش برکات کو دیکھیے گا۔ ویدون اور شاستروں کے موافق تو ہندوستان کی قدامت کا کچھ حساب ہی نہیں لیکن موجودہ نسلوں کے اعتبار سے بھی اسکی قدامت کو تمام دُنیا کی آبادی پر یہ شرف حاصل ہے کہ انسانوں کا سب سے پہلا باپ (آدم) اسکی سرزمین پر نازل ہوا۔ (جوچرن دیو کے نام سے موسوم تھی اور اب سراندیپ لکھی جاتی ہے)

علامہ آزاد بلگرامی نے ہندوستان کی اشرفیت مین یہانتک غلو کیا ہے کہ وہ تمام دُنیا کے انبیاء کو خاک پاک ہندوستان سے منسوب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ حضرت آدم کا نور تمام دُنیا کے انبیا مین منتقل ہوا ہے۔ تا بہ دیگران چہ رسد۔

قریب زمانہ مین "ہندوستان" نام ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو ایک روشن خیال سب جج کی محققانہ تالیف کا پہلا تحاکہ ہے۔ اور غالباً اسی الآباد سے شائع ہوئی ہے۔ اسوقت میرے سامنے وہ کتاب موجود نہین لیکن وہ نئی کتابون مین ایک ضروری تالیف ہے اور فی الحال پنجاب مین ہندوستان کی صحیح تاریخ لکھنے پر خاص توجہ کیجارہی ہے۔ موجودہ زمانہ کو ایسی تالیفات کی سخت ضرورت ہے[1]۔

مین اس مضمون مین بہت پُرانے زمانہ کا ذکر نا نہین چاہتا جبکہ ہندوستان اپنے خیر و برکات سے تمام دُنیا کا سرتاج بن رہا تھا۔ جواب ایک افسانہ سمجھا جارہا ہے۔ آریون کی تاریخ مین بزم و رزم کے بڑے بڑے نمونے پائے جاتے ہین۔

بُدھ مذہب والون نے فقیری مین جو کام کئے وہ بادشاہون کو بادشاہی مین نصیب نہین ہوئے۔ بُدھ کے یادگاری نشانات قریب دو ہزار سال گذرنے پر اب بھی اپنے استحکام و صنعت مین عقل فرنگ کو دنگ کر رہے ہین۔ مین نے اپنے دیکھے ہوئے مقامات ایلورا و اجنٹا علداری سرکار نظام کی توضیح مین ایک رسالہ لکھا ہے جسے شاید مین آیندہ ناظرین ادیب کے ملاحظہ مین پیش کرنے کا موقع پاسکون۔

مقامات مذکورہ سے اُس زمانہ کے انجینرنگ پر عقل حیران ہوتی ہے اور تو اور ایلورا متعلق اورنگ آباد کے سلسلۂ عمارات مین ایک نہایت شاندار اور عالیشان کمرہ ہے جسکی دیوارون پر گوبر کا لیس کیا گیا ہے۔ یہ گوبر انڈے کے چھلکے کے برابر دو سفید چیزون کے بیچ مین ہے اور جیسے مصر کی لاشین مومیا کی ترکیب سے ہزارون برس گذرنے پر اب تک جون کی تون دیکھی جاتی ہین ویسے ہی یہ نہایت پُھسپھسی چیز (گوبر) اب تک اُسوقت کے ہندوستانی عمل سے اپنی

[1] - فی الحال لارڈ منٹو کے عہد مین گزیٹیر کا ایک خاص دفتر قائم کیا گیا ہے۔ جسکا کام تمام ہندوستان کے ایک ایک گانون کی گذشتہ اور موجودہ حالت کی تاریخ لکھنے اور جغرافیئے کے نشانات ظاہر کرنے کا ہے۔ اس کام مین شاہانہ فیاضی سے کام لیا جاے گا۔ اسکی جلدین صوبہ وار مرتب ہونگی۔ مجموعی قیمت پانسو روپئے کے قریب ہوگی جو اپنے وسیع مطالب کے لحاظ سے کچھ زیادہ نہین۔ ایسی کتاب کبھی ہندوستان مین مرتب نہین ہوئی اور نہ عام طور سے یہ کام پورا ہوسکتا ہے کیونکہ ایسا کام بادشاہون ہی کے سزاوار ہوسکتا ہے۔ پس ہندوستان کی مستند تاریخ لکھنے والون کو اس دفتر سے تعلق پیدا کرنا ضرور ہے یہ مواد اور کہین سے ممکن نہین (مشہری)

حالت پر محفوظ ہے۔ اسیطرح راجہ اندر کا اکھاڑا جس عظمت اور خوبصورتی سے دکھایا گیا ہے اُسکے ایک ایک پتھر کی نقاشی عقل کو حیران کرتی ہے اور اُسکے خرچ کا اندازہ کرنے کو کروروں کی تعداد بھی ناکافی معلوم ہوتی ہے۔ اسکے بعد برہمن۔ چھتری اور مرہٹون کی الوالعزمیون سے ہندوستان کی پچھلی تاریخ کے ایک باب مین کئی فصلین پیدا ہوگئی ہین۔ جو ہندوستان کے عام انقلاب کا پیش خیمہ تھین۔ انہین فصلون نے ہندوستان مین مسلمانون کے آنے کی راہ نکالی۔ یا یون کہئے کہ سکندر کی یک ڈنڈی کو وسیع کر دیا۔

افسوس کہ تاریخ کا یہ ضروری اور فلسفۂ تاریخ کو روشنی مین لانے والا حصہ بہت ہی تاریک حالت مین ہے۔ کیونکہ ہندؤن نے اسوقت کے سچے حالات قومی گناہ سمجھکر لکھے نہین اور مسلمانون نے پولٹکل لحاظ سے اُنپر پردہ ڈالا تاکہ عوام کو دونون کے سازباز کی صحیح اطلاع نہونے پائے۔

ہندوستان کے سیاحون مین مارکوپولو۔ ابن بطوطہ البوریحان بیرونی کے سفرنامون سے دور وسطی کی حالتون کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چھ سات آٹھ سو برس پہلے تک ایسے ایسے جہان گشت سیاح اس للچائی ہوئی نگاہ سے ہندوستان کو دیکھتے تھے جسکے مقابلہ مین کوئی ملک اُنکی نظرون مین نہ سماتا تھا۔ اُنکی تحریرون سے ہندوستان کی عظیم الشان عظمت کا پتہ ملتا ہے۔ مارکوپولو کے بعد مسلمانون کی یلغار اور اُنکی رستخیز سے ہندوستان مین ایک نئی ہل چل محسوس ہوتی ہے۔ پیادہ۔ سوار۔ گھوڑے۔ ہتھیار۔ لباس۔ رنگ۔ روپ۔ رفتار۔ گفتار مذہب وغیرہ ہر بات سے ایک خاص غیریت کا احساس و امتیاز ہوتا ہے۔ ہندوستان کی باہمی مخالفت اور طوائف الملوکی قدم قدم پر اُنکا استقبال کر رہی ہے۔

مین ہندو مسلمانون کے ذکر مین کوئی بات ایسی چھیڑنا نہین چاہتا جو ایک پر دوسرے کی فوقیت ظاہر کرتی ہو۔ ان اس سلسلۂ کلام کے موضوع حقیقی کے متعلق اتنا بیان کرنا ضروری ہے کہ گذشتہ زمانہ کے کون کون نشانات اُس وقت کے خصوصیات کو ظاہر کرتے ہین۔ مین اسکے ثبوت مین ہندوستان کے نہایت مشہور اور مقدس شہزادۂ رامچندر کی اُس دیوار کو پیش کرتا ہون جو ہزارون برس سے سمندر کی طوفان خیز موجون کی ہر روز ان گنتی ٹکرین برداشت کرتی ہے۔ اور تمام دُنیا کو اپنے عہد قدیم کے انجنیرنگ کا حیرتناک تماشا دکھا رہی ہے۔

اگر میری یاد مین غلطی نہین تو مین نے ۲۰-۲۵ برس پیشتر کسی اخبار مین دیکھا تھا کہ بعض انگلش انجنیر اس دیوار کو توڑکر اسکا مسالہ دوسرے کام مین لانا چاہتے ہین لیکن وہ ایسی مستحکم تعمیر ہے جسکو موجودہ اوزار بغیر بہت بڑے اہتمام کے توڑ نہین سکتے اور نہ اُسکا ایک پتھر دوسرے پتھر سے علیحدہ ہوسکتا ہے۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے خلیفہ ہارون رشید نے قصر کسریٰ کو توڑنا چاہا تھا لیکن اُسکے خرچ کا تخمینہ اتنا زیادہ ہوا کہ اُسکا توڑنا موقوف رہا۔ اسی طرح جنوبی دکن کے بعض نشانات کو راجہ رامچندر کی روانگی یا مراجعت لنکا سے منسوب کیا جاتا ہے اور خود اُنکی حالت بہت پُرانے زمانہ کا پتا دیتی ہے۔

برہمنون کے یادگاری نشانات مین زیادہ تر مندرون کا سراغ ملتا ہے۔ بُدھ کے نشانات کا اوپر ذکر کیا گیا۔ بُدھ کے بعد جن مقامات پر اُنکے یادگاری نشانات ملتے ہین وہان جینیون کی الوالعزمی اور اُنکے عہد کے انجنیرنگ کا بھی نشان پایا جاتا ہے۔

چنانچہ ایلورا[1] اور اجنٹا[2] مین بھی جینیون کے تعمیر کردہ مندر اُسی صناعی کے ساتھ قریب قریب نظر آتے ہین۔ چھتری سورماؤن کی یادگارین زیادہ تر قلعون کی صورت مین ہین جو اُنکی بہادر فتاحی کی یاد دلاتی ہین۔ اُنمین بعض قلعے ایسے ہین جنکے استحکام اور انجینیرنگ کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے

منڈلہ ضلع جبلپور مین قلعہ بکاؤلی کی تعمیر ایسے غیر معمولی اصول پر کی گئی ہے جو اب تک افہام عام سے باہر ہے۔ بیس پچیس برس اُدھر صاحب چیف کمشنر بہادر ناگپور نے اُسکے انکشاف حالات مین بہت بڑی تحقیق سے کام لیا لیکن اُسکے راز سربستہ کا انکشاف نہ ہوا۔ راقم نے خود اُس مقام کو دیکھا ہے۔ اُسکی ہر بات عقل کو حیران کرتی ہے۔ تاریخی تحقیق سے یہ مقام دکن کے ایک راجہ اور اُسکے ہمراہی حکیمون کی لاثانی حکمتون کا نمونہ بیان کیا جاتا ہے۔ معمولی لوگ اُسکو دیوتاؤن کی تعمیر خیال کرتے ہین۔ لیکن کچھ بھی ہو ہندوستان کے یادگاری مقامات کا لاثانی نمونہ ہے۔ اسیطرح ہندوستان کی تاریخ کیلئے اس قسم کے نشانات کثرت سے مل سکتے ہین جنسے ہر زمانہ کا مذاق دریافت کیا جا سکتا ہے۔

اُنکے بعد مسلمانون کا نمبر آتا ہے۔ اسوقت کے نشانات بھی کثرت سے موجود ہین اور دور آخری کے تاجدارون مین شاہجہان بادشاہ نے اپنی بادشاہ بیگم (ارجمند بانو معروف بہ تاج محل و تاج بی بی) کی یادگار مین روضۂ تاج گنج ایسا بنوایا ہے جو تمام دُنیا کی سات عمارتون مین سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ یہان اتنا اور سمجھ لیجئے کہ ہندو راجاؤن کے عہد سے لیکر مسلمان بادشاہون کے عہد تک مشرقی ادب کا علمدرآمد ہوتا رہا ہے اور آپس کے خیالات مین کیسی ہی بیگانگی ہو اور ایک دوسرے کا مذہب کیسے ہی تعصب سے مملو یا پایا جاے لیکن مشرقی ادب نے ہر وقت دونون کا ساتھ دیا ہے۔ مشرقی ادب سے زیادہ کوئی چیز آپس کے تعلقات کو خوشگوار بنانے والی اوراق تاریخ مین نہین ملتی۔ مسلمان حکمرانون کے بعد انگلشی کمپنی کا تداخل شروع ہوتا ہے جو کمپنی سے بادشاہی اور بادشاہی سے شاہنشاہی کے درجہ تک ترقی کرتا ہوا پایا جاتا ہے اور آج ہندو اور مسلمان دونون اُسکے حلقۂ اطاعت مین سر جھکائے نظر آتے ہین۔

مین اس موقع پر ہندو حکمرانون اور مسلمان بادشاہون کے زمانۂ حکمرانی کی لوٹ مار اور اُسوقت کی خانہ جنگی اور جدال و قتال کی داستان لکھنے کو تیار نہین ہون اور نہ اُسوقت کے ساتھ عہد برٹش کے امن و امان کا موازنہ کرنا چاہتا ہون کیونکہ یہ معاملہ جب فلسفۂ تاریخ کی روشنی مین لایا جاے تو قدرت کیطرف سے دونون کا نتیجہ واحد ظاہر ہوتا ہے۔ پچھلے زمانے مین لوگ لڑائیون مین مرتے تھے اور برٹش عہد کے امن و امان کے وقت مین نیچر نے ہماری بدنصیبی سے میزان کے دونون پلے برابر رکھنے کیلئے ہیضہ۔ قحط۔ طاعون وغیرہ وغیرہ بلیات کو ہمپر مسلط کر دیا ہے۔

باین ہمہ امن و امان کی برکتین ایسی زبردست ہین جنکے سامنے ہمکو اپنی پچھلی تاریخ بالکل تاریک معلوم ہوتی ہے۔ انگلش تداخل اور برٹش فتوحات کے حالات اجمالاً عہدنامہ جات

---

[1] ایلورا۔ یہ مقام اورنگ آباد سے سات کوس عملداری سرکار نظام مین واقع ہے۔

[2] اجنٹا۔ یہ مقام سرسالار جنگ حیدرآباد کی جاگیر مین ہے۔

ملک سے ظاہر ہوسکتے ہین اور معلوم ہوسکتا ہے کہ برٹش فاتحین نے دوسو برس تک مشرقی ادب سے کتنے بڑے بڑے کام نکالے ہین۔ مشرقی ادب کی بہت صحیح مثال طب یونانی سے دیجاسکتی ہے جیسے طب یونانی کا اصول مزاج ملکی اور مزاج شخصی کو دیکھنا اور ہر دوا کو ہر مرض سے مخصوص کرنا اور مصلحات اور مضرات کا خیال رکھنا ہے۔ اور جس دوا سے مریض کو ذرا بھی نقصان پہنچنے کا خیال ہو اُسکو بغیر اصلاح کے کام مین نہین لاتا و سے ہی مشرقی ادب کا اصول ادیب کو حد ادب سے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا روادار نہین۔ وہ ہرگز کوئی بات ایسی کہنا نہین چاہتا جسکی مضرتون سے انسانی زندگی پر خراب اثر پڑے۔ مین اپنی قوم مین علامہ شبلی نعمانی کو اس اصول کا دوسرون سے زیادہ پابند دیکھتا ہون اور ہندو سوسائٹی مین مجھکو رام سے بہتر کوئی شخص یاد نہین پڑتا جسکے اقوال نے (بلا قید مذہب) یہ عام دلنشینی پیدا کی ہو۔

مشرقی ادب کا پہلا سبق یہ ہے۔

(۱) تم جو بات کہو وہ ایسی ہو جس سے خدا کے نافرمان نہو۔
(۲) تمہاری کوئی بات بادشاہ وقت کے خلاف نہ ہو۔
(۳) تم کوئی بات ایسی نہ کہو جس سے خود تمکو نقصان پہنچے۔
(۴) تمہاری کوئی بات تمہارے توابع کے لئے مضرت رسان نہ ہونا چاہیئے۔

اب آپ سمجھ سکتے ہین کہ جس ادب کے پہلے سبق نے آپ کو ایسی مفید باتین سکھائی ہون اُسکی مکمل فلاسفی کیسی زبردست ہوگی۔ اسی لئے آپ کو ہدایت کی گئی ہے کہ آپ اپنے ادب کو ساتھ لیکر جہان چاہین جاسکتے ہین سوہ ہر مقام پر آپ کی حفاظت کرتا رہے گا۔

ادب تاجے است از لطف الٰہی
بنہ برسر برو ہر جا کہ خواہی

ہندو اصحاب اپنے راجاؤن کے طرز عمل سے اور مسلمان حضرات اپنے بادشاہون کی سیاست مدن سے اس نتیجہ کو دریافت کرسکتے ہین کہ جس راجا یا بادشاہ کے عہد مین ادب کا درجہ بلند رہا اُسکی ہر دلعزیزی نامور ی مین ترقی ہوتی رہی اور جس راجا یا بادشاہ کے وقت مین ادب کی مٹی خراب ہوئی اُس راجا یا بادشاہ پر خراب اثر پڑا۔

مغربی ادب غیر محدود آزادی کی تعلیم کرتا ہے لیکن مشرقی ادب محدود خودداری کا سبق پڑھاتا ہے۔ اگر آپ اپنے ادب سے کام لین تو طوفان خیز دریا مین آپ کی کشتی ڈانوا ڈول ہو ہی نہین سکتی۔

قذاے دیدہ ورائے کہ از بہار بدشت
زگرد باد شناسند سر و بستانی

آپ نے ابھی قریب زمانہ مین سر جارج لیس لی صاحب بہادر ریذیڈنٹ حیدرآباد کی اسپیچ مین وہ مقام دیکھا ہوگا جہان وہ ہمارے ادب کی تعریف کرتے اور محبوب کالج سکندرآباد کی نسبت اشارہ فرماتے ہین کہ ہمنے اس کالج کے لڑکون کو سڈیشن آمیز کارروائیون مین شامل ہوتے نہین سُنا (یہ حیدرآباد کے پُرانے ادب کا نتیجہ ہے) اسکے بعد آپ نے حضور لفٹنٹ گورنر بہادر مشرقی بنگال کی اسپیچ متعلق ڈھاکہ کالج مین پڑھا ہوگا کہ حضور ممدوح نے ہمارے پُرانے اخلاق و ادب کو کیسے صاف لفظون مین سراہا ہے۔ وہ کہتے ہین کہ مین نے ۳۷ سال ہندوستان مین گذارے ہین اور مین نے کافی غور سے پُرانے اخلاق و ادب کا مطالعہ کیا ہے۔ مین نہایت سچائی سے کہ سکتا ہون کہ

نئی تعلیم کے لئے ہندوستان کے قدیم اخلاق وادب کا پابند رہنا بہترین آئیڈیل کا نمونہ سمجھا جا سکتا ہے جو اصلاح طبقہ جدید کے لئے سخت ضروری ہے۔

اب مین ہندو مسلمانون کی داستان سے آگے بڑھکر برٹش عہد کے نمایان برکات کا ذکر کرتا ہون۔

(۱) انگلش کی بدولت ہمنے اسٹیمرون کو دیکھا۔ اسٹیمرون نے انگلستان۔ فرانس۔ جرمن۔ امریکہ۔ چین۔ جاپان وغیرہ سے ہندوستان کو اتنا قریب کر دیا ہے کہ اس سے پہلے یہ بات کبھی حاصل نہ تھی۔ یہ مغربی فرشتے ہمارے ملک کی پیداوار یورپ کو لیجاتے اور وہان سے طرح طرح کی چیزین ہمارے لئے لاتے ہین۔

(۲) ہم پہلے گاڑی۔ چھکڑا۔ رتھ۔ بہل پر سفر کرتے تھے۔ اب انگلش نے ہر حصہ ملک مین ریلوے جال پھیلا دیا ہے پہلے ایسی سواری راجاؤن اور بادشاہون کو بھی نصیب نہ تھی جبکہ اب غریب سے غریب آدمی سفر کرتے ہوئے پائے جاتے ہین۔

(۳) ریلوے کے ساتھ تار برقی نے ہمکو تمام دنیا سے قریب کر دیا ہے اور ہماری آنکھون نے یہ وہ حیرتناک ایجاد دیکھی ہے جس سے ہماری عقلین حیران ہین۔

(۴) سررشتہ ڈاک کے انتظام نے ہمکو ایسا شکرگزار کیا ہے جسکو ہم دل سے قبول کرتے ہین۔ اس سے پہلے مشرقی تاریخون مین کوئی زمانہ ایسا نہین ملتا جسمین ایک پیسے کا کارڈ پیشاور سے کلکتہ وڈھاکہ تک جاکر تیسرے روز ملجاتا ہو۔

(۵) طرح طرح کی مشینون نے ہمارے قلوب کو مجبور کر رکھا ہے کہ ہم انکو دیکھکر برٹش برکات کا اندازہ کرین۔

(۶) مغربی اشیا سے ہندوستان کے تمام بازار بھرے پڑے ہین۔ سوئی پیچکچ تک برٹش برکات کا نمونہ نظر آتی ہین۔

(۷) برق ومقناطیس کے کرشمون نے مغربی سائنس کو ایک معجزنما حالت مین ظاہر کر رکھا ہے۔ دور مشرق کا پچھلا زمانہ کسی عجیب چیز کو بطور راز کے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا لیکن مغربی دنیا عام طور سے یہ پوشیدہ راز ظاہر کر رہی ہے۔

ہمارے دامان آرزو مین ان پر بہار پھولون کے رکھنے کی سمائی نہین

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گلچین بہارِ تو ز دامان گلہ دارد

(۸) بگھی۔ فٹن۔ موٹر کار۔ بائیسکل۔ ٹرائیسکل۔ فونوگراف۔ گراموفون وغیرہ وغیرہ کیسی عجیب چیزین ہین جو اسوقت کے خصوصیات مین سمجھی جا سکتی ہین۔

(۹) انگریزی قوانین کو ہم ایک برکت جانتے ہین جنکے ذریعہ سے ایک غریب آدمی بڑے سے بڑے زبردست کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

(۱۰) قدیم زمانہ کی شاہراہون کے نقوش مٹ گئے۔ صرف مسلمان بادشاہون کے وقت کی بعض سڑکین باقی ہین۔ انمین لاہور سے کلکتہ تک شیر شاہ کی سڑک یادگار ہے۔ مگر عہد انگریزی مین سڑکون کی وہ کثرت ہوئی اور سیاحون مسافرون اور سوداگرون کے لئے وہ انتظام کئے گئے جو اپنی نوعیت مین بیمثل ہین۔

(۱۱) عہد انگریزی مین نہرون کے سلسلہ نے خاص وسعت پیدا کی ہے جس سے کاشتکاری کو بہت کچھ نفع پہونچا ہے۔

(۱۲) انگریزی کارخانون پر نگاہ کیجئے تو وہ اُن

حصّوں کی آبادی کا ذریعہ بن رہے ہین اور ہمکو عملی طور سے ہر کام کی تعلیم حاصل کرنے کا ذریعہ پائے جاتے ہین لیکن خود ہم اُنسے مفید سبق حاصل نکر سکین تو اُنکا قصور نہین۔

(۱۳) کلکتہ۔ لاہور۔ الہ آباد وغیرہ کی نمایشگاہون مین برٹش عہد کے برکات کا سلسلہ علی الترتیب اپنی عظیم الشان دولت۔ صنعت۔ حرفت۔ طاقت کا اظہار کر رہا ہے۔

(۱۴) مغربی علوم کے عجائبات کو ہم نے جس نادیدہ تگاہ سے دیکھا اور اُنکی برکتون سے جس حد تک ہم مستفیض ہوئے اُسکا ہمکو اعتراف ہے۔

(۱۵) پچھلے زمانون مین دیسی مکاتب اور مدارس کا وجود پایا جاتا ہے جسکے قدیم نمونے ابتک جابجا باقی ہین لیکن برٹش عہد مین تعلیم نے جو رواج عام پایا ہے یہ اس دور کے خصوصیات مین ہے۔

(۱۶) انگریزی شفاخانون نے پبلک کی حفظ صحت اور تندرستی مین نمایان حصّہ لیا ہے۔ اور ڈاکٹری کی نئی نئی تحقیقاتون نے ہمکو وہ باتین بتلائین اور ایسی اُستادیان دکھائی ہین جو اعجاز مسیحائی کا نمونہ ظاہر کرتی ہین۔

اسیطرح بہت سی باتین ہین جو عہد انگریزی کی تاریخ مین تھوڑے غور و مطالعہ سے دریافت ہوسکتی ہین۔

پریس کی ترقیات نے علمی دُنیا کو بیحد شکر گزار کیا ہے "عام آزادی" کا حق ہمنے عہد برطانیہ ہی مین حاصل کیا ہے جسپر ہر قوم جائز فخر کرسکتی ہے اور گو وہ تھوڑے زمانہ سے بیم و رجا کی حالت مین ہو لیکن انگلش گورنمنٹ کی فیاض قوم اور اُسکے طبعی میلان سے ہمکو حقوق آزادی کی نسبت کوئی خوفناک مایوسی نہین اور اگر ہم دس بیس سو دو سو ہزار دو ہزار غمّاز و فتنہ پرداز لوگون کو علیحدہ کردین تو تمام ملک اور تمام ریاستین برٹش گورنمنٹ کے عہد کو اپنی بقا و حیات اور امن عام کا ذریعہ یقین کر رہی ہین۔ یہان اسباب مین فلسفہ عقلی سے پھر غور کیجیے کہ آجکل گورنمنٹ انگریزی ہندو مسلمانون کے تعلقات کو دو نگاہون سے دیکھ رہی ہے اور انگلش نیشن کو ہندؤن کے متعلق خاص قسم کا خلجان پیدا ہو رہا ہے۔ یہ کیون ہے اور اسکا سبب کیا ہے۔ اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ ہندو لیڈرون نے اپنے مشرقی ادب کو بھولکر مغربی لٹریچر سے کام لیا اور مسلمان لیڈرون نے اپنے مشرقی ادب کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ہندو بزرگوار انگریزون کے ساتھ مساوات کی دھن مین پڑگئے اور مسلمان فاتح اور مفتوح کے تفاوت کو سمجھے رہے۔

مشرقی ادب کا ساتھ کب سے چھوٹا جب سے نیشنل کانگرس قائم ہوئی۔ نیشنل کانگرس کے دعاوی کیسے ہی سچے اور قابل قدر ہون لیکن اُس آواز نے حد ادب سے آگے بڑھکر ایک ایسے غل و شور کا کام کیا جسکو فاتح قوم کی نازک دماغیان برداشت نہین کرسکتین۔

اے عندلیب نالان دم در گلو گرہ کن
نازک مزاج شاہان تاب سخن ندارد

مسلمانون نے باتین تو اُسی قسم کی کہین لیکن بادشاہ پسند لہجہ مین دھیمے سرون سے آواز نکالی۔ جو خوش گلو گوئے کے مناسب وقت راگ کیطرح سب کو اچھی معلوم ہوئی۔

پس ہندو لیڈر جب اپنے بھولے ہوئے ادب کو یاد کرینگے۔ اُنکی کامیابی اُنکے دروازون پر دست بستہ حاضر ہے۔ ہر قوم اپنا فلسفہ اپنے مفید مطلب ٹھیک کرتی ہے ہم چاہین

کہ انگلستان کے شاگرد ہوکر اُسکے فلسفہ سے اُسکومات دے سکین یہ فلسفۂ عقلی کے خلاف ہے۔

مین نے اوپر گورنمنٹ انگریزی کے چند نمایان برکات کا ذکر کیا ہے۔ اُسکا مقصد یہ نہین کہ صرف گورنمنٹ کی شکرگزاری کا اظہار کیا جاے۔ اُسکی نمایشین تو بات بات سے ظاہر ہورہی ہین بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان اُسکی تمام برکتون سے جائز حصہ پانے والا ہو۔ اور ہندو مسلمان دونون جیسے اپنا اپنا ٹکٹ لیکر ایک ریل اور ٹرمویے پر سوار ہوتے ہین ویسے ہی اپنی ضرورتون اور مصلحتون کے لئے ایک پلیٹ فارم پر نظر آئین اور اپنے مشرقی اخلاق و ادب کو جو ابتک عام خاندانون مین باقی ہے بھولے ہوئے سبق کیطرح پھر یاد کرلین ؎ اشہری

مین وہی آپ وہی شوق وہی دل ہے وہی
آپ چاہین تو ابھی گرمیٔ محفل ہے وہی

آپ دیکھین تو کہ آپ کے مشرقی ادب نے آٹھ سو برس تک ہندو اور مسلمانون کے تعلقات کو باوصف ایک روحانی مغایرت کے کیسی عمدہ حالت سے قائم رکھا جب آپ ہندوستان کے والیان ملک اور امیرون یا دوسرے اہل کمال و ارباب سوال کے طرز ادب اور مسلمانون بادشاہون اور وزیرون کے طرز مقال اور انداز کلام سے نتیجہ پیدا کرنا چاہینگے تو ہر تحریر اور ہر فرمان سے آپ کو ایک خاص رہنمائی محسوس ہوگی۔ اسکے بعد دو سو برس تک انگلش فاتحین نے جس دانشمندی سے مشرقی ادب کو اپنے ساتھ رکھا اُسکے نتایج علانیہ روز روشن کی طرح ظاہر ہورہے ہین۔ زمان بعد جب سے مغربی لٹریچر کے شاہنشاہی جمہوریت نے مشرقی ادب کو اپنی شہزور طاقت سے دبانا چاہا ہے طرفین کے طبایع مین ایک نئی اُمنگ کی بنیاد قائم ہوئی جو ہمارے حسب حال نہین۔

بس ہماری فلاسفی کا تمام راز ہمارے مشرقی ادب مین پوشیدہ ہے۔ اور ادب کی فلاسفی سے آگاہ کرنا ادیب کا اعلیٰ مقصد ہے۔

اشہری

مندرجہ بالا مضمون جسکے بعض حصون سے ہمین اتفاق نہین۔ مولانا اشہری کی آخری یادگار ہے۔ شکل سے اس مضمون کو آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوا ہوگا کہ اُنکے انتقال کی خبر آگئی۔ مرحوم ابتداے شباب سے آخر دم تک علم ادب کی خدمت کرتے رہے اور اُنکے معجز نگار قلم نے اُردو نظم و نثر مین جو مستقل اضافہ کیا ہے اُسکی تصریح اس مختصر نوٹ مین ناممکن ہے۔ اُردو کے بلند پایہ اہل قلم مین جناب اشہری کا نام نامی تادیر یادگار رہیگا۔ اُنکے انتقال سے بزم اُردو کی ایک نورانی شمع گل ہوگئی اور دُنیاے ادب سنسان نظر آتی ہے۔ زیادہ افسوس ادیب کی قسمت پر ہے جسکے جاری ہونے پر سب سے بڑی اور سچی داد مرحوم ہی کے قلم نے آگرہ اخبار کے صفحات مین دی تھی۔ اور باوجود پیرانہ سالی و انتشار طبیعت ادیب کی ضرورتون کو محسوس کرکے خاص مضامین لکھنا شروع کئے تھے جن مین ایک اس نمبر مین درج ہے اور دوسرا جو اس سے پیشتر وصول ہوا تھا اور زیادہ جامع اور بسیط ہے آیندہ نمبرون مین باقساط پیش کیا جائیگا۔ اس نمبر مین ہم ممدوح کی تصویر شایع کرنے پر اکتفا کرتے ہین۔ اُمید ہے کہ آیندہ نمبر مین اُنکی علمی زندگی کی زیادہ تفصیل ہوسکے۔ اہل قلم سے استدعا ہے کہ مرحوم کے شایانہ ماتم مین حصہ لین اور دعاے مغفرت سے دریغ نفرمائین۔

؎ غالباً آخری تین سو سال سے زائد نہیں۔

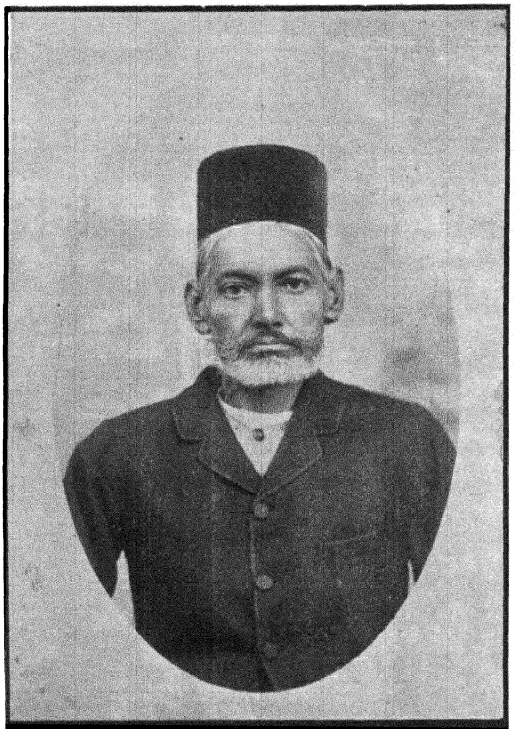

مولانا امجد علی صاحب اشہری مرحوم

ولادت ۱۲۹۲ھ وفات ۱۳۶۷ھ

انڈین پریس الہ آباد

ازیادرفتہ سلطنت

بیجانگر

پہلا باب

مقدمہ

ہندوستان مین مسلمانون کا آنا - مسلمانون کی آمد کے زمانہ مین دکن کی ہندو سلطنتین - دیوگڈھ کا راج - وزنگل کا راج - اوڈیسہ کا راج - چالوکیا کا راج - کرلا کا راج - زیورن کرناٹک کا راج - دکن پر مسلمانون کا قبضہ - علاء الدین کا حملہ - دیوگڈھ پر حملہ - ملک کافور کے فتوحات - وزنگل پر حملہ - کرناٹک کی فتح - غیاث الدین تغلق کی بادشاہت - وزنگل دیوگڈھ کی مکرر فتح - محمد تغلق کا بادشاہ ہونا - دولت آباد کی آبادی -

خلافت بغداد کو جب انحطاط شروع ہوا تو دور دراز کے صوبہ جات مین بغاوتین پھیل گئین - جسکی وجہ سے بہت سی نئی سلطنتون کا ظہور ہوگیا - ۲۶۱ھ/۸۷۴ء مین وسط ایشیا مین سلطنت سامانیہ کی بنیاد پڑی اسکے دوسرے تاجدار اسمٰعیل سامانی کے ایک غلام الپتگین نے ۳۵۲ھ/۹۶۳ء مین بغاوت کرکے افغانستان مین اپنی حکومت قائم کرلی - اور غزنین کو مستقر حکومت قرار دیا - الپتگین کے مرنے پر ۳۶۵ھ/۹۷۵ء مین اُسکا غلام سبکتگین بادشاہ ہوا - اس نے ہندوستان پر دو مرتبہ فوج کشی کی جس سے دریاے سندھ تک کا ملک اسلامی تصرف مین آگیا - اسکے بعد سلطان محمود کو بادشاہت ملی - محمود نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور تمام پنجاب کو اپنے قبضہ مین کرلیا -

محمود کے بعد پنجاب اُسکی اولاد کے قبضہ مین رہا - ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء مین غوریون نے غزنین پر قبضہ کرلیا جس سے پنجاب بھی اُنکی حکومت کا ایک صوبہ ہوگیا - سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۷۴ھ/۱۱۷۸ء سے لیکر ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء تک ہندوستان پر کئی حملے کئے اور راجہ پتھی راج کو تھانیسر کے میدان مین شکست دیکر دہلی اور اجمیر کا مالک ہوگیا - اسکے بعد ۵۹۱ھ/۱۱۹۴ء مین ایک اور حملہ کیا جسمین قنوج اور بنارس فتح کرکے بہار تک قبضہ کرلیا - سلطان غوری کے مرنے کے بعد ۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء مین اُسکا ترکی غلام قطب الدین ایبک جانشین قرار پایا - اُسنے پہلے پہل گجرات پر فوج کشی کی پھر بنگالہ کے دارالسلطنت لکھنوتی کو فتح کیا - الغرض شمالی ہندوستان کا قریب قریب تمام ملک سندھ کے دریا سے گنگا کے دہانے تک مفتوح ہوچکا یا بہت جلد مفتوح ہونے کے قریب ہوگیا - ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء مین قطب الدین کا انتقال ہوگیا جسکے بعد اُسکے خاندان مین نو بادشاہ ہوئے اور اٹھاسی ۸۸ برس حکومت رہی ۶۹۶ھ/۱۲۹۷ء مین غلامون کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور سلطنت خاندان خلجی مین منتقل ہوگئی جلال الدین خلجی ستر برس کی عمر مین دہلی کے تاج و تخت کا مالک قرار پایا - بوڑھا بادشاہ نہایت رحمدل تھا جسکے سبب سے مہمات سلطنت بہت کم انجام پاتے تھے - تاہم اُسکے لڑکے ارکلی خان اور بھتیجے علاء الدین اور الماس بیگ سلطنت کو سنبھالنے اور اُسکی وسعت بڑھانے مین ہمیشہ کوشان رہا کرتے تھے -

علاء الدین خلجی نہایت دانشمند ذی حوصلہ عالی ہمت شخص تھا جسکی وجہ سے جلال الدین کی بیوی ملکہ جہان کو اس امر کا اندیشہ لاحق ہوا کہ مبادا بادشاہ کے مرنے پر یہ تخت کا مالک ہو جاے اور میرا لڑکا ارقلی خان سلطنت سے محروم رہے۔ اس لئے اُسنے بادشاہ سے علاء الدین کے شکایات بیان کرنے شروع کئے۔ علاء الدین کو جب ان باتون کی اطلاع ہوئی تو چندھیری اور بوندیلکھنڈ کی بغاوت کے فرو کرنے کا حیلہ کرکے دارالحکومت سے چلا گیا۔ اور وہان اس عمدگی سے انتظام کیا کہ بادشاہ نے خوش ہو کر اُسے ملک اودھ کی حکومت عطا کردی۔ علاء الدین یہان کچھ دنون رہنے کے بعد دکن کے حملہ کی تیاریون مین مصروف ہوا۔

مسلمانون کے آنے سے پہلے دکن مین ہندون کی بہت سی سلطنتین قائم تھین ۱۱۸۴ء مین مہاراشٹر مین ایک راجہ شالباہن نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی۔ جو نوین صدی مین جادو بنس راجپوتون کے خاندان مین منتقل ہوگئی اور ان راجاؤن نے دیوگڈھ کو جو اب دولت آباد کہلاتا ہے اپنا مستقر حکومت قرار دیا۔ یہ سلطنت مسلمانون کے حملہ تک قائم رہی۔

بنگالہ مین بکرماجیت سے مدتون پہلے مگدھ دیش کے اندر بنس والون نے آکر حکومت قائم کی تھی ۱۵۱۵ء کے قریب یہ حکومت یون خاندان مین چلی گئی جنھون ۱۳۴۲ء تک نو راجہ برسر حکومت ہوے۔ اسکے بعد گنیش بنی خاندان کا آغاز ہوا۔ اسکو پندرھوین صدی مسیحی کے آخر مین خوب عروج ہوگیا تھا۔ اسوقت بنگالہ کے علاوہ گوداوری کا تمام جنوبی ملک اسکے قبضہ مین تھا۔ ۱۵۳۲ء ۱۴۳۱ء مین اسلامی حملون سے انکی قوت کم ہوگئی۔ قطب شاہیون کے عہد مین یہ راج گولکنڈہ کی حکومت مین داخل ہوگیا۔ ورنگل انکا دارالحکومت تھا۔

بکرماجیت کے زمانہ مین یون خاندان والون نے اوڑیسہ پر قبضہ کرلیا۔ جنکی اولاد مدت ہاے دراز تک حکومت کرتی رہی۔ ۱۴۷۳ء مین کیسری خاندان والون نے ملک فتح کرلیا۔ اور ساڑھے چھ سو برس کے عرصے مین اس خاندان کے چھتیس راجا برسر حکومت ہوئے۔ پھر یہ سلطنت گنگاونسا خاندان مین منتقل ہوگئی اور مسلمانون کے حملہ تک انہین کا قبضہ رہا۔

کرناٹک اور مہاراشٹر کے حدود پر چلوکیا قوم کی سلطنت تھی۔ یہ لوگ ۵۵۰ء کے قریب اودھ سے آکر یہان آباد ہوئے تھے۔ چوتھی یا پانچوین صدی مسیحی مین ان کو خوب عروج ہوگیا تھا۔ اس زمانہ مین انکی مملکت نربدا سے چولا کے راج تک پھیلی ہوئی تھی ۶۵۵ء ۱۸۲ء مین یہ راج کالابھور یا بنس خاندان کے ہاتھون مین چلا گیا۔ پھر یہ خاندان بھی بہت جلد نیست و نابود ہوگیا۔

پہلی صدی مسیحی کے آغاز مین کرالا مین پرمنون نے ایک راج کی بنیاد ڈالی جو پنچایتی حکومت کی حیثیت سے مدتون قائم رہی۔ پھر اس ملک کے شمالاً جنوباً دو حصے ہوگئے۔ جنوبی حصہ یعنی ملیبار مین طوائف الملوکی قائم ہوگئی جنمین سب سے بڑی ریاست سامری کی تھی جسے انگریزی تاریخون مین زیمورن Zamorins لکھا ہے ۱۴۹۸ء ۸۹۷ھ مین سلطنت پرتگال کیطرف سے واسکوڈیگاما Vasco de gama کالی کٹ مین آیا تو تمام ملیبار پر اسی خاندان کے ایک راجا کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ سولھوین صدی مسیحی کے شروع تک وہان حکومت کرتے رہے پھر ٹیپو سلطان نے اسکو فتح کرکے

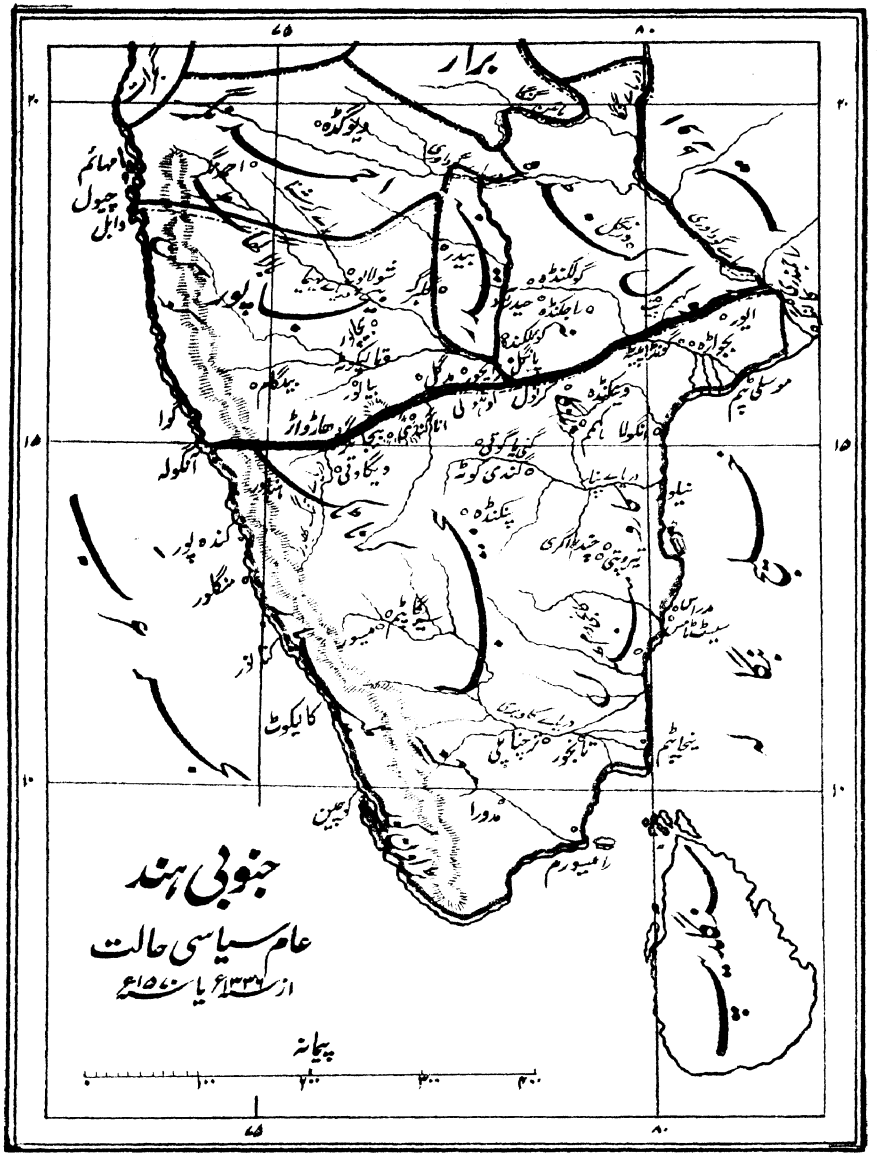

مطبوعہ انڈین پریس الہ آباد

اپنی حکومت مین شامل کرلیا۔

شمالی ملک یعنی کرناٹک جسے کنارہ بھی بولتے ہین چولا اور پانڈی راجاؤن نے تقسیم کرلیا تھا۔ دُور دور کے بعض قطعات پر سرکش زمینداروں نے چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم کرلی تھین ۱۱۹۹ء/۵۹۵ھ مین بلال بنس خاندان کے راجپوتون نے طوائف الملوکی مٹاکر کرناٹک اور ملیبار کے تمام علاقون پر اپنا غلبہ حاصل کرلیا۔ اور دوار سمندر کو جو مغربی میسور مین واقع تھا دارالریاست بنایا۔ ۱۳۱۹ء/۷۱۹ھ مین مسلمانون کے ہاتھون اس خاندان کی تباہی ہوئی۔

دکن کے انتہاے جنوب مین جناب مسیح سے تقریباً پانسو برس پہلے پانڈی نامی ایک شخص نے اجودھیا سے آکر ایک بادشاہت کی بنیاد ڈالی۔ ۹۰۰ء/۲۸۹ھ مین اس راج کو کمال عروج ہوگیا تھا۔ راجاکن راج جو پانڈیون کا آخری راجا ہے گیارھوین صدی مسیحی تک زندہ رہا۔ مدورا بستی انکی راجدھانی تھی۔

حضرت مسیح سے تقریباً تین سو برس پہلے پانڈیون کی سلطنت کے بہت سے حصے پر من نال نے قبضہ کرکے چولا خاندان کی بنا ڈالی۔ یہ دونون خاندان آپس مین ایک دوسرے کے حریف تھے۔ اوران مین ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہاکرتے تھے۔ کانجی ورم انکا دارالحکومت تھا۔ آٹھوین صدی مسیحی مین کنارا اور تلنگانہ کے ملک پر گوداوری تک قبضہ کرلیا اور تانجور کو اپنا مستقر قرار دیا۔ اسکے بعد انحطاط شروع ہوا۔ سترھوین صدی مسیحی کے آخر مین یہ لوگ راجگان بیجانگر کے باجگذار ہوگئے جسکی تھوڑی مدت بعد سیواجی کے بھائی نے جو عادل شاہی فوج کا افسر تھا۔ بادشاہ کے ایماء سے بغرض امداد وہان جاکر ملک پر قبضہ کرلیا۔ اسطرح یہ سلطنت تباہ ہوئی۔

علاء الدین ۶۹۴ھ/۱۲۹۴ء مین آٹھ ہزار سوار لیکر کڑہ سے نکلا۔ دور ودراز مسافت طے کرتے ہوئے دو مہینے مین ایلچ پور پہونچا اور دو روز وہان مقیم رہکر رات کیوقت دیوگڈھ کی راہ لی۔ اُس زمانہ مین رام دیو جادو دیوگڈھ کا راجا تھا۔ راجہ کو جب علاء الدین کے آنے کی خبر پہونچی تو اُسنے بھی مقابلہ کی تیاریان شروع کین۔ دو تین ہزار سپاہی لیکر دو کوس کے فاصلہ پر آموجود ہوا۔ غرض دونون فوجون مین خوب لڑائی ہوئی راجا شکست کھاکر قلعہ مین چلا گیا۔ اسلامی فوج نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور یہ مشہور کردیا کہ بیس ہزار فوج پیچھے آرہی ہے۔ رام دیو نے پریشان ہوکر صلح کے پیغام شروع کئے۔ پندرھوین دن علاء الدین نے بھی دور اندیشی سے اسے منظور کرلیا۔ اور واپسی کی تیاریان ہونے لگین۔ عین وقت پر رام دیو کا بیٹا سنگل دیو جو کسی تیرتھ کو گیا ہوا تھا۔ واپس آگیا۔ علاء الدین نے ایک ہزار آدمی نصرت خان کے ساتھ قلعہ کے محاصرہ پر چھوڑے اور بقیہ فوج لیکر سنگل دیو کے مقابلہ کو نکلا۔ تین کوس کے فاصلہ پر دونون مین خوب گھمسان لڑائی ہوئی۔ قریب تھا کہ مسلمانون کو شکست ہوجاے مگر نصرت خان نے محاصرہ کو چھوڑکر مدد کو آگیا۔ جس سے ہندؤں کے لشکر مین ہل چل پڑگئی اور علاء الدین نے اُنہین تہ و بالا کردیا جب وہ لوگ بھاگ گئے تو پھر آکر قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور خوب سختی شروع کی۔ جسکی وجہ سے رام دیو کے ہوش و حواس باختہ ہوگئے۔ راجا نے ایلچ پور اور اُسکے گرد و نواح کے پرگنات اور

بہت کچھ مال و دولت دیکر علاء الدین سے صلح کرلی۔ اور وہ پچیس روز کے بعد محاصرہ اُٹھاکر کڑہ کو چلا گیا۔ ۱۷۔ رمضان ۶۹۵ھ کو جلال الدین خلجی کے مارے جانے پر علاء الدین کو ہندوستان کی بادشاہت ملی۔ علاء الدین کے بادشاہ ہونے پر ملک مین ہر طرف بغاوتین پھیل گیین اور مغلون کی یورشین بھی ہونے لگین۔ بادشاہ تقریباً گیارہ سال اس فتنہ و فساد کے فرو کرنے مین مصروف رہا۔ رام دیو اس موقع کو غنیمت سمجھکر ادائے خراج مین تساہل کرنے لگا۔ بادشاہ نے جب خانگی بدنظمیون سے فرصت پائی تو ۱۳۰۶ء مین اپنے ایک ترکی غلام ملک کافور کو فوج کثیر دیکر دکن کی جانب روانہ کیا تاکہ رام دیو کو تنبیہ و تادیب کرکے پیش کش وصول کرے۔

ملک کافور گجرات اور خاندیش سے گذرتا ہوا ایلانا آیا اور وہان سے مہاراشٹر مین آکر دیوگڈھ کے علاقہ مین خوب لوٹ مار مچادی۔ رام دیو نے لڑنا نامناسب سمجھا اور اپنے اہل و عیال کو لیکر ملک کافور کی خدمت مین چلا آیا۔ ملک کافور راجا کو دلی لے گیا۔ علاء الدین نے اُسکے بادشاہون کے مانند خاطر تواضع کی مخلوق مین علاء الدین اور رام دیو کی عظمت مین کوئی فرق باقی نہ رہا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اُسکی قدیم سلطنت عطا کردی اور قصبہ نوساری اور ایک لاکھ تنکہ نقد اپنی طرف سے دیکر بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کردیا اور وہ تمام عمر مطیع و فرمانبردار رہا۔

ملک کافور نے جب دیوگڈھ سے فراغت پائی تو بادشاہ کے حکم سے ۱۳۰۹ء مین ورنگل کیطرف روانہ ہوا۔ پہلے پہل اندور مین آیا۔ وہان سے سار بار کے قلعہ پر جو ورنگل کے راج مین تھا حملہ آور ہوا۔ قلعہ کا فتح ہونا تھا کہ تمام ملک مین ہل چل پڑگئی اطراف و اکناف کے باج گذار راجہ خوف و ہراس سے راجہ ورنگل کے پاس قلعہ مین پناہ گیر ہوئے۔ مسلمان لڑتے بھڑتے ورنگل کی فصیل تک پہونچ گئے۔ ورنگل کا راجہ لدر دیو جسنے تلنگی کتابون مین پرتاب رودر لکھا ہے اس حالت کو دیکھکر حواس باختہ ہوگیا اور اُسنے جنگ و جدل نامناسب جانکر تین ہزار ہاتھی سات ہزار گھوڑے اور اسکے علاوہ بہت سا مال و اسباب دیکر خراج گذاری کے وعدہ پر صلح کرلی۔ ملک کافور نے ۱۹۔ شوال ۷۰۹ھ کو ۱۳۰۹ء کو ورنگل سے محاصرہ اُٹھالیا اور ایک ہزار اونٹ پر اسباب پیش کش لدوا کر دلی کی جانب روانہ ہوا۔

بادشاہ نے ۱۳۱۰ء مین ملک کافور کو کرناٹک فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ ایک مہینے کے بعد سرحد پر پہونچے وہان سے مار دھاڑ کرتے ہوئے دارالسلطنت دوارسمندر تک چلے گئے۔ یہ شہر سرنگاپٹم کے پاس ایک بڑے تالاب کے کنارے واقع تھا۔ مسلمانون نے اسکو فتح کرلیا۔ اور یہان کا راجا بلال دیو اسیر ہوا جس سے بہ سلطنت نیست و نابود ہوگئی۔ اسکے بعد مسلمانون نے قدم اور آگے بڑھائے اور کاس دیو راج کی سلطنت پر لشکر کشی کی۔ یہ بڑا دانشمند راجا تھا اور اسکے خزانہ مین بارہ کرور اشرفی اور بیشمار موتی۔ لعل یاقوت جمع تھے اور اسکا راج نہ صرف ملیبار مین تھا بلکہ مدورا۔ ترچناپلی۔ تانجور وغیرہ بھی اُسمین داخل تھے اور دارالسلطنت اسکا مدورا تھا جب یہ راجا مرگیا تو اُسکے دو بیٹے سندر پانڈیا اور ویر پانڈیا سلطنت کے دعوے دار ہوئے چھوٹے بھائی سندر پانڈیا نے غلبہ حاصل کرکے اپنے بڑے بھائی کو ملک سے نکال دیا۔ وہ تباہ حال ہوکر ملک کافور کی خدمت مین

آیا۔ مسلمانون نے اُسکی تائید کی اور جنگ وجدل کرتے مدورا تک پہونچ گئے اور ۱۷ ذیقعدہ ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء کو شہر فتح کرلیا۔ اور سیت بند رامیشور مین ایک مسجد بنائی اور اُس مین سلطان علاء الدین کے نام کا خطبہ پڑھا۔ راجا نے پانسو ۵۰۰ بارہ ہاتھی پانچ ہزار گھوڑے پانسو من جواہرات دیکر ملک کافور سے صلح کرلی اور وہ تمام مال واسباب لیکر بافتح وظفر دہلی پہنچا۔

رام دیو کے مرنے پر جب اُسکا بیٹا سنگل دیو دیوگڈھ مین تخت نشین ہوا تو بادشاہ کی اطاعت سے انحراف کرکے سرکشی اختیار کرلی۔ قریب قریب اسی زمانہ مین کرناٹک مین بھی کچھ فساد برپا ہوگیا۔ اسلئے ملک کافور نے ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء مین پھران ممالک پر چڑھائی کی اور سنگل دیو کو گرفتار کرکے قتل کرڈالا۔ گابر گہ، رائے چور، مدگل وغیرہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ جن راجاؤن نے اطاعت قبول کی وہ حکومت پر بحال رہے اور سرکش معزول کردئے گئے۔ دیوگڈھ دکن کا اسلامی مستقر قرار پایا اور یہان ایک امیر مامور کیا گیا تاکہ وہ تمام صوبہ جات کی نگہداشت کیا کرے۔ اسوقت علاء الدین کی حکومت کوہستان ہمالیہ سے لیکر سنگلدیپ تک اور بنگالہ سے ہرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۶۔ شوال ۷۱۵ھ/۱۳۱۶ء کو علاء الدین فوت ہوگیا اور اُسکا بڑا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ خلجی مالک تاج وتخت قرار پایا۔

مبارک شاہ کے زمانہ مین رام دیو کے داماد ہرپال دیو نے اپنے علاقہ مین بغاوت برپا کردی اور گرد ونواح کے راجاؤں کو بھی اپنا شریک وسہیم کرلیا اور ایک کثیر فوج لیکر دیوگڈھ پر پے بہ پے کئی حملے کئے اسلئے ۷۱۸ھ/۱۳۱۸ء مین بادشاہ خود اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے آیا۔ باغی لوگ منتشر ہوگئے۔ ہرپال دیو گرفتار ہونے کے بعد قتل کردیا گیا۔ اور اسطرح اس بغاوت کا خاتمہ ہوا۔ ان دنون چونکہ برسات کا موسم شروع ہوگیا تھا اسلئے بادشاہ دیوگڈھ ہی مین مقیم ہوگیا اور جنوبی ملک کی بغاوتون کے اندفاع کے لئے خسرو خان کو بھیجا۔ خسرو خان جب وہان پہونچا تو سرکش گروہ مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ گئے۔ پھر تلنگانہ کیطرف رجوع ہوا اور یہان کے راجا سے سو ہاتھی اور بہت سا مال متاع لیکر پھر ملیبار کو واپس چلا گیا۔ وہان ایک سال قیام پذیر رہا۔ جب کافی امن وامان قائم ہوگیا تو دلی واپس چلا آیا۔ خسرو خان کے ایما سے بعض امیرون نے مبارک شاہ کو قتل کردیا۔ جسکے بعد خسرو خان نے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی اور امراء اعیان سلطنت کو بڑے بڑے عہدے دیکر راضی کرلیا۔ جب اسکی اطلاع پنجاب کے حاکم غیاث الدین تغلق کو ہوئی۔ تو انتقام کی غرض سے فوج کثیر لیکر خسرو خان پر چڑھ آیا۔ ۲۳۔ رجب ۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء کو خسرو خان شکست کھاکر گرفتار ہوگیا تو غیاث الدین نے اُسے اُسی جگہ قتل کرادیا جہان اُسنے مبارک شاہ کو مارا تھا۔ چونکہ علاء الدین کے خاندان مین کوئی حکمران کے قابل نہ تھا۔ اسلئے ارکان سلطنت نے غرۃ شعبان ۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء کو غیاث الدین کو اپنا بادشاہ بنایا۔ اسکی تخت نشینی کے دوسرے سال لدردیو نے ورنگل مین بغاوت اختیار کی اور دیوگڈھ مین بھی کچھ بدنظمی پھیل گئی۔ اسلئے اُسنے اپنے بیٹے جونا خان کو بہت سی سپاہ دیکر دکن کی مہم پر روانہ کیا۔ جونا خان دیوگڈھ کی بدنظمی کو دفعہ کرتا ہوا ورنگل آیا۔ اُسکا محاصرہ کیا اور راجا سے کئی معرکے ہوئے۔ راجا نے مجبور ہوکر پیش کش بھیجنے کے وعدہ سے صلح کی خواہش کی لیکن شہزادے

نے قبول نہ کیا اور لڑائی بدستور جاری رکھی - چونکہ برسات کا موسم تھا اسلئے کئی امراض لشکر مین پھیل گئے - علاوہ اسکے سیکڑون متوحش افواہین اُڑنے لگین - بعض لوگون نے مشہور کردیا کہ غیاث الدین تغلق کے مارے جانے پر کسی دوسرے بادشاہ کی تخت نشینی عمل مین آگئی - اس خبر کے سُننے سے سپاہ پریشان ہوگئی اور خود شاہزادے نے بھی مجبوری محاصرہ اُٹھاکر دہلی کا رُخ کیا - دیوگڈھ تک پہونچا تھا کہ بادشاہ کی خیر و عافیت کی اطلاع ملگئی جسے سُنکر منتشر لشکر شہزادہ سے آملا - اس پریشانی مین بعض بڑے بڑے سردار مارے گئے - ملک تیمور کو تلنگون نے ملک تکین کو مرہٹون نے مار ڈالا - دیگر اُمرا جنھون نے رفاقت ترک کردی تھی دہلی پہونچنے کے بعد بُری طرح قتل کردئے گئے -

اس واقعہ کے چار مہینے بعد ۷۲۳ھ / ۱۳۲۳ء مین شاہزادہ نے دکن پر دوبارہ لشکر کشی کی اور ورنگل کے قلعہ کو توڑکر قبضہ کرلیا اور راجا کو مع اہل و عیال کے گرفتار کرکے دہلی بھجوا دیا - بادشاہ نے لدر دیو کا قصور معاف کرکے پھر اُسے ورنگل کا راجا بنا دیا - ربیع الاول ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء مین ایک اتفاقی حادثہ سے بادشاہ کا انتقال ہوگیا - باپ کے مرنے پر جونا خان نے بہ لقب محمد تغلق سریر سلطنت کو رونق بخشی اور اعیان سلطنت کو بڑے بڑے عہدے اور جاگیرین عطا کرکے اُنکی خوب قدر افزائی کی -

محمد تغلق نے اپنے ایام حکومت مین خراسان اور چین کی تسخیر کا ارادہ کیا اور اس مہم کے لئے کروڑہا روپیہ صرف کرکے ایک کثیر التعداد فوج بھی تیار کی اور ایک لاکھ آدمی چین کیطرف روانہ کردئے - اس بیجا مصرف سے خزانہ خالی ہوگیا اور ملک مین ہر طرف ابتری پھیل گئی -

اسی زمانہ مین ملک بہاء الدین نے جو محمد تغلق کا پھوپی زاد بھائی تھا اپنی جاگیر ساگر کے قلعہ کو مستحکم کرکے علم بغاوت بلند کیا - بادشاہ کی طرف سے اسکی تنبیہ کے لئے خواجہ جہان مامور ہوا - طرفین مین دیوگڈھ کے پاس لڑائی ہوئی - بہاء الدین کا لشکر تہ و بالا ہوگیا اور اُسنے وہان سے بھاگ کر راجا کنبیلہ کے یہان پناہ لی - اس اثنا مین محمد تغلق بھی دیوگڈھ کو آگیا اور اُسکے تعاقب مین بہت بڑی فوج روانہ کی - سپاہ نے راے کنبیلہ کو گرفتار کرلیا - بہاء الدین وہان سے نکل کر کرناٹک مین بلال دیو کے پاس جا چھپا جسے اُسنے گرفتار کرکے خواجہ جہان کے پاس بھیجدیا - اور وہ قتل کردیا گیا - اس زمانہ مین ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ بہت وسعت حاصل کرچکی تھی - اسلئے بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ تمام ملک کے وسط مین کسی شہر کو اپنا مستقر حکومت بنائے - اور دیوگڈھ کو از سر نو آباد کرکے دولت آباد نام رکھا اور اُسے رونق دینے کے لئے بڑے بڑے امیر اور اہل فضل و کمال دہلی سے طلب کرکے بسائے - جب اس کام سے فراغت حاصل کرلی تو کنڈھانہ کی تسخیر کا ارادہ کیا اور آٹھ مہینے تک محاصرہ کئے پڑا رہا - یہان کے راجا نائک نے جو خاندان کول سے تھا - محاصرہ سے تنگ آکر بادشاہ کی اطاعت قبول کرلی -

محمد تغلق مین انتظامی قابلیت نہ تھی اور وہ طرز حکمرانی سے ناواقف محض تھا اسلئے اسکے مقبوضات مین ہر وقت بغاوتین پھیلتی رہین - ملتان کا حاکم بہرام باغی ہوگیا - ملک فخر الدین نے بنگالہ مین اور سید حسن نے ملیبار مین اطاعت

سے انخراف کردیا۔ بادشاہ نے قوام الملک کو ملتان بھیجکر وہان کی بغاوت کا خوب بندوبست کرایا۔ بنگالہ اور ملیبار کی بغاوت ۱۳۴۱ھ/۱۳۴۲ء مین خود اپنی ذات سے فرو کی اور مزید انتظام کی غرض سے رعایا پر بہت سے محصول بڑھادئے اور جاگیرداروں سے ایسے ایسے مطالبات شروع کئے کہ جس سے ملک مین بیدیرشانی پھیل گئی اور رعایا بھاگ کھڑی ہوئی۔ ملک ویران اور اُجاڑ ہوگیا۔ خدا کی مخلوق خوب تباہ ہوئی۔

حکیم سید شمس اللہ قادری

رسم بوسہ ستانی پر ایک حکیمانہ نظر

انسان اپنی کمزوریون سے مجبور ہوکر جن غلطیون مین مبتلا ہوتا ہے، یا ہوسکتا ہے، وہ بلحاظ اپنی نوعیت کے دو طرح کی ہین۔

(۱) ایک وہ افعال جنکے ارتکاب کی بُنیاد ایک غلط اصول پر ہوتی ہے۔

(۲) دوسرے وہ افعال جنکے بنیادی اصول صحیح ہین، مگر جن اصول کے استعمال کے وقت کوئی اتفاقی فروگذاشت ہوجاتی ہے۔

آخرالذکر قسم کی غلطیون کے مرتکب کسی خاص زمانے مین کوئی خاص فرد یا چند افراد ہوتے ہین۔ اس صنف مین ہم اُن تمام غلطیون کو شامل کرتے ہین، جو اکثر ریاضی کا سوال حل کرتے ہوئے طالبعلمون سے، یا کتابت مین لکھنے والون سے ہوا کرتی ہین۔ یا جب چند طبیب ملکر کسی مریض کا علاج کرتے ہین اور اُسکو صحت نہین ہوتی تو وہ معالج بھی اسی قسم کی غلطیون کے مرتکب ہوتے ہین۔ یہ بھی ممکن ہے، کہ ایسی کسی غلطی مین تمام دُنیا متفقہ طور سے گرفتار ہوجائے، لیکن ابھی تک کوئی ایسی مثال ہمارے احاطۂ معلومات مین نہین آئی۔ اس قسم کی غلطیون کا احساس بہ آسانی ہوسکتا ہے، بلکہ بعض صورتون مین اُن سے متنبہ کرنے کے لئے ایک معمولی اشارہ کافی ہوتا ہے اسلئے انکی اصلاح بھی آسانی سے ممکن ہے۔

اول الذکر صنف کی غلطیون مین اگرچہ کبھی کبھی ایک یا چند افراد بھی مبتلا ہوتے ہین، مگر عموماً اسطرح کی غلطیون کا اثر آبادی عالم کے ایک حصۂ کثیر پر بہ حیثیت مجموعی پڑتا ہے، چنانچہ اکثر مذہبی اعتقادات اسی عنوان کے تحت مین داخل ہین۔ ایسی غلطیان جنمین ایک عرصۂ دراز سے نوع انسان کا بہت بڑا حصہ گرفتار ہے، لوگون کے دلون مین پختہ طور سے راسخ ہوجاتی ہین، اور انکے متعلق گوناگون تعصبات و توہمات پیدا ہوجاتے ہین، اسلئے یہ نہایت دقت سے تسلیم کیجاتی ہین۔ اور انکی اصلاح کے لئے سالہا سال درکار ہوتے ہین، اور انکے مصلح کے لئے بہت بڑے ضبط نفس و استقلال کی حاجت ہے۔ با اینہمہ چونکہ انسانی ترقی کے اوپر بدترین اثر اسی قسم کی غلطیون کا ہوتا ہے۔ اسلئے انکا دور کرنا ہر مصلح کا سب سے اہم فرض ہے۔

دیگر عالمگیر خطرناک رسمون سے قطع نظر کرکے ہم اسوقت جس رسم سے بحث کرنا چاہتے ہین، وہ بوسہ ستانی ہے۔ یہ وہ رسم ہے جسکا وجود محض شاعرون کے عالم خیال مین نہین بلکہ عملی دُنیا کے اکثر حصون مین پایا جاتا ہے، اور جسکی توصیف و تعریف سے ہر زبان کا لٹریچر پُر ہے، لیکن کیا کبھی کسی نے اس رسم کی اصلیت اور اسکے اثرات پر غور کیا ہے؟ آؤ، تھوڑی دیر کے لئے جذبات کی غلامی سے آزاد ہوکر اس معرکۂ علمی کو عسکرِ عقل کی اعانت سے سر کریں۔

یہ مسلم ہے کہ آج جو بیشمار رسوم و رواجات، یا اعتقادات و خیالات، ہماری نظرون کے سامنے موجود ہین، وہ اپنی ابتدائی حالت مین بجنسہ ایسے نہ تھے، بلکہ اُنکی موجودہ شکل نتیجہ ہے بیشمار تغیرات کا، اور زمانۂ ماضی کے اُن غیر محدود خارجی اثرات کا جنسے یہ متاثر ہوا کئے ہین۔ اسی غیر منقطع سلسلۂ تغیرات اور تدریجی نشوونما کو علمی اصطلاح مین ارتقا کہتے ہین۔ جس وقت کسی مسئلہ کی ماہیت و حقیقت پر غور کرنا منظور ہوتا ہے تو اُسکے لئے سب سے زیادہ صحیح اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ اُس خاص مسئلہ پر بھی اسی قانون ارتقا کے تحت مین روشنی ڈالی جائے، اور قرائن و اسباب کے اقتضا کو ملحوظ رکھکر اس مسئلہ کی گذشتہ تاریخ کی تحقیق کی جائے۔

اس اصول کی بنا پر جب ہم بوسہ کی رسم پر غور کرتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ابتدا دو چار صدیون سے نہین، بلکہ نہایت قدیم زمانے مین ہوئی ہے۔ یہ رسم اُس عہد کی یادگار ہے جسکو آج عہد جہالت کہا جاتا ہے، اور جب نہ تاریخ کا وجود تھا نہ شایستگی و تمدن کا پتہ تھا۔ اُسوقت (یعنی آج سے بیشمار سال پہلے) جبکہ ہمارے اسلاف انسانیت کی نہایت ابتدائی منزل مین تھے، اور جبکہ اُن لوگون مین قوائے بہیمی کا اثر قوائے عقلی پر غالب تھا، وہ لوگ اپنی عزیز ترین چیز کا مصرف محض غذا سمجھتے تھے، اور غذا کا حاسہ اُنکے تمام اور حاسات پر فایق ہوتا تھا۔[1] اپنے اسی ابتدائی اور وحشیانہ نقطۂ خیال کے مطابق وہ لوگ دوسرے شخص پر اپنی دلی الفت و محبت کا اظہار صرف اس طریقے سے کرسکتے تھے جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ اُسکو اسقدر عزیز سمجھتے ہین کہ اُسکے کھا جانے کی خواہش رکھتے ہین۔ اپنے اسی مافی الضمیر کے اظہار کے لئے اُنھون نے بوسہ کا طریقہ نکالا۔ اپنے مُنہ کو دوسرے کے مُنہ پر رکھکر وہ گویا زبان حال سے یہ کہتے تھے کہ مین تم سے ایسی ہی محبت رکھتا ہون، جیسی کہ اپنی غذا سے، اور تمکو مثل غذا کے کھا جانا چاہتا ہون۔

بلاشبہ، اگر ہمکو انسان کی ابتدائی طرز معاشرت و روش خیالات کا صحیح علم ہے، تو بوسہ کا آغاز اسی طریقہ سے ہوا، اور مثل دُنیا کے تمام دیگر مسائل کے اس رسم پر بھی قانون ارتقا کے عمل کا یہ نتیجہ ہوا، کہ رفتہ رفتہ اس توحد مین تنوع پیدا ہوا، اور اب بوسہ کے مختلف اقسام ہوگئے، جنکو ہم تین بڑے عنوانات کے تحت مین رکھ سکتے ہین:-

(۱) بوسۂ تعظیم، جو عموماً ہاتھون اور پیرون کا لیا جاتا ہے،

(۲) بوسۂ محبت، جو عموماً پیشانی، کفِ دست، اور کبھی کبھی

---

[1] یہی کیفیت آج بھی ہم بچون مین مشاہدہ کرتے ہین۔ جیسا کہ طبقی تحقیقات نے ثابت کیا ہے بچہ کا دماغ ابتدائی وحشی انسان کے دماغ سے بہت ملتا جلتا ہوا اسلئے اسکے اکثر ہرکات و خیال بھی ابتدائی انسان کے اخیال سے مشابہ ہوتے ہین چنانچہ ہمارے شیر خوار بچون مین غذا کی خواہش اسقدر قوی ہوتی ہے، کہ وہ ہر چیز کو مُنہ مین۔ کہ لینا چاہتے ہین۔ ۱۲

رخسارون کا لیا جاتا ہے؛

(۳) بوسۂ حسن، جو عموماً لبون اور رخسارون کا لیا جاتا ہے؛ انسانی عقل کی نشو و نما کی وجہ سے اگرچہ اب بوسہ لیتے وقت ہمارے دل مین اُس قدیم تحریک کا اثر نہین پایا جاتا، جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے، بلکہ ایک رسم پر بیشمار صدیون سے عمل کرتے ہوئے، قانون توارث Law of heredity کے بموجب، اب یہ خواہش ہمارے دل مین غیر ارادی طور سے پائی جاتی ہے، اور کسی دلفریب شکل کو دیکھکر خود بخود اُسکے بوسہ لینے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، جس سے ناواقفون کو خیال ہوتا ہے کہ یہ جذبہ ہمارے دل مین فطری ہے، لیکن درحقیقت یہ ایک غلط فہمی ہے۔ انسانی دماغ مین جو غیر ارادی جذبات و تحریکات پیدا ہوتے ہین، وہ دو طرح کے ہین:-

(الف) ایک وہ جذبات و تحریکات جو انسان مین بغیر کسی قسم کے خارجی اثر کے، خود اُسی اثر سے پیدا ہوتے ہین، جو اُسکی جسمانی ساخت، قویٰ کے امتزاج، اور اعضا کی ترکیب کا لازمی خاصہ ہے[1]۔ یہ تحریکات فطرتاً ہر انسان مین ودیعت کے گئے ہین، اور فطری جذبات کے صحیح مفہوم مین صرف یہی تحریکات داخل ہین۔

(ب) دوسرے وہ جذبات و تحریکات جو فطرت نے ابتداءً انسان کو ودیعت نہین کئے تھے، بلکہ جو اُسنے آج سے لاکھون سال پیشتر اپنے اختیار و قوت ارادی کی مدد سے پیدا کئے تھے، اور اُسوقت سے اُنپر برابر بتدریج عملدرآمد ہوتا رہا، یہانتک کہ اب قانون توارث کے بموجب وہ تحریکات بھی ہمارے دل مین غیر ارادی طور سے پیدا ہوتے لگے ہین[2]۔ لیکن درحقیقت یہ ہمارے ہی پیدا کئے ہوئے ہین، جنسے فطرت کو کوئی تعلق نہین[3]۔

بوسہ کی اضطراری تحریک بھی اسی آخر الذکر قسم کے اکتسابی جذبات مین داخل ہے، جسکے لئے فطری جذبات کا لفظ استعمال کرنا سخت غلطی ہے۔

کسی جذبہ یا حاسّہ کے فطری ہونے کے لئے، بجز دیگر شرائط کے، ایک شرط یہ بھی لازمی ہے کہ وہ تمام نوع مین یکسان طور سے پایا جاتا ہو، لیکن جذبۂ زیر بحث گو فطری قرار دیئے

---

[1] مثال کے لئے ہم حاسّۂ ذائقہ لیتے ہین۔ بحیثیت مجموعی انسان کی ساخت اور خلقت ہی ایسی ہے کہ اسکو بدل (تخیل) کی احتیاج ہوا اور جو حاسّہ کہ بدل (تخیل) طلب کرتا ہے، اسکو ہم اشتہا کہتے ہین۔ لہذا حاسّۂ اشتہا فطری ہے۔

[2] توارث کا حیطۂ وسیع اور گہرا اثر انسان کی جسمانی، اخلاقی، اور دماغی حالت پر پڑا ہے، اُسکی تفصیل کی یہان گنجائش نہین، لیکن اسقدر بتا دینا ضروری ہے کہ اگر کسی فعل کے اخذ یا ترک پر چند نسلون متواتر عمل کرین، تو چند نسلون کے بعد آیندہ نسلون مین اُس فعل کے ارتکاب کی قابلیت یا ناقابلیت خود بخود پیدا ہو جائیگی۔ مثلاً اگر آج کسی خاص عضو سے ہم کام لینا چھوڑ دین اور ہمارے اخلاف بھی سختی کے ساتھ اسکی پابندی کرتے رہین، تو چند ہزار سال کے بعد ہماری اولاد سے اُس عضو سے کام لینے کی قابلیت بالکل سلب ہو جائیگی، اور اُسوقت غالباً اُنکے اکثر افراد تصور کرینگے کہ اس خاص عضو سے کام نہ لینا ایک فطری امر ہے۔ یہ قانون ہمارے تمام قوائے اخلاقی و دماغی پر صادق آتا ہے۔

[3] مذہبی اعتقادات بھی، جو بادی النظر مین فطری معلوم ہوتے ہین، اسی صنف کے اکتسابی حالتات ہین۔

مین ایک یہ بھی وقت ہے کہ بوسہ کا رسم تمام عالم مین نہین پایا جاتا، چنانچہ افریقہ کے شمال، اسکیمو (نواح قطب کے باشندے) آسٹریلیا، اور نیوزی لینڈ کے باشندے اس رسم سے بالکل ناواقف ہین[1]۔

اس مقام پر ظاہر بینون کو یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ اگر رسم بوسہ ستانی نہایت ہی وحشی و ابتدائی طبقہ انسانی کا ایجاد کردہ ہے، اور اُس عہد کا یادگار ہے، جبکہ دنیاے جہالت کی بھولی اور الھڑ خاتون شائستگی و تمدن کے پُرتکلف لباس اور تعلیم کے بیش بہا زیورات سے آراستہ نہین کی گئی تھی، تو کیا وجہ ہے کہ آج بعض قبایل جو تہذیب و تمدن کے ابتدائی منازل مین ہین اس رسم سے ناواقف ہین؟

لیکن درحقیقت، یہ نہایت سطحی اعتراض ہے ایسی بیسیون مثالین موجود ہین کہ انسانیت کے دور اوّلین مین کسی رسم یا رواج کی بنیاد پڑی لیکن کچھ عرصہ کے بعد اخلاف نے باوجود تمدنی حیثیت سے ترقی نہ کرنے کے، دیگر اسباب سے متاثر ہوکر، اس رواج کے خلاف ایک دوسرا طریق عمل اختیار کیا۔ مُردون کے متعلق، انسان کا نہایت قدیم اور ابتدائی طرز عمل یہ تھا کہ نعش کو دفن کردیا جاتا تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد بعض قبایل نے ابتدائی رواج کی پیروی ترک کرکے مُردون کا جلانا اختیار کیا، چنانچہ آج بھی بہت سے فرقون مین حرقِ نعش کا دستور قائم ہے جسکی بنا پر بعض سطحی معلومات رکھنے والون کو یہ قیاس ہوتا ہے کہ انسان کا ابتدائی طرز عمل مردون کا جلانا تھا، لیکن ایک حقیقت بین، اس راے کے برعکس، نہایت مضبوط قراین و قیاسات کے بنا پر یہ سمجھتا ہے کہ انسان کا ابتدائی رُجحان، نعش کے دفن کرنیکی جانب تھا۔

اب اس رسم کی اصلیت دریافت ہوجانیکے بعد اُن نتایج پر غور کرو جو اسکی پابندی سے پیدا ہوتے ہین۔

یہ مسلّم ہے کہ آج جبکہ اصول علاج ایک حد تک منضبط ہو چکے ہین، جبکہ محکمہ حفظان صحت پر لاکھون روپیہ خرچ ہو رہے ہین، جبکہ فزیالوجی کی تعلیم مدارس مین عام ہوتی جاتی ہے، اور جبکہ گھر گھر طبیب و ڈاکٹر موجود ہین، صحت کی ترقی اور ایام زندگی کی افزایش مین جیسی کہ ان اسباب سے توقع تھی، اسکی عشر عشیر بھی کامیابی نہین ہوئی، بلکہ متمدن ممالک مین متعدی امراض کی روز بروز کثرت ہوتی جاتی ہے۔ یہ کیون؟ کیا اسلئے کہ طب جدید کے مسایل تمامتر غلطی پر مبنی ہین؟ کیا اسلئے کہ زمانہ موجودہ کی آب و ہوا صحت جسمانی کے مخالف ہے؟ نہین، یہ کچھ نہین، بلکہ اسلئے جدید تمدن کے سرچشمہ نے سطح موجودات پر جو لاانتہا ترقیون کا دریا بہادیا ہے، اسکی موجون کی تہ مین بعض ایسے مادّے بھی موجود ہین، جنکا ایک ایک ذرّہ تمام روے آب پر سمیت و غلاظت پھیلا دینے کے لئے کافی ہے۔ عیاشی، قمار بازی، بادہ خوری، وغیرہ اسی سمّی ہستی کے نمایان مظاہر ہین، لیکن جو چیز کہ ان سب سے زیادہ عام، مگر ان سب سے زیادہ خطرناک ہے، وہ یہی رسم بوسہ ستانی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عموماً امراض کی تولید ایک خاص قسم کے نہایت باریک زہریلے کیڑون کیوجہ سے ہوتی ہے جو خوردبین کی امداد کے بغیر نظر نہین آتے۔ یہ کیڑے جو وقت ایک مریض کے جسم سے نکلکر کسی صحیح و تندرست شخص کے جسم

[1] دیکھو ڈارون کی کتاب "اظہار جذبات" صفحہ ۲۲۶ (Darwin on "Expression of emotion")

مین داخل ہوتے ہین، تو اُسکو بھی بیمار کر دیتے ہین۔ لیکن آخر یہ ایک جسم سے نکلکر دوسرے شخص کے جسم مین داخل کیونکر ہوتے ہین؟ اسکا صاف و صریح جواب یہ ہے کہ "زیادہ تر بوسہ ستانی کے ذریعہ سے" جسوقت ایک دل از دست دادہ عاشق، شرابِ عشق کے نشہ مین بیخود ہوکر اپنے لبون کو معشوق کے لبون سے ملاتا ہے۔ اُسوقت وہ اُسکو فی الواقع ایک جام زہر پلاتا ہے، جسکا اثر اگرچہ اسکو فوراً محسوس نہ ہو، لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ زہر ضرور محسوس ہوگا۔

اے عشق و نفس پرستی کے بندو! حُسن کی دیبی کے پرستش کرنے والو! معشوق کے بوسہ کو آبِ حیات کا لقب دینے والو! افسوس کہ تم حقیقت حال سے بیگانہ ہو، حفظانِ صحت اور قیام حیات کے اصول سے ناآشنا ہو۔ تمکو کیا خبر کہ جس چیز مین تم جان بخشی و مسیحا نفسی کی معجزنمائی سمجھ رہے ہو، وہ موت کا پیش خیمہ ہے؟ تم اس سے ناواقف ہو کہ محض اپنی دو سکنڈ کی معروضہ لذت کے لئے اپنے معشوق کو ہلاکت مین ڈال رہے ہو جس معشوق کی ناز برداری مین تم خود اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہو، اسکی گوکنی مین تم اپنی جہالت و ناواقفیت کیوجہ سے معین ہو رہے ہو۔ تم جس چیز کو آبِ حیات سمجھ رہے ہو، وہ درحقیقت سمِ قاتل ہے۔

عام انسانی طبائع کی رسم پرستی اور ہٹ دھرمی پر نظر کرتے ہوئے یہ امر بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کی بیخکنی مین جلد کامیابی ہو، لیکن یہ امر باعث مسرت ہے کہ مہذب ملکون مین اس رسم کی مخالفت کی تحریک بالکل بے اثر نہین ثابت ہوئی، بلکہ وہان کے سمجھدار لوگون مین رفتہ رفتہ اسکی اصلاح کا خیال پیدا ہو چلا ہے، چنانچہ امریکہ مین انسداد بوسہ ستانی کے لئے متعدد انجمنین اور سوسائٹیان قایم ہو چکی ہین، اور میسیون مشاہیر ڈاکٹر اسکے نقصانات سے لوگون کو تحریر و تقریر کے ذریعہ سے آگاہ کر رہے ہین، جسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہزارون والدین نے عہد کیا ہے کہ وہ آیندہ اپنے بچّون کا بوسہ نہ لینگے، اور بہ کثرت نوجوان لیڈیون نے قسم کھائی ہے کہ وہ کبھی کسیکو اپنا بوسہ نہ لینے دینگی۔

بوسہ کے مختلف اقسام، جو ہم اوپر بیان کر چکے ہین، اُنمین سے بوسہ تعظیم و بوسہ محبت کے انسداد مین ہمکو زیادہ رکاوٹ کے پیش آنے کا خوف نہین، لیکن آخر الذکر قسم؛ یعنی بوسہ حُسن کے متعلق ہمکو بہت زیادہ مخالفت کے پیش آنیکا اندیشہ ہے۔ یہ نسبتہً آسان ہے کہ خوش عقیدہ مرید اپنے مرشدون کی قدم بوسی و دست بوسی ترک کردین یا یہ بھی ممکن ہے کہ اگر بوسہ ستانی کے نقصانات والدین کے ذہن نشین کر دئے جائین تو وہ اپنی اولاد کو چومنا چھوڑ دین؛ لیکن یہ نہایت دشوار ہے کہ ایک پُرجوش عاشق اپنے معشوق کا بوسہ لینے سے باز رہ سکے۔ اسکی تشفی نہ ڈاکٹرون کے اقوال سے ہو سکتی ہے نہ کسی معقول دلیل سے۔ لیکن ہم اسوقت دورِ یہ دریافت کرنا چاہتے ہین کہ کیا بوسہ لینے مین فی الواقع کسی قسم کی لذت حاصل ہوتی ہے؟ اسکے جواب مین حُسن پرست جماعت کے تمام ممبر بالاتفاق ہم آہنگ ہین کہ "بوسہ لینے والے کو ایک خاص قسم کی حلاوت و شیرینی کا احساس ہوتا ہے"، لیکن کیا یہ سچ ہے؟ کیا اس جواب مین واقعیت کا شائبہ شامل ہے۔

حقیقت یہ ہے، کہ بوسہ لیتے وقت صرف دو چیزون کا لگاؤ ضروری ہوتا ہے، ایک زبان کا دوسرے لبون کا۔ اب انھین سے لبون مین تو کوئی خاص قوت احساس کی ہوتی نہین، اپنے لبون کا دوسرے کے لبون سے ملا دینا، بالکل ایسا ہی ہے جیسے اپنے کان کا دوسرے کے کان سے یا اپنی ناک کا دوسرے کی ناک سے ملا دینا۔ بجز ایک عام قوت لمس کے جو تمام جلد کے حصون مین پائی جاتی ہے، اور کسی قسم کے احساس کی قوت لبون مین نہین پائی جاتی۔ ہان زبان البتہ مُدرک ذوق ہے، مگر اسکو لامسہ کے علاوہ صرف ذائقہ کا احساس ہو سکتا ہے، اور کسی چیز کا نہین۔ پس یہ ظاہر ہے کہ بوسہ لیتے وقت صرف ذائقہ جلد کا احساس ہو سکتا ہے، اور حامیان بوسہ ستانی جس خوشگوار کیفیت کا دعویٰ کرتے ہین وہ بھی اسی حسِ ذائقہ کے متعلق ہے۔ مگر کیا تمام روے زمین پر کسی شخص کی جلد کا ذائقہ شیرین ہو سکتا ہے؟ جس شخص نے فزیالوجی کی کچھ بھی تعلیم پائی ہے وہ اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ انسانی جلد کے بالائی حصّہ مین، جسکو اصطلاح طب مین جلد کاذب کہتے ہین، بیشمار باریک باریک سوراخ ہوتے ہین، اور ان مسامات کے ذریعہ سے ہر وقت پسینہ اور جسم کی کثیف رطوبت خارج ہوا کرتی ہے۔ جلد کے اوپر جو کسی ذائقہ کا احساس ہوتا ہے، وہ در اصل انہین کثافتون کا مزہ ہوتا ہے اور ان کثیف اور زہریلے رطوبات کے ذائقہ کو شیرین خیال کرنا نہ صرف تجربہ و مشاہدہ کے برخلاف ہے، بلکہ اسکا تصوّر بھی مشکل سے ہمارے ذہن مین آسکتا ہے۔ اور بوسہ ستانی کیوقت وہ مفروضہ لذّت و حلاوت جسکے وجود پر اسقدر زور دیا جاتا ہے، نہ صرف خلاف واقعہ بلکہ بعید از قیاس بھی ہے۔

الغرض یہ ہے کہ مختصر الفاظ مین اس وحشیانہ و خطرناک رسم کی حقیقت، جسکا پابند دُنیا کا ایک بہت بڑا حصہ ہے، اور جسکی تعریف مین ہر ملک کے شاعرون کی زبانین خشک ہوئی جاتی ہین، مگر افسوس!

"تذہین زہر ملا تھا نہین معلوم نہ تھا"

ایک طالب علم

تذکرۂ عالم۔ میسرز پریس دہلی کے نامور اور حوصلہ مند پروپرائیٹر منشی بلاقی داس صاحب نے "تذکرۂ عالم" نام کا ایک ماہوار رسالہ نکالا ہے جسکا قطیع معمول رسائل کے چار صفحون کے برابر ہے۔ اُردو زبان مین اتنی بڑی تقطیع پر ابتک کوئی ماہوار رسالہ نہین نکلا۔ اس رسالے کا مقصد ملک مین تاریخی مذاق پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ اسکے ہر نمبر مین کسی بادشاہ اور اسکی بیگم کے تاریخی حالات اور رنگین تصاویر درج ہوتی ہین۔ اس سلسلہ کا آغاز خاندان تیموریہ سے کیا گیا ہے اور امیر تیمور بانی خاندان سے لیکر بادشاہ بن اورنگ زیب تک بارہ پشتون کے حالات بارہ نمبرون مین درج کئے گئے ہین۔ ہر نمبر مین دو تصویرین یعنی بادشاہ اور بادشاہ بیگم، پورے سائز پر مختلف رنگ سے چھاپی گئی ہین۔ علاوہ برین ٹائٹل اور لوح بھی رنگین ہین اور تصاویر مین رنگ کے علاوہ وارنش بھی کی گئی ہے جس سے اُنکا رنگ تک اُٹھا ہے۔ صاحب رسالہ کا بیان ہے کہ یہ تصاویر اصلی ہین اور شاہی مرقعون اور معتبر ذرائع سے لیگئی ہین۔ کیا اچھا ہو کہ ایسے نایاب مرقعون کو جدید اصول کے مطابق چھاپا جائے جنمین وہ ہو بہو نمایان ہون۔ قدیم اصول کے مطابق ان مرقعون کی نقل کو نہین کچھ نہ کچھ فرق لازی ہے جس سے تصویر کی اصلی خوبی مین بہت فرق ہو جاتا ہے۔ قیمت عوام سے بارہ روپیہ سالانہ اور فی پرچہ ایک روپیہ رکھی گئی ہے جسمین بارہ صفحون سے سولہ صفحون تک ہم اُمید کرتے ہین کہ دلیسی صناعی کے حامی اس رسالے کو قدر دانی کی نگاہ سے دیکھین گے۔

مادر مهربان ملکه الگزندرا دام ظلها

روپیہ کی قیمت گھٹ رہی ہے

محنت - پیداوار اور روپیہ مین ایک باہمی نسبت ہے کبھی محنت اور پیداوار کا باہمی مقابلہ ہوتا ہے اور کبھی پیداوار اور روپیہ مین مقابلہ آپڑتا ہے - کبھی تینون مین مقابلہ ہوجاتا ہے - جب یا جن دونون مین محنت سستی ہوتی ہے اُن دونون مین پیداوار اور روپیہ کی قیمت مین روز بروز بیشی ہوتی جاتی ہے - جسقدر محنت مین گرانی ہوتی جاتی ہے اُسیقدر روپیہ کی قیمت مین کمی واقع ہوتی رہتی ہے - اسیطرح جب پیداوار کا نرخ بڑھتا ہے تو روپیہ کی قیمت بھی نرم پڑجاتی ہے - محنت کی ارزانی اور گرانی کے مندرجۂ ذیل وجوہ ہوسکتے ہین :-

وجوہ ارزانی -

(الف) مصروفیت کی کمی -

(ب) محنت کرنے والون کی کثرت -

(ج) ارزانی پیداوار -

جس ملک و قوم مین تجارت - بیوپار - کارخانون وغیرہ کی کمی ہوتی ہے اور عموماً ملک والون کے گزارہ کا باہر کی مصنوعات پر زیادہ تر مدار ہوتا ہے تو اُسوقت اندرونی مصروفیتون مین بھی فرق آجاتا ہے اور جو لوگ کام کرنیوالے ہین وہ سستی مزدوری یا اجرت پر کام کرنا پسند کرتے ہین -

مثلاً اگر ایک علاقہ مین ہر شخص اپنے گھر ہی کی چکی مین آٹا پیس کر کھالے تو وہان پنہاریون کی مزدوری عموماً ارزان ہوگی اور اگر سب کے سب دوسرون سے پسوا کر کھائین تو اس صورت مین پسائی گران پڑے گی -

جب ایک کام کرنے والے بہت ہوجائین اور مانگ مین کمی ہو تو مزدوری اور اجرت یا محنت مین ضرور کمی آجائیگی -

جب نرخ ارزان ہو تو اُس صورت مین بھی محنت کرنے والے سستی مزدوری یا ارزان اجرت پر کام کرنا پسند کرینگے -

وجوہ گرانی -

(۱) کثرت مصروفیت -

(۲) قلت کارکنان -

(۳) گرانی پیداوار -

جب ملک یا ملک کے اکثر حصّون مین کاروبار زیادہ کھل جاتے ہین اور کاروباری دنیا مین چہل پہل ہوجاتی ہے تو اُسوقت محنت اور مزدوری مین گرانی آتی جاتی ہے - عام کاروباری نسلین چونکہ ہمیشہ ایک خاص تعداد مین رہتی ہین اسواسطے بحالات کثرت مصروفیت کے اُنکی محنتون کا نرخ ساتھہ ساتھہ بڑھتا جاتا ہے -

اگر کسی شہر مین روئی کا صرف ایک ہی کارخانہ ہو تو اس حالت مین کہ وہان تین اور کارخانے کھل جائیں تو مزدوری کا نرخ ضرور چڑھ جائیگا -

جب کسی علاقہ مین کاروبار بڑھ جاتا ہے اور کارکنون مین کمی ہوجاتی ہے تو محنت کا نرخ بھی بڑھ جاتا ہے جن علاقون مین زراعت ترقی پر ہے اُن علاقون مین کاشتکاروں کی مانگ زیادہ ہونے کے ساتھہ ہی اُنکے لگانون مین بھی تبدیلی آگئی ہے مثلاً صوبہ پنجاب کے بعض اضلاع سے جو

غیر زخیلہ کاشتکار کسان لائل پور، چناب اور سرگودہا، آبادیوں میں چلے گئے ہیں تو اصل اضلاع میں کاشتکاروں کی کمی ہوگئی ہے اور اُنکا معاوضہ ترقی کر رہا ہے۔

اگر ایک گانوں میں ایک پنساری ہو تو آٹے کی پسوائی گران ہو جائیگی۔

جب پیداوار میں گران ہو جاتی ہیں تو اخراجات میں ترقی ہو کر ساتھ ہی محنت اور اجرت میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ارزانی کے دنوں میں جو مزدور ایک آنہ میں گزارہ کر سکتا تھا۔ گرانی کے دنوں میں اُسے بجائے ایک آنہ کے تین آنہ یومیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ ایک آنہ خرچ کی صورت میں وہ تین آنہ یومیہ پر کام کر سکتا تھا لیکن تین آنہ یومیہ خرچ کی صورت میں وہ دو آنہ یومیہ پر بھی شکستہ دلی سے کام کریگا۔

جب محنت اور پیداوار سستی ہوتی ہے تو روپیہ کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ جب محنت اور پیداوار گران ہوتی ہے تو روپیہ کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ جب دو آنہ یومیہ مزدوری اور دو من کے نرخ سے اناج ملتا تھا تو گویا ایک روپیہ میں ایک دن کیواسطے آٹھ مزدور اور دو من غلّہ ملتا تھا۔ جو شخص آٹھ دن کام کرتا وہ ایک روپیہ لینے کا مستحق ہوتا اور جو کاشتکار اسّی سیر غلّہ دیتا وہ ایک روپیہ پاتا۔ ایسی حالت میں روپیہ کا ملنا یا پیدا ہونا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور بہت کم لوگوں کے پاس روپیہ ہوتا ہے۔

جب محنت اور پیداوار میں گرانی ہو تو اُسوقت ایک روپیہ میں زیادہ سے زیادہ دو مزدور اور بیس سیر غلّہ مل سکتا ہے۔ مزدوروں میں ساٹھ کی کمی اور غلّہ میں ساٹھ کا گھاٹا رہتا ہے۔ روپیہ نہایت آسانی سے ملتا ہے اور کاروباری دنیا میں اُسکی قدر و منزلت گھٹ جاتی ہے۔ یہ سوال قابل بحث ہے کہ "محنت اور پیداوار میں کب گرانی ہوتی ہے اور روپیہ کی قیمت کب گھٹتی ہے"؟

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جب تمدن ترقی کرتی ہیں تو اُسوقت محنت اور پیداوار میں گرانی ہونے لگتی ہے بعض لوگوں کے خیال میں جب کسی مُلک میں ضروریات اور تہذیب کی ترقی اور وسعت ہوتی ہے تو اُسوقت محنت اور پیداوار میں گرانی ہونا شروع ہوتی ہے۔ بیشک ترقی نسل کی صورت میں مانگ زیادہ ہو جاتی ہے اور بجائے کم خرچ کے زیادہ خرچ ہونے لگتا ہے لیکن جبتک افزایش نسل کے ساتھ ضروریات اور تہذیب کی بھی ترقی نہ ہو اُسوقت تک محنت اور پیداوار میں قابل احساس گرانی نہیں ہوتی ہے۔

اگر ایک گانوں میں بجائے دس گھروں کے پچیس گھر آباد ہو جائیں تو بیشک اُنکے مایحتاج میں کسی حد تک بقدر اضافہ ترقی ہو جائیگی۔ لیکن اُسکا صرف یہ نتیجہ ہوگا کہ مایحتاج کو پورا یا مہیا کرنے میں ایک حد تک مزید وسائل کی ضرورت ہوگی۔

لیکن جب اُن پچیس گھروں کے ساتھ تہذیبی ضروریات بھی ترقی پذیر ہونگی تو محنت اور پیداواروں میں بھی خاص گرانی ہوگی۔ اسی واسطے بعض اشخاص کا اس زمانے میں یہ خیال ہوتا جاتا ہے کہ ترقی تہذیب کے ساتھ ہی روپیہ کی قیمت عموماً گھٹتی جاتی ہے یا یہ کہ محنت اور پیداوار میں گرانی ہوتی جاتی ہے۔

ایک مدنی الطبع عالم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر دُنیا کے

ابتدائی حصّون سے لیکر اخیر تک چند سرکل بناتے چلے آئین اور مقابلۃً دیکھین کہ ہر ایک سرکل مین اگلے یا پچھلے سرکلون کے مقابلے مین محنت، پیداوار اور روپیہ کا مقابلہ کس نسبت سے رہا ہے تو ثابت ہو جائیگا کہ جسقدر دُنیا یا دنیا کی منڈی مین ترقی ہوتی گئی ہے اُسیقدر محنت اور مزدوری یا پیداوار بھی گراں ہوتی گئی ہے، اور روپیہ کی قیمت مین روز بروز فرق آتا گیا ہے۔ یا یہ کہ جہان یا جس خطّہ اور جس ملک مین تہذیبی ضروریات اور ترقیات کا نمبر بڑھتا گیا ہے۔ اُس خطّے یا اُس ملک مین روپیہ کی قیمت بھی ساتھ ہی ساتھ گھٹتی رہی ہے۔

جب بمقابلۂ ایشیائی خطّون کے خطۂ یورپ مین موجودہ تہذیب کا دور دورہ نہین تھا تو اُسوقت خطۂ یورپ مین بمقابلۂ ایشیائی خطّون کے روپیہ کی قیمت کافی تھی۔ لیکن جب سے تہذیب بڑھی ہے روپیہ کی قیمت روز بروز کم ہوتی ہے اور محنت و پیداوار کی قیمتون مین لگاتار اضافہ اور گرانی ہوتی جاتی ہے۔

اسیطرح اگر موجودہ ہندوستان کا گذشتہ ہندوستان سے مقابلہ کیا جاے تو مان لینا پڑے گا کہ بمقابلہ سنین گذشتہ کے روپیہ کی قیمت مین روز بروز کمی ہو رہی ہے اور محنت و پیداوار کے نرخون مین گرانی ہوتی جاتی ہے۔ گذشتہ زمانے مین روغن زرد ہندوستان مین ۳-۴-۵ سیر پختہ تک ملتا بیان کیا جاتا ہے لیکن اسوقت سارے ہندوستان مین سیر بھر سے زیادہ کہین نہین ملتا گویا ۳-۴ سیر فی روپیہ کا خسارہ ہوا۔ یا یون کہئے کہ روپیہ کی قیمت مین ۱/۳ یا ۱/۴ کی کمی ہو گئی۔

کیا اسکا یہ نتیجہ ہے کہ ہندوستان مین اس سے پیشتر تہذیب کسی حدتک موجود نہ تھی؟

نہین اسکا یہ نتیجہ نہین بلکہ یہ کہ پہلی تہذیب ایسی محدود تھی کہ اُسکا دائرۂ حدود ہندوستان ہی مین رہجاتا تھا اور موجودہ تہذیب دور دراز ملکون یا اقصاے عالم تک وسیع ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً اگلے زمانے مین صرف ہندوستانی مصنوعات پر زندگی یا آسایش زندگی کا مدار تھا اور اسوقت ہندوستان کے ایک ایک فرد بشر کی ضروریات کے واسطے ساری دُنیا تک ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔ کوئی جاپان کی طرف جاتا ہے اور کوئی جرمن سے مانگ رہا ہے اور کوئی انگلستان سے اور کوئی خود ہندوستان سے۔

کمی قیمت روپیہ کا نتیجہ۔

جب کسی ملک مین روپیہ کی قیمت گھٹتی ہے تو اُس ملک مین دو چیزون مین رفتہ رفتہ گرانی آتی جاتی ہے۔

(الف) محنت۔

(ب) پیداوار۔

جس ملک مین محنت سستی اور ارزان ہے وہ ملک صحیح معنون مین خوشحال اور دولت مند نہین کہا جا سکتا۔ مثلاً اگر ایک ملک مین مزدور ایک آنہ یا دو آنہ یومیہ پر مل سکتا ہے اور لوگ جوق در جوق اُسطرف آتے ہین اور اُنکا گزارہ صرف اُسی آمدنی پر موقوف ہے تو یہ نہین کہا جا سکتا کہ اُس ملک کی محنت پیشہ جماعتین خوشحال یا دولتمند نہین جس ملک کی محنت پیشہ جماعتین گراں مزدوری پر کام کرتی ہین اور اُن مین یہ خواہش دن بدن بڑھتی جاتی ہے اُس ملک مین گو روپیہ کی قیمت گھٹتی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی محنت کی قیمت مین ترقی ہو کر ملک کی کثیر جماعتون

مین خوشحالی آتی جاتی ہے اور لوگون کو محنت مین ترقی کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

جس ملک مین محنت سستی اور ارزان ہوتی ہے اُسمین محنت کی کوئی قدر و منزلت نہین ہوتی اور نہ وہان کے لوگون مین محنت کو خوش آیند بنانے کا سلیقہ آتا اور خیال پیدا ہوتا ہے۔ کن ملکون مین مشینون سے زیادہ کام لینے کا رواج ہوتا ہے؟ جہان محنت اور مزدوری بہت مہنگی پڑتی ہے۔ کن ضرورتون نے ان مشینون کا جُز ذہن مین منتقل کیا ہے؟ دو امور نے

(الف) محنت کی گرانی۔

(ب) اور خواہش ترقی پیداوار نے۔

جب محنت مین گرانی آتی ہے تو ساتھ ہی بعض پیداوارون مین بھی گرانی آتی جاتی ہے۔ اور بعض چیزین سستی بھی ہوتی جاتی ہین۔ بعض وقت لوگ نرخ غلّہ پر بہت کچھ کہا کرتے ہین بیشک یہ ایک سخت مرحلہ ہے لیکن یہ بھی تو خیال کرنا چاہیئے کہ جب محنت گران ہے تو اُسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بعض پیداوارین بھی گران ہون۔ جو چیز یا جو پیداوار زیادہ محنت سے ملتی ہے ضرور ہے کہ اُسکا نرخ بھی گران ہو۔

موجودہ تہذیب اور ضروریات کے مطابق ہر ملک اور ہر قوم کے تمدنی مراحل مین کیا کوشش ہونی چاہیئے۔ یہ کہ "محنت اور بعض پیداوارون کی قیمتون مین گرانی ہو"۔ روپیہ کی قیمت دن بدن گھٹتی جاے۔ بعض لوگ جو یہ خیال کرتے ہین کہ روپیہ کی قیمت گھٹنے سے دولتمندی یا خوشحالی مین فرق آتا ہے یہ ایک مغالطہ ہے دراصل روپیہ کی قیمت گھٹنے سے دولتمندی اور ثروت مین ترقی متصور ہے اور اسمین ملک و قوم اور ملک و قوم کی ضرورتون اور آسایش کی بہبود اور بہتری ہے۔

یورپ مین بڑے بڑے دولتمند جب اندھا دُھند روپیہ قومی کامون مین دیتے ہین تو اس داد و دہش کا یہ بھی ایک نتیجہ ہے کہ اُنکی نظرون مین واقعی روپیہ کی قیمت بمقابلہ اپنی محنتون اور کاروبار کے بہت ہی کم ہے۔ وہ اپنی محنت اور اپنے کاروبار کا اسقدر حصّہ ملک و قوم کی نذر نہ کرسکتے جسقدر کہ اپنی محنت اور کاروبار کا ثمرہ نذر کرتے ہین۔ یہ ایک پُرانی غلطی ہے کہ لوگ دولت سے مراد صرف روپیہ ہی لیتے ہین۔ دراصل روپیہ محض دولت نہین ہے اصل دولت محنت اور کاروبار ہے۔

اگر یہ سوال کیا جاے کہ "محنت اور کاروبار سے روپیہ پیدا ہوتا ہے یا روپیہ سے محنت اور کاروبار" تو عملی رنگ مین اسکا جواب یہی ہوگا کہ محنت اور کاروبار سے روپیہ پیدا ہوتا ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ روپیہ لگانے سے کاروبار چلتا اور محنت سرسبز ہوتی ہے تو اُس کا منشا یہ نہین ہوتا کہ روپیہ بذاتہٖ محنت اور کاروبار کا موجد ہے۔ بلکہ یہ کہ محنت اور کاروبار سے۔ محنت اور کاروبار مین ترقی ہوتی ہے کیونکہ دراصل روپیہ کا دوسرا مفہوم بلکہ اصلی مفہوم محنت اور کاروبار ہی ہے۔

جس ملک مین دولت کے مفہوم مین روپیہ دیا جاتا اور اُسے کام مین نہین لایا جاتا ہے یا محنت سے کام نہین لیا جاتا اُس ملک مین اگرچہ بزعم خود روپیہ کی قیمت زیادہ کیجاتی ہے لیکن درحقیقت اُسمین بٹہ لگایا جاتا ہے۔

ناخ محل کی پچی کاری

روپیہ کی قیمت اور ضرورت مین فرق ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ روپیہ کی ضرورت نہین ہے یا ضرورت ہے تو اُسوقت اُسکی قیمت کا کوئی سوال نہین ہوتا اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ روپیہ کی قیمت مین اضافہ ہے یا کمی تو اُسوقت یہ بحث ہوتی ہے کہ بصورت اضافہ کے محنت اور ترخ پیداوار مین کمی ہے اور بصورت کمی کے ان دونون مین ترقی ہے۔ روپیہ کی ہر حالت مین ضرورت ہے۔

لیکن جب کم قیمت پر میسّر آئے تو وہ دولت مندی اور خوشحالی کی علامت ہے اور جب مہنگا ہے تو یہ قیاس کیا جائیگا کہ اُسکی قیمت بڑھ رہی ہے اور محنت کی قیمت مین گھاٹا آرہا ہے جو ملک کے ادبار کی علامت ہے۔ صرف روپیہ کی کثرت سے کوئی ملک ترقی نہین کرسکتا۔ ہر ملک اُس صورت مین ترقی کرسکتا ہے جب اُسکے امکان مین روپیہ پیدا کرنے کے وسائل وافر اور آسان ہون۔

دراصل روپیہ سے روپیہ پیدا نہین ہوتا۔ بلکہ محنت اور پیداوار ہی روپیہ پیدا کرتی ہین۔ یہ جوہری کا مقولہ تھا کہ "زر زر کشد در جہان گنج گنج" صرف اُس حالت اور اُن معنون مین درست ہے کہ زر کو محنت کے کامون مین لگایا جائے۔ اگر ایک لاکھ روپیہ آہرن سیف مین رکھا جائے اور کسی کام مین نہ لگایا جائے تو اُس سے کیا پیدا ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر وہی روپیہ یا اُسکا کچھ حصّہ کام اور محنت مین لگایا جائے تو اُس سے اور روپیہ بھی پیدا ہوسکتا ہے۔

روپیہ جمع کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن اُسکی قیمت گھٹا کر اور قیمت روپیہ کی اُسوقت گھٹتی ہے جب محنت کی قیمت زیادہ ہو۔ بقول ایک حکیم کے کہ "محنت ہی دراصل ایک قیمتی پیداوار ہے" محنت کب قیمتی ہوتی ہے جب اُسمین لطافت اور نفاست دکھائی جائے۔

دیکھو ہندوستان کے اصلی پرانے نمونے کے چراغ اور شیشہ کے لیمپ مین کتنا فرق ہے۔ پہلا نمونہ بھدی محنت کا نتیجہ ہے اور دوسرا نفیس محنت کا۔ اب ان دونون کی مانگ اور قیمت مین بھی مقابلہ کرکے دیکھو۔ کیا ان دونون مین فرق نہین ہے؟ اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھو کہ روپیہ کی پری کس طرف راغب ہے اور کسے زیادہ چاہتی ہے۔

سلطان احمد

رسالہ عصمت عصمت ایک دلکش پرچہ ہے جو چھوٹے چھوٹے دلچسپ، مفید اور ذوق آمیز مضامین کو بیاض سطلا ٹائپل پیچ مین چوتھی کی دلہن نیکر نکلتا ہے اور کلاہ کی نہایت متناسب اور معزز خواتین اسکی نامہ نگاری مین بڑی خوشی سے حصہ لیتی ہین۔ سالہ کا نام زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ مین شریف بیبیون کے علمی شوق کا گہوارہ ہون ترتیب و اہتمام مین عورتون کی پسند اور مذاق کو جس حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے وہ شیخ محمد اکرم صاحب ایڈیٹر عصمت کا حصّہ ہے۔ ملکی رسم کے مطابق سُرخ یا گلابی رنگ سماگ کی نشانی ہے اور غالباً اسی نظر سے عصمت کے ٹائپل پیچ کا کاغذ اسی رنگ کا پسند کیا گیا ہے۔ رسالہ نفیس طلائی پھول بوٹے عجیب بہار دکھاتے ہین۔ اسکے کثیر مضمون نگارون مین سر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال اور ہر ہائینس بیگم صاحبہ جزیرہ جوغستان کے نام نامی بھی شامل ہین اور نہایت پاکیزہ اُردو لکھتی ہین اس پرچے مین اپنے سفر یورپ کے دلچسپ حالات عرصے سے لکھ رہی ہین۔ ہمارے معزز کرم فرما مولوی عبدالراشد صاحب بی۔ اے کے اچھوتے مضامین عصمت کی دلکشی کا سب سے طرّۂ امتیاز ہین۔ قیمت سالانہ تین روپیہ چھ آنہ فی پرچہ ۴ مہر مخزن پریس دہلی سے دستیاب ہوسکتا ہے۔

اسلامی پردہ

اس سے کسی صاحب عقل کو انکار نہین ہوسکتا کہ انسانی سوسایٹی مین عورت ذات کا وجود خلّاق عالم کی لاانتہا دانشمندی اور مصلحت اندیشی پر مبنی ہے جب اُس معبود مطلق کو تخلیق عالم کی ضرورت داعی ہوئی اور "انّی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ" کا فرمان واجب الاذعان نفاذ پذیر ہوا۔ اُسوقت فرشتون نے عرض کیا کہ انسان کے پیدا کرنے سے سوائے فتنہ و فساد کے اور کیا حاصل ہوسکتا ہے اور تسبیح و تحلیل کے لئے تو نے ہمکو پیدا کیا ہی ہے۔ ملائکہ کی یہ گذارش اُس خالق جل و علا کی بارگاہ عالی مین مقبول نہ ہوئی اور حضرت آدم پہلے انسان تھے جنہون نے خلیفۃ اللہ کا لقب حاصل کرنے کا افتخار آمیز موقع پایا۔ حضرت آدم کے ساتھ ہی ساتھ حضرت حوّا کی پیدائش اس امر کا قاطع ثبوت ہے کہ صرف حضرت آدم کی ذات سے وہ اغراض و مقاصد باحسن الوجوہ نہین پورے ہوسکتے تھے جو خدائے پاک کو روے زمین پر اپنا خلیفہ بھیجنے اور انسانی بادشاہت قائم کرنے مین مدنظر تھے۔ حضرت آدم کی دماغی و جسمانی قابلیتین خواہ کسیقدر مکمل و ترقی یافتہ رہی ہون لیکن اسمین شک نہین کہ بلا حضرت حوّا کی امداد و استعانت کے اُنسے پورے طور پر کام لینا بالکل غیر ممکن تھا۔ گویا کہ امور خلافت کے بطریق احسن سرانجام ہونے کا انحصار آدم و حوّا (علیہما السلام) کی مشترکہ و مجموعی کوششون پر تھا۔

بزم دُنیا نے جبکے اسٹیج پر ابتداً حضرت آدم و حوّا نے پارٹ کیا تھا آجتک ہزارون رنگ بدلے اور اُسکی ہیئت و حیثیت مین طرح طرح کے تغیرات پیدا ہوئے لیکن خلافت کی اہم خدمات نوع انسانی کے انہین دونون افراد کے قبضہ مین ہے اور بڑی سے بڑی طاقت انکے اس حق کو نہ ابتک چھین سکی ہے اور نہ آیندہ اسکے نکل جانے کی اُمید ہوسکتی ہے۔ آدم و حوّا کی اولاد کے سر پر اسوقت تک اشرف المخلوقات ہونے کا طرّہ عجیب و غریب تمکنت کے ساتھ آویزان ہے۔ لیکن جسطرح دُنیاوی خلافت و حکومت مین ایک ہی خاندان کے اراکین رشک و حسد یا بغض و عداوت سے آپسمین ایک دوسرے کے حقوق غصب کر لینے مین پس و پیش نہین کرتے اور خود غرضی اور طمع و ہوس کے ہاتھون ذاتی نفع کے خیال سے ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی جا و بیجا کوشش سے عار نہین رکھتے اُسیطرح خدائی خلافت کے دو دعویدارون مین سے ایک نے دوسرے (عورت) کے استحقاق پر خاک ڈالنے اور اُسے درجۂ مساوات سے گرا دینے کی کوئی تدبیر اُٹھا نہین رکھی۔ مردون کی اس تنگ ظرفی نے عورتون کی عزت و وقعت کو ایک حد تک صدمہ پہونچایا ہے اور تواریخ عالم کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان بے زبانون پر بعض اوقات ظلم و زیادتی کا کوئی دقیقہ باقی نہین رکھا گیا اور ہمارا خیال ہے کہ جب سے عورتون کے اختیارات مردون نے محدود کرنے شروع کیے اُسیوقت سے دُنیا مین

فتنہ وفساد کی جڑ از سر نو سرسبز ہوگئی۔ البتہ جن قومون نے جب کبھی فرقہ اُناث کے غصب شدہ حقوق واپس دیدئے ہین اُسوقت اُنہین تمدنی وملکی ترقی بھی نصیب ہوئی ہے۔

واقعات عالم پر اگر غور کیا جائے تو مردون کے اُن خود سرانہ مظالم کا حال بخوبی کھل سکتا ہے جو اُنہون نے غریب عورتون پر توڑے ہین۔ دُنیا مین کوئی قوم اور کوئی فرقہ ایسا نہین جس نے کبھی نہ کبھی مستورات کو ذلیل وخوار کرنے کی تدابیر نہ کی ہون اور اسطرح اپنے آپ کو بطور ایک جابر وغاصب ہونے کے خدا کے سامنے جوابدہ نہ بنایا ہو۔ اس جگہہ مجھے اس امر سے قصداً احتراز کرنا پڑا ہے ورنہ مین مفصل طور سے عرض کرتا کہ یورپ نے جو آجکل اس بات کا مدعی ہے کہ دُنیا مین حرمت نسوانی اُسیکے ہاتھون قائم ہوئی ہے کیسی کچھ زیادتیان عورت ذات پر توڑی ہین۔ بیشک اس سے کیسکو مجال انکار نہین کہ فی زمانہ وہ اپنے طبقۂ نسوان کا حقوق شناس ہونیکی حیثیت سے بھی دور جدید کی تاریخ مین اُسکا نام سب سے اوّل لکھا جانے کا مستحق ہے لیکن وُہی یورپ جو آج اقوام عالم کو اپنی ترقیون کے افسانے سُنا سُنا کر متحیّر بنا رہا ہے کسی زمانہ مین عورتون کیلئے دوزخ سے کم نہین تھا۔ چند صدی پیشتر تک اکثر یوروپین ممالک مین عورت ذات کو ذی روح طبقہ سے خارج سمجھتے تھے۔ وہان کی سوشل زندگی پر نظر ڈالئے تو عورتون کی بے بسی اور بیچارگی طرفہ تماشا معلوم ہوتی ہے۔ ازدواج وغیرہ مین عورتون کو مطلق دخل نہ تھا۔ اُنکی حالت لونڈی غلامون سے بھی بدرجہا بدتر تھی۔ جانورون کی طرح اُنکی خرید وفروخت کیجاتی تھی۔ شوہر مجلیس ہونیکی جگہہ اُسکا گویا حاکم تھا اور اُسے مجاز تھا کہ وہ اپنی عورت کو معمولی سی خطا پر جان سے مار ڈالے۔ بعض جگہون پر دستور تھا کہ لڑکیان بادشاہ وقت کی ملکیت خیال کیجاتی تھین اور بازار مین اُنکا سالانہ نیلام ہوتا اور وصول شدہ رقم خزانۂ سلطنت مین جمع کردیجاتی۔ اسیطرح تمام دُنیا مین عورتون کی مٹی پلید کیگئی ہے۔ عرب۔ روم۔ تاتار۔ ایران۔ ہندوستان کوئی اس عالمگیر اور نفرت خیز الزام سے بری نہین ہوسکتا۔ ہان یہ ضرور ہے کہ یورپ کی طرح اور ممالک مین بھی جب اُنہین اپنی ذلّت بار حالت کا احساس ہوا اور اُنہون نے قعرِ ذلّت سے نکلکر اوج رفعت کیطرف رُخ کیا تو اُنکے فرقہ ذکور کے ساتھہ اُناث کی بھی حالت سنبھل گئی اور وہ عورتون کے نفع بخش وجود سے متمتع ہونے لگے۔

قدیم ہندوستان کے متعلق میری معلومات کسی حد تک ضرور محدود ہین۔ لیکن یوربین مصنفون نے یہان کی آرین سوسایٹی کا جو کچھ حال لکھا ہے اُس سے اور نیز ہندی اور سنسکرت کی بعض متداول کتابون سے واضح ہوتا ہے کہ یہان بھی عورتین ذلّت وحقارت کی نگاہ سے دیکھی گئی ہین اور اُنکے اختیارات محدود کرنیکی کوشش کیگئی ہے۔ تاہم اُس سے انکار نہین کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جبکہ ہندو مستورات نے اپنے علم وفضل کی روشنی سے ہمعصرون کی آنکھون مین چکاچوند پیدا کردی تھی۔ اسوقت بھی اکثر مشاہیر اعورات کے حالات کتابون مین آپ کو مل سکتے ہین۔ شاید یہی وہ زمانہ تھا جسے "عہد زرّین" کا لقب دیا جاسکتا ہے۔ اس زمانہ مین بھی جبکہ ہندو کمیونٹی علم وہنر کے ہر ایک شعبے مین ترقی کر رہی ہے اُنکا طبقۂ نسوان

اپنی ضروریات کو محسوس کرنے لگا ہے اور ظاہر ہے کہ جس بات کے لئے مرد اور عورت دوش بدوش جد وجہد کرنے پر آمادہ ہوں اُسکی کامیابی مین شک کو مطلق گنجایش نہین ہوسکتی۔

تمام اقوام کے حالات پر سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد اگر عالم اسلام کو دیکھا جاتا ہے تو یہان معکوس کیفیت نظر آتی ہے۔ قبل بعثت پیغمبر آخر الزمان صلعم عرب جس جہالت وگمراہی مین پھنسا ہوا تھا اُسکا اندازہ تاریخ کے مطالعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ اسلام نے جہان انسانی سوسائٹی کے سنوارنے مین معجزنما کوششون سے کام لیا وہان اُسنے مستورات کو بھی مردون کے جابرانہ قبضۂ اقتدار سے نکالنے اور اُنہین دایرۂ جہالت سے باہر لانے مین کوئی دقیقہ نہین فروگذاشت کیا۔ اسلام کو یہ فخر حاصل ہے اور منصف مزاج اہل الرّاے اصحاب غالباً اس فخر کو جائز سمجھنے سے اختلاف نہین کرسکتے کہ جس مذہب نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھکر احترام نسوانی کے حدود وسیع کرانے مین ہمت بلیغ صرف کی ہے وہ دین محمدی ہے۔ اسجگہہ خدانخواستہ مجھے کسی دوسرے مذہب کی توہین منظور نہین اور نہ مین اس امر خاص مین کوئی مذہبی مناظرہ قائم کرنا چاہتا ہون۔ مین نے فی الحقیقت یہان اپنی ذاتی راے کا اظہار بھی نہین کیا بلکہ یہ یورپ کے اکثر وبیشتر محققون کا خیال ہے جسے مین نے دوسرے الفاظ مین ادا کردیا ہے۔ اور اسکے ظاہر کرنیکی ضرورت صرف یہ ہوئی کہ اُن لوگون کو حقیقت حال معلوم ہوجاے جو اسلام کے نام لیوا اور حضرت خیرالبشرؐ کے غلام ہونے کے باوجود آجکل عورتون کے حقوق کے غاصب بنے ہوے ہین اور وہ دیکھین کہ اُنکی ذات سے احکام نبوی کی کس حد تک پابندی ہورہی ہے۔

اسلام نے صرف یہی نہین کیا کہ فرقۂ اُناث کو خستہ و خراب حالت سے نکالکر عزت وحرمت کے مدارج عطا کئے بلکہ انسانی سوسائٹی کا ایک ممبر ہونے کے طور پر مذہبی۔ تمدنی۔ علمی اور معاشرتی پہلو سے اُسکے حقوق قائم کرکے اور گمراہون کو جتا دیا کہ عورت ذات کا وجود خداے تعالیٰ کیطرف سے نہایت مصلحت اندیشی پر مبنی ہے اور جو لوگ اُنہین بیکار محض یا اُنکی تخلیق کی غرض صرف نسل انسانی کی افزایش خیال کرتے ہین وہ سخت غلطی پر ہین۔ اکثر مقامات مین دستور تھا کہ عورت کو مذہب سے کوئی تعلق نہ رہتا اور جزا وسزا کے مسئلہ سے اُنہین اسوجہ سے بالکل علٰحدہ سمجھتے تھے کہ عورت تو مثل جمادات کے غیر حسّی شے ہے اور یون عذاب وثواب سے بے تعلق ہے لیکن بانی اسلام نے اس خیال باطل کے برخلاف یقینی طور پر بتلایا ہے کہ عورت بھی مثل مردون کے اپنے افعال واعمال کی بذات خود ذمہ دار ہے۔ کلام پاک کی آیت شریف "یا ایہا الذین آمنو لایحل لکم ان ترثوا النساء" گویا مستورات کے حقوق عزت وحرّیت کی دستاویز ہے۔ نصوص اور اخبار کی مستند کتابون مین مسائل نسوانی پر کافی سے زیادہ روشنی ڈالکر عورتون کے صحیح پوزیشن کو واضح کیا گیا ہے۔ اور اُن فرائض کی تصریح وتشریح کیگئی ہے جنکا بارعورتون کی گردن پر خلافت الٰہی کی مشترک وعویدار ہونیکی حیثیت سے ہونا ضرور تھا۔ لیکن مین اوپر کہہ چکا ہون کہ برخلاف اور اقوام کے مسلمانون مین مستورات کے ساتھ معکوس برتاؤ کیا گیا ہے۔ دوسری قومون کو جبتک عورتون کے

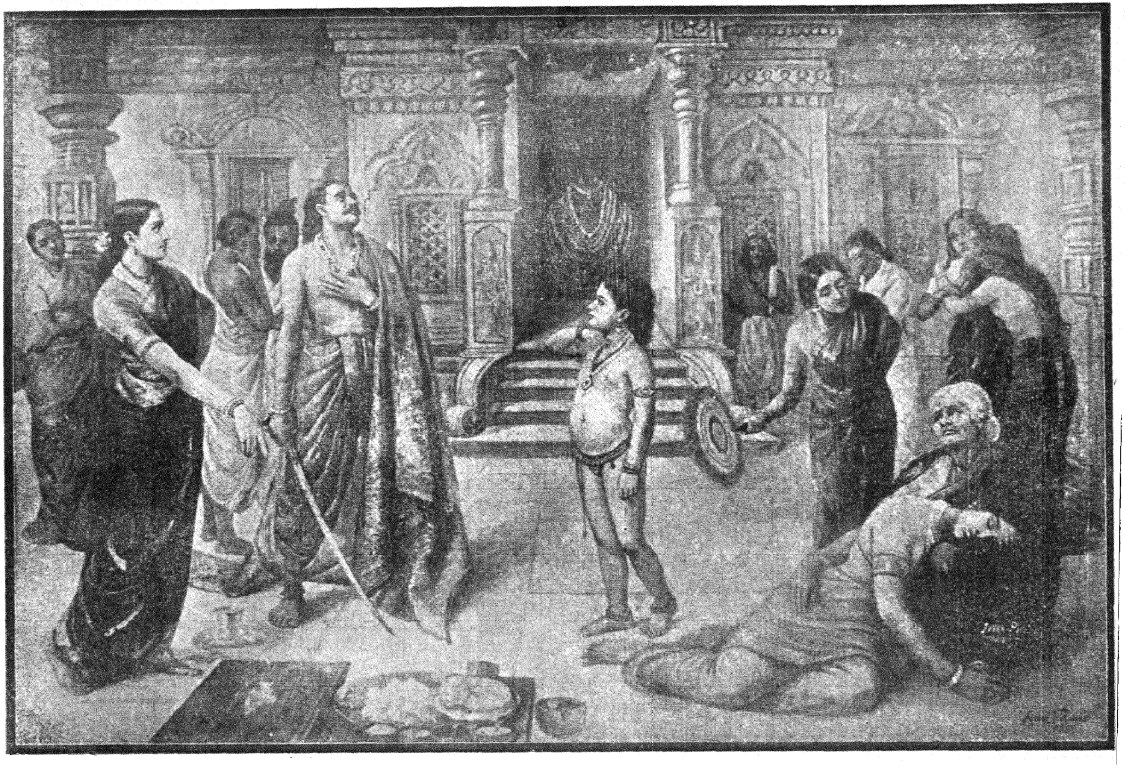

رکماند اور موعمی

انڈین پریس الہ آباد

پُرمفاد زندگی سے آگاہی نہ تھی اُسوقت تک وہ اُنہین ذلیل سمجھتے رہے اور جب تجربہ و مشاہدہ یا تعلیم کی امداد سے اُنہین عورت ذات کی پوشیدہ مگر مفید عام قابلیتون سے واقفیت ہوگئی اُسوقت وہ غلط اور لاطائل خیالات کی پیروی سے علیحدہ ہوگئے۔ اور مسلمانون مین اسکے بالکل برخلاف ہوا کہ قرون اولےٰ مین اسلامی مستورات کو اپنے حقوق و فرائض سے متمتع ہونے کی پوری پوری آزادی تھی۔ اُنکی سوشل زندگی ناجائز مشکلات اور جابرانہ اختیارات کے قبضے مین نہ تھی۔ اُنہین مردون کے محکمانہ اور یزدلانہ جذبات کا شکار نہ بننا پڑتا تھا۔ مذہبی ملکی اور معاشرتی ابواب مین اُنہین اظہار رائے کی پوری اجازت تھی اور آنحضرت صلعم تک اُنکی آرا پر بغایت انصاف پسندی غور فرمانا پسند فرماتے تھے۔

تیرہ سو سال کی طویل مدت آفتاب اسلام کو چمکتے ہوئے ہوگئی۔ اس درمیان مین مسلمانون نے روحانی ترقی کے ساتھ جو کچھ دُنیاوی عروج حاصل کیا اُسکی دلچسپ کیفیت باخبر لوگون سے پوشیدہ نہین۔ جس زمانہ مین مسلمان آسمان فضل وکمال کے نیّر درخشان بنے ہوئے تھے اور سطوت و اقبال اُنکے قدمبوس ہونیکی آرزو دل مین لئے ہوئے ہمیشہ ہمرہ رکاب رہنا اپنی عزت سمجھتے تھے اُسوقت کے تاریخی حالات پڑھیئے اور دیکھئے کہ مردون کے پہلو بہ پہلو عورتون نے میدان علوم و فنون مین کیا کیا سحر کاریان دکھائی ہین۔ اُنکے تذکرے اسوقت بھی گمراہون کیلئے شمع ہدایت کا کام دے سکتے ہین۔ ہان کام لینے والے کی ضرورت ہے۔

اُسوقت کی حالت کا سرسری خاکہ ذہن مین کھینچکر آپ اس زمانہ کی افسوسناک کیفیت سے مقابلہ کرین اور انصاف سے کہین کہ کیا یہ مسلمان مستورات حضرت اسمار و زبیدہ وغیرہا کی جانشین بننے کے قابل ہین۔ مگر ہمین غریب مستورات کب قصوروار ٹھہرائی جاسکتی ہین۔ اسکے ذمہ دار تو ہم مرد لوگ ہین جنہون نے آئینہ حکومت کی تنگدلی سے اپنی ماں۔ بہنون۔ بیبیون اور بیٹیون کے حقوق مین ناجائز طور سے دست اندازی ہونے مین مطلق باک نہ کیا اور اب اُنہین اس حالت کو پہونچا دیا کہ خود اُنکی قوت احساس اپنی موجودہ حسرتناک و ذلیل زندگی کے محسوس کرنے سے قاصر ہے۔ مختصر یہ کہ اقوام نے تو جہالت و لاعلمی کی وجہ سے اپنی عورتون کے ساتھ نفرت خیز سلوک کیا اور جب یہ جہالت اور لاعلمی جاتی رہی تو اُنہون نے اپنے مظالم سے بھی توبہ کرلی اور مسلمانون پر یہ الزام ہے کہ اُنہون نے اس زمانہ مین جان بوجھکر حقوق نسوانی غصب کئے ہین اور باوجودیکہ اُنکی آسمانی کتاب اور اُنکے پیغمبر کے فرامین اُنکے اس طرز عمل کو ناپسندیدہ ٹھہرا رہے ہین لیکن وہ اُنکی طرف دھیان نہین کرتے۔ گویا عمداً اپنے مذہب کی تکسیر شان کے باعث ہو رہے ہین۔

جس بیان کے لئے ہمنے یہ تمہید قائم کی تھی اُسکے متعلق ہمنے ایک لفظ بھی عرض نہین کیا اور سیاق عبارت کے سبب سے تمہید اسقدر طولانی ہوگئی کہ غزال کا مطلع مقطع ہوگیا۔ ہمین اس تمہیدی عبارت مین مختصراً یہ بات دکھانا منظور تھی کہ اسلام نے عورتون کے ساتھ فراخ حوصلگی کے ساتھ کام لیکر اُنکے حقوق اور فرائض کی تفصیل کی ہے لیکن اس زمانہ کے مسلمان خلقی بخل کے ہاتھون اُنکے ہر ایک حق و استحقاق کو ملیا میٹ کرنے مین اپنی تمام طاقت صرف کر رہے ہین اور خودرائی اور جہالت نے اُنکی آنکھون پر

پردے ڈال دیتے ہین کہ اُنہین نیکی و بدی مین تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

منجملہ اور اہم مسائل کے پردہ کا مسئلہ بھی ایسا ہے جسکا تعلق بلا واسطہ عورات سے ہے اور جس سے ملک اور قوم کی عام ترقی کو کچھ نہ کچھ لگاؤ ضرور ہے۔ ہندوستان مین یہ مسئلہ ایک عرصہ سے معرض بحث مین ہے۔ لیکن ایک خاص فرقہ مسلمانون مین ایسا موجود ہے جو ہندوستان کے موجودہ پردے کو عین قرآن و حدیث کے موافق بتاتا ہے۔ ہماری رائے مین جہان اس مسئلہ پر مذہبی نقطہ خیال سے غور کرنا ازبس ضروری ہے وہان یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ اس سے کیا کیا نقصانات قوم کو پہونچ رہے ہین یا اسکی پابندی کون سی خیر و برکت کے موجب ہے۔ مین نے اس مسئلہ کو کامل کئی سال تک اسٹڈی کیا ہے اور ایک عرصہ تک حیص و بیص اور تذبذب کی حالت مین رہنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہون کہ ہندوستان کا موجودہ پردہ احکام شریعت محمدی کے مطابق نہین ہے۔ اور یہ مردون کی حکومت پسند طبیعت کی صرف ایک جدت ہے۔ اسمین شک نہین کہ موجودہ رسم پردہ ایک عرصہ سے ہندوستان کے مسلمانون مین مروج ہے لیکن صرف یہ تقید کہدینا اسکی تقدیس کی کفالت نہین کرسکتا کہ یہ رواج اسی شکل اور اسی صورت سے ہمارے بزرگون مین موجود تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اسکے قائم کرنے کی آخر کونسی ضرورت داعی ہوئی۔ قیاس ایک ایسی چیز ہے کہ اسکی مدد سے آدمی زمین اور آسمان ایک کرسکتا ہے لیکن غور کرنا چاہیے کہ ہندوستان مین اسکی ابتدا کیونکر ہوئی۔ عرب مین آنحضرت (روحی فداہ) کے زمانہ مبارک سے قطع نظر کرکے دیکھا جاے تو ممالک اسلامیہ مین آج بھی پردہ کی اسقدر قید کہین نہین ہے اور اسلامی حکومت جب قائم تھی اُسوقت بھی ہندوستان کا سا پردہ کسی جگہہ نہ تھا۔ ظن غالب ہے کہ مسلمان جسوقت یہان آئے تھے اُسوقت وہ اس ملک مین کیا بلحاظ مذہب و معاشرت اور کیا بلحاظ خیالات و روایات غرض ہر پہلو سے محض اجنبی تھے اور چونکہ اُسوقت جنگ و جدال کا بازار عموماً گرم رہتا تھا اور یہان کوئی دوست یا غمگسار نہ تھا اسوجہ سے اُنہین ضروری معلوم ہوا کہ وہ مستورات کے لئے حفاظت کا انتظام کرین اور غالباً اس طریقے سے ہندوستان کے موجودہ پردے کی بنیاد قائم ہوئی جو رفتہ رفتہ اسدرجہ سخت و تکلیف رسان ہو گئی ہے۔ دوسرے ممالک اسلام مین چونکہ مسلمانون کو ہندوستان کی سی اجنبیت و غیریت سے سابقہ نہین پڑا اسوجہ سے وہان پردہ اسقدر شدید نہین ہے۔

اسلام ایک فطرتی مذہب ہے اور اُسکے قوانین و احکام عین فطرت کے مطابق ہونا چاہیے۔ لیکن ہم جب اس موجودہ پردہ پر غور کرتے ہین تو بمشکل کوئی پسندیدہ پہلو نظر آتا ہے۔ اس سے زیادہ مضرت اس رسم کی اور کیا ہوسکتی ہے کہ گویا یہ تحصیل علوم مین جسپر دینی و دنیاوی بہبود و فلاح کا انحصار ہے۔ ایک ناقابل اندفاع رکاوٹ ہے۔ تعلیم نسوان کی ضرورت و اہمیت پر یہان کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ موجودہ پردے کے موییدین کی بھی ایک بڑی جماعت عورتون کو ضروری علوم و فنون کی تعلیم دلانا ضروری سمجھتا ہے۔ مخالفین تعلیم نسوان چونکہ عورتون کے فرائض

بہت محدود خیال کرتے ہین اسلئے اُنکے خیال مین تعلیم بھی بے ضرورت چیز ہے لیکن غور کیا جاے کہ امور خانگی کے انصرام مین بھی کسیقدر عقل کی ضرورت ہوتی ہے اور عقل فطری جسکی نشو و نما خارجی اسباب سے غیر ممکن ہے اس باب مین مطلق کارآمد نہین ہو سکتی - کیونکہ اسکا تعلق عقل مکتسب سے ہے اور مکتسب عقل بلا علم کے نہین پیدا ہو سکتی - غرض اسی قسم کے اور بہت سے نقائص پردہ کیوجہ سے پیدا ہو گئے ہین - مگر نعوذ باللہ ایک مسلمان کے دل مین کبھی اس بات کا شبہ تک نہین عائد ہو سکتا کہ اُسکے مذہب کے احکام فطرت کے خلاف ہین - اب سچے مسلمانون کو اسکے سوا اور کیا چارہ ہے کہ خود ہندوستان کے مروجہ پردہ کو خلاف عقل سمجھین اور حقیقت حال بھی یہی ہے -

ہمنے پردہ کے متعلق اوپر جو کچھ عرض کیا ہے وہ تمام و کمال ہندوستان کی موجودہ رسم سے متعلق ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام نے عورتون کے لئے پردہ ضروری قرار دیا ہے لیکن اسلامی پردے کو ہندوستان کے پردہ سے کوئی نسبت نہین - بانی اسلام کی شریعت پُرحکمت اصول پر مبنی ہے اور اُنہین حکیمانہ اصول پر اسلامی پردہ وضع کیا گیا ہے - جو تمدن و معاشرت یا مذہب کے کامون مین کسیطرح مخل نہین ہو سکتا اور اسکے پہلو بہ پہلو عورتون کی عزت و حرمت قائم رکھنے کا بھی ذمہ دار ہے - اسلامی پردہ اپنی اصلی شان مین تو شاید ہندوستان کے کسی خطہ - کسی شہر - کسی قصبہ اور کسی گھرانے مین موجود نہین - ہان اس کی معمولی سی جھلک کو میرا اور بڑی مین مل سکتی ہے - جہان عورتین چار دیواری مین محبوس نہین ہوتین بلکہ اپنی ضروریات کی دیکھ بھال گھر کے باہر بھی کر سکتی ہین - لیکن گھر سے باہر اُنکا لباس اور اُنکا طرز عمل شرم حجاب نسوانی کی محافظت کرتا ہے اور اُنہین بدبینون کی نگاہین اور بداندیشون کے ناقص خیالات کوئی صدمہ نہین پہونچا سکتے -

ہمارا خیال ہے کہ اگر ہندوستان کا پردہ عین ہدایات اسلامی کے مطابق ہوتا تو اسکی نظیر دوسرے ممالک مین بھی ملتی لیکن ایسا نہین ہے - خود ہندوستان کے مسلمانون مین سے اکثر اصحاب روم - شام - دمشق - مصر - ایران اور افغانستان وغیرہ مین بہ تقریب سیاحت ہو آئے ہین لیکن اُنکا بیان ہے کہ کہین پردہ کی یہ سختی اور شدت نہین ہے جو ہندوستان کی بے زبان مستورات کے نصیبون مین لکھدی گئی ہے -

ایک نکتہ اور بھی قابل تحریر کرنے کے ہے کہ اگر ہندوستان کے پردہ کو اسلامی پردہ تسلیم بھی کر لیا جاے تو اُسکے رو سے عورتون کو سفر حج سے باز آنا پڑے گا - کیونکہ اثنار سفر و ایام حج مین وہ پابندیان قائم نہین رہتین جو یہان کی عورتون کے لئے ضروری ہین - لیکن اسلام نے فریضہ حج ذکور و اُناث کے لئے یکسان لازمی قرار دیا ہے - ہان مستورات کے لئے کسی محرم کو ساتھ لے لینے کا حکم ہے جو اعلیٰ درجہ کی مصلحت اندیشی اور دوربینی پر محمول ہے -

اسلامی پردہ کی بنیاد چونکہ حکمت آمیز اصول پر ہے اسلئے وہ نہ عورتون کے لئے بمنزلہ قید کے ہے اور نہ اُنپر بارگذر سکتا ہے - نہ وہ امور مذہب کی ادائگی مین حارج ہوتا ہے - نہ اُسکی پابندی سے دُنیاوی کامون اور

پیشون مین خلل پڑتا ہے اور میرے خیال مین اس قسم کا پردہ عورت ذات کے لئے ازبس ضروری ہے جو ایک طرف تو اُسکے دینی و دُنیاوی مشاغل مین مخل نہو اور دوسری جانب اُسکی وجہ سے اُسکی عفت و عصمت خطرے سے محفوظ رہے۔ یہ ضرور ہے کہ عورت خود اپنی محافظ ہوتی ہے اور ظاہری رُکاوٹین بجاے خود بیکار ہین لیکن اشتعال انگیز اسباب کا انسداد فی نفسہ بہت بڑا ذریعہ درستی اخلاق کا تسلیم کیا گیا ہے۔ زمانہ کے موجودہ انقلاب کے ساتھ ہندوستان کے پردے کے پرزے بھی ڈھیلے پڑ چلے ہین اور لوگون کو صحیح و غلط کی تمیز کرنے کا شوق ہو گیا ہے۔ اکثر مبصرون کی راے مین موجودہ پردہ بہت تھوڑے عرصہ کا مہمان ہے۔ وہ دن بہت مبارک ہوگا جب اس مذموم رسم کی بیخکنی کامل طور پر ہو جائیگی ہان اسقدر خوف ضرور ہے کہ کہین ہم ایک مصیبت سے نکلکر دوسری آفت کے پنجہ مین نہ پھنس جائین۔ موجودہ پردہ کے مخالفون مین ایک جماعت ایسی بھی ہے جو کوتاہ اندیشی سے ہر ایک امر مین یورپ کی تقلید کا شرف حاصل کرنیکی تمنّی نظر آتی ہے۔ گویا اُسکے خیال مین "اسلامی پردہ" بھی اپنے حقیقی اور اصلی معنون مین بھی قائم نہ رہنا چاہیے۔ افراط و تفریط کسی حال مین پسندیدہ نہین کہی جاسکتی۔ تفریط سے نکلکر افراط کی بلاے جان دلدل مین گر پڑنا کونسی عقلمندی ہوسکتی ہے۔ "خیر الأمور اوسطہا" اسلام کے ہمیشہ پیش نظر رہا ہے اگر ہمین اسلام سے علیحدہ ہوکر دُنیا مین رہنا سہنا ہے تو اسکا کوئی ذکر نہین۔ ہان مسلمان اور سچے مسلمان کے نام سے اگر ترقی کرنا ہے تو ہمارا کام ہوگا کہ ہمان اس پردہ کو جو ہندوستان کی مسلمان خواتین کے حق مین آسمانی آفت سے کم نہین مٹانے کی سعی کرین وہان "اسلامی پردہ" کے قائم کرانے مین بھی عملی تدابیر سے کام لین۔ تاکہ ہمارا ملک اور ہماری قوم بے پردگی کے اُن نتایج سے محفوظ رہے جو یورپ کی تہذیب و تمدّن کے دامن پر بمنزلۂ داغ ہے اور جسکی وجہ سے وہان کی ترقی بعض اوقات ایشیا والون کو اپنے طرف سے متنفر بنا دینے کا سامان پیدا کر دیتی ہے۔ علیگڈھ مین مدرسۂ تعلیم النسوان کا اجرا مناسب و مستحسن ہے لیکن ہمارے خیال مین اگر وہان بھی اسکول کی چار دیواری مین مقیّد رہکر لڑکیون نے تعلیم حاصل کی تو اُسکے نتایج چندان مفید اور حوصلہ فزا نہین ہو سکتے۔ ایجوکیشنل کانفرنس نے چونکہ مسلمانون کی تعلیمی معاملات کی رہنمائی اپنے ذمہ لی ہے اور اپنی ذمہ داری کو اُسنے ایک حد تک محسوس کیا ہے اسلئے اُسکی مساعی جمیلہ کا رجحان بہت جلد اس مسئلہ کے حل کرنیکی طرف ہونا ضروری ہے۔ موجودہ پردہ کے سبب سے جو بیجا قیود لڑکیون کی تعلیم مین وقیقت پیدا کر رہی ہین اُنکے رفع کرنے کے لئے فوری توجہ درکار ہے۔ علیگڈھ کے مدرسۂ نسوان مین لڑکیون کو اسلامی پردہ کے ساتھ تعلیم دینے کا انتظام ہو جاے تو اسوقت جو مشکلات معلّمات کے بہم پہونچنے مین پیش آرہی ہین وہ کسیقدر کم ہوسکتی ہین اور ابتدائی تعلیم کا آغاز بوجہ احسن ہوسکتا ہے۔

اسوقت اکثر مسلمان موجودہ پردہ کو غیر شرعی اور بے ضرورت سمجھنے کے باوجود اُسکے پابند نظر آتے ہین اسکی وجہ سواے اسکے کچھ نہین ہے کہ ابتک موجودہ پردہ کی مخالفت جس پیرائے مین کیگئی ہے اُس سے صاف طور پر

مترشح ہوتا ہے کہ مصلحان پردہ کی غرض اس رسم کو ایک سرے سے اُٹھا دینے کی ہے حالانکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ہمارا منتہائے نظر یہ ہونا چاہئے کہ اس وضعی پردے کو خیرباد کہکر خالص اسلامی پردہ کو رائج کیا جائے جب مسلمانوں کے سامنے اسلامی پردہ اپنی اصلی شان کے ساتھ پیش کیا جائے گا تو اُنہیں اُسکے تسلیم کرنے سے چارہ نہوگا۔

اسلامی پردہ کے متعلق ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ حکیمانہ اصول پر مبنی ہے۔ حجاب کے متعلق جو احکام شرعی موجود ہیں اُنمیں اسکے اختیار کرنے سے کوئی فرق نہیں آسکتا اور ضروری کاروبار سے بھی وہ مستورات کو روک نہیں سکتا۔ عرب میں اسوقت بھی عورتیں بازار میں بیع و شری کی غرض سے جاتی ہیں۔ خانۂ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوتی ہیں۔ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کرنے کو دن دہاڑے باہر نکلتی ہیں لیکن کوئی اُنپر بے شرمی و بے حجابی کا الزام نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت ایک ایسا لباس پہن لیتی ہیں جسکی وجہ سے اُن کی آرایش و زینت اغیار کی نظر بازیوں کا شکار نہیں ہونے پاتی۔

ایک دفعہ کانپور سے الٰہ آباد جاتے ہوئے فتحپور کے ریلوے اسٹیشن پر میں نے ایک مسلمان خاتون کو دیکھا جو تن تنہا سفر کرتی ہوئی آرہی تھی۔ فتحپور میں اُسکو اُترنا تھا۔ گاڑی سے اُتر کر وہ سیدھے اسٹیشن ماسٹر کے کمرہ میں چلی گئی اور وہاں سے اپنا اسباب لیکر قلیوں کے حوالے کر دیا تاکہ دینے کے لئے سگنلر کے پاس پہونچی اور فیس دیکر رسیدلی پردہ جسکی وضع و تراش میں خاص قسم کی دل آویزی جدت کیگئی تھی اُسکے جسم پر تھا اور اُسکے طرز سے معلوم ہوتا تھا کہ تعلیم یافتہ اور ضروریات زمانہ سے باخبر ہے۔ اس قسم کی واقفیت ہمارے طبقۂ اُناث کو حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ ناقابل برداشت مصائب کا سامنا ہوتا ہے اور اچھے اچھوں کے حواس ٹھکانے نہیں رہتے۔ میرے ایک ہمسفر دوست بھی اس لیڈی کے طرز لباس اور طریق عمل سے متاثر ہوئے۔ ہم دونوں میں پردہ سسٹم پر ایک دلچسپ بحث چھڑ گئی اور بالآخر دونوں اس نتیجہ پر متفق ہوئے کہ اسلامی پردہ کو رائج کرنیکی ہندوستان میں ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ سہل اور سادہ ہونیکے ساتھ ہی کسی پہلو سے مضرت بخش نہیں ہوسکتا۔ بعض دوست شاید برقعہ کو ناپسند کرین اور ہم بھی اس قسم کے برقعہ کو جو اکثر آجکل مستعمل ہے مفید مطلب نہیں سمجھتے۔ تاہم اسمیں ضروری ترمیم و اصلاح کی گنجایش ہے جسکے بعد یہ تکلیف رساں نہ رہیگا۔ ترکی میں جو لباس رواج پذیر ہے غالباً ہندوستان میں بھی اُسکا استعمال نامناسب نہوگا۔ ایک فرنچ لیڈی نے (افسوس ہے کہ اسوقت مجھے اُسکا نام یاد نہیں رہا) وہاں کے برقع کی بہت تعریف کی ہے۔ اور کہتی ہے کہ ترکی عورتیں جسوقت اُسکو زیب تن کرتی ہیں تو اُنکی حالت و حیثیت میں نقص پیدا ہونیکی جگہ خوبصورتی ظاہر ہوتی ہے اور وہ اُن عورتوں سے کہیں زیادہ دلچسپ معلوم ہوتی ہیں جو کھلے بندوں اِدھر اُدھر ماری ماری پھرتی ہیں۔

الغرض اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے خیالات کو اُلف عادات کی مضبوط زنجیروں سے آزاد کرا کے موجودہ پردہ کو خیرباد کہیں اور بے زبان جنس لطیف کے اوپر سے ناجائز و ظالمانہ قیود کا انسداد کرکے اُنہیں زندہ درگور ہونے سے بچاویں۔ اگر ہم اس افلاس و مصیبت کی حالت سے نکلنا ہے

اگر ہمیں تنازع للبقا کے میدان میں شہسوار بنکر صف آرا ہونا منظور ہے - اگر ہمکو قومی زندگی کی خواہش ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اقوام متمدن کیطرح اپنے علوم و فنون - اپنے فضل و کمال وغیرہ کی داستانیں صفحات تاریخ پر چھوڑ دیں تو اگر آجکی والی نسلیں اُنکو دیکھکر ہماری ذہنی و دماغی قابلیتوں کی معترف ہوں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے کاموں میں عورتوں کو بھی شریک کریں اور رسم و رواج کی بیڑیاں اُنکے پیروں سے کاٹ کر انہیں ہاتھ پیر ہلانیکے قابل بنائیں اور جائز حدود کے اندر انہیں آزادی دینے سے دریغ نکریں اور اگر یہ نہیں تو ہمیں ہمیشہ کے لئے حقیقی ترقی کو خیرباد کہدینا چاہیے -

سید محمد فاروق

قطب مینار کسنے بنایا

مئی کے ادیب میں اسکے متعلق دو خیال ظاہر کئے گئے ہیں - ایک یہ کہ ہندوؤں کی عمارت ہے جسکی شکل مسلمانوں نے بدل لی - اور دوسرا یہ کہ از سرتاپا مسلمانوں کی بنا ہے - چونکہ یہ مضمون قومی تعصب سے قطع نظر کرکے محض تحقیقی انداز سے لکھا گیا ہے - اسلئے میں بھی اپنی واقفیت بلا خیال جانبداری کسی گروہ کی ظاہر کرنی چاہتا ہوں -

ہندوؤں کی تعمیر ہونیکا ثبوت ان دلائل سے دیا جاتا ہے - جنمیں سے چند ادیب میں مذکور ہیں اور باقی میری یاد میں محفوظ تھیں -

(۱) مینار میں کُرسی نہیں ہے - اور مسلمانوں کی سب عمارتیں کُرسی دار ہوتی ہیں -

(۲) مینار کا دروازہ شمال رو یہ ہے - مگر مسلمان بڑی عمارتیں خاصکر مسجدوں کا دروازہ شرق رو بناتے ہیں -

(۳) مینار کے پاس ایک بُرج ہے حالانکہ مسلمان مسجد کے تین برج بناتے ہیں -

(۴) مینار کی بنیادوں میں مورتیں بنی ہوئی ہیں - جو ہندوانی ساخت کی علامت ہے -

(۵) سرسید مرحوم نے آثار الصنادید میں مینار کی نسبت کچھ شبہ سا ظاہر کیا ہے - جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ہندوؤں کی عمارت ہے -

اسلامی عمارت ہونیکا دعوی ان براہین پر مبنی ہے :-

(۱) مینار کے دروازوں کی محرابیں بیضوی ہیں - اور ہندوؤں کو اس زمانہ میں بیضوی محراب[1] بنانی نہیں آتی تھی - مسلمانوں نے سب سے پہلے اس ملک میں ایسی محراب بنائی -

(۲) مسجد قوت الاسلام کے بائیں پہلو میں مینار اس قرینہ سے بنایا گیا ہے کہ فاصلہ اور موقع صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ مسجد کا مینار ہے -

(۳) لارڈ کرزن کے زمانہ میں جب مسجد و مینار کی مرمت ہوئی تو مسجد کا فرش درست کرنے میں پتھر اکھاڑے گئے تھے - معلوم ہوا کہ اندر انکے بت بنے ہوئے ہیں - اسی قسم کے پتھر قطب مینار کی بنیاد اور وسطی حصہ میں پائے گئے - جبکہ بیرونی حصہ صاف تھا اور اندر بُت تھے - اس سے معلوم ہوا کہ بُت خانہ کے پتھروں سے مسجد اور مینار بنایا گیا -

[1] اس ثبوت میں اجنٹا کے ایک غار کی تصویر دیجاتی ہے جو اسلامی اثر سے بہت پیشتر کی تعمیر شدہ عمارت ہے - ایسی بنیادی محرابیں صاف طور پر نظر آتی ہیں اور دکن میں بحالت اصلی دیکھی جاسکتی ہیں - ایڈیٹر -

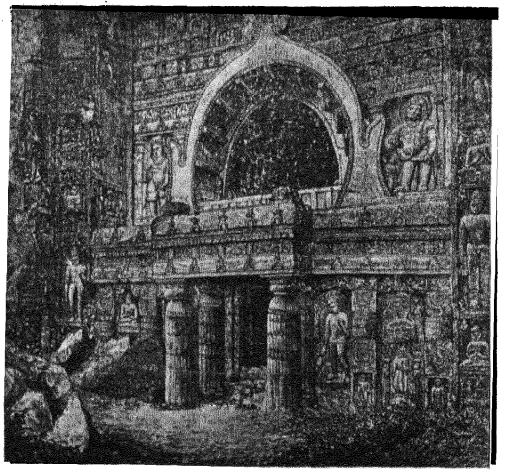

غار اجنٹا

ہندؤن کی عمارت ہوتی تو مورتون کو اندر کے مرمج نہ چھپایا جاتا۔

(۴) ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ مین اسکی تعمیر کا چشم دید حال لکھا ہے۔ اسکے بیان سے ثابت ہے کہ قطب الدین ایبک کی اس عمارت کو ابن بطوطہ کے وقت مین کوئی بادشاہ مکمل کرا رہا تھا جسکی پاڑ اتنی بڑی تھی کہ ہاتھی پتھر لیکر اس پر چڑھ جاتے تھے۔

(۵) کتبون اور آیات قرآنی کی نشست بالکل موزون اور درست ہے۔ یہ نہین معلوم ہوتا کہ بعد مین لگائے ہین۔

مسلمان محقق ہندؤن کی مذکورہ پانچون دلائل کا یہ جواب دیتے ہین۔

(۱) مینار اگر بذاتہ کوئی مستقل عمارت ہوتی تو اسمین کرسی دیجاتی مگر وہ مسجد کے تابع ہے۔ مسجد مین کرسی دی گئی ہے۔ جسکا نمایان اثر علاء الدین کے دروازہ سے معلوم ہوتا ہے۔ شاہجہان کی دہلوی جامع مسجد مین بھی میناروں کو کرسی نہین دی گئی۔ مسجد کے تحت مین وہ بھی ہین۔

(۲) شرقی رو دروازہ ہونیکی کوئی خاص قید مسلمانون کے ہان نہین ہے۔ تاہم کہہ سکتے ہین کہ مسجد کا دروازہ شرقی رو تھا۔ مینار مسجد کے ماتحت ہے۔ ہمین اسکا خیال رکھنا ضرور نہ تھا۔

(۳) مینار کی بنیاد مین کہین کہین مورتون کے نشانات تو اسلامی عمارت ہونے کی دلیل ہین۔ کیونکہ وہ پتھر مندرون سے لئے گئے تھے اگر ان پتھرون کو دیوار سے جدا کرکے دیکھا جاے تو نمایان مورتین نکلین گی۔

(۴) مینار کے پاس جو برج ہے وہ مسجد کا برج نہین ہے۔ بلکہ دروازہ مسجد کا ہے جسکو تعمیر مینار کے عرصہ دراز کے بعد علاء الدین خلجی نے بنایا ہے اور جسکی طرز تعمیر اور کتبے صاف کہتے ہین کہ وہ خلجیون کے وقت کی عمارت ہے۔ مسجد مین کوئی برج نہین ہے۔ وہ کھلی ہوئی ہے۔

(۵) سرسید مرحوم نے آثار الصنادید مین کوئی شبہ نہین کیا۔ صرف لوگون کے افواہ کو بیان کرکے اسلامی عمارت ہونیکا ثبوت دیا ہے۔

اب یہ بیان کہ مینار پرتھی راج کی بیٹی کے لئے بنایا گیا تھا تاکہ وہ اسپر سے جمنا کے درشن کرے۔ قابل تسلیم نہین معلوم ہوتا۔ کیونکہ کہا یہ جاتا ہے کہ مینار کی ابتدائی منزل پرتھی راج نے بنائی تھی۔ پس اگر ابتدائی منزل پر چڑھکر دیکھین تو جمنا نظر نہین آتی۔ بہرحال یہ جو کچھ لکھا گیا محض تاریخی اور آثار قدیم پر مبنی ہے۔ ورنہ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر قطب مینار ہندؤن کی عمارت ہے۔ تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ اور اگر اسکو مسلمانون نے بنایا تب بھی مسرت اور شادمانی دونون ایک۔ تھیلی کے چٹے بٹے ہین غیر ملکون مین دونون کے کام سے ملک ہند کا نام ہوتا ہے اور یہی ہم سب کے لئے باعث فخر ہے۔

لطیف الدین چشتی

کلیات اکبر۔ جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر مجتہد شعبہ الہ آباد کی شیوا بیانی محتاج تعریف نہین۔ آپکا کلیات جو سال گذشتہ مین چھپا تھا وہ فوراً فروخت ہوگیا۔ اب بعد نظر ثانی مصنف نہایت آب و تاب سے چھاپا گیا ہے۔ شائقین درخواست خریداری جلد ارسال فرمائین ورنہ پہلے ایڈیشن کیطرح عرصے تک انتظار کرنا ہوگا قیمت فی جلد دو روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

المشتہر۔ عشرت منزل الہ آباد

مسدسِ غم

(از خان بہادر مولانا سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی)

مین آج کیون متغیر جہان کو پاتا ہون زمین کو زرد و خموش آسمان کو پاتا ہون
خزان رسیدہ ہر اک بوستان کو پاتا ہون شکستہ حال مکین و مکان کو پاتا ہون
زمانہ مورد درد و غم و ملال ہوا
کہ بادشاہ سلامت کا انتقال ہوا

تمام شہر ہے سنسان سرد ہین بازار نہ مشتری ہین نہ تجار بند ہین بیپار
نہ بھیڑ بھاڑ نہ سڑکون پہ گاڑیون کی قطار مثال آئینہ حیرت زدہ در و دیوار
چہل پہل ہے نہ سامان مین گرم جوشی کے
گھرون مین بیٹھے ہین بچے بنے خموشی کے

وہ بادشاہ جو فیاض تھا لاکھین سے لیا نہ جسنے کبھی انتقام دشمن سے
تمام ملک تھا وابستہ جسکے دامن سے عیان تھی عاطفت و رحم جسکی چتون سے
نظیر جسکا نہ تھا چرخ ہفتمین کے تلے
وہ چاند آج نہان ہوگیا زمین کے تلے

وہ بادشاہ فلاطون وقت جسکے ندیم دل اُسکے نام کی بیعانہ کرے تنظیم
وہ بادشاہ کہ ہے خاندان جسکا قدیم رعایا جوئے رعایا کریم ابن کریم
نہ کبھی مرتبہ واحسترتا اجل اُسکا
کہان یہ مدفن ویران کہان محل اُسکا

وہ بادشاہ سکندر حشم فریدون فر وہ بادشاہ کہ تھا جسکا قہر حق لشکر
وہ بادشاہ کہ سلطان تھا جسکا ہر قسر وہ بادشاہ کہ تھا جسکا رعب دنیا پر
گلہ نہ کیون ہو رعایا کو بد نصیبی سے
وہ آج خاک پہ سوتا ہے کس غریبی سے

تھے دست بستہ غلامی مین دولت و اقبال اُٹھائے سر کوئی سرکش بھلا یہ کب تھی مجال
غرض کہ قطب جنوبی سے تا بقطب شمال اُسیکا نام تھا پر تو نگن رصد اجلال
اُسیکے عدل کا سب عادلون پہ سکہ تھا
طلاؤ نقرہ تو کیا ہے دلون پہ سکہ تھا

اُسی نے دی تھی زراہ کرم یہ نیک صلاح کہ دفعتہً ہوئی جاپان و روس مین صلح
رضا وجو تھا ہمیشہ مساہو یا کہ صبح یہ بادشاہ زمانے کی چاہتا تھا فلاح
نہ سر مین کبر نہ زعم اپنی بادشاہی کا
ہمیشہ دھیان تھا پبلک کی دوخواہی کا

شہنشا اتری رحلت کا ہے جہان مین الم بپا ہر گھر ماتم ہے یہ عالم
فلک وقار زمین دار ا کہین کیا ہم ہجوم یاس سے بس مین نہین زبان قلم
جگر پہ صفحہ کاغذ کے چیخ چلتی ہے
صریر سے بھی صدائے فغان نکلتی ہے

شہا یہ نیند ہے کیسی کہ جاگنا ہے قسم یہ غفلتین تو رعایا پہ ڈھا رہی ہین ستم
یہ کیا کہ آج نہین اسطرف نگاہ کرم زبان سے کچھ تو ہو ارشاد جان بلب ہین ہم
یہ خامشی غضب آخت دلون پہ ڈھاتی ہے
تری غریب رعایا کی جان جاتی ہے

شہا تمام رعایا ہے یون تو سوگ نشین خصوص ہند کی خلقت ہے سب سے بڑھ کے حزین
یہ قوم لیک وفا کیش ہے نہ کیون ہو غمین مدبرون نے ہمیشہ کیا یہی تلقین
جو ہو فلاح کے طالب وفا شعار رہو
تم اپنے شاہ کے ہر طرح جان نثار رہو

کجا وہ سخت اپر شیخ کجا وہ نازک جا کہان وہ نشتر فولاد اور کہان یہ خشا
سلامتی کا یقین ایک کو نہ تھا حاشا جو دن تھے عمر کے باقی تو دی خدائے شفا

شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کا تابوت

میسّر آئے رعایا کو جشن عشرت کے
کٹے حضور یہ نو سال ساتھ صحت کے

مگر جب آئی اجل کچھ نہ ہو سکا چارا ذرا سی بات میں قصہ تمام تھا سارا
ہزار ڈاکٹروں نے سر دھن سے سر مارا قضا کے حکم میں انکار کا کسے یارا
عیاں تھا حشر کا سامان اک شمارے میں
محل سے لے گئی تعدیہ گاہ وارے میں

زبانِ حال سے کہتی ہے شاہ کی تلمت نہ ہو گی عہدہ برآ موت سے کوئی طاقت
ہے زندگی نفسِ چند بس نہ کر غفلت جو موت آئی تو دیگی نہ آن بھر مہلت
قضا جب آکے ترشا نہ بنائے گی تجھکو
نہ مال و زر نہ حکومت بچائے گی تجھکو

یہ چند روزہ جہاں درس گاہ ہے پیارے علوم و فضل کے طالب ہیں مرد و زن سارے
کرو مطالعہ بیٹھو نہ تم تین ہارے جہالتوں کے نہ باندھو کہیں پٹارے
کمی نہیں نگہِ عقل میں بصارت کی
پڑھو پڑھو کہ کھلی ہے کتاب فطرت کی

ذرا تو سوچ کہ تو کیوں جہان میں آیا ہے خدا نے کس لئے انسان تجھے بنایا ہے
کر اس پہ غور کہ کیوں کانشنس پایا ہے پیمبروں نے کیا جو بتایا ہے
نہیں ہے زمرۂ انسان میں پھر تو اے لاتو
اسی کو تو نے نہ سمجھا تو کچھ نہ سمجھا تو

بشر ہیں سب ترے ہمجنس سب سے الفت کر محبتوں میں ہیں کل نیکیاں محبت کر
بلا نہ عشقِ خداوں نہ توڑ عبرت کر خدا کی راہ میں کانٹے نہ بو مروت کر
تری خطا کا تری روح سے عوض لینگے
یہ عارضے تجھے مرنے کے بعد دکھ دینگے

گناہ جتنے ہیں وہ سب ہیں عارضے یقین سچ ان سے تا نہ تری روح مبتلا ہو کہیں
فنا کے بعد عدم میں جو ہو گا جا کے یہیں یہ عارضے تجھے سب مل کے گھیر لینگے وہیں
یہ کہ گئے تا بہ قیامت سنائیگی تجھکو
عدم میں کل کسی کروٹ نہ آئیگی تجھکو

ہمیشہ چاہیے اے دوست اکتساب کمال وہ کام کر کہ نہ ہو جسکو احتمالِ زوال
اگر ہے جوہرِ ذاتی کی ارتقا کا خیال گزار دے اسی اک دمن میں عمر کے سال
دریچ اس میں نہ کر کام آئے گو سر تک
وہ نقش کھینچ کہ مٹنے نہ پائے محشر تک

نمود و نام کی خواہش بُری نہیں ہے مگر ریا نہ کر کہ ریا میں ہیں سو طرح کے ضرر
یہ پاسبی جو زمانے میں آج کل ہے ہنر ہے مکر و کذب خدا کے لئے کر اس سے حذر
مدام کوشش و کاوش رہے عبادت میں
لگے نہ داغ تری روح کی شرافت میں

خلاصہ یہ ہے کہ بچتے رہو رذائل سے کرو تقدس کو آراستہ فضائل سے
رہے یہ فکر کہ کیونکر خوری شے دل سے ہمیشہ چاہیے پرہیز فعلِ باطل سے
نگو بہم از تو ازیں پس کہ این کمن آن کن
انہم مصلحتِ خویش و کار آسان کن

اب اس کلام کو کرتا ہوں ختم میں عظیم دعا کہ ہاتھ اٹھاتا ہوں سب کیلئے آمین
یہ بادشاہ ہمارا جواب ہے تخت نشین ہزار سال کرے زندگی بصد تمکین
جہان میں تا بہ قیامت بہ عزّ و جاہ رہے
مگر غریب رعایا پہ بھی نگاہ رہے

ہزار حیف کہ غفلت میں عمر کی برباد زمانہ چیت گیا تو مگر نہ چیتا شاد
یہ ناصحانہ مضامین یہ پندیہ ارشاد جو خود ہے ان سے معزّا تو سب ہیں بیدادی
نہ پائیں زور نہ امید دستگیری ہے
بس اب تو سوچ کہ چل راستہ کہ پیری ہے

شاد عظیم آبادی

قیصر ہند کے ماتم مین چند آنسو

اے چشم تر اشکون کی روانی تو دکھا دے ہو خونِ جگر جسمین وہ پانی تو دکھا دے
آہون کی وہ کشتی وہ طوفانی تو دکھا دے ہان نوح کے طوفان کا ثانی تو دکھا دے

ماتم مین شہنشاہ کے یہ سینہ زنی ہے
جو بند ہے آنسو کی وہ بہرے کی کنی ہے

غم کھاتے ہین غم کھانے سے بس کام ہے ہمکو اپنا دلِ پرخون ہی بھرا جام ہے ہمکو
بے ہوش ہین یکسان سحر و شام ہے ہمکو بس وردِ زبان شاہ کا اک نام ہے ہمکو

یہ لی ہے خموشی سے وہ شوخیٔ تکلم
روئے کو بھی آتا نہین ہونٹو پہ تبسم

وہ رحم دل و عادل و فیاض و دلاور دارا حشم و کے خدم و رشک سکندر
آئینۂ اقبال مین کچھ جھلکے ہین جوہر گھیرے ہوئے عالم کو ہے تحسین کا سمندر

دُر ہائے خوشآب اُسنے ہزارون مین لٹائے
گلہائے تر و تازہ بہارون مین لٹائے

صد حیف وہ خورشید جہان تاب کدھر ہے حیران ہین آنکھین تو پریشان نظر ہے
وہ مخبر ہے پر پاک جہان زیر و زبر ہے ہان کیون نہو یہ ماتم شاہی کا اثر ہے

کس مُنہ سے کہون ہائے یہ ایڈورڈ ہفتم ہین
دنیا سے جہان جاتے مین سب لب پہ یہ دم ہین

واصف تجھے لازم ہے کہ اب ہاتھ اُٹھا کر شاہون کے شہنشاہ کے آگے یہ دعا کر
مرہم دل مجروح کے زخمون پہ لگا کر جو اُنکے اقارب ہین اُنہین صبر عطا کر

آباد رہین شاد رہین تا بہ قیامت
لاکھون برس تک رہین یہ تاجِ سلامت

واصف

کلام اکبر

حوریں کوائے گلگون کو پری کہتے ہین شیخ خوش ہون کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہین
اللہ اللہ یہ نور خلک و رنگ زمین سچ تو یہ ہے کہ اسے جلوہ گری کہتے ہین
حسن کے باب مین اکبر کی سند ٹھیک نہین یہ تو ہر اک بت کمسن کو پری کہتے ہین

فانی ہے حسن بت یہ ہین کیا جانتا نہین مشکل یہ آپڑی ہے کہ دل مانتا نہین
اس انقلاب پر جو مین رو دون تو ہے بجا مجھکو وطن مین اب کوئی پہچانتا نہین
میرے لئے شراب بہان بھی ہے کیا حرام اس شہر مین تو کوئی مجھے جانتا نہین
اکبر ہنوز اُسنے ہے امیدوار لطف بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتا نہین

ہم کب شریک ہوتے ہین دُنیا کی جنگ مین وہ اپنے رنگ مین ہے ہم اپنی ترنگ مین
وہسکی کی بو سے شیخ کے تیور بدل گئے انکی نظر بھی مل گئی ساقی کے رنگ مین

کچھ غم نہین اگر مین مایوس ہو گیا ہون اب یاس سے بہت کچھ مانوس ہو گیا ہون
کافی ہے سوز باطن اظہار معرفت کو اپنی ہی شمع دل کا فانوس ہو گیا ہون

مجھکو محبت اب نہ رہی زندگی کے ساتھ کیا زندگی گذرنے لگی جب خوشی کے ساتھ
خُلقِ نکو کو سب نے خوشامد سمجھ لیا کیا کیا مصیبتین ہین غریب آدمی کے ساتھ

فکر عزت مین عبث روز اک نئی تہمت ہے آجتک ہم کیا ہوئے آیندہ کیا امید ہے
قدر موزون دیکھئے جوڑے کی نپدش دیکھئے کرتہ قامت کا ہے مصرع اور کیا تقطیع ہے

ہر جنبش نگاہ خرد اک حجاب ہے عارض پر اُنکے جلوہ بھی نقاب ہے
آرام کی تلاش مین رکھا ہے بیقرار ہر خواہش سکون سبب اضطراب ہے

باغِ دل

ہے دلنشیں بگن کو آج رشکِ گلستاں کردوں — وہاں غنچے سے رازِ دل بلبل بیاں کردوں
مریضانہ سے ایسا جگا دوں آن میں جادو — کہ ہر برگِ شجر سے دفترِ معنی عیاں کردوں
شبیہ غنچۂ سربستۂ معنی وہ کھینچوں میں — کہ حیرت سے قلم اپنی کا انگشتِ دہاں کردوں
حسینانِ چمن سے سبزے کو خنجوں ہم آغوشی — کروں وا چشمِ نرگس ایندسوں کی زباں کردوں
چکور و فاکی لگن کا داغ دلمیں چاند کے ڈالوں — گدازِ شمع سے میں سوز پروانہ عیاں کردوں
پہناؤں گردنِ سرو چمن میں طوقِ قمری کا — وہاں غنچے میں پیدا عنادل کی زباں کردوں
دمِ بادِ صبا میں بلبلوں کی ہوں پیچ جنبل کے — تبسم میں کلی کے بندِ بلبل کی فغاں کردوں
تذروؤں کے غرام نازمیں دکھلیاں پیرہن — کردامن چادرِ مہتاب کا شل کتاں کردوں
سمن کے سینۂ صافی میں داغوں داغ لالہ کا — رگِ گل سے مرتب بلبلوں کا آشیاں کردوں
بھروں دھن شام کی دل کی کویل کے ترنم میں — حسینانِ چمن کو نیچوری میں گویاں کردوں
نظر کی حد مٹا کر اسکو لاحد و کردوں میں — نمایاں اس زمین پر اک انوکھا آسماں کردوں
اٹھا دوں سر سبز رنگینیٔ عالم کے پردے کو — شفق کو آبِ قلب شاہ خاور کا دھواں کردوں
میں کردوں تابناک کوزے میں ان ساتوں سمندر کو — مبالغہ سے میں جوئے شیر کا تیشہ رواں کردوں
ہر اک کو خود فراموشی کے گہرے رنگ میں رنگ دوں — بیان گزرا ہر خشک آئے تو پیرِ جناں کردوں
مشاکر عالم امداد کے دہی کر شوں کو — تمہارے واسطے تیار اک تازہ جہاں کردوں
اٹھے فانوسِ شمع طور پر سے لنترانی کا — مثال مہر روشن آج رازِ کن نہاں کردوں
دکھینچوں شاہدِ معنی کی رنگا رنگ تصویریں — کہ ہر برگ انکے آگے سب پہ نیرنگِ زماں کردوں

لگا دوں چار چاند اس مرغ کو نورِ فضا میں سے
جبینِ کہکشاں کو رگڑوں اوں کلکِ نگاریں سے

تماشا آؤ دکھلاؤں تمہیں باغِ معانی کا — جہاں حاصل ہے خاکے کو گلِ کی دلستانی کا
یہ ہے وہ باغ صدقے جسکے ہے سو جان سے قربان — ہے فخر اندوزِ تبہ جسکے در کی پاسبانی کا
حباب پانوں دھو کر آبِ حیواں سے جہاں تی — ملک چھڑکا کرتے ہیں جہاں کو تر کے پانی کا

تدرو و قمری و بلبل میں فرق شخصیت گم ہے — نشاں پایا ہے سب نے شکل منقار نے نشانی کا
برستے ہیں دہان شبنم سے موتی خندۂ گل پر — یا ٹپکتی ہے کلی تو چھپ کے ہے شادمانی کا
خزاں سے شکلِ سرو آزاد اس گلشن کے پروردہ ہیں — نہیں ممکن ہے دخل اس باغ میں فصل خزانی کا
وہاں سبزے کی چادر آنکھیں ہیں فرہاد ہشیاری — وہاں ہے بحرِ عرفان ہر لبِ ہر اک پانی کا
ہے اسکا پتا پتا اہل دل کو دفتر حکمت — ہے اسکا غنچہ غنچہ آئینہ راز نہانی کا
نہ گرد پھیٹ ہے وہاں سوسن نرگس شہ روحیں — وہاں عذر حمالت ہے نہ دعوی رازدانی کا
کھلیں گل گر پڑے شاخ شجر کا آب میں سایہ — وہاں عالم ہے جامہ کی ریشہ دوانی کا
ریاضِ رنج پرور میں ہے عنقا بلبل نالاں — خوشی کا راگ گانا اسجگہ ہے کام پانی کا
وہاں لالہ کے دل میں سوزۂ داغ لکھا ہے — چمکتا ہے جو غنچہ فقرہ اٹھتا ہے "آپانی"[1] کا
نظر کے طائرِ طرب کے جلتے ہیں پر اس جا — زمیں سے اسکی رتبہ پست بام آسمانی کا
رسائی طائرِ علم و حکم کی کب وہاں تک ہو — فضا میں اسکی کب ہے رنجِ مرغِ لامکانی کا
پہنچ یک خیالِ پاشکستہ کی نہیں اس تک — نہیں کام اس سوا دپاک میں کچھ نکتہ دانی کا
شہود و آتشِ گل میں ہم شہود و شاہدی — گل و بلبل میں ذکر اس جا نہیں ہے امتیازی کا
ظہور و حسن و جمال روحِ گل کا ذرے ذرے میں — کفِ خاکِ چمن نسخہ ہے اکسیر معانی کا

تراول ہی تو ہے وہ باغ جسکی چھپ انوکھی ہے
یہ بیلا ہے یہ چمپا ہے یہ جوہی یہ چنبیلی ہے

باقی آئندہ

کیفی دہلوی

شکایت نہیں رہی

اُمید بے رخی کی وہ تھی تم سے دوستو — کیا پھیر پڑ گیا کہ وہ الفت نہیں رہی
آنکھیں پھری ہوئی ہیں زمانہ خلاف ہے — کتنی ہیں چشمتیں کہ مروت نہیں رہی
بیماریٔ نفاق نے کھینچا ہے حد کا طول — تخفیف مرد کی کوئی صورت نہیں رہی
جو کچھ ہوا۔ ہوا اگر اک سو تو ہو گئے — نومیدی و اُمید کی حالت نہیں رہی

ہے انتہائے بیکسی و یاس اے نہال
مطلق کسی سے کوئی شکایت نہیں رہی

نہال

---

[1] وید کی ایک اشلوک کا پہلا لفظ ہے جو ذات سبحانی کی شان میں ہے "آپانی یا دھو جو نو کو پہتوا

کوئل

ساقیا دے سے گلرنگ کرائی ہے بہار — نوعروسانِ چمن پر ہے قیامت کا نکھار
آج اٹھلاتی جو پھرتی ہے نسیم سحری — شاہدانِ چمن دہر کی لوٹے گی بہار
کتنی مستانہ تری چال ہے اے موسم گل — حشر برپا نہ کرے خلق میں طرز رفتار
محتسب دیر نہ کر آج ہے وہ یوم سعید — کیا عجب زاہدوں کی ٹوٹے جو توبہ سو بار
جمع ہیں مدتوں بیان محفل رنداں ہے — ایسے موقع پہ عبث کرتا ہے انکار لے یار
صدقے میں ساقی بدمست کے پی لے دو گھونٹ — کیا عجب بادۂ وحدت سے جو تو ہو سرشار
صحن گلشن میں قیامت کی بہار آئی ہے — اپنے جامے سے ہوئے جاتے ہیں باہر شجار
مرحبا مرحبا اے باغوں کی زینت کوئل — مرحبا مرحبا اے طایر شیریں گفتار
تیرے ہی قدموں سے شاداب چمن ہوتا ہے — خیر مقدم کو ترے آتے ہیں ایام بہار
خوشنوائی پہ تری ہوتے ہیں لاکھوں صدقے — کوک پر تیری ہزاروں ہیں دل و جان نثار
ٹھنڈے ٹھنڈے وہ نسیم سحری کے جھونکے — بجلیوں سے نہیں کم تیرا چہکنا ہر بار
ہائے کیا صبح کا یہ روح فزا منظر ہے — آسمان سے دُر شہوار کی پڑتی ہے پھوار
اللہ اللہ یہ دلسوز ترانہ تیرا — نیند سے چونکتے تھے مدہوش ہوئے سب بیدار

ساقیا خوب پلا بادۂ اطہر مجھ کو
دے سے خلد سے بھر کر کوئی ساغر مجھ کو

مرحبا مرحبا اے شاہد زیبا کوئل — جذبا جذبا اے میری دل آرا کوئل
جلوۂ نور سے معمور ہوا سارا جہان — جمع کا کتنا ہے دلچسپ نظارا کوئل
میں تو ہر روز تجھے یاد کیا کرتا ہوں — چشم بدور ترا نام ہے پیارا کوئل
تیرے آنے سے گلستان میں بہار آتی ہے — ہو گیا غنچۂ خاطر بھی شگفتا کوئل
گلشن دہر میں تجھ سے ہے بہار دلکش — دم قدم سے تری ہر پھول ہے پھولا کوئل
چشم بد دور ترے فیض قدم سے ہر سو — رشک فردوس بنا دامن صحرا کوئل
پنکھیاں لیتی ہے دل میں تری پیاری آواز — دل کو تڑپاتا ہے ہر دم ترا نغمہ کوئل
قمریاں اور عنادل ہیں کلیجا پکڑے — کتنا دلسوز ہے پُر درد ترانا کوئل

سوز عشق تری نالہ و شیون سے عیاں — سچ بتا کس کی ہے تو عاشق شیدا کوئل
ہاں یوں ہی چھیڑتی جا نغمۂ دلکش اپنا — ہاں بجے نالۂ و فریاد کا باجا کوئل
تیر و نشتر سے نہیں کم ہے ترنم تیرا — دل بیتاب کو رہ رہ کے نہ تڑپا کوئل
درد مندان محبت بھی اٹھے بستر سے — تیرے نغموں میں ہے اعجاز مسیحا کوئل
چند روزہ یہ علمی ہے بہار دُنیا — واقعی ہستی موہوم ہے دُنیا کوئل
آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے — دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

اوج گیاوی

غزل

از جناب حسرت موہانی۔ اڈیٹر اُردوئے معلّٰی علیگڈھ

تھوا اسکی خطا پوشی پہ کیوں نازِ گنہگاری کا — نشانِ شانِ رحمت بنگیا داغِ سیہ کاری
ستم تم چھوڑ دو مجھ پر شکوہ سنجی آنا جانی — کہ فرضِ عین ہے کیشِ محبت میں رواداری
ہوئیں نا کامیاں بدنامیاں رسوائیاں کیا کیا — نہ چھوٹی تجھ سے لیکن کوئے جانان کی ہواداری
نہیں غم جیب و دامن کا گریباں فکر ہے اتنی — نہ اُلجھیگا مرے دست جنوں سے رشتۂ کاری
بچھڑنا مرتے دم تک ساتھ ہے یار محبت کا — قسم کھانیکے قابل ہے ترے غم کی وفاداری
نہ انکو رحم آتا ہے نہ مجھسے صبر ہے ممکن — کہیں آسان ہوا رب محبت کی یہ دشواری
وفورِ اشکباری ہیم ہے ہجوم شوق بیجا میں — مری آنکھوں سے ہے اک آبشارِ آرزو جاری
غضب ٹیکنیاں نہیں کچھ ہائے ابتدا کی — ہوئی ہے جنبشِ دامانِ محبت پر یہ گلکاری
نہیں کھلتی مری نسبت تری اے جبلۂ جوہر — کہ ہے اقرار و بجوئی نہ انکارِ ستمگاری
تکرتا ستم ہم دردمندوں پر کہ دُنیا سے — مبادا ایکقلم اُٹھ جائے تہذیب وفاداری

. . . . . .

نہ دیکھے اور دل عشاق پھر بھی نظر کرکے — قیامت ہے نگاہ یار کا حسن خریداری
یہی عالم رہا گر اسکے حُسن سحر پرور کا — تو باقی رہچکی دُنیا میں راہ و رسم ہشیاری
وہ جرم آرزو پر جسقدر چاہیں سزا دے لیں — مجھے خود خواہش تعزیر ہے ملزم ہوں قراری
نسیم دہلوی کو وجد ہے فردوس میں حسرت — جزاک اللہ تیری شاعری ہے یا فسوں کاری

ادیب

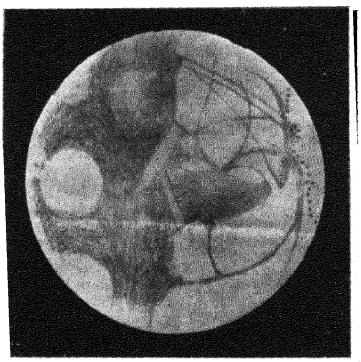

کرۂ مریخ

انڈین پریس الہ آباد

کلامِ چکبست

دل ہی کی بدولت رنج بھی ہے دل ہی کی بدولت راحت بھی
یہ دنیا جسکو کہتے ہیں، روز رنج بھی ہے اور جنت بھی
ارمان بھرے دل خاک ہوئے اور سوت کے طالب بیٹھے ہیں
اللہ بھیرے اس دنیا کے ہمیں آتی ہے ہنسی بھی رقت بھی
یا خوف خدایا خوف سفر ہیں دو ہی بیان تیرے واعظ
اللہ کے بندے دل میں ترے ہے سوز و گداز محبت بھی
جب تک ہے جوانی کا عالم کیا عیش کی مستی رہتی ہے
جب پیری موت کی لائی خبر پھر زہد بھی ہے اور طاعت بھی
گرتے ہی زمیں کے دامن میں اے طفل یہ رونا دھونا کیا
دُنیا میں اگر تو آیا ہے یاں رنج بھی ہے اور راحت بھی

ہر دم چطبیعت کو اُلجھن اک یاس کا عالم طاری ہے
یہ سانس نہیں اک کانٹا ہے یہ زیست نہیں بیماری ہے

رباعی

یہ قوم ذرا عاقبت اندیش نہیں — سودا تو ہے نوش کا سر نیش نہیں
پہلے کی ترقی سے ہیں کتنے پیچھے — افسوس ہمیں کچھ بھی پس و پیش نہیں

بار اندوہ و الم کا کیسے ہلکا ہو جائے — پھر بہار آئے الٰہی ہمیں سودا ہو جائے
عرش سے فرش تلک چھائی ہے تاریکی جہل — آگ دُنیا کو لگا دو تو اُجالا ہو جائے
ظاہرا ہستی ناچیز بشر ہے کیا چیز — یہ وہ قطرہ ہے جو بڑھ جائے تو دریا ہو جائے

چکبست

دنیا مریخ

گو ہے اے مریخ تو کہنے کو جلو دار فلک — لوگ تجھکو مانتے ہیں ایک تارا آج تک
اپنی دنیا سے تری ہم دیکھا کرتے ہیں جھلک — دیکھنے سے تیرے اکثر آنکھیں جاتی ہیں جھپک
یہ نہیں معلوم تھا تو عالم انسان ہے
تیرے سر بھی ایک مخلوقات کا احسان ہے
تیرے دم سے بھی ہے قائم ایک دنیائے حیات — تجھ میں بھی پائی گئی ہیں ایک عالم کی صفات
جانداروں سے بھی ہیں آباد تیرے سبزہ زار — بستی ہے آغوش میں تیرے بھی اچھی کائنات
پیٹ میں کیا کچھ بھرے ہیں تیرے۔ کیا بتلا رہے
آج یہ عقدہ کھلا ہے تو بھی دُنیا دار ہے
برف بھی گرتی ہے تجھ میں۔ ابر بھی ہے دُرفشان — رات دن اور فصل و موسم کا بھی ملتا ہے نشان
باغ بھی ہیں کھیت بھی ہیں تجھ میں اے فخر جہاں — مونگ دلتا ہے تری چھاتی پہ بھی تیرا کسان
تیرے دُنیا والے رنج و عیش کے خوگر بھی ہیں
باد شہ بھی ہیں، گدایا بھی ہے اور لشکر بھی ہیں
ساکنان عالم ریخ! کچھ کھولو زبان — یا اشاروں ہی میں ہوگی تم کو باتیں عیاں
ہم سے لاکھوں میل اوپر ہیں تمہاری بستیاں — وہ نہ ہم تم ایک ہی ہستی کا دیتے ہیں نشاں
ہم بھی اک دنیا ستارہ کے رہنے والے ہیں
ہم بھی اک تاریک بادی میں بسنے والے ہیں
یہ ہی صنعت کے ہیولے۔ اور ہوائی کشتیاں — تم سے ملنے کے لئے ہم نے بنائی ہیں یہاں
تاکہ تم سے مل کے دیکھیں ہم تمہاری بستیاں — صنعتیں دیکھیں تمہاری اور تمہاری کھیتیاں
رخصت نظارہ دینگے تم سے غمخوار اس کو کہ
ہم بھی آتے ہیں اُڑاتے اپنے عیاروں کو اب

قیصر

رباعیات وقطعات

ناچیز ہے - مقدور مہا تو کب سے بندے کو تقابل تہین ربارب سے
پیری مین یہ ایما ہے قد پر خم کا لازم ہے چلو جھک کے جہان مین سب سے

توڑا کئے طفلی مین فلک کے تارے تھا عہد جوانی بھی غنیمت بارے
جب مر گئے پیری مین - ہوا قد سیدھا کل آ کے نکالے ہین قضا نے سارے

یارون سے تمنائے ملاقات گئی وہ ہم نہ رہے غریب وہ بات گئی
یہ کہہ کے جوانی ہوئی رخصت ہم سے نیند آئی ہے سونیکے پچھلی رات گئی

وہ ولولۂ بادہ پرستی نہ رہا کچھ دیر بھی مخمانۂ ہستی نہ رہا
اک شعبدہ تھا جام کی گردش ساقی جب بند ہوئی آنکھ تو کچھ بھی نہ رہا

غفلت مین کٹی ہائے مری عمر طویل تھا ہوش مین آنا مرا جانکی دلیل
چالیس برس کے سن مین آئی یہ عقل ہشیار ہو غافل کہ بجا کوس رحیل

ایام جوانی ہوئے رخصت بہمات پیری آتے ہی کھل گیا راز وفات
اعضا کی یہ جھریان خبر دیتی ہین خط کھینچ دئے ہین سب نے فرد حیات

قابل نہین زینت کے ترا خانۂ تن کر قفل مکان ڈھونڈھ نیا اب مسکن
یہ عشرۂ انعام سے پیری مین کھلا گرنے ہی کو ہے خاک پر اب قصر بدن

اک رنگ پہ رہتا ہے کہان چرخ کہن ہے زیر زمین بھی تو یہی رنج و محن
خالی ہے دورنگی سے بھلا کون مقام ہے شام لحد مین بھی عیان صبح کفن

غریب

غزل

(از افکار تازہ پنڈت بشن نرائن صاحب در)

سر سے شاہون کے ہو گوا افسر شاہانہ جدا دل سے مردون کے ہو ہمت مردانہ جدا
گل کے قدمون سے ہیان سبزہ لگا رہتا ہے آشنا سے نہین اس باغ مین بیگانہ جدا
جلنا آپ اور ہے اور دنکا جلانا کچھ اور گرمئ شمع جدا سوزش پروانہ جدا
آپ بھر جاتا ہے وہ کوئی بھرے یا نہ بھرے سارے پیمانون سے ہے عمر کا پیمانہ جدا
پھنسکے دنیا مین نہ کھایا کبھی دنیا کا فریب دام سے میرے فریبے کا رہا دانہ جدا
ہم سے سب پھر گئے اب کوئی ہمارا نہ رہا آشنا ہم سے الگ بگڑا ہے بیگانہ جدا
کیسی میخانے مین یہ تفرقہ پردازی ہے خم سے شیشہ ہے جدا شیشے سے پیمانہ جدا
دل مین جو ہے وہ کب آنکھون کو نظر آتا ہے جلوہ طور سے ہے جلوہ جانانہ جدا
کسکے شوخی و شرارت کا کرشمہ ہے یارب شمع جلتی ہے الگ بزم مین پروانہ جدا

قطعہ

(تاریخ وفات مولانا اشہری مغفور)

سید امجد علی خجستہ صفات بود در نظم و نثر کامل فن
اشہری بود نام اور در نظم شہرہ در علم و فضل و خلق حسن
داشت در قصبہ پھپھوند قیام مایۂ ناز اہل ملک و وطن
بجد ہم از جمادی الاولیٰ رفت شنبہ و شام گہ ز دار محن
گفت سال وفات او کاظم
اشہری بود جان اہل سخن
۱۳۲۸ھ

مولوی کاظم حسین صاحب رئیس پھپھوند

ایڈیٹوریل

(مخزن کا شکریہ)

اپریل سنہ حال کے مخزن میں جو اسی مہینے میں شائع ہوا ہے ہمارے دیرینہ عنایت فرما شیخ عبدالقادر صاحب بی۔ اے بار ایٹ لا نے ناچیز ادیب کا پرسش تحریر تقسیم فرمایا ہے۔ ادیب کی اشاعت سے پہلے ہمیں سکالران بھی وہ تھا کہ بلند پایہ معاصرین ہماری ناچیز کوششوں کی اس فراخدلی سے داد دینگے۔ مگر ادیب کا پہلا نمبر نکلتے ہی معلوم ہوگیا کہ ملک میں انصاف پسندی کا معیار پیشتر کی بہ نسبت اب بہت اونچا ہوگیا ہے۔ چنانچہ بعض مقتدر اخبارات نے اسکے پہلے ہی پرچے پر اچھا بیسا خیتہ رائے ظاہر کردی بعض نے اسکے آیندہ نمبر کا انتظار کیا اور اسکی رفتار کو اطمینانی حالت میں دیکھکر اپنا فرض ادا کرنے میں زیادہ دیر نہیں کی تیسری سے اب تک اسکے ریویو کا سلسلہ برابر جاری ہے اور اہل ذوق وارباب نظر ان کوششوں سے ایک حوصلہ افزا دلچسپی لے رہے ہیں۔

شیخ صاحب ہمارے بہت پرانے کرمفرما ہیں اور وہ ادیب کے علاوہ ہماری ادبی کوششوں کو خدنگ نظر کے صفحوں پر بھی دیکھ چکے ہیں۔ چنانچہ ممدوح نے ادیب پر ریویو کرتے ہوئے مرحوم خدنگ کو بھی یاد فرمایا ہے اور اسے "ایک پر لطف گلدستہ" کا خطاب دیا ہے۔ درحقیقت وہ ایک گلدستہ تھا لیکن عام گلدستوں کی طرح اسمیں محض متطرح غزلیات ہی نہیں ہوتی تھیں بلکہ اسکے پہلے ہی نمبر میں جو ستمبر ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا تھا ایک قصیدہ۔ چند قطعات اور ایک نثر مضمون بھی شامل تھا۔ عرصہ تک اس قسم کی ناکام کوششوں کے بعد جنوری ۱۹۱۰ء سے اسکے ساتھ نثر مضامین کا مستقل سلسلہ شروع ہوگیا تھا جنمیں پیشتر مضمون ملک کے مشہر جادو نگار مولوی محمد عبدالکلیم صاحب شرر کے قلم سے لئے جاتے تھے نیز بعض نیچرل مذاق کی نظمیں بھی جنکا زیادہ حصہ ہمارے نامور دوست منشی نادر علیصاحب نادر کے زور تخیل کا نتیجہ ہوتا تھا۔

اسکے سوا برس بعد اپریل ۱۹۱۲ء میں لاہور سے مخزن شائع ہوا اور جو کمی خدنگ نظر میں باقی رہگئی تھی وہ شیخ صاحب کی نکتہ رس نگاہ اور اعلیٰ ذہانت نے پوری کردی۔ خدنگ نظر نے اپنی زندگی میں اردو رسالوں کو دو مفید تحفے دئے تھے۔ ایک عمدہ لکھائی چھپائی۔ دوسرا نثر و نظم کا مستقل الحاق جو اس سے پیشتر مفقود تھے۔ مخزن نے ان چیزوں کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر پیش کیا اور اسطح ادبی دنیا کی ترقی شروع ہوئی۔ اسکے بعد بہت سے رسالے نکلے مگر وہ مخزن کی کوشش پر کوئی اضافہ نہ کرسکے۔ اس صورت میں شیخ صاحب کا یہ فرمانا بہت صحیح ہے "لیکن ایک شکایت کی سب سے رہا اور وہ یہ تھی کہ کسی نے کوئی نئی بات ایسی نہ نکالی جس سے ملک کو ایسا فائدہ پہونچتا جو پہلے نہیں پہونچ رہا تھا" ادیب کی اشاعت میں یہی بات ملحوظ رکھی گئی ہے۔ یہ دو نئے مقصد لیکر نکلا ہے۔ اول مصوری کو علم ادب کی عروسی شاخ بنانا۔ دوم ایسا لٹریچر تیار کرنا جو مرد و عورت دونوں کے لیے مفید ہو۔ غالباً ان مقاصد میں کسی کی طرف بھی پیشتر توجہ نہیں کیگئی۔

ہمارے طباع دوست نے ادیب کے نام کی فرسودگی پر بھی توجہ فرمائی ہے اور اسے حیدرآباد کے مرحوم ادیب کے عمل تناسخ کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ تعجب ہے کہ وہ ایک پرانے اور مشہور ادیب کو بھول گئے جو سید اکبر علیصاحب کی ایڈیٹری میں غالباً فیروزآباد سے شائع ہوا تھا خوش قسمتی سے اسوقت خدنگ نظر نکلتا تھا اور سید صاحب نے اسکے تبادلہ میں ہمیں بھی اپنے قابل تعریف پرچے سے سرفراز فرمایا تھا۔ اسکی زندگی بہت تھوڑی ہوئی مگر بارہ تیرہ سال کا عرصہ منقضی ہوجانے پر بھی اہل نظر ابتک اسے نہیں بھولے ہیں۔ اسطرح ہمارے ادیب پر تناسخ در تناسخ کا سلسلہ ماننا آتا ہے جو دنیا کے ہر نام اور ہر چیز میں موجود ہے۔

مجھے اسکے قبول کرنے میں عذر نہیں کہ "ادیب شجر مخزن کا ایک خوشرنگ پھل ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہونگا کہ مخزن قبل الذکر پرچوں کی ایک بار گو رسمی شرح تھا۔ دنیا میں پراغ سے چراغ جلتا آیا ہے۔ جسطرح مخزن نے اپنے پیشرو دن کی کمی کو پورا کیا ہے اسیطرح ادیب اپنے ہمعصرون کی کمی کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اور جو کمی محسوس ہوگی اسکو دوسرے ذہین و طباع لوگ پورا کرینگے۔ اسطرح اصلاح کا سلسلہ جاری رہیگا جو دنیائے ادب کے لئے ازبس مفید ہے۔

آخر میں شیخ صاحب نے نامہ نگاران ادیب کی نسبت فرمایا ہے کہ "اکثر اربابِ سخن جنکے کلام نظم و نثر سے یہ پرچہ (ادیب بابت جنوری) مزین ہے ہمارے اور جملہ ناظرین مخزن کے دیرینہ احباب مین سے ہین۔ اور ایک آدھ نام کے سوا شاید یا یا تو کوئی بھی نہین جس سے ہمارے ناظرین آشنا نہوں"۔ مجھے اس بیان کی تصدیق مین شُبہ ہے۔ جنوری کے ادیب مین سترہ مضمون نگاروں کے مضامین شائع ہوئے ہین۔ انمین سے پہولال صاحب بی۔ اے۔ بنشی شیو برت لال صاحب ایم۔ اے۔ پنڈت برج نرائن صاحب چکبست بی۔ اے۔ پنڈت منوہر لال صاحب زتشی۔ ایم۔ اے۔ ان چاروں حضرات کو مین نے اُفقِ مخزن پر کبھی جلوہ گر ہوتے نہین دیکھا ہے۔ باقی حضرات مین نصف سے زائد ایسے ہین جنکے فیضانِ قلم سے خزینہ کے صفحے عرصے تک سیراب ہوتے رہے ہین اور ایسا تو یقیناً کوئی نہین ہے جس سے ہمین ادیب کی اشاعت سے پیشتر واقفی تعارف یا نیازمندی کا فخر نہ حاصل ہو۔

نئے اہلِ قلم کو ڈھونڈھ نکالنا نہایت آسان ہے لیکن ادیب کے دروازے اُس آزادی کے ساتھ کھول دینے کی شاید آخر تک جرات نہین کیجائیگی جو اصول فن اور قیودِ زبان کی روک ٹوک سے مبرّا ہو۔ البتہ ملک کے قابل اور واقف کار اہلِ قلم کی جستجو ایک حد تک جاری ہے اور ادیب کے دوسرے ہی نمبر مین سب سے پہلے ایک نیا نام نظر آتا ہے۔ تاہم ادبی معاملات مین الہ آباد لاہور کا مقابلہ نہین کرسکتا جو اہلِ قلم کا دنگل ہے اور جہان سے مخزن نئے جادو نگارون کی اتنی بڑی فوج لیکر نکلا تھا کہ دم زدن مین ساری ادبی دُنیا فتح کرلی۔

(تصریح تصاویر)

اس نمبر کی رنگین تصاویر کے ساتھ ہم اپنے نئے شاہنشاہ اور ملکہ معظمہ کا خیر مقدم کرتے ہین۔ خداوند کریم اس سایۂ مبارک کو ہمارے سروں پر صدہا سال تک قائم رکھے۔

مادر مہربان حضور ملکہ الگزنڈرا کی شبیہ مبارک اُس وفا دارانہ ہمدردی

اظہار مین شائع کیجاتی ہے جسکی وہ عام طور پر مستحق ہین۔ دُنیا کی نیرنگی کا یہ ایک ادنیٰ کرشمہ ہے کہ جس بے پایان خوشی و مسرت کے ساتھ وہ ۷ رمارچ ۱۹۶۲ء کو بحالت عروسی اوّل اوّل سرزمین انگلستان پر وارد ہوئی تھین وہ ۲۰ مئی ۱۹۱۰ء کو ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی۔ یونتو شہنشاہ مرحوم کی وفات کا ساری دُنیا کو رنج ہے لیکن جو حقیقی اور ناقابل التلافی صدمہ حضور ممدوحہ کے قلبِ نازک کو برداشت کرنا پڑا ہے اُسکی تفریح ناممکن ہے۔

رکمانگد اور موہنی کی تصویر مہابھارت کے واقعہ سے تعلق رکھتی ہے۔ رکمانگد ایک زبردست راجہ تھا۔ اُسنے دوسری شادی موہنی کے ساتھ کی تھی اور حسب دستورِ قدیم اُسے ایک یران مانگنے کا استحقاق دیا تھا۔ ایک روز اسنے راجہ کے مذہبی استقلال کی آزمائش چاہی۔ اُس روز اکادشی تھی اور راجہ برت یعنی روزے سے تھا۔ رانی نے کہا کہ یا تم اپنا برت توڑ ڈالو یا اپنے نوعمر لڑکے کو (جو دوسری رانی کے بطن سے تھا) قتل کرو۔ راجہ نے لڑکے کی ہلاکت کو مذہبی فرض پر ترجیح دی اور اُسکے قتل پر آمادہ ہوگیا۔ لڑکا بھی نہایت خوشی سے مرنے پر تیار ہوگیا اور قربان گاہ مین آکے بیخوف کھڑا ہوگیا۔ راجہ نے تلوار کھینچی اور لڑکے کی جان کو یہ دیکھکر غش آگیا۔ آخر مین اُسوقت جب باپ کی برقِ شمشیر اکلوتے بیٹے کے خرمنِ ہستی کو فنا کرنے کیلئے چمکی معاً قدرت نے اپنا جلوہ دکھایا اور وشن بھگوان نے ظاہر ہوکر راجا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سطح راجاکے مذہبی استقلال نے تاریخ کے صفحون مین اپنی یادگار چھوڑی

شہنشاہ مرحوم کا تابوت ایک نہایت افسوسناک نظارہ ہے۔ ۱۷ مئی سنہ حال کو آپکا جنازہ تفرنگھم سے ویسٹ منسٹر ہال مین لایا گیا اور عام زیارت کی اجازت دیگئی۔ چالیس آدمی ۱۷ سے ۲۰ ماہ مذکور تک شہنشاہ کے آخری دیدار سے مستفیض ہوئے۔ ۲۰ مئی کو آپکا جسم مطہر ونڈسر مین سپردِ خاک کیا گیا اور ہمیشہ کے لئے اہل عالم کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عالم ہمہ افسانۂ ما دار دوما ہیچ

رسالۂ خاتون علیگڈھ ایسا۔ اُردو زبان میں بہت سے رسالے نکل رہے ہیں لیکن ان سب رسالوں میں سے بہت کم ایسے ہیں جو مفید ہوں اور کام کے ہوں۔ کوئی رسالہ نکالنے یا نکالنے سے لازم ہے کہ کسی خاص مقصد اور غرض یا کسی ضرورت کا پورا کرنے والا ہو۔ لیکن ہمارے ملک میں بہت سے رسالے محض اس غرض سے نکل رہے ہیں کہ اڈیٹر صاحب کے پاس اور کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جنکے پاس اپنے ضروری کام سے کچھ وقت بچتا ہے اسمیں وہ کوئی رسالہ نکال بیٹھتے ہیں کہ شغل بیکاری ہی سہی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر رسالے وقت پر نہیں نکلتے۔ ایک ایک دو دو مہینے لیٹ ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی کچھ مدت کے لئے بند ہو جاتے ہیں اور پھر نکل آتے ہیں۔ حالانکہ ایک بڑے اخبار نویس کی یہ رائے ہے کہ اگر رسالہ یا اخبار وقت پر نہ نکل سکے تو اُسکا بند کر دینا بہتر ہے۔

اُردو زبان کے رسالوں کی ابتدا کبھی ہوئی ہو لیکن اسکی گرم بازاری رسالۂ مخزن کی بدولت ہوئی۔ اسنے ملک میں اُردو کا مذاق پیدا کیا تعلیم یافتہ فرقے کو اس سے دلچسپی پیدا کرائی۔ اسکی کوشش ملک کے ہر حصے میں تسکور ہوئی اور قبولیت کی نظر سے دیکھی گئی اسکی دیکھا دیکھی اُردو زبان کے رسالے شرقاً غرباً کیطرح نکلنے شروع ہوئے مگر اس سے نوقیت لیجانا کیا معنی اسکی تقلید بھی چند رسالوں کے سوا اور کسی سے نہ ہو سکی لیکن مخزن نے جو کام شروع کیا تھا اب اسکو ایک مدت گذر گئی ملک کا مذاق اس حد سے بہت زیادہ ترقی کر گیا۔

اب ایک نئے رسالہ کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو اس ترقی یافتہ جماعت کی پیاس بجھائے۔ اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے جنوری ۱۹۱۰ء سے الٰہ آباد سے رسالہ ادیب ماہوار اُردو زبان میں نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسکے اڈیٹر منشی لوبت رائے صاحب نظر لکھنوی ہیں جو اپنے مقبول عام مضامین کیوجہ سے اُردو دان اصحاب میں مشہور و معروف ہیں اور کسی خاص تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔

اس رسالہ کا پہلا نمبر ہمارے پاس بغرض ریویو آیا ہے بڑی تقطیع پر ۵۰ صفحے کا رسالہ ہے۔ کاغذ نہایت عمدہ لگایا گیا ہے۔ چھپائی لکھائی اور سب سے ضروری چیز تصحیح کا یہ رسالہ بہترین نمونہ ہے۔

اسکے ساتھ ہی اسمیں کچھ تصویریں بھی شامل کی گئی ہیں جنمیں سے ایک رنگین ہے جس سے رسالہ کی وقعت دوبالا ہو جاتی ہے۔ ہندوستانی خیال کے ہاتھ میں جسقدر پریس ہیں انمیں انڈین پریس الٰہ آباد عمدہ تصویروں کے چھاپنے میں خصوصیت رکھتا ہے۔ یہ رسالہ انڈین پریس ہی سے نکلتا ہے اور اسمیں تصویریں چھاپی گئی ہیں۔

ان سب خوبیوں کے ساتھ اس رسالہ کی سالانہ قیمت چار روپیہ رکھی گئی ہے جسکے کھانا سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ سستا ہندوستان میں کوئی دوسرا رسالہ اُردو زبان کا نہیں ہے۔

اس رسالہ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ ایک ایسا ادب کا چمن تیار کرنا چاہتا ہے جو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں مفید ہو اور وعدہ کیا گیا ہے کہ اس رسالہ میں جو مضامین چھاپے جائینگے انمیں یہ احتیاط کیجائیگی اور اس بات کا نہایت خیال رکھا جائیگا کہ وہ عورتوں کے لئے بھی مفید اور خوشگوار ہوں۔

ہم اس خصوصیت سے نہایت ہی خوش ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ آج ہندوستان کی حقیقی ترقی کا زمانہ آن پہونچا ہے۔ کیونکہ ملک کے علمی رسالوں میں عورتوں کا خیال رکھا جانے لگا اور وہ فرقہ جو کہ علم سے ابتک بہت دور پڑا تھا اب اُسکو بھی ان علمی محفلوں میں شریک ہونے کی دعوت دیجانے لگی اور یہی ملکی اور قومی ترقی کی نیک فال ہے۔ خاتون کے اس نمبر میں مستورات ہند کی حالت کے عنوان سے جو مضمون درج کیا گیا ہے۔ وہ اسی رسالہ سے منقول ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس ناگوار کمی کو جو اُردو رسالوں میں

تک ہے کہ وہ تصویرین ہمیں شائع کرنا جو علم ادب کی ایک نہایت ضروری شاخ ہے، پورا کریگا اور زیادہ تر ملکی مضامین کے قلم کے نکلے ہوئے پیش کریگا یا الیکس اور مذہبی جھگڑوں سے بالکل الگ تھلگ رہیگا جس سے امید ہے کہ اس رسالہ کو مقبولیت عام حاصل ہوسکے گی ہم اپنے اس نئے ہمسفر کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو۔

رسالہ الگ از لکھنؤ۔ ادیب۔ اس سال کے یکمات میں ماہوار رسالہ ادیب ہے جو نہایت ہی آب و تاب کے ساتھ انڈین پریس الٰہ آباد سے ہمارے دوست منشی نوبت رائے صاحب نظر یادیٹر ینگ نظر کے اہتمام سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ یہ رسالہ مختلف حیثیتوں سے اُردو کے تمام رسالوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ حضرت نظر کو اعلیٰ ذوق لٹریچر کے ساتھ چھپائی اور مصوری کے فنون میں بہت کچھ دخل ہے چنانچہ اس رسالہ کی چھپائی کاغذ اور سب چیزیں اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ مگر ہنر ہو کہ ہمارے دوست کاتب کو بدلدیں۔ اردو کے مشہور انشاپردازوں کو اس رسالہ کی طرف ابھی پوری توجہ نہیں ہوئی ہے تاہم جس قدر مضامین اب تک ہیں ہم محنت و کاوش سے لکھے گئے ہیں۔ ادیب کی خاص فوقیت اس کی تصویروں کے انتخاب سے ہے اور ہمیں یقین ہے کہ کوئی رسالہ اردو کی مطبوعہ اسی یا زیادہ تعداد میں ادیب اور انڈین پریس کا مقابلہ نہ کرسکے گا۔ جنہوں نے ابھی تک انڈین پریس کو نہیں دیکھا ہمیں ہر کام اعلیٰ پایہ پر ہوتا ہے۔ خصوصاً تصویروں کے چھاپنے کا انتظام تو شاید ہندوستان کے کسی پریس میں ویسا نہ ہوگا جیسا کہ انڈین پریس میں موجود ہے۔ اب تک ادیب کے تین نمبر شائع ہوچکے ہیں جن میں ہر ایک دوسرے سے زیادہ دلفریب و دلکش ہے۔ پہلے اور دوسرے نمبروں میں چھ چھ تصویریں تھیں۔ تیسرے نمبر میں نو تصویریں شائع ہوئیں اور ہمیں امید ہے کہ چوتھے نمبر میں اس سے بھی زیادہ ہونگی۔ ادیب کا چلانا بھی عام رسالوں سے جدا اور خاص وضع کا ہے جو طول میں ۲۰×۳۶ سے برابر اور عرض میں بہت زیادہ ہے اور ان سب خوبیوں کیساتھ رسالہ کی قیمت صرف ۱۱ (چار روپیہ) ہے اور فی پرچہ پورا اردو زبان کے شائقین کو خرید خریدنا چاہیے کیونکہ انگریزی کے سوا اُردو میں کوئی رسالہ اس آب و تاب اور اس شان کا آج تک نہیں شائع ہوا تھا۔

OSMANIA UNIV. LIBRARY

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر اور ہر قصبہ اور ہر گانوں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ یہ بہت مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تشریح نہیں تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی کی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو انکی ذاتی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو انہیں خاطر خواہ فائدہ پہونچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر محمڈن لڑکیوں کیلئے ایک ایسا نصاب بورڈ کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہٰذا کی تعلیمی کمیٹی نے منظور کرکے نہ صرف پسند کیا بلکہ تمام مدرسوں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاری کردیا ہے۔ ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایڈیٹر صاحب ادیب کی اعلیٰ و نظر ثانی سے زینت ہیں۔ جس اخلاقی و تعلیمی آئیڈیا کو مدنظر رکھ کر ان ریڈروں کی تالیف کی گئی ہے اس کا ذکر ہم ذیل کے اشتہار میں کرچکے ہیں۔ علاوہ بریں ان ریڈروں میں سیتا جی۔ ستی دمینتی۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور سنجیدہ زبان میں درج ہیں۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجہ کی ہیں جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۱۱۸ تصاویر بھی ہیں جن سے ۳۲ تصاویر اوپر کے صفحوں پر ملخص چھاپ کر شامل کی گئی ہیں۔ یہ نصاب حسب ذیل ہے۔

(۱) اُردو کا نیا قاعدہ ..... قیمت ۹ پائی (۲) اوار پلیمری ریڈر (پہلی اور دوسری جماعت کا نصاب) قیمت ۱۰

(۳) آپر پلیمری ریڈر (تیسری اور چوتھی جماعت کا نصاب) ۰ ۷ ر (۴) اوار مڈل ریڈر (پانچویں اور چھٹی جماعت کا نصاب) ۰ ۸ ر

منیجر انڈین پریس الٰہ آباد